اللہ تعالیٰ کے پیارے ننانوے ناموں کی دل نشین تشریح

شرح اسمائے حسنیٰ

جلد اوّل

★ قرآن کریم واحادیثِ نبویہ سے ہر اسم کی تفسیر وتشریح اور ائمۂ کرام کے اقوال سے مزین تعریفات
★ علمائے کرام کے دلوں کو جلا بخشنے والے نصائح و بزرگانِ دین کے ایمان افروز واقعات
★ توحید باری تعالیٰ سے محبت، شرک سے نفرت اور اس سے بچاؤ کی تدابیر
★ ہر اسمِ مبارک سے متعلق مفید فوائد ونصائح

ان شاء اللہ اس کتاب کا مطالعہ ایمان ویقین میں اضافے کا باعث اور عبادت، معاشرت اور زندگی کے دیگر معاملات میں رضائے الٰہی کے حصول کا ذریعہ ثابت ہوگا۔

تصدیر
حضرت مولانا حسن جان صاحب رحمہ اللہ
شیخ الحدیث وبانی جامعہ امداد العلوم پشاور

تقریظ
مفتی محمود اشرف عثمانی صاحب مدظلہ
استاذ الحدیث جامعہ دار العلوم کراچی

جمع وترتیب
محمد حنیف عبدالمجید عفی عنہ
فاضل جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

تقریظ
مولانا قاری مفتاح اللہ صاحب مدظلہ
استاذ الحدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ، علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی

کلماتِ تبریک
مولانا ابن الحسن عباسی صاحب مدظلہ
استاذ الحدیث جامعہ فاروقیہ کراچی

بیت العلم ٹرسٹ کراچی

اللہ تعالیٰ کے پیارے ننانوے ناموں کی دل نشین تشریح

اسمائے حسنیٰ

جلد اوّل

★ قرآن کریم واحادیث نبویہ سے ہر اسم کی تفسیر و تشریح اور ائمہ کرام کے اقوال سے حسین تعریفات
★ علمائے کرام کے دلوں کو جلا بخشنے والے نصائح و بزرگان دین کے ایمان افروز واقعات
★ توحید باری تعالیٰ سے محبت، شرک سے نفرت اور اس سے بچاؤ کی تدابیر
★ ہر اسم مبارک سے متعلق مفید فوائد و نصائح

ان شاء اللہ اس کتاب کا مطالعہ ایمان ویقین میں اضافے کا باعث اور عبادات، معاشرت اور زندگی کے دیگر معاملات میں رضائے الٰہی کے حصول کا ذریعہ ثابت ہوگا۔

تصدیر
حضرت مولانا حسن جان صاحب مدظلہم
شیخ الحدیث جامعہ امداد العلوم پشاور

کلماتِ تبریک
مولانا ابن الحسن عباسی صاحب مدظلہ
استاذ الحدیث جامعہ فاروقیہ کراچی

جمع وترتیب
محمد حنیف عبدالمجید
فاضل جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

تقریظ
حضرت مولانا قاری مفتاح اللہ صاحب مدظلہ العالی
استاذ الحدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی

تقریظ
مفتی محمود اشرف عثمانی صاحب مدظلہ
استاذ الحدیث جامعہ دارالعلوم کراچی

بیت العلم ٹرسٹ

دوکان نمبر 1، قدامنزل، گوالی لین نمبر 3، نزد مقدس مسجد،
اردو بازار، کراچی۔ فون: 32726509

بشکریہ: بیت العلم

اردو بازار، کراچی۔

کتاب کا نام:............... شرح اسمائے حسنیٰ (جلد اول)

تاریخ اشاعت:............. رجب ۱۴۳۳ھ بمطابق جون ۲۰۱۲ء

اسٹاکسٹ

مکتبہ بیت العلم

فدا منزل نزد مقدس مسجد، اردو بازار، کراچی۔

فون:32726509-21-92+ موبائل:2583199-322-92+

ویب سائٹ:www.mbi.com.pk

ملنے کے دیگر پتے

☆ مکتبہ بیت العلم، اردو بازار لاہور۔	فون: 37112356-42-92+
☆ مکتبہ سید احمد شہید، اردو بازار لاہور۔	فون: 37228196-42-92+
☆ مکتبہ امدادیہ، ٹی۔ بی روڈ، ملتان۔	فون: 4544965-61-92+
☆ کتب خانہ رشیدیہ، راجہ بازار، مدینہ کلاتھ مارکیٹ، راولپنڈی۔	فون: 5771798-51-92+
☆ مکتبہ رشیدیہ، سرکی روڈ، کوئٹہ۔	فون: 662263-81-92+
☆ کتاب مرکز، فیریئر روڈ، سکھر۔	فون: 5625850-71-92+
☆ بیت القرآن، نزد ڈاکٹر ہارون والی گلی، چھوٹی گھٹی، حیدرآباد۔	فون: 3640875-22-92+

نوٹ: یہ کتاب اب آپ ادارۃ السعید سے بذریعہ VP بھی منگوا سکتے ہیں۔

برائے سیلز و مارکیٹنگ:32726508-21-92+,2645540-312-92+,3647578-312-92+

لاہور:4472693-315-92+,4361131-321-92+

شرحِ اسمائے حُسنیٰ (جلدِ اوّل)

الأَسْمَاءُ الْحُسْنٰى

بِمَوْقِفِ ذُلِّيْ دُوْنَ عِزَّتِكَ الْعُظْمٰى بِمَخْفِيِّ سِرٍّ لَا أُحِيْطُ بِهٖ عِلْمًا

تیری عظیم ذات کے سامنے عجز وانکساری کے اظہار کے ذریعہ ان مخفی رازوں کے صدقے جہاں تک میرے علم کی رسائی نہیں

بِإِطْرَاقِ رَأْسِيْ، بِاعْتِرَافِيْ بِذِلَّتِيْ بِمَدِّ يَدِيْ، أَسْتَمْطِرُ الْجُوْدَ وَالرُّحْمٰى

اپنا سر جھکاتے ہوئے، اپنی ذلت کا اظہار کرتے ہوئے دستِ سوال پھیلا کر رحم و کرم کی التجا کرتا ہوں

بِأَسْمَائِكَ الْحُسْنٰى الَّتِيْ بَعْضُ وَصْفِهَا لِعِزَّتِهَا يَسْتَغْرِقُ النَّثْرَ وَالنَّظْمَا

آپ کے ان اسمائے حسنٰی کے وسیلے سے جس کی عظمت کے تھوڑے سے ذکر میں سارے نظم و نثر ختم ہو جائیں

بِعَهْدٍ قَدِيْمٍ مِنْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ بِمَنْ كَانَ مَكْنُوْنًا فَعُرِّفَ بِالْأَسْمَا

عہد أَلَسْتُ کے اس عہد و قدیم کے واسطے سے اس عظیم ذات سے جو مخفی تھی اور اسمائے حسنٰی سے جانی گئی

أَذِقْنَا شَرَابَ الْأُنْسِ يَامَنْ إِذَا سَقٰى مُحِبًّا شَرَابًا لَا يُضَامُ وَلَا يَظْمَا

ہمیں بھی شراب محبت پلا اے وہ عظیم ذات کہ جس کا پلایا ہوا نہ کبھی رسوا ہوتا ہے نہ پیاسا

(دیوان الامام الشافعي رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى: ٢١٩)

بِـالـلّٰـهِ يَـا نَـاظِـرًا فِـيْـهِ وَ مُـنْـتَـفِـعًـا

مِـنْـهُ سَـلِ الـلّٰـهَ تَـوْفِـيْـقًـا لِّـجَـامِـعِـهٖ

وَقُـلْ اَنِـلْـهُ اِلٰـهَ الْـعَـرْشِ مَـغْـفِـرَةً

وَاقْـبَـلْ دُعَـاهُ وَجَـنِّـبْ عَـنْ مَّـوَانِـعِـهٖ

وَخُـصَّ نَـفْـسَـكَ مِـنْ خَـيْـرٍ دَعَـوْتَ بِـهٖ

وَمَـنْ يَّـقُـوْمُ بِـمَـا يَـكْـفِـيْ لِـطَـابِـعِـهٖ

وَالْـمُـسْـلِـمِـيْـنَ جَـمِـيْـعًـا مَّـا بَـدَا قَـمَـرٌ

اَوْ كَـوْكَـبٌ مُّـسْـتَـنِـيْـرٌ مِّـنْ مَّـطَـالِـعِـهٖ

منفرد علمی اور دینی تحفہ

"شرحِ اسمائے حُسنیٰ"

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُهٗ.

◎ ہر شخص چاہتا ہے کہ وہ تحفہ میں بہترین چیز پیش کرے۔

◎ کیا آپ جانتے ہیں کہ: ایک مسلمان کے لئے دوسرے مسلمان کی طرف سے سب سے بہترین چیز کیا ہے؟

❶ یاد رکھیے! ایک مسلمان کے لئے سب سے بہترین تحفہ "دینی علوم سے واقفیت ہے" اپنے دوستوں، عزیزوں کو یہ کتاب تحفہ میں پیش کرکے ہم "تَهَادَوْا تَحَابُّوْا"[1] والی حدیث پر عمل کر سکتے ہیں جس کا معنیٰ: "تم ایک دوسرے کو ہدیہ لیا دیا کرو آپس میں محبت بڑھے گی۔"

❷ اس کتاب کا مطالعہ کرنے کے بعد اگر آپ محسوس کریں کہ یہ آپ کے گھر والوں ...... رشتہ داروں ...... دفتر کے ساتھیوں ...... کاروباری حلقے ...... اور معاشرے کے دیگر افراد بشمول اسکول، کالج اور مدارس کے طلبہ کے لئے مفید ہے تو آپ کا انہیں یہ کتاب تحفہ میں پیش کرنا آخرت میں سرمایہ کاری اور سماجی ذمہ داری کی ادائیگی کا حصہ ہوگا۔

❸ نیکی کے پھیلانے، علمِ دین اور کتابوں کی اشاعت کا ثواب حاصل کر سکتے ہیں۔

لہٰذا اس کتاب کو زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچائیں۔ محلّہ کی مسجد، لائبریری، کلینک، محلّہ کے اسکول اور مدرسہ کی لائبریری تک پہنچا کر معاشرہ کی اصلاح میں

---

[1] موطّا امام مالك، كتاب الجامع، باب ماجاء في المهاجرة: ٧٠٦، ٧٠٧

معاون ومددگار بنیے۔

④ کتاب کو تحفہ میں دے کر آپ علمی دوست بن سکتے ہیں اور دوسرے لوگوں کو بھی بنا سکتے ہیں اس لئے کہ کتاب جہاں کہیں بھی رکھی جاتی ہے وہ لوگوں کو پڑھنے کی طرف دعوت دیتی ہے اور لوگ دینی، معاشرتی، اخلاقی احکام اور ہدایات سے باخبر ہوں گے تو اِنْ شَاءَ اللّٰہُ تَعَالٰی باعمل بھی ہوں گے۔

⑤ اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے مال سے کم از کم دس کتابوں کو لے کر والدین اور اساتذہ کرام کے ایصال ثواب کے لئے وقف کر دیں، یا رشتہ داروں، دوستوں کو خوشی کے مواقع پر پیش کر کے دین اور دنیا کے فوائد اپنایئے۔

کتاب ھدیہ میں دے کر اس کا فائدہ عام کر دیں، مطالعہ کی توفیق اللہ تعالیٰ عطا فرمائیں گے۔ ہمارا یہ ھدیہ ان شاء اللہ بہترین صدقہ جاریہ ثابت ہوگا۔

درجِ ذیل سطور میں پہلے اپنا نام و پتا پھر جنہیں ہدیہ دے رہے ہیں ان کا نام و پتا لکھیں۔

ہدیہ مبارکہ

مِنْ From

....

....

إِلٰی To

....

....

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ضروری گزارش

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ

حضرات علماء کرام اور معزز قارئین کی خدمت میں نہایت ہی عاجزانہ گزارش ہے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ...... ہم نے اس کتاب میں تصحیح و تخریج کی پوری کوشش کی ہے تا کہ ہر بات مستند اور باحوالہ ہو پھر بھی اگر کہیں مضمون یا حوالہ جات میں کمی بیشی یا اغلاط وغیرہ نظر آئیں تو ازراہِ کرم ہمیں ضرور مطلع فرمائیں تا کہ آئندہ ایڈیشن میں وہ غلطی دور کی جائے۔ مزید اس کتاب کے متعلق کوئی اصلاحی تجویز ہو تو ہم نے آخر میں ''خط'' دیا ہے وہ ضرور بھیجیں۔

اس کتاب کی تصحیح اور کتابت پر اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ.......... کافی محنت ہوئی ہے اُمید ہے قدردان لوگ مسلمانوں کے لئے کی گئی اس محنت کو دیکھ کر خوش ہوں گے اور اللہ تعالیٰ سے قبولیت کی دعا کرتے رہیں گے۔

جَزَاکُمُ اللّٰہُ خَیْرًا

آپ کی قیمتی آراء کے منتظر

احباب بیت العلم ٹرسٹ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اس کتاب کا مطالعہ کس طرح کریں

❶ اگر ممکن ہو تو دو رکعت صلوٰۃ الحاجت پڑھ کر دعا مانگ کر پڑھیں کہ اے اللہ! مجھے ان اسمائے مبارکہ سے دین کی کامل معرفت عطا فرما اور، اپنی کامل محبت وعظمت میرے دل میں بٹھا دے، اور کتاب پڑھتے ہوئے آسانی اور ممکن ہو تو وضو کا اہتمام کریں ہمارے بعض اکابر و بزرگانِ دین، دین کی کوئی کتاب بغیر وضو کئے نہیں اُٹھایا کرتے تھے۔
لہٰذا ''اللہ تعالیٰ کے پیارے ناموں کی تشریح'' کا مطالعہ وضو کے اہتمام کے ساتھ شروع کریں، ان شاء اللہ باوضو مطالعہ بہت خیر کا ذریعہ بنے گا۔

❷ نیز مطالعہ کے وقت اللہ تعالیٰ کی محبت وعظمت کا استحضار کر کے مطالعہ کیا جائے، گویا اللہ تعالیٰ کے اسمائے مبارکہ کے ذریعے، میں ان کی محبت اپنے دل میں پیدا کرنا چاہتا ہوں/ چاہتی ہوں۔ دل سے اللہ تعالیٰ کے غیر کو نکالنا چاہتا ہوں/ چاہتی ہوں۔
اگر ایسا کیا گیا تو قلب وروح کو انوار و برکات اور ایمانی کیفیات کا کچھ نہ کچھ حصہ ان شاء اللّٰہ ضرور نصیب ہوگا۔

❸ اس بندہ عاجز نے بارہا اپنے اساتذہ کرام اور بزرگوں سے سنا ہے کہ ادب اور توجہ کے ساتھ جو علم حاصل کیا جائے اور سچی طلب اس میں شامل ہو تو اللہ تعالیٰ ضرور مدد فرماتے ہیں اور یہ تو سب ہی کی ضرورت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کامل معرفت ہمارے سینوں میں پیدا ہو جائے، اللہ تعالیٰ کے غیر پر ہماری نگاہ نہ رہے، اور یہ کہ رضا اور امید و خوف صرف اللہ ہی سے رہے، اس ضرورت کے لئے جتنا بھی توجہ و دھیان کے ساتھ، ہدایت حاصل کرنے کی نیت سے دعائیں مانگتے ہوئے پڑھیں گے، اتنا ہی ان شاء اللّٰہ فائدہ ہوگا۔

❹ اس کتاب کا مطالعہ خالص علمی سیر کی طرز پر ہرگز نہ کیا جائے، بل کہ محض معرفتِ الٰہی اور ایمان مضبوط، یقین کامل حاصل کرنے کی نیت سے کیا جائے۔

❺ مطالعہ کے دوران آپ کو جو مفید باتیں محسوس ہوں وہ ایک جگہ لکھتے رہیں اور اپنے گھر والوں اور دوست واحباب سے اُن کا مذاکرہ بھی فرماتے رہیں تو ان شاء اللّٰہ سب کا فائدہ ہوگا۔

فہرست مضامین

Muhammad Hassan Jan

Sheikul Hadish, Jamia Imdaadul Uloomul Islamia, Peshawar Cantt,
M.A. Islamic University of Madina Munawara
M.A.(Gold Medallist) Peshawar University
Voice President Wifaq Almadaris
Ex.Member National Assembly Pakistan
Ex. Member Council of Islamic Ideology Pakistan
Tel: Office:271497 Res:844302

محمد حسن جان

شیخ الحدیث بجامعة امداد العلوم الاسلامية بشاور صدر باکستان
(خریج الجامعة الاسلامية بالمدينة المنورة)
الماجستير من جامعة بشاور
نائب رئيس وفاق المدارس
عضو البرلمان الوطني سابقاً
عضو مجلس الفكر الاسلامي بجمهورية باکستان الاسلامية سابقاً
هاتف الجامعة:٢٧١٤٩٧ هاتف المنزل:٨٤٤٣٠٢

Ref No:
Date: ٧ / ٣ / ٢٠٠٦ء
١٠ / ٢ / ١٤٢٧ھ

تصدیر

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِي لَہُ الْأَسْمَآءُ الْحُسْنٰی وَنَحْنُ نَدْعُوْہُ بِھَا. وَصَلَاتُہٗ وَسَلَامُہٗ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ مُحَمَّدِ الْمُجْتَبٰی وَعَلٰی آلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَعَلٰی مَنِ اقْتَدٰی بِسِیْرَتِہٖ وَاھْتَدٰی:

وَبَعْدُ! فَإِنَّ ھٰذَا الْکِتَابَ الْمُسْتَطَابَ بَیْنَ یَدَیْکَ أَیُّھَا الْقَارِیُ الْکَرِیْمِ. کِتَابٌ قَیِّمٌ وَصَحِیْفَۃٌ عِلْمِیَّۃٌ نَیِّرَۃٌ، أَوْضَحَ فِیْہِ أَخُوْنَا فِي اللّٰہِ تَعَالٰی ”مُحَمَّد حَنِیْف“ -اَلْمُحْتَرَمُ حَفِظَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی- أَسْمَآءَ اللّٰہِ الْحُسْنَی الَّتِي وَرَدَتْ فِي الْکِتَابِ وَالسُّنَّۃِ وَشَرَّحَھَا مُفَصَّلاً، وَاعْتَنٰی بِکَلِمَاتِھَا وَمِیْزَاتِھَا، وَمَا وَرَدَ فِي فَضَائِلِھَا فِي کِتَابِ اللّٰہِ تَعَالٰی وَسُنَّۃِ نَبِیِّہِ الْمُطَھَّرَۃِ، وَمَا اھْتَمَّ بِہٖ سَلَفُنَا الصَّالِحُ فِي وِرْدِھَا وَذِکْرِھَا، وَفِي مَا جَعَلُوْہُ لِحَلِّ مَشَاکِلِھِمُ الدُّنْیَوِیَّۃِ وَالْأُخْرَوِیَّۃِ فِي التَّوَسُّلِ بِھَا، وَمَا بَیَّنُوْا مِنْ مَّعَالِمِ الْھِدَایَۃِ فِیْھَا لِلْأُمَّۃِ الْمَرْحُوْمَۃِ.

وَلَقَدْ أَعْجَبَنِي جِدًّا مَا مَرَحْتُ فِي أَوْرَاقِہِ الْبَرَّاقَۃِ مِنْ نَظْرِي الْفَاتِرِ فِي عُجْلَۃِ الْمُسْتَوْفِزِ. وَأَرْجُو اللّٰہَ سُبْحَانَہٗ وَ تَعَالٰی أَنْ یَّنْفَعَ بِہِ الْعُلَمَاءَ وَالنَّاشِئَۃَ مِنَ الطَّلَبَۃِ، وَعَامَّۃَ الْمُسْلِمِیْنَ مِمَّنْ طَالَعُوْہُ بِحُبِّ الْقَلْبِ وَعَزْمِ الْإِسْتِفَادَۃِ مِنْ أَضْوَائِہٖ إِنْ شَآءَ اللّٰہُ تَعَالٰی، وَأَنْ یَّجْعَلَہٗ وَسِیْلَۃً لِنَجَاۃِ الْمُؤَلِّفِ الْمُحْتَرَمِ وَ إِخْوَانِہِ الَّذِیْنَ سَاعَدُوْہُ فِي جَمْعِہٖ وَطَبْعِہٖ وَذُخْراً لِعِقَابِھِمْ یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ وَھُوَ وَلِيُّ ذٰلِکَ وَالْقَادِرُ عَلَیْہِ.

اخوکم فی اللہ
محمد حسن جان

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

کلماتِ تبریک

مولانا ابن الحسن عباسی صاحب مدظلہ العالی

استاذِ حدیث جامعہ فاروقیہ، شاہ فیصل کالونی، کراچی

حَامِدًا وَّمُصَلِّیًا

حضرت مولانا محمد حنیف صاحب مدظلہ نے بہت مختصر عرصے میں کئی مفید کتابیں مرتب فرمائی ہیں: مثالی اُستاذ، مثالی ماں، تحفۂ دلہن اور تحفۂ دولہا، ان کی مرتبہ کردہ مقبول عام کتابیں ہیں۔ اس ناکارہ نے ان کی بعض کتابوں سے استفادہ کیا ہے اور دورانِ مطالعہ محسوس ہوا کہ انہوں نے کتاب ترتیب دیتے وقت ہمارے معاشرے کی نفسیات کو بطورِ خاص پیش نظر رکھا ہے، ان کا اسلوب عام فہم، انداز انتہائی سہل لیکن سنجیدہ و پروقار، تحریر کے بین السطور میں ایک داعی و مبلغ کا درد اور اصلاح کا جذبہ نمایاں، اکابر کی تحریروں سے جگہ جگہ مفید اقتباسات، خوب صورتی اور سلیقہ مندی کے ساتھ کتاب کی طباعت اور اشاعت ان کی اور ان کے ادارے کی کتابوں کی یہ چند امتیازی خصوصیات ہیں۔

زیرِ نظر کتاب انہوں نے ''اسمائے حسنیٰ'' کے موضوع پر مرتب فرمائی ہے۔ یہ ایک معطر اور مشک بار موضوع ہے، اللہ کے ایک ایک اسم میں جو مٹھاس، حلاوت اور روحانیت ہے اس کا احساس ایک قلبِ مؤمن ہی کو ہوسکتا ہے۔

اس ناکارہ نے ان کی اس کتاب کا کچھ حصہ پڑھا، ان کے قلم کی خصوصیت اس میں بھی اس طرح جھلکتی ہے، انہوں نے اولاً ایک اسم ذکر کیا ہے، اس کے معنی لکھے ہیں، پھر اس کی سیر حاصل تشریح کی ہے اور اس اسم سے متعلق دوسری کئی مفید بحثوں کو بھی مختلف مناسبتوں سے قلم بند کیا ہے، جو کچھ لکھا اس کے حوالہ جات کا بھی اہتمام کیا ہے، مثلاً: ''اَلسَّلَامُ'' کے تحت سلام کرنے کی فضیلت، سلامتی کا مفہوم اور سلامتی کی دعائیں بھی ذکر کردی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو ان کے لئے ذخیرہ آخرت اور قارئین کے لئے مفید بنائیں۔

(مولانا) ابن الحسن عباسی (صاحب)

تقریظ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مولانا حافظ قاری مفتاح اللہ عفا اللہ عنہ
استاد حدیث و تفسیر و فقہ و اصول فقہ
جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن۔ کراچی ۵
خطیب جامع مسجد گلشن عمرؓ۔ فیڈرل بی ایریا بلاک ۲۰
کراچی۔ پاکستان

Moulana Hafiz Qari Miftahullah
USTAD HADIS, TAFSEER, FIQAH & ASOOL-E-FIQAH
Jamia-tul-Uloom-il-Islamiyyah,
Allama Banuri Town, Karachi-5.
KHATIB JAMIA MASJID GULSHAN-E-UMER
Federal 'B' Area, Block No. 20,
Karachi-Pakistan.

DATE ۰۱ - ۰۹ - ۱۴۲۶

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ

اَمَّا بَعْدُ! اللہ تعالیٰ نے اس جہاں میں مختلف لوگوں کو مختلف اعمال و اشغال کے لئے پیدا کیا ہے:

ہر کسے را بہر کارے ساختند میل اُورا در دلش انداختند[1]

خوش قسمت ہیں وہ لوگ جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی خدمت کے لئے پیدا فرمایا ہے۔ ان ہی خوش قسمت لوگوں میں سے مؤلف سلمہ اللہ تعالیٰ کا خاندان ہے۔

مولانا محمد حنیف صاحب نے کئی گراں قدر تصانیف کی ہیں، اَلْحَمْدُ لِلّٰہ "تحفۂ دلہن"، "تحفۂ دولہا"، "والدین کی قدر کیجئے"، مقبولِ عام و خاص ہیں۔ ان ہی میں سے زیرِ نظر تصنیف "اسمائے حسنیٰ" ہے۔

اللہ تعالیٰ اس کتاب کو عوام و خواص کے لئے مفید بنائے، کائنات کا ذرّہ ذرّہ اللہ تعالیٰ کی صفات اور اسماء کا مظہر ہے، اور انسان اپنی تمام ضروریات میں اللہ تعالیٰ اور اس کے اسماء کا محتاج ہے۔

اس کتاب کو پڑھنے سے ان شاء اللہ وہ تمام معلومات حاصل ہوں گی جو اسمائے مبارکہ سے متعلق ہیں۔

ایک مرتبہ پھر دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس عمل کو مقبول و نافع بنائے، آمین ثم آمین۔

مفتاح اللہ
یکم رمضان المبارک
۱۴۲۶ھ

---

[1] ترجمہ: "اللہ تعالیٰ نے ہر کام کے لئے مخصوص لوگ پیدا فرمائے ہیں، اور ان لوگوں کے دل میں اُس کام کا میلان اور شوق بھی پیدا فرمایا ہے۔"

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

تقریظ

حضرت مولانا مفتی محمود اشرف عثمانی صاحب مدظلہ العالی

استاذِ حدیث و نائب مفتی جامعہ دارالعلوم کراچی

احقر نے برادر مکرم مولانا محمد حنیف عبدالمجید صاحب زید مجدہم اور ان کے احباب کی مرتب کردہ کتاب ''اسمائے حسنیٰ'' دیکھی اور اس کے کچھ صفحات متفرق مقامات سے پڑھے تو احقر کو قلبی طور پر بہت فائدہ محسوس ہوا۔ اکابر کے علوم بہت آسان زبان میں بیان کیے گئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اسے اپنی بارگاہ میں قبولیت سے نوازیں اور اس کا نفع خوب عام فرمائیں، آمین۔

احقر محمود اشرف عفا اللہ عنہ
جامعہ دارالعلوم کراچی (۷۵۱۸۰/۱)
۵ ذوالقعدہ ۱۴۲۶ھ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مقدمہ طبعِ اوّل

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَأَصْحَابِہٖ أَجْمَعِیْنَ، اَمَّا بَعْدُ:

انسانی مزاج میں تحقیق وجستجو کا عنصر غالب ہے اور یہی عنصر اسے مختلف چیزوں کی تلاش وجستجو کی طرف راغب کرتا ہے۔ اب جس ذات باری جل جلالہ نے انسان کو پیدا فرمایا، ساتھ ہی اس کی طبائع ومزاج اور ضروریات کا لحاظ کر کے تمام نعمتیں اور سہولتیں مہیا فرمائیں، بجائے اس کے کہ کسی اور کی جستجو وتحقیق میں وقت برباد کیا جائے، وہ اس سے کہیں زیادہ حق دار ہے کہ اس کی معرفت دل میں بٹھائی جائے۔ قرآنِ حکیم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کے موافق اپنی زندگی کو ڈھالیں اور ان کے اوامر ونواہی کے مطابق حیاتِ طیبہ وصالحہ گزاریں۔

معرفتِ الٰہی کے حصول کا ذریعہ یہ اسمائے حسنٰی بھی ہیں جس میں بلاشبہ ہر ایک معرفتِ الٰہی کا دروازہ ہے۔ اب جتنا انسان ان ناموں کو پہچانے گا اور قرآنِ کریم اور احادیثِ نبویہ سے معرفت حاصل کرے گا، اتنا ہی اللہ تعالیٰ کی ذات پر اس کا یقین پختہ اور مضبوط ہوتا جائے گا۔

ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں کسی کا کام بھی اٹکا ہوا ہو تو وہ پریشان مارا مارا پھرتا ہے۔ ایسے میں کوئی کہتا ہے: ''فلاں صاحب سے میری جان پہچان ہے میں کہہ دوں گا تو تمہارا کام کر دے گا۔'' اتنی جان پہچان اللہ تعالیٰ سے پیدا ہو جائے کہ بندہ کا دھیان ہر (حاجت وضرورت کے) وقت اللہ تعالیٰ ہی کی طرف رہے۔ بندے کو شرم آئے کہ میں اس رب کریم کے علاوہ اپنی حاجت کسی اور کے پاس لے کر جاؤں......! اس کے علاوہ جس دوسرے کے پاس جاؤں گا اس کے پاس بھی اسی اللہ کا دیا ہوا ہے، کیوں نہ میں بھی اسی معطی ورزّاق اور ربُّ العٰلمین سے مانگوں، جس نے اس کو دیا ہے وہ مجھے بھی دے گا۔

اللہ ربُّ العزت کی یہ معرفت اور پہچان حاصل ہو جائے تو پھر شرک کی بنیاد ہی ختم ہو جائے گی اسی معرفتِ الٰہی کے حصول کے لئے ہر شخص کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کو اس کے اسمائے مبارکہ سے پکارے، خود ہی اللہ ربُّ العزت کا ارشاد ہے:

﴿وَلِلّٰہِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی فَادْعُوْہُ بِھَا﴾[1]

حضرت مفتی شفیع رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''اس آیت کے معنی یہ ہوئے کہ حمد وتسبیح کے لائق بھی صرف اسی کی ذات پاک ہے اور مشکلات ومصائب سے نجات اور حاجت روائی بھی صرف اسی کے قبضہ میں ہے۔ اس لئے حمد وثناء کرو تو اس کی کرو اور حاجت روائی، مشکل کشائی کے لئے پکارو تو اسی کو پکارو اور پکارنے کا طریقہ بھی یہ بتلا دیا کہ ان ہی اسمائے حسنٰی کے ساتھ پکارو جو اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت ہیں۔ اپنی تجویز سے دوسرے الفاظ نہ بدلیں (بل کہ ان اسمائے حسنٰی میں اللہ تعالیٰ کے تمام پہلوؤں کی رعایت ہے اور یہ اس کی شایانِ شان ہیں، ان ہی کے ساتھ پکارو)۔''[2]

[1] الاعراف: ۱۸۰ [2] معارف القرآن: ۱۳۰/۴، الاعراف: ۱۸۰

"عُمْدَةُ الفقه" میں حضرت مولانا زوّار حسین شاہ صاحب رَحِمَہُ اللّٰہُ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"ارباب حقائق لکھتے ہیں کہ اسمائے حسنیٰ سے بندہ کا حصہ یہ ہے کہ ان کے ساتھ تعلق اور تشبیہ حاصل کرے، تا کہ ان اسماء کی تجلیات کی بدولت اسفل سافلین کے گڑھے سے نکل کر اعلیٰ علیین کے مقام کو پہنچ جائے، چوں کہ اللہ تعالیٰ کی صفت "رَبُّ الْعٰلَمِیْن" ہے تو بندہ بھی اپنی طاقت اور استطاعت کے مطابق کمزوروں کی تربیت سے غافل نہ رہے اور وہ "اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْن" ہے تو بندہ بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے ساتھ رأفت و رحمت سے پیش آئے اور اسی طرح صفات مختصرہ کے علاوہ ہر ہر صفت کا مظہر بننے کی کوشش میں لگا رہے، تا کہ صحیح معنی میں رضائے الٰہی کا مصداق ہو۔"

اس چیز کی حقیقت دل میں بٹھانے کی غرض سے یہ ضعیف سی کوشش کی گئی ہے، جس کے لئے "اسمائے حسنیٰ" کی دونوں جلدوں میں درج ذیل ترتیب کا لحاظ رکھا گیا ہے:

1. اسمائے حسنیٰ کے لغوی و اصطلاحی معنی۔
2. قرآنِ کریم کی جن آیات میں اسمائے حسنیٰ کا ذکر ہے ان میں سے کم از کم تین آیات کا ذکر۔
3. قرآنی آیات، احادیث نبویہ اور ائمہ کرام کے اقوال کی روشنی میں اسمائے حسنیٰ کی تشریح۔
4. اسمائے حسنیٰ سے تعلق پیدا کرنے کے لئے ایمان افروز واقعات اور مواعظِ حسنہ۔
5. ہر اسم کے تحت اس اسم کی خصوصیات سے متعلق مفید اذکار اور دعائیں۔
6. ہر اسم کے آخر میں اللہ کے ساتھ تعلق بڑھانے کے لئے فوائد و نصائح۔
7. کتاب میں ذکر کی جانے والی دعاؤں اور واقعات کی دونوں جلدوں کے آخر میں مستقل فہرست۔

تاہم یہ کام پایۂ تکمیل کو اس وقت تک نہ پہنچتا جب تک اللہ تعالیٰ کی نصرت و توفیق الٰہی کے ساتھ مخلص احباب کی ایک جماعت اس کے لئے دن رات ایک نہ کر رہی ہوتی۔ خاص کر شروع کی تصحیح میں مولانا محمد فوزان اور مولانا غلام مصطفیٰ کے تعاون کا ممنون ہوں۔ ان حضرات کے بعد بھائی اختر علی صاحب (سابق استاذ جامعہ فاروقیہ) کے زیرِ نگرانی مولانا ریاض احمد صاحب، مولانا ارشد محمود صاحب اور مولانا ارشد اقبال صاحب نے اس کتاب پر مزید محنت کی، کتاب میں اضافے کئے، حوالہ جات کی از سرِ نو تخریج و تحقیق کی اور اس بات کا خاص اہتمام کیا کہ ہر بات مدلل ہو اور اس کے اصل مرجع کو ذکر کیا جائے، اور نہایت ہی عرق ریزی سے کتاب کو جدید طرز کے اسلوب میں ڈھالا، ان حضرات کا میں تہہ دل سے ممنون ہوں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں میں اپنی معرفت بٹھا دے اور اس کتاب کو ہم سب کے لئے ذخیرۂ آخرت بنا دے۔ (آمین)

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَمَنْ تَبِعَهُمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ.

آپ کی دعاؤں کا طالب:

محمد حنیف عبد المجید

۱۵ر شعبان المعظم ۱۴۲۶ھ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

مقدمہ طبع ثانی

﴿وَاَمَّا بِنِعۡمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثۡ﴾ (الضحی:۱۱)

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ! میرے لئے زیرِ نظر کتاب ''اسمائے حسنیٰ'' کا تالیف کرنا انتہائی خوشی کی بات ہے۔ ہر انسان کی کوئی آخری تمنا ہوتی ہے، میری آخری تمنا یہی تھی کہ مولائے کریم اپنے ناموں کی تشریح وتفسیر کے لئے میرے قلم اور میرے ساتھیوں کو منتخب فرمائے۔

کتنا اس پر شکر کروں اور کتنی سعادت سمجھوں اپنے لئے، اپنے خاندان، اپنے اساتذہ و والدین کے لئے کہ اُس مولائے کریم نے اپنے ناموں کا تعارف کروانے کی ہمیں سعادت بخشی۔

لَقَدۡ جُدۡتَّ اِنۡعَامًا عَلَیَّ وَمِنَّةً وَفَضۡلاً وَّاِحۡسَانًا فَهَا أَنَا شَاكِرٌ[1]

یہ نام صرف نام نہیں، بل کہ اللہ تعالیٰ کی (جو اس کائنات زمین وآسمان اور انسان کا پیدا کرنے والا اور اس کارخانۂ قدرت کا تنہا چلانے والا ہے) صفات ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان خوبیوں، قدرتوں، کمالات اور اوصاف کا مالک ہے، اس کو اپنی مخلوق سے کیسا تعلق ہے، وہ ان پر کتنا مہربان ہے،......وہ کتنا قابلِ محبت، مستحقِ اطاعت وعبادت اور تعظیم واحترام ہے، کیا چیز ہے جو اس کے پاس نہیں، اور اس کے احاطۂ قدرت میں داخل نہیں؟ کائنات میں اس سے زیادہ محبت کرنے والا...... اچھائی کی قدر کرنے والا...... رحم کرنے والا...... انصاف کرنے والا...... چھوٹی بڑی چیز کا جاننے والا......اور بڑی سی بڑی چیز اور مشکل سے مشکل کام کو نیست (عدم) سے ہست (وجود) میں لانے والا اور ناممکن کو ممکن بنا دینے والا، اس کے علاوہ کون ہے؟ پھر کیوں نہ اس سے محبت کی جائے، اس کی بڑائی کے گیت گائے جائیں، اُٹھتے بیٹھتے اس کا نام لیا جائے، ہر مشکل ہر مصیبت میں اس کو پکارا جائے اس کی دہائی دی جائے، اس کے سہارے جیا جائے، زندگی بھر اس کا دم بھرا جائے اور اس کے منشاء پر چلا جائے، اپنی جان اپنے ماں باپ اور اولاد اور پیاری سے پیاری چیز سے زیادہ اس سے محبت کی جائے، پھر اس سب کے ہوتے ہوئے اس کے سوا کسی کی بندگی کرنے، کسی سے دعا والتجا کرنے اور کسی کو کارساز ومشکل کشاء سمجھنے کا کیا جواز ہے۔ تمام آسمانی صحیفوں اور مذہبوں اور تمام شریعتوں نے بھی سب سے پہلے اور سب سے زیادہ زور اللہ تعالیٰ کی صفات پر دیا ہے، اس کے بعد عبادات، طاعات، اور فرائض ومعاملات کی تفصیل بیان کی ہے۔

---

[1] ترجمہ: ''بلا شک وشبہ آپ نے مجھ پر انعامات اور احسانات کی بارش کردی ہے، لیجئے میں آپ کے عظیم وعالی دربار میں شکر کرنے آپہنچا۔''

سارے مسلمانوں کے لئے عموماً اور اُردو زبان جاننے والوں کے لئے خصوصاً یہ انتہائی سعادت اور خوشی کی بات ہے کہ اس زبان کے اندر اگرچہ یہ انوکھا البیلا تو نہیں، البتہ ہمارے علم کے موافق اس طرح کا یہ پہلا کام ہے جو محض بتوفیقِ الٰہی ہم سے لیا گیا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ! عربی زبان میں اس پر بے شمار کتب تیار ہو چکی ہیں کہ اسمائے حسنٰی سے جو اصل مقصد ہے، اللہ تعالیٰ کی معرفت، توحید، اللہ تعالیٰ کی محبت، وہ انسانوں کو بتلایا جائے۔ اس لحاظ سے اس طرح کا کام اُردو زبان میں کم ہوا تھا۔ بِحَمْدِ اللّٰہِ تَعَالٰی اب یہ کام مکمل ہو کر آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اس ایڈیشن میں بندہ اپنے معاونین مولوی اختر علی صاحب (سابق استاذ جامعہ فاروقیہ کراچی) اور مولوی خلیل الرحمٰن صاحب (فاضل جامعہ بنوری ٹاؤن کراچی) کا نہایت ممنون ہے جنہوں نے پروف ریڈنگ، علامات ترقیم اور تصحیح وتخریج میں کافی تعاون فرمایا، اللہ تعالیٰ ان حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

اس کی قبولیت اور بندہ اور بندہ کے معاونین حضرات کے لئے صدقۂ جاریہ اور نجات کا ذریعہ بننے کے لئے آپ حضرات سے دعا کی درخواست ہے اور گزارش ہے کہ اس کتاب کو اپنے رشتہ داروں، دوست احباب اور تعلق والوں میں خوب عام کریں، تاکہ دوسرے مسلمانوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کے پیارے ناموں کی معرفت اور اللہ ربّ العزت سے محبت پیدا کرنے میں آپ کا بھی حصہ شامل ہو جائے، کیوں کہ انسانی معاشرے میں اگر ''اسمائے حسنٰی'' سے حاصل ہونے والے اخلاق وصفات آجائیں تو ہر کنبہ اور معاشرہ جنت کدہ بن سکتا ہے، ہر زمانے اور خاص طور پر مادیت کے اس دور میں ہزارہا انسانی مسائل کا حل اسمائے حسنٰی میں مضمر ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے اسماء مبارکہ کے فیوض وبرکات، انوار واسرار اور اخلاق وآثار نصیب فرمائے، آمین۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ.

آپ کی دعاؤں کا طالب

محمد حنیف عبد المجید

۱۵ / شعبان المعظم ۱۴۲۷ھ

اَللّٰہُ جَلَّ جَلَالُہٗ

لفظ ''اَللّٰہُ'' اسمِ ذات ہے جس کے معنی ہیں ''وہ ذات جو تمام کمالات کی جامع اور تمام نقائص سے پاک ہے۔''

اللہ، اللہ، اللہ، کیا ہی شیریں کلمہ، کیا ہی عمدہ نام ہے اور جس ذات کا یہ نام ہے اس کی بڑائی کا بھی کیا کہنا، بولنے میں یہ کلمہ شیریں، کانوں میں رس گھولنے والا، دل کو محبوب، دھڑکن سے ملا ہوا، موجودات میں پنہاں، دلوں میں منقوش، ضمیر میں جاگزیں اور خون میں رچا بسا ہوا ہے۔

اسی اللہ تعالیٰ کے نام سے ہم ابتداء کرتے ہیں، اسی پر بھروسہ کرتے ہیں، اسی کی پناہ طلب کرتے ہیں، اسی کی عظمت کی ہم دُہائی دیتے ہیں، اسی کی بڑائی سے ہم ایمان کی مضبوطی حاصل کرتے ہیں، اسی کی صفات کو ہم محبت سے بیان کرتے ہیں، اور اس کے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ہم درود بھیجتے ہیں۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی وہ ذات ہے جس نے ہمیں اللہ تعالیٰ کی طرف بلایا اور اللہ تعالیٰ کی معرفت سے ہمیں سرفراز کیا، اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کی راہ دکھلائی اور ہمیں سکھلایا کہ کیسے اللہ تعالیٰ کی تعریف بیان کریں، لہٰذا اُن ہی کا ارشاد ہے کہ ''تمہارا ربّ ثنا کو پسند کرتا ہے۔''

انسان کی پیدائش، اس کی قوتِ گویائی اور اس کا علم، اللہ تعالیٰ کی تعریف بیان کرنے، اس کی بزرگی بیان کرنے، اس کی تسبیح اور اس کا ذکر کرنے ہی کے لئے تو ہے۔

اس سے زیادہ مستحقِ تعریف کون ہوسکتا ہے، اس سے بڑھ کر قابلِ مدح کون ہوسکتا ہے؟

اور اس سے بڑھ کر لائقِ بزرگی کون ہوسکتا ہے؟ (ہرگز ہرگز کوئی بھی نہیں ہوسکتا)۔ [1]

---

[1] اَللّٰهُ، اللّٰهُ، اللّٰهُ، مَا أَعْذَبَ الْكَلِمَةَ، اَللّٰهُ مَا أَحْسَنَ الإِسْمَ، مَاأَجَلَّ الْمُسَمّٰى، كَلِمَةٌ حُلْوَةٌ فِي النُّطْقِ، عَذْبَةٌ فِي السَّمْعِ، حَبِيْبَةٌ إِلَى الْقَلْبِ، قَرِيْبَةٌ مِّنَ النَّفْسِ، سَاكِنَةٌ فِي الْوُجْدَانِ، مَنْقُوْشَةٌ فِي الْفُؤَادِ، مَحْفُوْرَةٌ فِي الضَّمِيْرِ، مُمْتَزِجَةٌ بِالدِّمَاءِ، بِاسْمِهٖ نَبْدَأُ وَعَلَيْهِ نَتَوَكَّلُ، وَ إِلَيْهِ نَلْجَأُ، وَبِعَظَمَتِهٖ نَشْدُوْ، وَبِجَلَالِهٖ نَشِيْدُ، وَبِصِفَاتِهٖ نَتَرَنَّمُ، وَعَلٰى نَبِيِّهٖ نُصَلِّيْ وَ نُسَلِّمُ. فَهُوَ الَّذِيْ دَعَانَا إِلَى اللّٰهِ...... وَعَرَّفَنَا بِاللّٰهِ........ وَدَلَّنَاعَلَى اللّٰهِ......... وَعَلَّمَنَا كَيْفَ نُثْنِيْ عَلَى اللّٰهِ (فَهُوَ الْقَائِلُ أَمَا إِنَّ رَبَّكَ يُحِبُّ الثَّنَاءَ) وَالْقَائِلُ (وَلَاأَحَدَ أَحَبَّ إِلَيْهِ الْمَدْحَةُ مِنَ اللّٰهِ) ......، وَهَلْ أَحَدٌ أَحَقُّ بِالثَّنَاءِ مِنْهُ؟ وَهَلْ خُلِقَ الإِنْسَانُ، وَأُعْطِيَ اللِّسَانُ وَعُلِّمَ الْبَيَانُ إِلَّا لِيُثْنِيَ عَلَى اللّٰهِ وَيُمَجِّدَاللّٰهَ، وَيُسَبِّحَ اللّٰهَ وَيَذْكُرَ اللّٰهَ؟ مَنْ أَحَقُّ بِا لثَّنَاءِ مِنْهُ وَمَنْ أَوْلٰى بِالْمَدْحِ مِنْهُ وَمَنْ أَجْدَرُ بِالتَّمْجِيْدِ مِنْهُ؟ (اللّٰه ...... اهل الثناء والمجد'': ۳)

اللہ تعالیٰ سارے جہاں کا رب ہے، وہ رحم کرنے میں سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا، سب سے زیادہ قدرت والا، فیصلہ کرنے میں سب سے زیادہ مضبوط فیصلہ کرنے والا ہے۔ ساری مخلوق اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے، اسی کے قبضے میں نفع ونقصان ہے۔ درحقیقت وہی سب سے پہلے موجود تھا، فطرت یعنی اپنی تخلیقات سے وہ پہچانا جاتا ہے اور تمام عقلیں اس کے وجود کا اقرار کرتی ہیں، بل کہ ہر موجود شئے اس کے وجود کی دلیل ہے۔ تمام مخلوقات اس کی وحدانیت اور ربوبیت پر گواہ ہیں اور انسانی فطرت اس کا اقرار کرتی ہے۔ ہر حرکت وسکون اس کے ہمیشہ ہمیشہ رہنے پر دلیل ہے، اس طرح وہ تمام چیزیں جو تھیں، جو ہیں، اور جو ہوں گی، سب کی سب اللہ تعالیٰ کے وجود پر دلیل ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہی نے آسمان وزمین کو پیدا فرمایا اور آسمان سے پانی برسایا، پھر اسی پانی کے ذریعے مختلف اقسام کی کھیتیاں خوب صورت باغات اُگائے اور اس پانی کو ذریعۂ حیات بنا کر تمام مخلوقات کو زمین میں پھیلا دیا۔[1]

اللہ ربُّ العزت سے ہر مصیبت و پریشانی میں مدد طلب کی جاتی ہے۔ تمام اچھائیاں اور بھلائیاں اللہ ربُّ العزت ہی کی جانب سے ہوتی ہیں۔ اس کے آگے تمام چہرے خاک آلود ہوتے ہیں، تمام آوازیں پست ہو جاتی ہیں، زمین و آسمان اور تمام موجودات اس کی تعریف اور پاکی بیان کرتے ہیں۔ وہ سارے عالم کا پیدا کرنے، خطاؤں کو معاف کرنے اور تمام مخفی چیزوں کا جاننے والا ہے، حتیٰ کہ سینوں میں پوشیدہ نیتوں اور خیالات کو بھی جانتا ہے۔ اس کا علم ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے، اس کی رحمت اور حلم ہر چیز پر حاوی ہے، اس کا فیصلہ تمام مخلوق پر غالب ہے۔

وہ اَللّٰہُ جَلَّ جَلَالُہٗ جس کی محبت کے بغیر روحوں کو سکون نہیں، اس کے ذکر سے غافل دلوں کو قرار نہیں، عقلیں اس کی معرفت کے بغیر پاکیزہ نہیں، اس کی توفیق کے بغیر نجات ممکن نہیں۔

وہ اَللّٰہُ جَلَّ جَلَالُہٗ جس کی قربت، نرمی ومہربانی کے بغیر دل زندہ ہو نہیں سکتے۔

وہ اللہ جس کی اجازت نہ ہو تو حکم نافذ نہیں ہوتا، اس کی ہدایت نہ ہو تو گمراہ راہ نہیں پاتا۔

سمجھ نہیں آتی بغیر اس کے سمجھانے سے، مصیبت نہیں ٹلتی بغیر اس کی رحمت سے، کسی کام کا آغاز نہیں ہوتا بغیر اس کے نام سے، کوئی بھی کام پورا نہیں ہوتا بغیر اس کی مدد سے، کوئی بھی کام آسان نہیں ہوتا بغیر اس کے آسان کرنے سے، بخت (قسمت) نہ جاگے بغیر اس کی اطاعت سے۔

اس کی محبت ومعرفت کے بغیر زندگی پھیکی ...... اس کے دیدار وخطاب کے بغیر جنت بے مزہ ...... اس کے علم و

---

[1] اَللّٰهُ ......رَبُّ الْعَالَمِيْنَ، وَأَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ، وَأَقْدَرُ الْقَادِرِيْنَ، وَأَحْكَمُ الْحَاكِمِيْنَ، اَلَّذِيْ لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ، وَبِيَدِهِ النَّفْعُ وَالضَّرُّ، اَلْأَوَّلُ بِالْحَقِّ، اَلْمَوْجُوْدُ بِالضَّرُوْرَةِ، اَلْمَعْرُوْفُ بِالْفِطْرَةِ، اَلَّذِيْ أَقَرَّتْ بِهِ الْعُقُوْلُ، وَدَلَّتْ عَلَيْهِ كُلُّ الْمَوْجُوْدَاتِ، وَشَهِدَتْ بِوَحْدَانِيَّتِهِ وَرُبُوْبِيَّتِهِ جَمِيْعُ الْمَخْلُوْقَاتِ، وَأَقَرَّتْ بِهَا الْفِطَرُ. اَلْمَشْهُوْدُ وُجُوْدُهُ وَقَيُّوْمِيَّتُهُ بِكُلِّ حَرَكَةٍ وَسُكُوْنٍ، بِكُلِّ مَا كَانَ وَمَا هُوَ كَائِنٌ وَمَا سَيَكُوْنُ. اَلَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَاءً فَأَنْبَتَ بِهِ حَدَائِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ مِّنْ أَنْوَاعِ النَّبَاتَاتِ، بَثَّ بِهِ فِي الْأَرْضِ جَمِيْعَ الْحَيَوَانَاتِ. اللّٰه...... اهل الثناء والمجد: ۳۲

رحمت اور فضل واحسانات کا ہر چیز پر احاطہ...... وہی معبودِ برحق...... وہی حقیقی پروردگار...... اور وہی حقیقی مالک ہے...... ہر اعتبار سے تمام کمالات میں یکتا ہے...... نقص وعیب سے یکسر پاک ہے...... ثناء خواں اس کی تعریف کا حق ادا نہیں کر سکتے اگرچہ وہ اپنے خیال میں اپنی ساری زندگی طرح طرح اور قسم قسم کی تعریفات میں ختم کر دیں، اس کی تعریف اس سے بھی زیادہ عظیم الشان ہے، اس کی ثناء تو وہی ہے جو بذاتِ خود اس نے اپنے لئے منتخب فرمائی۔

شیخ ناصر بن مسفر اپنی کتاب میں لکھتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ نے اپنے لشکر کو غالب فرمایا، اپنے بندے (محمد ﷺ) کی مدد فرمائی۔ وہ آسمان کا پیدا کرنے والا ہے، تمام امور کی تدبیر فرماتا ہے اور آیات کو کھول کھول کر بیان فرماتا ہے۔ اسی کی تسبیح بیان کرنے میں زمین اور جو کچھ زمین میں ہے، آسمان اور جو کچھ آسمان میں ہے، سب مشغول ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کا ترجمہ ہے: ''جو کوئی بھی آسمان وزمین میں ہے سب اسی کے مملوک ہیں اور جو کوئی اس کی بارگاہ میں مقرب ہیں (یعنی فرشتے) ان کی حالت یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت سے نہ تو سرکشی کرتے ہیں اور نہ اس کی عبادت سے تھکتے ہیں۔'' اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو بغیر ستون کے بلند فرمایا، اور اس کا کوئی بھی ہم سر اور برابر نہیں، اور پہاڑوں کو اسی نے نصب فرمایا اور زمین کو بچھایا۔ ارشادِ باری تعالیٰ کا ترجمہ ہے:

''اور اس نے زمین میں پہاڑ رکھ دیئے، تاکہ وہ (زمین) تم کو لے کر ڈگمگانے (اور ہلنے) نہ لگے اور اس نے نہریں اور راستے بنائے، تاکہ (ان راستوں کے ذریعے سے اپنی) منزلِ مقصود تک پہنچ سکو۔''

اسی نے سمندروں کو چیرا، نہروں کو جاری فرمایا، دن کو رات پر لپیٹا اور رات کو دن پر۔'' [۱]

یہی شیخ ناصر ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کی عظمت یوں بیان فرماتے ہیں: ''غلبہ اسی کا ہے، طاقت، عظمت، بڑائی، سلطنت، بادشاہت، فیصلہ اور قوت اسی کی ہے، تعریف، اور پاکی اسی کے لئے ہے۔ کتنی بڑی اس کی شان کتنی ہی قابلِ فخر اس کی بادشاہت، کتنا ہی بلند اس کا مکان، مخلوق سے وہ کتنا ہی قریب تر اور اپنے بندوں پر کتنا مہربان ہے۔

اسی کے نور سے آسمان وزمین روشن ہیں، اسی کی ذاتِ بابرکت سے اندھیریاں روشنی میں تبدیل ہو گئیں، اس کا جلال آنکھوں سے پوشیدہ ہے، دل کی آنکھیں بھی اسی کی جانب لگی ہوئی ہیں اور سینے کی مخفی زبانیں اسی سے مناجات میں مشغول ہیں۔

آنکھیں اسے نہیں دیکھ سکتیں اور نہ ہی وہم وگمان اسے پاسکتے ہیں۔ حوادث اس کی ذات پر اثر انداز نہیں ہو سکتے اور

---

[۱] اَللّٰهُ. أَعَزَّ جُنْدَهٗ، وَنَصَرَ عَبْدَهٗ، وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهٗ، عَالِمُ الْخَفِيَّاتِ، فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ، يُدَبِّرُ الْأَمْرَ، وَيُفَصِّلُ الْاٰيَاتِ، تُسَبِّحُ لَهُ الْأَرْضُوْنَ وَمَنْ فِيْهِنَّ وَالسَّمٰوٰتُ، قَالَ تَعَالٰى: ﴿ وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۭ وَمَنْ عِنْدَهٗ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَلَا يَسْتَحْسِرُوْنَ ﴾ (الانبیاء: ۱۹) رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ، وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا أَحَدٌ، نَصَبَ الْجِبَالَ، وَمَدَّ الْأَرْضَ ﴿ وَاَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَاَنْهٰرًا وَّسُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴾ (النحل: ۱۵). شَقَّ الْبِحَارَ، وَأَجْرَى الْأَنْهَارَ، وَكَوَّرَ النَّهَارَ عَلَى اللَّيْلِ، وَاللَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ.) (اَللّٰه أهل الثناء و المجد: ۳۸)

صفات بیان کرنے والے اس کی صفات کا احاطہ نہیں کرسکتے۔ وہ پہاڑوں کے ذرّے ذرّے سے واقف ہے، سمندروں کی پیائش اس کے علم میں ہے، وہ بارش کے قطروں اور درختوں کے پتوں کی تعداد بھی جانتا ہے، اور دن رات میں جتنی بھی چیزیں ہیں ان کی تعداد سے واقف ہے۔'' [1]

اللہ ربُّ العزت احسان کرنے والے ہیں، احسان کرنے والوں کو پسند فرماتے ہیں، وہ قدر دان ہیں قدر دانوں کو پسند فرماتے ہیں، جمال والے ہیں جمال کو پسند فرماتے ہیں، پاک ہیں پاکی کو پسند فرماتے ہیں، سخی ہیں سخاوت کو پسند فرماتے ہیں، توبہ قبول کرتے ہیں توبہ کرنے والوں کو پسند فرماتے ہیں، حیا والے اور دوسروں کے عیوب پر پردہ ڈالنے والے ہیں، اور حیا والوں اور پردہ پوشی کرنے والوں کو پسند فرماتے ہیں۔

جب بندہ اپنے دونوں ہاتھ ان کی طرف اٹھاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کو اس بات سے شرم آتی ہے کہ اسے خالی ہاتھ لوٹا دیں، اللہ تعالیٰ کو اس بات سے بھی حیا آتی ہے کہ کسی سفید ریش مسلمان کو عذاب دیں جس نے اپنی جوانی اسلام کی حالت میں گزاری ہو۔ وہ بخشنے والے، معاف کرنے والے ہیں، اور اپنے بندوں میں بھی معاف کر دینے والی صفت کو پسند فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ بندوں کے گناہوں کو بخش دیتے ہیں جب بھی وہ توبہ کرتے ہیں، جب بھی گناہ بڑھ جاتے ہیں بڑے بڑے عیوب پیدا ہو جاتے ہیں اور دل سخت ہو جاتے ہیں تو ایسی صورت میں انسان کو نقصان کا خدشہ ہوتا ہے اور انسان کو محروم ہو جانے کا خوف ہوتا ہے تو ایسی حالت میں اللہ تعالیٰ انسان کو پکارتے ہیں۔

جس کا ترجمہ ہے:

''(میری جانب سے) کہہ دو کہ اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے تم اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو جاؤ، یقیناً اللہ تعالیٰ سارے گناہوں کو بخش دیتا ہے، واقعی وہ بڑی بخشش بڑی رحمت والا ہے۔'' [2]

(اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی مغفرت کی وسعت کا بیان ہے۔ ''اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو'' کا مطلب ہے کہ ایمان لانے سے قبل یا توبہ واستغفار کا احساس پیدا ہونے سے پہلے کتنے بھی گناہ کئے ہوں، انسان یہ نہ سمجھے کہ میں تو بہت زیادہ گناہ گار ہوں، مجھے اللہ تعالیٰ کیوں کر معاف کرے گا؟ بل کہ سچے دل سے اگر ایمان قبول کرلے گا یا توبة النصوح (گزشتہ پر ندامت اور آئندہ نہ کرنے کا عزم) کرلے گا تو اللہ تعالیٰ تمام گناہ معاف فرما دے گا)۔

---

[1] اَلْعِزَّةُ لَهٗ، وَالْجَبَرُوْتُ لَهٗ، وَالْعَظَمَةُ لَهٗ، وَالْكِبْرِيَاءُ لَهٗ، وَالسُّلْطَانُ لَهٗ، وَالْمُلْكُ لَهٗ، وَالْحُكْمُ لَهٗ، وَالْقُوَّةُ لَهٗ، وَالتَّسْبِيْحُ لَهٗ، وَالتَّقْدِيْسُ لَهٗ، مَا أَعْظَمَ شَأْنَهٗ! وَأَفْخَرَ مُلْكَهٗ! وَأَعْلٰى مَكَانَهٗ! وَأَقْرَبَهٗ مِنْ خَلْقِهٖ! وَأَلْطَفَهٗ بِعِبَادِهٖ! أَشْرَقَتْ لِنُوْرِهِ السَّمٰوٰتُ وَالْأَرْضُ، وَأَنَارَ بِوَجْهِهِ الظُّلُمَاتُ، وَحُجِبَ جَلَالُهٗ عَنِ الْعُيُوْنِ، وَنَفَذَتْ إِلَيْهِ أَبْصَارُ الْقُلُوْبِ، وَنَاجَتْهُ أَلْسِنَةُ الصُّدُوْرِ. لَا تَرَاهُ الْعُيُوْنُ، وَلَا تُخَالِطُهُ الْأَوْهَامُ وَالظُّنُوْنُ، وَلَا تُغَيِّرُهُ الْحَوَادِثُ، وَلَا يُحِيْطُ بِصِفَاتِهِ الْوَاصِفُوْنَ. عَالِمٌ بِمَثَاقِيْلِ الْجِبَالِ، وَمَكَايِيْلِ الْبِحَارِ، وَعَدَدِ قَطْرِ الْأَمْطَارِ وَالْأَشْجَارِ، وَعَدَدِ مَا أَظْلَمَ عَلَيْهِ اللَّيْلُ، وَأَشْرَقَ عَلَيْهِ النَّهَارُ. (اللّٰه اهل الثناء و المجد: ۳۹)

[2] الزمر: ۵۳

اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو مہربانی سے پکار رہے ہیں اور انتہائی شفقت سے بلا رہے ہیں: ''اے میرے بندے! میری عزت اور جلال کی قسم! اگر تیرے گناہوں سے آسمان و زمین کے درمیان کا خلاء بھر جائے، پھر تو مجھ سے معافی طلب کرے تو میں کوئی پروا کئے بغیر تجھے بخش دوں۔''

جو کوئی اللہ تعالیٰ سے ایک بالشت قریب ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ اس سے ایک ہاتھ قریب ہوتے ہیں، اور جو اللہ تعالیٰ سے ایک ہاتھ قریب ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ اس سے دو ہاتھ قریب ہوتے ہیں، جو اللہ تعالیٰ کی طرف چل کر آتا ہے تو اللہ تعالیٰ (باعتبار اپنی شانِ رحمت کے) اس کی طرف دوڑ کر چلتے ہیں۔[1]

تو دروازہ کھلا ہوا ہے، لیکن اس دروازہ سے داخل ہونے والا کون ہے؟

گنجائش وسیع ہے، لیکن قبول کرنے والا کون ہے؟

رسّی تو دراز ہے، لیکن اس کو مضبوطی سے پکڑنے والا کون ہے؟

خیر تو متوجہ ہے، لیکن خیر کے درپے ہونے والا کون ہے؟ نفع کو تلاش کرنے والے لوگ کہاں ہیں۔[2]

ایک جگہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا اس طرح اظہار فرمایا کہ جو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوگا تو اللہ تعالیٰ سے دور ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ کو پالے گا، اور جو اللہ تعالیٰ سے اعراض کر کے اس کو قریب سے بھی پکارے تب بھی وہ اللہ تعالیٰ سے دور ہوگا، اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کی خاطر کوئی چیز چھوڑ دیتا ہے اللہ تعالیٰ اسے مزید عطا فرماتے ہیں۔

جو بندہ اللہ تعالیٰ کی چاہت کا خیال رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ بھی اس کی مرضی کا خیال رکھتے ہیں، اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کی مدد کو شاملِ حال رکھ کر کام کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے لئے لوہے کو بھی نرم فرما دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والے اللہ تعالیٰ کے ہم مجلس ہیں، اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے والے اللہ تعالیٰ کی طرف سے زیادتی نعمت کے حق دار ہیں۔ اس کے اطاعت گزار بندے اس کی جانب سے اعزاز کے مستحق ہیں، اور گناہ گاروں کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے مایوس نہیں فرماتے۔ اگر وہ توبہ کر لیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کے محبوب بن جاتے ہیں، اور اگر وہ گناہ گار توبہ نہیں کرتے تو بھی اللہ تعالیٰ ان پر رحیم ہوتے ہیں۔ وہ انہیں مصائب میں مبتلا فرماتے ہیں، تاکہ انہیں عیوب سے پاک کر دیں اور اپنی طرف متوجہ کریں، اللہ تعالیٰ اتنے قدر دان ہیں کہ ایک نیکی ان کے نزدیک دس سے لے کر سات سو نیکیوں کے برابر ہے، بل کہ اس

---

[1] ترمذی، ابواب الدعوات: ۲/۲۰۰

[2] ﴿قُلْ يٰعِبَادِىَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۭ﴾ (الزمر:۵۳) يُنَادِيْ عَبْدَهٗ نِدَاءَ الْمُتَلَطِّفِ، وَيَدْعُوْهُ دُعَاءَ الْمُشْفِقِ عَلَيْهِ: "يَا عَبْدِيْ وَعِزَّتِيْ وَجَلَالِيْ لَوْ بَلَغَتْ ذُنُوْبُكَ عَنَانَ السَّمَآءِ ثُمَّ اسْتَغْفَرْتَنِيْ لَغَفَرْتُ لَكَ وَلَا أُبَالِيْ" وَمَنْ تَقَرَّبَ إِلَيْهِ شِبْراً تَقَرَّبَ إِلَيْهِ ذِرَاعًا، وَمَنْ تَقَرَّبَ إِلَيْهِ ذِرَاعاً تَقَرَّبَ إِلَيْهِ بَاعاً، وَمَنْ أَتَاهُ يَمْشِيْ أَتَاهُ هَرْوَلَةً، فَالْبَابُ مَفْتُوْحٌ وَلٰكِنْ مَنْ يَّلِجُ؟ وَالْمَجَالُ مَفْسُوْحٌ وَلٰكِنْ مَنْ يَّقْبَلُ؟ وَالْحَبْلُ مَمْدُوْدٌ وَلٰكِنْ مَنْ يَّتَثَبَّتُ بِهٖ؟ وَالْخَيْرُ مَبْذُوْلٌ وَلٰكِنْ مَنْ يَّتَعَرَّضُ لَهٗ؟ فَأَيْنَ الْبَاحِثُوْنَ عَنِ الْأَرْبَاحِ، وَأَيْنَ خُطَّابُ الْمَلَاحِ، (اللّٰہ اهل الثناء والمجد: ۵۱)

سے بھی بہت زیادہ، اور برائی میں ایک کا شمار ایک ہی ہے۔ اگر بندہ اس برائی/گناہ پر نادم ہو کر معافی مانگ لے تو اللہ تعالیٰ اسے معاف کر دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ تھوڑے عمل کی بھی قدر دانی فرماتے ہیں، خطاؤں کو بہت زیادہ معاف فرماتے ہیں اور سچی توبہ کر لینے والوں کے گناہوں کو بھی نیکیوں سے تبدیل فرماتے ہیں۔[1]

جب افکار جمع ہونے لگتے ہیں، غم اپنے خیمے گاڑ دیتا ہے، پریشانیاں حد سے بڑھنے لگتی ہیں، بڑے بڑے معاملات رونما ہونے لگتے ہیں، نجات کی راہیں تنگ ہونے لگتی ہیں، تمام حیلے اور خلاصی کے راستے ختم ہوتے نظر آتے ہیں تو پکارنے والا پکارتا ہے:

"اے اللہ! اے اللہ!" وہ اللہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں، جو بزرگی والا بردبار ہے، وہ اللہ جس کے سوا کوئی عبادت کا حق نہیں رکھتا، جو عرشِ عظیم کا رب ہے، وہ اللہ جس کے سوا کوئی لائقِ عبادت نہیں، جو آسمانوں کا رب ہے، زمین کا رب ہے، عرشِ کریم کا رب ہے، پس وہی تو ہے جو غموں کو دور کرتا ہے، پریشانیوں کو ختم کرتا ہے، اور مصائب سے نجات عطا فرماتا ہے۔

جب مریض کا مرض بڑھ جاتا ہے اور جسم لاغر ہو جاتا ہے، رنگت پھیکی پڑ جاتی ہے، خلاصی کے ذرائع اور راستے کمزور اور کم ہوتے نظر آتے ہیں، طبیب عاجز ہو جاتے ہیں، دوا بے اثر ہو جاتی ہے، نفس گھبراہٹ کا شکار ہو جاتا ہے، ہاتھ کپکپانے لگتے ہیں، دل خوف زدہ ہو جاتا ہے، اور مریض بے حال ہو جاتا ہے۔ ایسی حالت میں مریض اس بلند مرتبہ، بزرگی وعظمت والی ذات کی جانب متوجہ ہوتا ہے اور پکارتا ہے:

اے اللہ! اے اللہ! اس پکار کی برکت سے بیماری دور ہوتی جاتی ہے، صحت جسم میں سرایت کرنے لگتی ہے اور دعا سن لی جاتی ہے (حتیٰ کہ مریض شفایاب ہو جاتا ہے)۔[2]

وہ اللہ ہی تو ہے جو بیماری بھی پیدا فرماتا ہے کہ "میرے بندے کسی طرح بھی میری جانب متوجہ تو ہوں" پھر اس کی مصلحت ہوتی ہے تو بیماری دور کر کے شفا بھی عطا فرماتا ہے، اور اگر بیماری ہی میں مصلحت ہو تو بیماری پر صبر کی بدولت بندہ کو اللہ ربُّ العزت اَجرِ عظیم سے نوازتا رہتا ہے۔

جب کشتی چلتے چلتے گہرے سمندر میں دور نکل جائے، اور تیز وتند ہوائیں چلنے لگیں، فضا بادلوں سے بھر جائے، گھٹا

---

[1] وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْهُ نَادَاهُ مِنْ قَرِيْبٍ، وَمَنْ تَرَكَ مِنْ أَجْلِهٖ أَعْطَاهُ فَوْقَ الْمَزِيْدِ، وَمَنْ أَرَادَ رِضَاهَا أَرَادَ مَا يُرِيْدُ، وَمَنْ تَصَرَّفَ بِحَوْلِهٖ وَقُوَّتِهٖ أَلَانَ لَهُ الْحَدِيْدَ؛ أَهْلُ ذِكْرِهٖ أَهْلُ مَجَالَسَتِهٖ، وَأَهْلُ شُكْرِهٖ أَهْلُ زِيَادَتِهٖ، وَأَهْلُ طَاعَتِهٖ أَهْلُ كَرَامَتِهٖ، وَأَهْلُ مَعْصِيَتِهٖ لَا يُقْنِطُهُمْ مِنْ رَّحْمَتِهٖ، إِنْ تَابُوْا إِلَيْهِ فَهُوَ حَبِيْبُهُمْ، وَإِنْ لَّمْ يَتُوْبُوْا فَهُوَ رَحِيْمٌ بِهِمْ، يَبْتَلِيْهِمْ بِالْمَصَائِبِ لِيُطَهِّرَهُمْ مِنَ الْمَعَايِبِ. اَلْحَسَنَةُ عِنْدَهٗ بِعَشَرَةِ أَمْثَالِهَا إِلٰى سَبْعِ مِائَةِ ضِعْفٍ، إِلٰى أَضْعَافٍ كَثِيْرَةٍ، وَالسَّيِّئَةُ عِنْدَهٗ بِوَاحِدَةٍ، فَإِنْ نَدِمَ عَلَيْهَا وَاسْتَغْفَرَ غَفَرَهَا لَهٗ، يَشْكُرُ عَلَى الْيَسِيْرِ مِنَ الْعَمَلِ، وَيَغْفِرُ الْكَثِيْرَ مِنَ الزَّلَلِ. ("اللّٰه..... أهل الثناء والمجد": ٥٢)

[2] اللّٰه اهل الثناء و المجد: ٢٦

ٹوپ بادلوں سے تاریکی چھا جائے، بجلی چمکنے لگے، بادلوں کی گرج ہو اور اندھیریاں تہ در تہ ہوں، کشتی موجوں میں ڈولنے لگے، کلیجے منہ کو آنے لگیں، کشتی ڈوبتی نظر آئے اور موت کی سواری تیار کھڑی ہو، ایسے میں دل کی گہرائیوں سے جس ذات کی طرف انسان متوجہ ہوتا ہے، اندر سے آواز آتی ہے کہ اب بچانے والی ذات صرف اور صرف ایک اللہ ہی کی ہے، اسی کی جانب دل متوجہ ہو جائیں اور آوازیں آنے لگیں: یا اللہ! یا اللہ! یا اللہ! پھر اللہ تعالیٰ کی مہربانی متوجہ ہو جائے، سخت اندھیرے میں روشنی پھوٹ پڑے، اور ہلاکت کی تمام صورتیں اللہ تعالیٰ کی مہربانیوں سے ختم ہو جائیں۔

جب طیارہ آسمان کے اُفق پر اڑتا ہے پھر آسمان و زمین کے درمیان معلق ہو جاتا ہے، تند و تیز ہوائیں چلنے لگتی ہیں اور جہاز کا کوئی پرزہ کام کرنا چھوڑ دے تو ہواباز (پائلٹ) بھی دہشت زدہ ہو جائے، اور سواریاں بھی پھنس کر رہ جائیں، آوازوں کا شور پیدا ہو، مرد رونے لگیں، عورتیں چلانے لگیں، بچے بلبلانے لگیں، سب پر رعب طاری ہو جائے، خوف اپنے خیمے گاڑ دے، اور گھبراہٹ بڑھ جائے، پکار میں آہ و زاری شروع ہو جائے اور ہر ایک کو اپنی موت آنکھوں سے دکھائی دینے لگے، کہ اب آئی، اور اب آئی، حفاظت کے سارے اسباب ختم ہوتے دکھائی دیں، ہلاکت و موت اپنے سارے اسباب و وسائل سمیت سامنے آجائے۔

اس وقت بھی انسان کی نگاہ حفاظت کے لئے اسی ذات کی طرف متوجہ ہوتی ہے جس کو وہ بھول چکا ہوتا ہے، جو حقیقی محافظ ہے، پھر وہ ہر طرف سے دھیان ہٹا کر یک سوئی سے پکارتا ہے اور دعا کرنے لگتا ہے، اے اللہ! اے اللہ! پس اللہ تعالیٰ کی مہربانی متوجہ ہو جائے، رحمت نازل ہونا شروع ہو، احسانِ عظیم کی برکت سے دل پر سکون ہو جائیں، تمام جانیں سکون پا جائیں، اور جہاز سلامتی کے ساتھ اُتر جائے۔[1]

وہ اللہ ہر دن ایک نئی شان میں ہوتے ہیں، وہ گناہوں کو بخش رہے ہیں، تکلیفوں کو دور کر رہے ہیں، کسی قوم کو بلند مقام عطا فرما رہے ہیں اور کسی قوم کو پست مقام، مردہ کو زندہ فرما رہے ہیں اور زندہ کو مردہ، پکارنے والے کی فریاد کو سن رہے ہیں اور بیمار کو شفا دے رہے ہیں، وہ جس کو چاہتے ہیں عزت بخشتے ہیں اور جس کو چاہتے ہیں ذلیل فرما دیتے ہیں۔ ٹوٹی ہوئی ہڈی کو جوڑتے ہیں، فقیر کو مال دار بنا دیتے ہیں، جاہل کو عالم بناتے ہیں، گمراہ کو ہدایت دیتے ہیں اور حیران و پریشان شخص کی راہ نمائی فرماتے ہیں اور ننگے کو کپڑا پہناتے ہیں۔

وہ مصیبت زدہ کو عافیت عطا فرماتے ہیں، توبہ کرنے والے کی توبہ قبول فرماتے ہیں، نیکی کرنے والے کو اچھا بدلہ عطا فرماتے ہیں، مظلوم کی مدد فرماتے ہیں۔[2]

---

[1] اللّٰہ اھل الثناء والمجد: ۲۷

[2] اَللّٰهُ.. "كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَأْنٍ"، يَغْفِرُ ذَنْباً، وَيُفَرِّجُ كَرْباً، وَيَرْفَعُ قَوْماً، وَيَضَعُ آخَرِيْنَ، وَيُحْيِ مَيِّتاً، وَيُمِيْتُ حَيًّا، وَيُجِيْبُ دَاعِياً، وَيَشْفِيْ سَقِيْماً، وَيُعِزُّ مَنْ يَّشَآءُ، وَيُذِلُّ مَنْ يَّشَآءُ، وَيُجْبِرُ كَسِيْراً، وَيُغْنِيْ فَقِيْراً، وَيُعَلِّمُ جَاهِلاً، وَيَهْدِيْ ضَآلاً، وَيُرْشِدُ حَيْرَانَ، =

لفظ اللہ ''اَلِهَ يَأْلَهُ'' سے ماخوذ ہے، جس کا معنی ہے عطا کرنا، تو ذاتِ باری تعالیٰ کو ''اللہ'' اس لئے کہتے ہیں کہ وہ عطا کرتا ہے، بل کہ صرف وہی عطا کرتا ہے اور کیا کچھ عطا نہیں کرتا۔ زندگی...... جسم...... ہاتھ...... پاؤں...... بصیرت و بصارت...... سماعت و حرکت، غور وفکر کی قوت اور صلاحیت، دل اور دل میں ایمان کا نور، دماغ اور دماغ میں فکر کا شعور، یہ سب کچھ اسی کا عطا کردہ ہیں۔[1]

صاحبِ روح البیان نے اپنی تفسیر میں اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ فرعون نے بھی اپنا نام اللہ نہ رکھا، اس لئے کہ وہ اس پر قادر نہ تھا، بل کہ اس نے اپنی قوم والوں سے یہ کہا: ﴿أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلَىٰ﴾[2] ''میں تمہارا بڑا رب ہوں۔''[3]

سرسوں کے دانے کی بساط کیا ہے، تم دیکھتے ہو کہ وہ زمین کے سخت پردے کو چیرتا ہوا نرم و نازک سبز پتی کی شکل میں نمودار ہوتا ہے۔

شبنم کی بوندیں جن کو تم ذرا بھی قدر کی نگاہ سے نہیں دیکھتے، اس نوزائیدہ نونہال کی پیاس بجھاتی ہیں۔

سورج کی کرنیں جن کی روشنی کو تم روز پاؤں تلے کچلتے ہو، اس کو اپنی تیز و گرم، مگر مہربان گود میں لے کر پرورش کرتی ہیں۔

ہوا کے جھونکے اس نازک ترین پودے کو جھولا جھلاتے ہیں، یہاں تک کہ یہ بچہ جوان ہو جاتا ہے، تم نے دیکھا کہ ذرا سے پودے کی کس سلیقہ، ترتیب اور نظم وضبط کے ساتھ پرورش ہوئی۔ یہ اسباب جن کو کسی طرح بھی اتفاق نہیں کہا جا سکتا اس کی نشو و نما کے لئے جمع ہوئے، آخر اس ماحول کو پیدا کرکے اس کو سازگار اور ان سب اسباب کو جمع کرنے والی اس قوت کا نام ''اللہ'' ہے۔

یہ نام کائنات کی روح اور جان ہے

یہ نام اس وقت بھی تھا جب کائنات میں کچھ بھی نہ تھا، اور اس وقت بھی ہوگا جب کچھ بھی باقی نہیں رہے گا، یہ نام کائنات کی روح اور جان ہے۔ یہ دنیا اس وقت تک قائم رہے گی جب تک کسی ایک زبان پر بھی یہ مقدس نام جاری رہے گا، اور اگر کوئی ایک زبان بھی اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہوئے ''اللہ اللہ'' کہنے والی باقی نہ رہی تو اس ساری کائنات کو لپیٹ دیا جائے گا۔

آسمان کی قندیلیں بجھادی جائیں گی، دریاؤں اور سمندروں کا پانی خشک ہو جائے گا، پھولوں کا تبسم، عنادل کا معصوم

= وَيُغِيثُ لَهْفَانَ، وَيَفُكُّ عَانِياً وَيُشْبِعُ جَائِعاً، وَيَكْسُو عَارِياً، وَيَشْفِي مَرِيضاً، وَيُعَافِي مُبْتَلًى، وَيَقْبَلُ تَائِباً، وَيَجْزِي مُحْسِناً، وَيَنْصُرُ مَظْلُوماً. (الله...... اهل الثناء والمجد: ٣٠)

[1] خزينه: ٣٦ [2] النّزعٰت: ٢٤ [3] الله...... اهل الثناء والمجد: ٢٤

شور، حسین صبحوں کی انگڑائیاں، ٹھنڈی راتوں کا سکون اور زندگی کے دل لبھانے والے نظارے موقوف ہو جائیں گے۔

یہ نام ہر مذہب والے کی زبان پر ہے۔ کسی نے اُسے ''پرمیشور'' کہہ کر پکارا، کسی نے ''برہمن'' کہہ کر، کسی نے ''رام رام'' کہہ کر، کسی نے ''آہورمزدا'' کہہ کر، کسی نے ''الاھیا اور یزدان۔'' اگر گوشِ ہوش (ہوش کے کانوں) کے ساتھ سنا جائے تو پھولوں کی مسکراہٹ ...... چڑیوں کی چہچہاہٹ ...... پتوں کی سرسراہٹ ...... اور کرنوں کی جگمگاہٹ ...... میں سے ''اللہ اللہ'' ہی کی آواز آتی اور اس کی قدرت جلوہ نما ہوتی ہے۔

یہ نامِ گرامی ایسا بابرکت نام ہے کہ اس کے پڑھنے والے محروم نہیں رہتے، انبیاء، اولیاء، صلحاء، اتقیاء سب ہی نے اسی نام کی صدائیں بلند کیں۔ اس نام کو حضرت آدم علیہ السلام نے وردِ زبان کیا تو ان کا اضطراب سکون میں بدل گیا۔

اس نام کی برکت سے حضرت زکریا علیہ السلام کے بڑھاپے کی خزاں میں یحییٰ علیہ السلام جیسا پھول کھلا۔

اس نام کی تاثیر سے سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کے لئے دہکتا ہوا لاوا گلشن بن گیا۔ اس ''اللہ'' کو یونس علیہ السلام نے مچھلی کے پیٹ میں پکارا تو غم سے نجات ملی، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پکارا تو پتھر سے چشمے رواں ہو گئے اور اُچھلتا کودتا دریا خشک ہو گیا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ''اللہ'' کا نام لیا تو نابینا، بینا ہو گیا، کوڑی تندرست ہو گیا، مردہ زندہ ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ''اللہ'' کا نام لیا تو ایک کافر کے ہاتھ سے آپ پر سونتی ہوئی تلوار گر پڑی، کنکریاں بول اٹھیں، چاند دو ٹکڑے ہو گیا، چٹانوں سے زیادہ سخت دلوں میں ہدایت کے چشمے اُبل پڑے، عرب کے شہر اور بستیاں رُشد و صلاح کے نور سے جگمگا اٹھیں۔

اسمِ اعظم

یہ اسم مبارک اکثر علماء کے نزدیک ننانوے اسمائے حسنیٰ سے زیادہ عظمت والا ہے، اس لئے کہ یہ ساری صفات کا جامع ہے۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اَلْاِسْمُ الْأَعْظَمُ هُوَ اللّٰهُ لٰكِنْ بِشَرْطِ أَنْ تَقُوْلَ "اَللّٰهُ" وَلَيْسَ فِيْ قَلْبِكَ سِوَى اللّٰهِ.[1]

اسمِ اعظم لفظِ ''اللہ'' ہی ہے، لیکن اس شرط کے ساتھ کہ جب آپ اللہ تعالیٰ کو اس مبارک نام سے پکاریں تو آپ کے دل میں کسی اور کا خیال تک نہ آئے۔ اس اسمِ جلالی کی خصوصیت یہ ہے کہ علماء نے فرمایا ہے: ''یہ اسم تمام صفاتِ کمالیہ و جمالیہ کا جامع ہے۔'' جیسا کہ امام ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَ إِنَّ اسْمَ اللّٰهِ تَعَالٰى هُوَالْجَامِعُ لِجَمِيْعِ مَعَانِي الْأَسْمَآءِ الْحُسْنٰى، وَالصِّفَاتِ الْعُلٰى.[2]

''اللہ تعالیٰ کا اسم (یعنی لفظِ اللہ) تمام اسمائے حسنیٰ کے معانی اور تمام بلند صفات کے مفہوم کو جمع کرنے والا ہے۔''

---

[1] المرقات شرح المشکاۃ، کتاب اسماء اللہ تعالیٰ: ٥/٧٥ [2] بدائع الفوائد: ٢/٢٤٩

وَاَلْقٰى فِى الْاَرْضِ رَوَاسِىَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ (النحل: ۱۵)

”اور اس نے زمین میں پہاڑ رکھ دیے، تاکہ وہ تم کو لے کر ڈگمگانے نہ لگے۔“

اور یہ اسم ربِّ اعلیٰ ہی کے ساتھ مخصوص ہے، اس کا اطلاق ہمیشہ سے صرف اسی "وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ" کی ذات پاک کے لیے ہوا ہے۔ جس طرح کوئی اس کی ذات اور صفات میں اس کا شریک وحصہ دار نہیں۔ اسی طرح اس اسم اعظم میں بھی اُس کا کوئی ساتھی نہیں۔ اسی وجہ سے تمام اولیاء اللہ کا مسلک یہ ہے کہ اسمِ ذات ہی اسمِ اعظم ہے، اور امام اعظم ابوحنیفہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے بھی لفظِ "اَللّٰہُ" ہی کو اسمِ اعظم فرمایا ہے، جیسا کہ امام طحاوی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے نقل کیا ہے۔

"امام طحاوی، امام ابن قیم اور امام رازی رَحِمَهُمُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے اسی قول کو اختیار فرمایا ہے کہ اسمِ اعظم لفظِ "اَللّٰہُ" ہے جو کہ اللہ ربُّ العزت کا نام ہے۔ (اب لفظ "اَللّٰہُ" کے اسمِ اعظم ہونے پر دلائل قائم کرتے ہوئے فرماتے ہیں) کہ:

❶ لفظ "اَللّٰہُ" تمام اسمائے حسنیٰ اور تمام اعلیٰ صفات پر دلالت کرتا ہے۔"

❷ یہ اسم یعنی "اَللّٰہُ" اللہ ربُّ العزت کی ذات کے علاوہ کسی اور پر نہیں بولا جاتا، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے جس کا مطلب یہ ہے: کیا تم کسی ایسی ذات کو جانتے ہو جو اللہ تعالیٰ کی ہم نام (ہم صفات) ہو؟[1] حالاں کہ ایسا نہیں۔ لفظ "اَللّٰہُ" صرف اللہ ربُّ العزت کی ذات پر بولا جاتا ہے۔

❸ تمام اسمائے حسنیٰ لفظِ "اَللّٰہُ" ہی کی طرف منسوب ہوتے ہیں۔ اور یہ قاعدہ ہے کہ جس کی طرف نسبت کی گئی ہو وہ منسوب سے افضل ہوتا ہے۔ تو اس قاعدہ سے یہ معلوم ہوا کہ اصل موصوف لفظ "اَللّٰہُ" ہے۔ لہٰذا لفظ "اَللّٰہُ" تمام اسمائے حسنیٰ میں سب سے زیادہ افضل ہے۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی ہے کہ یوں کہا جاتا ہے "رحمٰن، رحیم، ملک، قدوس" یہ سب اللہ تعالیٰ کے نام ہیں، لیکن یوں نہیں کہا جاتا کہ "اَللّٰہُ" رحمٰن کا نام ہے یا "اَللّٰہُ" رحیم کا نام ہے۔ لہٰذا نتیجہ یہ نکلا کہ تمام اسمائے حسنیٰ میں اصل اسم "اَللّٰہُ" ہے۔

❹ اللہ ربُّ العزت کے ارشاد کا ترجمہ ہے:

"کہہ دیجیے کہ اللہ کو اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر پکارو۔"[2]

یہ حضرات فرماتے ہیں کہ اس آیت میں ان ہی دو ناموں کو خاص طور پر ذکر کیا ہے، پھر ان میں بھی نامِ مبارک "اَللّٰہُ" "اَلرَّحْمٰنُ" سے اشرف وافضل ہے۔ دو وجوہات کی بناء پر:

① اس آیت میں لفظِ "اَللّٰہُ" کو پہلے ذکر کیا گیا ہے اور "اَلرَّحْمٰنُ" کو بعد میں جس سے لفظ "اَللّٰہُ" کا افضل ہونا معلوم ہوا۔

② اسم "اَلرَّحْمٰنُ" کمالِ رحمت پر دلالت کرتا ہے جب کہ کمالِ قہر، غلبہ، عظمت، قدس اور عزت پر دلالت نہیں کرتا، جب کہ "اَللّٰہُ" اسم مبارک ان تمام صفات پر بھی دلالت کرتا ہے۔ (جس سے اس کا اشرف ہونا معلوم ہوا)

---

[1] مریم: ۶۵　　[2] بنی اسرائیل: ۱۱۰

ان چند وجوہات سے ثابت ہوتا ہے کہ اسمِ اعظم لفظ "اَللّٰہُ" ہی ہے۔[1]

اللہ رب العزت کے نام کا ادب

وَاقِعَۂ مُبَارَکہ ①: ❶ ایک بزرگ حضرت بشر بن حافی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی سے پوچھا گیا کہ آپ کی اللہ کے ہاں مقبولیت کا کیا سبب ہے اس لئے کہ آپ کا نام لوگوں میں اس طرح مشہور ہے جیسے کسی نبی کا نام ہوتا ہے۔ فرمانے لگے: یہ محض اللہ رب العزت کا فضل ہے اس میں میرا کوئی کمال نہیں، میں ایک گناہ گار اور عیاش طبیعت آدمی تھا۔ ایک مرتبہ راستے سے گزرتے ہوئے ایک کاغذ پر نظر پڑی، میں نے وہ کاغذ اٹھا کر دیکھا تو اس میں ————————۔

"بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ" لکھا ہوا تھا۔ میں نے اس کاغذ کو صاف کر کے اپنی جیب میں رکھا۔ میرے پاس اس وقت صرف دو درہم تھے اور ان دو درہموں کے علاوہ میں کسی اور چیز کا مالک نہ تھا، میں عطر فروش کی دکان پر گیا اور ان دو درہموں سے میں نے "غالیہ" خوشبو خریدی۔ (غالیہ ایک خوشبو ہے جو مشک، عنبر، عود اور دُہن سے ملا کر بنائی جاتی ہے) اور وہ خوشبو اس کاغذ میں مل دی۔ اس رات جب میں سویا تو خواب میں میں نے کسی کہنے والے کو یہ کہتے ہوئے سنا:

يَا بِشْرَ بْنَ الْحَارِثِ! رَفَعْتَ اسْمَنَا عَنِ الطَّرِيْقِ وَطَيَّبْتَهٗ لَأُطَيِّبَنَّ اسْمَكَ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ.

تَرْجَمَۂ: اے بشر بن حارث! تو نے ہمارے نام کو راستے سے اٹھا کر صاف کر کے معطر کیا ہے، ہم تیرے نام کو دنیا و آخرت میں معطر کریں گے۔[2]

❷ اللہ تعالیٰ کا نام ادب سے لینا چاہئے، جب بھی اللہ تعالیٰ کا نام لیں تو "تَبَارَكَ وَ تَعَالٰى" یا "تَعَالٰى" یا "رَبُّ الْعِزَّتْ" یا "جَلَّ جَلَالُهٗ وَعَمَّ نَوَالُهٗ" ضرور لگائیں، لکھنے میں بھی اور بولنے میں بھی۔

---

[1] (وَقَدِ اخْتَارَ الْقَوْلَ بِأَنَّ الْإِسْمَ الْأَعْظَمَ لِلّٰهِ تَعَالٰى هُوَ (اللّٰه).

① فَاسْمُ اللّٰهِ دَالٌّ عَلٰى جَمِيْعِ الْأَسْمَاءِ الْحُسْنٰى وَالصِّفَاتِ الْعُلْيَا.

② إِنَّ هٰذَا الْإِسْمَ مَا أُطْلِقَ عَلٰى غَيْرِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَالدَّلِيْلُ عَلَيْهِ ﴿هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا﴾ (مریم: ٦٥) أَيْ هَلْ تَعْلَمُ مَنِ اسْمُهٗ (اللّٰه) سِوَى اللّٰهِ.

③ سَائِرُ الْأَسْمَاءِ مُضَافَةٌ إِلَيْهِ وَلَا مَحَالَةَ أَنَّ الْمَوْصُوْفَ أَشْرَفُ مِنَ الصِّفَةِ وَلِأَنَّهٗ يُقَالُ الرَّحْمٰنُ، الرَّحِيْمُ، الْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ مُلْحَقًا مِنْ أَسْمَاءِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَلَا يُقَالُ اَللّٰهُ اسْمُ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ فَدَلَّ هٰذَا عَلٰى أَنَّ الْإِسْمَ هُوَ الْأَصْلُ.

④ ﴿قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِادْعُوا الرَّحْمٰنَ﴾ (الاسراء: ١١٠) خَصَّ هٰذَيْنِ الْإِسْمَيْنِ بِالذِّكْرِ ثُمَّ إِنَّ اسْمَ (اللّٰه) أَشْرَفُ مِنْ إِسْمِ (الرَّحْمٰن) أَمَّا أَوَّلًا فَلِأَنَّهٗ يُقَالُ قَدَّمَهٗ فِي الذِّكْرِ. ثَانِيًا اِسْمُ الرَّحْمٰنِ يَدُلُّ عَلٰى كَمَالِ الرَّحْمَةِ وَلَا يَدُلُّ عَلٰى كَمَالِ الْقَهْرِ وَالْغَلَبَةِ وَالْعَظَمَةِ وَالْقُدْسِ وَالْعِزَّةِ وَأَمَّا اسْمُ اللّٰهِ فَإِنَّهٗ يَدُلُّ عَلٰى كُلِّ ذَالِكَ فَثَبَتَ أَنَّ اسْمَ "اللّٰهِ" تَعَالٰى أَشْرَفُ (ملخصاً عن النهج الأسمى: ١/ ٦٧، ٦٩)

[2] كتاب التّوابين للعلامة مقدسي: ٢٢٦

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے دورانِ وعظ فرمایا: اللہ تعالیٰ کی اس قدر بڑی شان ہے کہ اگر شاہانِ دنیا کی طرح اس کے خطاب کے لئے مناسبِ شان القاب وآداب کی قید ہوتی تو عمریں تمام ہو جاتیں اور ایک بار بھی اس کے نام لینے کی نوبت نہ آتی، القاب وآداب ہی کبھی ختم نہ ہوتے، لوگ نام لینے کے لئے ترس جاتے، لیکن ''اَللّٰهُ اَكْبَرُ'' کیا رحمت ہے کہ اپنے نام لینے کے لئے کسی قسم کی قید نہیں لگائی۔

جس وقت اور جس حالت میں جی چاہے اس کا نام لے کر خطاب کر سکتے ہیں، بجز چند خاص موقعوں اور چند خاص حالات کے کہ اس وقت زبان سے ذکر کرنا خلافِ ادب ہے، غریب سے لے کر امیر تک اور عابد وزاہد سے لے کر فاسق و فاجر تک، ہر شخص کو بے تکلف خطاب کرنے کی اجازت ہے، ورنہ اس کی عظمت وجلال کا تقاضہ تو یہ تھا کہ ہماری زبان اگر سات سمندر کے پانی سے بھی دھوئی جاتی تب بھی اس کے نام لینے کے قابل نہ ہوتی۔

کسی نے کیا خوب کہا ہے: ؎

ہزار بار گر بشویم دہن زمشک و گلاب ہنوز نامِ تو گفتن کمالِ بے ادبی است

تَرْجَمَۃ: اگر ہم ہزار بار اپنی زبان کو مشک وگلاب سے دھوڈالیں، پھر بھی زبان سے آپ کا نام لینا بے ادبی ہے۔

مگر قربان جایئے اس کی رحمت پر کہ اپنا نام لینا بندوں پر کس قدر آسان فرما دیا۔[1]

اللہ تعالیٰ کا نام بے گانوں کو یگانہ بناتا ہے

حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: اسلامی معاشرہ، اللہ تعالیٰ کی عظمت، اس کی قدرت اور اس کی وحدت کے عقیدے پر وجود میں آتا ہے، ایک مسلمان مرد کی مسلمان خاتون سے ہم سفری اور رفاقت تب جائز ہوتی ہے جب وہ ''اَللّٰهُ'' کا نام بیچ میں لائیں، اللہ تعالیٰ کا نام ہی بیگانوں کو یگانہ بناتا ہے...... دُور کو نزدیک کرتا ہے...... غیروں کو اپنا بناتا ہے...... اور جن کی پرچھائیں بھی پڑنا گوارا نہ تھی ان کو ایسا قریب اور عزیز بنا دیا جاتا ہے کہ ان کے بغیر زندگی کا صحیح تصور بھی نہیں ہوسکتا، وہ ایک دوسرے کے رفیقِ حیات اور ذمہ دار بن جاتے ہیں۔

شوہر اور بیوی کا تعلق محبت واعتماد کا تعلق ہے جو بے تکلفی، اعتماد، سادگی، فطریت ان کے درمیان ہوتی ہے، کسی اور رشتہ میں اس کا تصور نہیں کیا جا سکتا، یہ سب اللہ تعالیٰ کے نام کا کرشمہ ہے، اللہ تعالیٰ کا نام بیچ میں آتا ہے تو ایک نئی دنیا وجود میں آجاتی ہے، کل تک جو غیر تھا/ غیر تھی، آج وہ اپنوں سے بھی زیادہ بڑھ کر اپنا بن جاتا ہے/ جاتی ہے ایک مسلمان مرد، ایک مسلمان عورت، ایک دوسرے کے ساتھ بے تکلف نہیں ہو سکتے، ایک دوسرے کے ساتھ بعض اوقات سفر بھی نہیں کر سکتے، ایک دوسرے کے لئے نامحرم ہیں، لیکن جب اللہ تعالیٰ کا نام بیچ میں آجاتا ہے تو ایک مقدس رشتہ قائم ہو جاتا ہے۔

---

[1] کتاب حسن العزیز: ۸

یہ ایک قرآنی معجزہ ہے کہ ﴿تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ﴾[1] کہہ کر انسانی معاشرے کا باہمی ارتباط...... پیوستگی...... وابستگی ...... اور ہر ایک کا ایک دوسرے کے ساتھ جڑا ہونا، ایسا بیان کر دیا کہ کوئی بڑے سے بڑا منشور اور بڑے سے بڑا چارٹر بھی اس کو بیان نہیں کر سکتا، فلسفہ اجتماع و عمرانیات (سوشیالوجی) کی بڑی ضخیم کتاب بھی اس کو نہیں بیان کر سکتی۔ پھر یہ فرمایا کہ جس کا نام بیچ میں لاکر حرام کو حلال کرتے ہو، ناجائز کو جائز کرتے ہو اور اپنی زندگی میں انقلابِ عظیم لاتے ہو، اس پاک اور بڑے نام کی لاج بھی رکھنی چاہیے[2]

بے چینی دور کرنے کے لئے دل میں اللہ کا نام بسالیں

جس نے اللہ تعالیٰ کی یاد کو اپنے دل میں بسا لیا، اس نے سکون و آرام پالیا اور جس نے اپنے دل کو لوگوں سے کچھ ملنے کی اُمید میں، یا کچھ چھن جانے کے خوف میں الجھا دیا تو وہ پریشان ہو جائے گا اور بے چینی اس پر غالب آجائے گی۔ جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ کے محبوب بنانے کا ارادہ کرتے ہیں تو اس کو اپنی محبت کے لیے منتخب کرتے ہیں اور اپنی عبادت کے لیے خاص کرتے ہیں، اس کی زبان اللہ تعالیٰ کی یاد میں مشغول رہتی ہے اور وہ بندہ اللہ تعالیٰ کے دین کی خدمت میں لگا رہتا ہے۔[3]

اللہ تعالیٰ سے تعلق کے ذریعے غم کی اندھیری رات ایک دن ضرور ختم ہوگی

یہ دنیا آزمائشوں کا مقام، مصائب کا مکان اور ایک امتحان گاہ ہے، آخرت کی کھیتی ہے۔

اس دنیا میں انسان پر طرح طرح کے حالات آتے ہیں، یہ حضرت انسان کبھی خوش ہوتا ہے اور کبھی غم کا شکار، ہر انسان یہ چاہتا ہے کہ وہ ہمیشہ خوش رہے، لیکن یہ اس کے اختیار میں نہیں۔ یہ سارے حالات اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتے ہیں، اگر انسان پر ہمیشہ ایک ہی حالت رہتی تو وہ دوسری چیز کی قدر کیسے کرتا؟

غم بھی ایک ایسی کیفیت ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان پر بعض اوقات آتی ہے، لیکن یہ ہمیشہ نہیں رہتی۔ یہ قرآنی قانون ہے ﴿اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا﴾[4] یعنی ہر تنگی کے ساتھ دو راحتیں ہوتی ہیں۔ اس لئے کسی بھی شخص کو غم کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہیے، بل کہ ثابت قدم رہے تو اللہ تعالیٰ اسے اسی دنیا میں اچھا بدلہ اور ایسی راحت عطا فرماتے ہیں کہ وہ سوچ بھی نہیں سکتا اور آخرت کا اجر تو کہیں نہیں گیا (وہ یقیناً ملے گا)۔ اس لئے کہ جس ذات نے یہ ہموم و غموم نازل فرمائے ہیں وہ ان غموں کو دور کرنے پر بھی قادر ہے۔ اس ذات کے لئے کوئی مشکل نہیں۔ مصیبت زدہ شخص اور پریشان اور بے چین شخص کے لئے عربی کے چند اشعار ذکر کیئے جاتے ہیں جن میں شاعر نے اللہ

---

[1] النساء: ۱ [2] قرآنی افادات: ۱۹۹ [3] مَنْ وَطَّنَ قَلْبَهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ سَكَنَ وَاسْتَرَاحَ، وَمَنْ أَرْسَلَهٗ فِي النَّاسِ إِضْطَرَبَ وَاشْتَدَّ بِهِ الْقَلَقُ، إِذَا أَحَبَّ اللّٰهُ عَبْدًا اِصْطَنَعَهٗ لِنَفْسِهٖ، وَاجْتَبَاهُ لِمَحَبَّتِهٖ، وَاسْتَخْلَصَهٗ لِعِبَادَتِهٖ فَشَغَلَ هَمَّهٗ بِهٖ وَلِسَانَهٗ بِذِكْرِهٖ وَجَوَارِحَهٗ بِخِدْمَتِهٖ. (فوائد الفوائد: ۲۶۳) [4] الانشراح: ۶

کے نام کے ساتھ تسلی حاصل کرنے کے لئے کہا ہے، ان اشعار کا ترجمہ کسی اور زبان میں کرنا مشکل ہے، خصوصاً عربی زبان کی حلاوت وحرارت منتقل نہیں ہوسکتی، اِس کے باوجود اِس کا مفہوم پیش کیا جارہا ہے۔

ان اشعار[ل] کو اپنی میز پر لگا لیجئے اور یاد کرلیجئے

❶ ''اے غمزدہ! غم تو (عن قریب) ختم ہونے والے ہیں، یہ سوچ کر خوش ہوجاؤ کہ کوئی بھی غم ہمیشہ انسان پر نہیں رہتا، اس لئے کہ ہر غم کے لئے اللہ تعالیٰ کافی ہیں۔

❷ مایوسی بسا اوقات انسان کی تمام صلاحیتیں ختم کردیتی ہے، تو ہرگز مایوس نہ ہو! گو یہ سمجھ کہ اللہ نے (غم ختم کرکے) وُسعت دے دی یقین کرلے کہ غم کی اندھیری رات ختم ہوگئی۔

❸ اُن چیزوں سے جن سے تم نے پناہ چاہی ہے اللہ تمہارے لئے کافی ہے، اور خود ہی غور کرلو کہ اُس سے زیادہ محفوظ کون ہوگا جس کی نگرانی کرنے والا اللہ ہو، یعنی جسے اللہ رکھے اُسے کون چکھے۔

❹ مصیبتیں چاہے کتنی ہی زیادہ ہوجائیں، ان سب میں تمہارے لئے اللہ کافی ہیں۔

❺ تم پریشانیوں میں تسلی رکھو! اس لئے کہ سب کچھ کرنے والا اللہ ہے اور اللہ کی طرف سے جو فیصلہ ہوجائے اس میں بھلائی ہی ہوتی ہے۔

❻ اے میرے نفس! جو اللہ نے مقدر کیا ہے اس پر صبر کر اور اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر کہ فیصلہ کرنے والا اللہ

ل
يَا صَاحِبَ الْهَمِّ إِنَّ الْهَمَّ مُنْقَطِعٌ　　أَبْشِرْ بِذَاكَ فَإِنَّ الْكَافِيَ اللّٰهُ
أَلْيَأْسُ يَقْطَعُ أَحْيَانًا بِصَاحِبِهِ　　لَا تَيْأَسَنَّ كَأَنَّ قَدْ فَرَّجَ اللّٰهُ
اَللّٰهُ حَسْبُكَ مِمَّا عُذْتَ مِنْهُ بِهِ　　وَمَنْ أَمْنَعُ مِمَّنْ حَسْبُهُ اللّٰهُ
هُنَّ الْبَلَايَا وَلٰكِنْ حَسْبُنَا اللّٰهُ　　وَاللّٰهُ حَسْبُكَ فِيْ كُلٍّ لَّكَ اللّٰهُ
هَوِّنْ عَلَيْكَ، فَإِنَّ الصَّانِعَ اللّٰهُ　　وَالْخَيْرُ أَجْمَعُ فِيْمَا يَصْنَعُ اللّٰهُ
يَا نَفْسِ صَبْرًا عَلٰى مَاقَدَّرَ اللّٰهُ　　وَسَلِّمِيْ تَسْلِيْمِيْ فَالْحَاكِمُ اللّٰهُ
يَارُبَّ مُسْتَصْعَبٍ قَدْ سَهَّلَ اللّٰهُ　　وَرُبَّ شَرٍّ كَثِيْرٍ قَدْ وَقَى اللّٰهُ
إِذَا بَكَيْتَ فَثِقْ بِاللّٰهِ وَارْضَ بِهِ　　إِنَّ الَّذِيْ يَكْشِفُ الْبَلْوٰى هُوَ اللّٰهُ

(سمير المؤمنين: ۱۹۶)

بے چین وغمگین لوگوں کے لئے بندہ نے بتوفیقِ الٰہی ایک کتاب تیار کی ہے جس کا نام ''پریشان رہنا چھوڑ دیجئے'' ہے ہر پریشان حال شخص کے لئے یہ کتاب اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى اُلجھن، ٹینشن، ڈپریشن ختم کرنے کے لئے بہت مفید رہے گی۔

ہے۔

❼ کتنے ہی تکلیفوں میں پڑے ہوئے لوگوں کی مصیبتوں کو اللہ نے آسان کر دیا اور ڈھیر سارے فتنوں سے اللہ نے بچایا۔

❽ جب تو آنسو بہائے تو اللہ پر بھروسہ کر اور اس سے راضی ہو جا، اس لئے کہ مصائب و تکالیف دور کرنے والا اللہ ہی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی معیت کے استحضار کا واقعہ

واقعہ نمبر ②: حضرت نافع رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ فرماتے ہیں: حضرت عبداللہ بن عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُمَا ایک مرتبہ مدینہ منورہ سے باہر تشریف لے جارہے تھے، خدام ساتھ تھے، کھانے کا وقت ہو گیا، خدام نے دستر خوان بچھایا، سب کھانے کے لئے بیٹھے۔ ایک چرواہا بکریاں چراتا ہوا گزرا، اُس نے سلام کیا۔ حضرت ابنِ عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُمَا نے اسے کھانے کی دعوت دی۔ اُس نے کہا: ”میرا روزہ ہے۔“ ...... حضرت ابن عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُمَا نے فرمایا:

”اس قدر سخت گرمی کے زمانے میں کیسی لو چل رہی ہے اور جنگل میں تو روزہ رکھ رہا ہے؟“

اُس نے عرض کیا: ”میں اپنے ایامِ خالیہ کو وصول کر رہا ہوں (یعنی دنیا کے اوقات کو قیمتی بنا رہا ہوں)“

یہ قرآنِ پاک کی ایک آیت شریفہ کی طرف اشارہ تھا، جو ”سورۃ الْحَاقَّۃ“ میں ہے کہ حق تعالیٰ جنتی لوگوں کو فرمائیں گے:

﴿كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِى الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ﴾[1]

تَرجَمَہ: ”(ان سے کہا جائے گا) کھاؤ اور پیو مزے کے ساتھ، ان اعمال کے بدلے میں جو تم نے گزرے ہوئے زمانے میں (دنیا میں) کئے ہیں۔“

یعنی قیامت کے دن کہا جائے گا: ”دنیا میں تم نے اللہ تعالیٰ کے واسطے اپنے نفس کی خواہشوں کو روکا تھا اور بھوک پیاس وغیرہ کی تکلیفیں اُٹھائی تھیں، آج کوئی روک ٹوک نہیں خوب رج (پیٹ بھر کر) کر کھاؤ پیو۔“[2]

اس کے بعد حضرت ابنِ عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُمَا نے امتحان کے طور پر اُس سے کہا: ”ہم ایک بکری خریدنا چاہتے ہیں، اُس کی قیمت بتا دو اور لے لو، ہم اس کو ذبح کریں گے اور تمہیں بھی گوشت دیں گے کہ اِفطار میں کام دے گا۔“ اُس نے کہا: ”یہ بکریاں میری نہیں ہیں میں تو غلام ہوں، یہ میرے سردار کی بکریاں ہیں۔“ حضرت اِبن عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُمَا نے فرمایا: سردار کو کیا خبر ہوگی، اُس سے کہہ دینا کہ بھیڑیا کھا گیا۔“ اُس نے آسمان کی طرف اشارہ کیا اور کہا:

”فَأَيْنَ اللّٰهُ“ ...... تو اللہ تعالیٰ کہاں چلے جائیں گے (یعنی وہ پاک پروردگار تو دیکھ رہا ہے۔ جب وہ مالک الملک

---

[1] الحاقة: ٢٤ [2] تفسیر عثمانی: ٧٥٢ حاشیة: ١٠

دیکھ رہا ہے تو میں کیسے کہہ سکتا ہوں کہ بھیڑیا کھا گیا)۔

حضرت ابنِ عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا تعجب اور مزے سے بار بار فرماتے تھے کہ ایک چرواہا کہتا ہے:

"أَیْنَ اللّٰہُ، أَیْنَ اللّٰہُ" (اللہ تعالیٰ کہاں چلے جائیں گے، اللہ تعالیٰ کہاں چلے جائیں گے۔)

اس کے بعد حضرت ابن عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا شہر میں واپس تشریف لائے تو اُس غلام کے آقا سے غلام کو اور بکریوں کو خرید کر غلام کو آزاد کر دیا اور وہ بکریاں اُسی کو ہبہ کر دیں۔[1]

یہ اُس وقت کے چرواہوں کا حال تھا کہ اُن کو جنگل میں بھی یہ فکر تھی کہ اللہ دیکھ رہے ہیں۔

غیر اللہ کو دل سے نکالنے کی دعا

انسان کو چاہئے کہ دل پر ایسی محنت کرے کہ اس دل میں اللہ کے سوا نہ کسی سے امید باقی رہے، نہ اللہ کے غیر کا خوف رہے، اس نعمت کے حصول کے لئے ایک دعا اور ایک حدیث یاد کرلیں، دعا بار بار مانگتے رہیں اور حدیث کا اکیلے میں مراقبہ کرتے رہیں، سوچیں اور دوسروں کو بھی اس کی دعوت دیں، ان شاء اللّٰہ تعالٰی جلد ہی یہ کیفیت اور یہ نعمتِ عظیمہ حاصل ہوگی کہ پھر اللہ کے غیر سے امید اور خوف ختم ہو جائے گا۔ دعا یہ ہے:

"اَللّٰھُمَّ اقْذِفْ فِیْ قَلْبِیْ رَجَائَكَ وَاقْطَعْ رَجَائِیْ عَمَّنْ سِوَاكَ فَلَا اَرْجُوْ اَحَدًا غَیْرَكَ"[2]

تَرجَمَہ: اے اللہ! میرے دل میں صرف اور صرف اپنے سے امید پیوست فرما دے اور میرے دل سے اپنے غیر کی امید ختم فرما دے، یہاں تک کہ میں کسی سے بھی آپ کے سوا اُمید نہ رکھوں۔

مخلوق ہم پر مسلط ہوگی یا ہمارے لئے مسخر ہوگی

وَاقِعَہ نَمبَر ④: حضرت وہب بن ابان قرشی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کہتے ہیں: ایک مرتبہ حضرت ابن عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا ایک سفر میں گئے، وہ چلے جا رہے تھے کہ راستے میں انہیں کچھ لوگ کھڑے ہوئے ملے، انہوں نے پوچھا:

"کیا بات ہے! یہ لوگ کیوں ایک جگہ کھڑے ہیں؟"

لوگوں نے بتایا: "آگے راستے پر ایک شیر ہے جس سے یہ خوف زدہ ہیں۔ حضرت ابن عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا اپنی سواری سے نیچے اترے اور چل کر اس شیر کے پاس گئے، اس کے کان کو پکڑ کر مروڑا اور اس کی گردن پر تھپڑ مار کر اسے راستے سے ہٹا دیا پھر (واپس آتے ہوئے اپنے آپ سے) فرمایا: حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے تمہیں غلط بات نہیں فرمائی، میں نے حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کو فرماتے ہوئے سنا:

"إِنَّمَا یُسَلِّطُ عَلَی ابْنِ اٰدَمَ مَاخَافَهُ ابْنُ اٰدَمَ، وَلَوْأَنَّ ابْنَ اٰدَمَ لَمْ یَخَفْ إِلَّا اللّٰہَ لَمْ یُسَلِّطْ

---

[1] أسد الغابة: ۳۳۸/۳ [2] تاریخ الخلفاء للسیوطی: ۱۹۳

عَلَيْهِ غَيْرَهٗ، وَ إِنَّمَا وُكِّلَ ابْنُ آدَمَ لِمَنْ رَجَا ابْنُ آدَمَ، وَلَوْ أَنَّ ابْنَ آدَمَ لَمْ يَرْجُ إِلَّا اللّٰهَ لَمْ يَكِلْهُ إِلٰى غَيْرِهٖ"[1]

ترجمہ: ابنِ آدم پر وہی چیز مسلط ہوتی ہے جس سے ابنِ آدم ڈرتا ہے، اگر ابنِ آدم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور چیز سے نہ ڈرے تو اس پر اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کوئی چیز مسلط نہ ہو، ابنِ آدم اسی چیز کے حوالے کر دیا جاتا ہے جس چیز سے اسے نفع ونقصان ملنے کا یقین ہوتا ہے۔ اگر ابنِ آدم اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور چیز سے نفع یا نقصان کا یقین نہ رکھے تو پھر اللہ تعالیٰ اسے کسی اور چیز کے بالکل حوالہ نہ کرے۔

"وَمَنْ عَرَفَ اللّٰهَ لَا يَهْرُبُ مِنْ شَيْءٍ وَلَا يَخَافُ مِنْ شَيْءٍ سِوَاهُ."[2]

ترجمہ: جس نے اللہ تعالیٰ کو اس کی عظمت وصفات کے ساتھ پہچان لیا تو وہ کسی چیز سے نہیں بھاگے گا اور اللہ کے سوا کسی دوسری چیز سے خوف نہیں کھائے گا۔

آپ بڑے سے بڑے طاقت ور، بہادر سے بہادر جرنل، کرنل، جنات، بھوت، جادو اور آسیب وغیرہ کا خوف دِل سے نکال لیجئے کیوں کہ کوئی جن، بھوت اللہ کے حکم کے بغیر کچھ بھی نہیں کرسکتا، جیسے ایک چیونٹی راستے کے بیچ میں پاؤں پھیلائے بیٹھی تھی کسی نے پوچھا خیر تو ہے کیوں بیٹھی ہو؟

کہنے لگی: سنا ہے یہاں سے آج ہاتھی گزرے گا تو اس کا راستہ روکنے بیٹھی ہوں یہ تو ایک کمزور مخلوق اور طاقت ور مخلوق کی مثال ہے کہ ہاتھی اور چیونٹی کا مقابلہ تعجب خیز اور کھیل معلوم ہوتا ہے، کیوں کہ ان کا مقابلہ ہو ہی نہیں سکتا، مخلوق کتنی بھی طاقت ور اور زور آور ہو، لیکن اللّٰہُ جَلَّ جَلَالُہٗ کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی، لہٰذا مخلوق کا دل سے اثر نکال لیجئے تو پھر وہ مخلوق آپ کے قدموں میں مسخر ہو جائے گی اور اگر مخلوق کا خوف، تاثر دل میں بٹھالیا تو وہ مخلوق خواہ کتنی ہی کمزور ہو سر پر مسلط ہو جائے گی۔

"اَللّٰہُ مَعِیْ" ...... افضل الایمان ہے

"اللہ میرے ساتھ ہیں" کہنے کو تو یہ ایک چھوٹا سا فقرہ ہے، لیکن اس کا استحضار (یقین) گناہوں سے بچانے کے لئے اور گھبراہٹ اور ٹینشن سے نجات کے لئے بہت ہی مفید ہے۔ آدمی اکیلے میں بیٹھ کر سوچے کہ اللہ ہر وقت میرے ساتھ ہیں۔ سورۂ حدید میں، خود اللہ ربُّ العزت کا ارشاد ہے:

﴿وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ﴾[3]

ترجمہ: اور وہ تمہارے ساتھ ہے جہاں کہیں بھی تم ہو اور جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ دیکھ رہا ہے۔

---

[1] كنز العمال: ٢٠٦/١٣ رقم الحديث ٣٧٧٥٤ [2] عُلُوُّ الهِمّة، "الحركة قيامة وبعث للروح": ٢٦٦، [3] الحديد: ٤

حافظ عماد الدین ابنِ کثیر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

"اور وہ تم پر نگہبان ہے، تمہارے اعمال پر گواہ ہے، تم جہاں بھی ہو اور جس حالت میں بھی ہو...... سمندر میں ہو یا خشکی میں، ...... رات کا وقت ہو یا دن کا، ...... اکیلے گھر میں ہو یا جنگل میں ہو، ...... تم جہاں جس وقت بھی ہو...... اور جس حالت میں بھی ہو...... وہ سب کچھ اس کے علم میں ہے۔ اس کے علم میں سب کچھ برابر ہے۔ سب کچھ اس کی نگاہ کے سامنے ہے۔ اس کی صفت اور قوت اور شانِ سماعت کا خاصہ ہے کہ وہ تمہارے کلام اور سرگوشیاں سنتا ہے، تمہارے مکان یعنی ٹھکانے کو جانتا ہے، اور تمہارے راز کی باتوں کو بھی جانتا ہے۔ سو خوب جان لو کہ نہ اس کے سوا کوئی رب ہے نہ کوئی معبود۔ اُسی کا دھیان رکھنا چاہیے، اپنے آپ کو ہر وقت اس کی نگاہ کے سامنے سمجھنا چاہیے، اس پر ایمان رکھنا ہے۔"

جیسا کہ حضور انور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے حضرت جبرئیل عَلَیْہِ السَّلَام سے ارشاد فرمایا تھا: (جب انہوں نے ایک سائل بن کر پوچھا تھا کہ احسان کیا ہے؟ فرمایا:) کہ تو اللہ تعالیٰ کی اس طرح عبادت کر گویا کہ تو اسے دیکھ رہا ہے۔ اور اگر تو اسے نہیں دیکھ رہا (یعنی اگر یہ دھیان نہ بنے) تو اتنا تو یقین (اور استحضار) رکھ کہ وہ ضرور تجھے دیکھ رہا ہے۔[1]

حکمت کا توشہ

وَاقِعَہ نمبر ④: حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا: ایک شخص نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا: مجھے حکمت کا کچھ توشہ عنایت فرمائیں جس کے مطابق میں زندگی گزاروں۔ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: "اللہ سے اس طرح شرماؤ جیسا کہ تم اپنے خاندان کے کسی ایسے بااثر شخص سے شرماتے ہو کہ جس کی نگرانی میں تم ہو۔"[2]

اسی طرح حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا ارشاد ہے: جس نے تین کام کر لئے اُس نے ایمان کا مزہ چکھ لیا (ایمان کی حلاوت کو پا لیا)

❶ ایک یہ کہ وہ "اَللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ" کی عبادت کرے۔

❷ دوسرے یہ کہ اپنے مال کی زکوٰۃ خوش دلی سے ہر سال ادا کرے (زکوٰۃ کے اندر بوڑھا اور بیمار جانور نہ دے بل کہ اپنے اموال میں سے درمیانی قسم کے اموال سے زکوٰۃ ادا کرے)۔

❸ اور تیسرا کام اپنے نفس کا تزکیہ کرے۔

اُس شخص نے پوچھا: "مَا تَزْکِیَۃُ الْمَرْءِ نَفْسَہٗ؟" ...... انسان کے نفس کا تزکیہ کیسے ہوتا ہے؟

آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: "یَعْلَمُ أَنَّ اللّٰہَ مَعَہٗ حَیْثُ کَانَ" کہ وہ اس بات کو جانے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ہے جہاں کہیں بھی وہ ہے۔

[1] بخاری، کتاب الایمان، باب سوال جبرئیل النبی عن الایمان والاسلام وغیرھما: ۱۲/۱

[2] تفسیر ابن کثیر: ۱۳۰۷، الحدید: ٤

حضرت عبادہ بن صامت رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کہتے ہیں کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا:

"إِنَّ أَفْضَلَ الإِيمَانِ أَنْ تَعْلَمَ أَنَّ اللّٰهَ مَعَكَ حَيْثُمَا كُنْتَ."[1]

تَرجَمَہ: سب سے بہتر ایمان یہ ہے کہ تو اس بات کو جان لے کہ اللہ تیرے ساتھ ہے تو جہاں کہیں بھی ہو۔

امام احمد رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی سے یہ بہترین اشعار منقول ہیں:

إِذَامَا خَلَوْتَ الدَّهْرَ يَوْمًا فَلَا تَقُلْ　　خَلَوْتُ وَلٰكِنْ قُلْ عَلَيَّ رَقِيْبُ

وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ يَغْفُلُ سَاعَةً　　وَلَا أَنْ مَا تَخْفٰى عَلَيْهِ يَغِيْبُ

مفہوم: اگر تو تنہا کسی کمرے میں ہو اور چاروں طرف سے دروازے بند ہوں تو یہ ہرگز مت خیال کر کہ میں اکیلا ہوں، بل کہ یہ یقین رکھ کہ میرے ساتھ (میرا اللہ) میرا رقیب ہے، یعنی نگراں ہے۔

ہرگز یہ مت سمجھ کہ اللہ تعالیٰ تجھ سے پل بھر کے لئے بھی غافل ہوسکتا ہے...... یہ بات بھی ہرگز نہ سوچ کہ جو باتیں تو اپنے طور پر چھپاتا ہے وہ اللہ تعالیٰ سے واقعی چھپی ہوئی رہتی ہیں...... اور نہ ہی ہرگز یہ گمان کر کہ جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمینوں میں ہے وہ اس سے چھپا ہوا ہے...... بل کہ حق یہ ہے کہ سب کا سب اُس کے سامنے ظاہر ہے، ہر چھپی ہوئی چیز بھی اس پر واضح ہے۔"[2]

ہر کام اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرنا چاہئے

نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا: "ہر وہ اہم کام جو اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع نہ کیا جائے، ادھورا ہے۔"[3]

چناں چہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ہر کام کو "بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ" سے شروع کرنے کی تاکید فرمائی ہے، یہاں تک کہ کھانا کھاتے وقت، پانی پیتے وقت، سواری پر سوار ہوتے وقت، کوئی خط یا تحریر لکھتے وقت، غرض ہر قابلِ ذکر مشغلے کے شروع میں آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ "بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ" پڑھا کرتے تھے۔

شیخ الاسلام حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ فرماتے ہیں: بظاہر یہ ایک مختصر سا عمل ہے جسے بعض اوقات ایک رسمی کاروائی سمجھ کر نظر انداز کر دیا جاتا ہے، لیکن درحقیقت یہ کوئی رسم نہیں، بل کہ اس سے ایک بہت بنیادی فکر کی آبیاری مقصود ہے، یہ ایک ایسی اہم حقیقت کا اعتراف ہے جس کو پیشِ نظر رکھنے سے زندگی کے تمام مسائل کے بارے میں انسان کا پورا نقطۂ نظر اور معاملات طے کرنے کے لئے اس کی پوری سوچ ہی بدل جاتی ہے۔

یہ اس بات کا اعلان ہے کہ اس کائنات کا کوئی ذرّہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی مشیت کے بغیر حرکت نہیں کرسکتا، انسان کو اپنی عملی زندگی میں اسباب کو اختیار کرنے کا حکم ضرور دیا گیا ہے، لیکن نہ تو یہ اسباب خود بخود وجود میں آگئے ہیں

---

[1] تفسیر ابن کثیر: ۴۴۵/۳، الحدید: ۴　[2] تفسیر ابن کثیر: ۴۴۵/۳، الحدید: ۴　[3] الدرّ المنثور: ۲۳/۱

اور نہ ان اسباب میں بذاتِ خود کوئی کارنامہ انجام دینے کی طاقت موجود ہے، حقیقت میں ان اسباب کو پیدا کرنے والا اور ان میں تاثیر پیدا کرکے ان کے نتیجے میں واقعات کو وجود میں لانے والا کوئی اور ہے۔

اس کی ایک سادہ سی مثال یہ ہے کہ ہم جب پانی پینا چاہتے ہیں تو بسا اوقات غفلت اور بے دھیانی کے عالم میں پی کر فارغ ہوجاتے ہیں، ایک ظاہر بین انسان زیادہ سے زیادہ اتنا سوچ لیتا ہے کہ اسے یہ پانی کس کنویں، کس دریا، کس جھیل یا نہر سے حاصل ہوا، لیکن اس کنویں یا دریا اور جھیل تک پانی کیسے پہنچا؟

انسان کی پیاس بجھانے کے لئے اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ نے کائنات کی کتنی قوتیں اس کی خدمت میں لگا رکھی ہیں؟ اور اس کے لئے کیسا عجیب وغریب نظام بنایا ہوا ہے؟ اس کا دھیان بہت کم لوگوں کو ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے پانی کا عظیم الشان ذخیرہ سمندروں کی شکل میں محفوظ فرمایا ہے اور اسے سڑنے سے بچانے کے لئے اوّل تو اسے نمکین بنا دیا ہے اور دوسری طرف اسے ہر دم اس طرح رواں دواں کردیا ہے کہ اس کی موجیں حرکت اور بے تابی کی علامت بن گئی ہیں اور باوجود یہ کہ اس میں روزانہ ہزارہا جانور مرتے ہیں، پھر بھی یہ پانی کبھی سڑتا نہیں، لیکن انسان کے لئے پانی کے اس عظیم الشان ذخیرے سے براہِ راست فائدہ اٹھانا ممکن نہیں تھا۔

اس لئے کہ اوّل تو اس پانی کی کڑواہٹ ایسی ہے کہ اسے انسان پی نہیں سکتا، دوسرے اس پانی کا حصول صرف آس پاس بسنے والوں کے لئے ہی ممکن ہے، دور رہنے والے اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔

اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک طرف سمندر سے مون سون اٹھا کر اس میں ایسا خودکار پلانٹ نصب کردیا ہے جس کے ذریعے سمندر کے کڑوے پانی کو میٹھا کرنے کا حیرت انگیز نظام کسی انسانی محنت یا مالی خرچ کے بغیر مسلسل جاری ہے، دوسری طرف اس مون سون کو بادلوں کی شکل دے کر ایک مفت ایئر کارگو سروس فراہم کردی گئی ہے، جس کے ذریعے یہ سیال پانی ہوا میں تیرتا اور سینکڑوں، بل کہ ہزاروں میل کی مسافت طے کرتا ہے۔ اور اس کی فضائی پرواز نے دنیا کے ہر خطے کو سمندر کا پانی میٹھا کرکے سپلائی کرنے کی ذمہ داری لے رکھی ہے۔

لیکن نہ تو انسان یہ برداشت کرسکتا تھا کہ اس پر ہر وقت بادل چھائے رہیں اور بارش برستی رہے اور نہ اس میں یہ طاقت تھی کہ وہ سال بھر یا چھ مہینے کا پانی ایک ساتھ اکٹھا کرکے رکھ سکے، لہٰذا اللہ تعالیٰ کی قدرت وحکمت نے یہ انتظام فرمایا کہ بادلوں کا یہ پانی پہاڑوں پر برسا کر اس کے منجمد ذخیرے برف کی شکل میں محفوظ فرما دیئے۔ پانی کا یہ دل فریب کولڈ اسٹوریج پہاڑوں کی چوٹیوں پر دل آویز نظارے تو فراہم کرتا ہی ہے، لیکن اس کا اصل کام ہماری پیاس بجھانے کا انتظام ہے۔

پھر انسان کو یہ تکلیف بھی نہیں دی گئی کہ وہ اس برفستان میں خود جاکر اپنی ضرورت پوری کرے، بل کہ اسے سورج کی گرمی سے پگھلا کر دریا اور پہاڑی نالے بنا دیئے گئے اور اس کے علاوہ پانی کے سوتوں (پانی کے نکلنے کی جگہ) کے

ذریعے زمین کے کونے کونے میں ایسی پائپ لائن بچھا دی گئی ہے کہ انسان جہاں سے زمین کھودے وہیں سے پانی برآمد ہوجاتا ہے۔

سمندر سے پانی اٹھا کر اسے پہاڑوں میں محفوظ کرنے اور زمین دوز پائپ لائن کے ذریعے دنیا کے چپے چپے تک اسے پہنچانے کے اس عظیم الشان سلسلے میں کہیں بھی انسانی عمل یا اس کی فکر وکاوش اور منصوبہ بندی کو کوئی دخل نہیں ہے۔ انسان کا کام صرف اتنا ہے کہ وہ ان بہتے ہوئے دریاؤں یا زمین میں پوشیدہ سوتوں (پانی نکلنے کی جگہ) سے اپنی ضرورت کے مطابق پانی حاصل کرلے، اگرچہ یہ کام پانی کی سپلائی کے مذکورہ بالا قدرتی اور آفاقی نظام کے مقابلے میں نہایت محدود اور مختصر کام ہے، لیکن اس محدود سے کام کی انجام دہی میں بھی انسان بڑی مشقت اٹھاتا، بہت روپیہ خرچ کرتا اور کائنات کے دوسرے وسائل سے کام لیتا ہے۔

پانی کا ہر وہ گھونٹ جو ہم ایک لمحہ میں اپنے حلق سے اتار لیتے ہیں، آب رسانی کے اس سارے طویل عمل سے گزر کر ہم تک پہنچتا ہے جس میں سمندر .... بادل .... پہاڑ .... آفتاب .... ہوائیں .... ندی نالے......... زمین .... اور اس میں پوشیدہ خزانے ...... اس پر چلتے ہوئے جانور، اور بالآخر انسان اور اس کے بنائے ہوئے آلات، سب اپنا اپنا کردار ادا کر چکے ہوتے ہیں۔

جب آں حضرت ﷺ نے یہ تعلیم دی کہ پانی پینے سے پہلے "بِسْمِ اللّٰہ" کہو، یعنی اللہ تعالیٰ کا نام لے کر پینا شروع کرو، تو درحقیقت اس کا مقصد یہی ہے کہ پانی کی اس نعمت کے استعمال سے پہلے اللہ تعالیٰ کے اس احسانِ عظیم کو یاد کرو جس نے تمہارے ہونٹوں تک پانی کے یہ گھونٹ پہنچانے کے لئے کائنات کی کتنی قوتوں کو تمہاری خدمت میں لگا دیا ہے، اس پانی کے حصول کے لئے تم نے چند ظاہری اسباب ضرور اپنے عمل اور محنت سے اختیار کئے ہیں، لیکن ان ظاہری اسباب کی رسائی ایک خاص حد سے آگے نہیں، اس حد کے پیچھے اللہ تعالیٰ کی ربوبیّت کا وہ محیر العقول (عقل کو حیران کرنے والا) نظام کام کر رہا ہے، جو انسان کے عمل ہی نہیں، اس کی سوچ اور تصور کی پرواز سے بھی اونچا ہے۔

پھر ایک عام آدمی کو اس سے زیادہ کسی بات سے سروکار نہیں ہوتا کہ اسے پیاس لگی تھی جسے اس نے ایک گلاس پانی پی کر بجھا دیا، لیکن یہ پانی حلق سے اتر کر کہاں جا رہا ہے؟

اور اس کے جسم کی کیا کیا خدمات انجام دے رہا ہے؟

اس کی طرف عام طور سے کسی کا دھیان بھی نہیں جاتا، ذرا غور سے کام لیں تو درحقیقت ہماری جسمانی مشینری کے ایک ایک پرزے کو پانی کی ضرورت تھی جس کے بغیر یہ مشینری کام نہیں کرسکتی تھی، لیکن چوں کہ عام انسان یہ بھی پتہ نہیں لگا سکتا کہ اس کے جسم میں کب پانی کی مطلوبہ مقدار کم ہوگئی ہے، اس لئے قدرتِ خداوندی نے اسے پیاس کی شکل میں ایک عام فہم میٹر فراہم کر دیا ہے، جو ہر عالم اور ہر جاہل، شہری اور دیہاتی، یہاں تک کہ ناسمجھ بچے کو بھی خود بخود یہ بتا دیتا

ہے کہ اسے پانی کی ضرورت ہے، وہ اسے صرف اپنے ہونٹ اور حلق کی ضرورت سمجھتا ہے اور ان ہی دو چیزوں کو تر کر کے مطمئن ہوجاتا ہے کہ پیاس بجھ گئی۔

لیکن درحقیقت پانی کا اصل فائدہ اس سے کہیں آگے ہے، وہ صرف ہونٹ اور حلق کی نہیں پورے جسم کی مانگ تھی، اور وہ حلق سے گزر کر جسم کے ہر اس حصے کو سیراب کرتا ہے جسے اپنی زندگی برقرار رکھنے کے لئے اس کی ضرورت تھی، اور اس طرح جسم کی اندرونی پائپ لائن کے ذریعے وہ پانی سر سے لے کر پاؤں تک ضرورت کی تمام جگہوں تک پہنچایا جاتا ہے، پھر جتنے پانی کی ضرورت جسم کو ہوتی ہے، اتنا جسم میں باقی رہتا ہے اور باقی حصہ جسم کی دھلائی کے بعد اپنے ساتھ مضر اجزاء کو بہا کر دوبارہ جسم سے باہر نکل جاتا ہے۔

اسی طرح روٹی کے اس نوالے کو دیکھ لیجئے جو ہم ایک لمحے میں حلق سے اتار لیتے ہیں، ایک ظاہر بین نگاہ صرف اس حد تک جاتی ہے کہ ہم نے اپنے کمائے ہوئے پیسوں سے بازار سے آٹا خریدا اور اس سے روٹی تیار کرلی، لیکن بازار تک اس آٹے کو پہنچانے کے لئے کائنات کی کتنی طاقتیں سرگرم رہیں؟

اس کی طرف عموماً نگاہ نہیں جاتی، انسان کا کام اتنا ہی تو تھا کہ وہ زمین میں ہل چلا کر اس میں بیج ڈال دے، لیکن کون ہے جس نے اس چھوٹے سے بیج میں ایسا پروسسنگ پلانٹ (نظامِ عمل) لگایا کہ اس میں سے کونپل پھوٹ نکلی؟

کون ہے جس نے مٹی کی دبیز تہوں میں اس کونپل کی پرورش کی اور اسے یہ قوت عطا کی کہ وہ اپنے جسم کی لچک دار نوک سے زمین کا پیٹ پھاڑ کر نمودار ہو اور ایک لہلہاتی ہوئی کھیتی میں تبدیل ہوجائے؟

پھر کون ہے جس نے اس پر چاند سورج کی کرنیں بکھیریں؟

اسے لہراتی ہوئی ہواؤں کا گہوارہ فراہم کیا؟

اس پر بادلوں کا شامیانہ تان کر اس کو جھلسنے سے بچایا...... اس پر رحمت کا مینہ برسا کر اس کی نشوونما کی رفتار تیز کردی ...... یہاں تک کہ ایک ایک کھیت میں سینکڑوں خوشے اور ایک ایک خوشے میں سینکڑوں دانے وجود میں آگئے۔

قرآنِ کریم اسی حقیقت کو یاد دلاتے ہوئے کہتا ہے:

﴿ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ۝ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ۝ ﴾[1]

ترجمہ: ذرا بتاؤ تو سہی کہ جو کچھ تم بوتے ہو، کیا تم اسے اگاتے ہو یا ہم ہیں اگانے والے؟

لہٰذا! جب آں حضرت ﷺ یہ فرماتے ہیں کہ کھانا کھانے سے پہلے "بِسْمِ اللّٰہِ" کہو تو اس کا مقصد اسی حقیقت کی طرف توجہ دلانا ہے کہ اس نوالے کا حصول صرف تمہاری قوتِ بازو کا کرشمہ نہیں، بل کہ یہ اس دینے والے کی دین ہے، جس نے اسے تم تک پہنچانے کے لئے کائنات کی عظیم طاقتوں کو تمہارے لئے رام کردیا، لہٰذا اس نوالے سے لطف اندوز ہوتے ہوئے اس دینے والے کو فراموش نہ کرو، یوں تو اللہ تعالیٰ کی یہ عطا اس کی ہر مخلوق کے لئے عام ہے، کھانا اور پانی

[1] الواقعة: ٦٣، ٦٤

جانوروں کو بھی ملتا ہے لیکن جس انسان کو اللہ تعالیٰ نے عقل وشعور بخشا ہے اس میں اور بے شعور جانوروں میں اتنا فرق تو ہونا چاہئے کہ یہ باشعور مخلوق ان نعمتوں سے فائدہ اٹھاتے وقت غفلت کا مظاہرہ کرنے کے بجائے اپنے محسنِ حقیقی کو یاد کرلیا کرے (اور گناہوں سے بچے)۔ ؎

ابرو بادومہ و خورشید و فلک درکارند ‏ تاتونانے بکف آری وبغفلت نہ خوری[1]

یہ دو تو سادہ سی مثالیں تھیں، لیکن زندگی کے جس کسی کام کو لیجئے غور کرنے سے ہر جگہ صورت حال یہی ملے گی، انسانی محنت اور ظاہری اسباب کا عمل بہت چھوٹے سے دائرے تک محدود ہے، اس محدود، دائرے کے پیچھے جھانک کر دیکھئے تو دنیا کا ہر چھوٹے سے چھوٹا واقعہ ایک ایسے نظامِ ربوبیت کے ساتھ بندھا ہوا ہے جس کی حکمتیں لامحدود ہیں .... اور جس میں انسان کی محنت، کوشش، وسائل اور منصوبہ بندی کا کوئی دخل نہیں، لیکن عام طور سے انسان کی محدود نگاہ ظاہری اسباب کی تنگنائے (تنگ راستہ، تنگ کوچہ) سے آگے نہیں بڑھتی اور وہ شب وروز اسی تنگنائے کے خم وپیچ میں الجھا رہتا ہے، انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اسی لئے دنیا میں تشریف لاتے ہیں کہ وہ انسان کو اس تنگ نظری سے نجات دلا کر اس کی نگاہ کو وسعت اور سوچ کو گہرائی عطا کریں۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر کام کو اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرنے کی تعلیم دے کر زندگی کے ہر شعبے میں انسان کا رشتہ اپنے مالک سے جوڑنے کی کوشش فرمائی ہے، کیوں کہ جب انسان اپنے ہر کام کو بالآخر اللہ تعالیٰ کی مشیّت وتخلیق کے تابع قرار دیتا ہے اور بار بار اس حقیقت کا اعتراف کرکے اپنی عاجزی ودرماندگی کا اعلان کرتا ہے تو رفتہ رفتہ اس کے دل میں یہ شعور جڑ پکڑ لیتا ہے کہ وہ اس دنیا میں خالق ومالک بن کر نہیں، بل کہ مخلوق اور اپنے مالک کا بندہ بن کر آیا ہے۔ یہ احساسِ بندگی اس کے دل میں تواضع .... عاجزی .... ہمدردی وغم گساری .... پیدا کرتا ہے اور فرعونیت، تکبر کے رذیل جذبات سے اس کی حفاظت کرتا ہے۔

تاریخ شاہد ہے کہ اس دنیا میں جبرواستبداد (زبردستی) اور ظلم وستم کے واقعات اسی وقت وجود میں آتے ہیں جب انسان اپنی حقیقت کو فراموش کرکے اپنے خالق سے رشتہ توڑ لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کو خالص اپنی قوتِ بازو کا کرشمہ قرار دے کر اپنے آپ ہی کو سب کچھ سمجھ بیٹھتا ہے، لیکن جو شخص قدم قدم پر اللہ تعالیٰ کا نام لے کر یہ اعتراف کررہا ہو کہ میرا ہر کام میرے مالک وخالق کی مرہونِ منت ہے اس کے دل پر غرور وتکبر کی سیاہی کا کوئی دھبہ نہیں پڑتا اور وہ دوسری مخلوقِ خدا کے ساتھ بھی کبھی ظلم وتشدد کا روادار نہیں ہوسکتا۔

---

[1] یعنی اللہ ربُّ العزت نے انسان کو خوراک فراہم کرنے کے لئے ہوا کو، آسمان وبادل کو اور چاند وسورج کو کام میں لگایا ہوا ہے۔ ان سب کی مشترکہ کاوش کے نتیجے میں انسان کو غذا مل رہی ہے، لیکن تر نوالہ منہ میں ڈالتے وقت اللہ تعالیٰ کو یاد نہ کرے، اس کا شکر نہ بجالائے تو یہ کتنی بڑی غفلت ہوگی۔

"بِسْمِ اللّٰہ" "شروع اللہ تعالیٰ کے نام سے" بظاہر مختصر لفظ ہیں، لیکن ان کے پیچھے حقائق ومعارف کی ایک کائنات پوشیدہ ہے اور آں حضرت ﷺ نے ہر کام کے شروع میں یہ الفاظ کہلوا کر انسان کو ایسا انسان بننے کی طرف متوجہ کیا جو فرعون ونمرود نہیں، بل کہ اللہ تعالیٰ کا بندہ بن کر دنیا میں امن سے رہنا چاہتا ہو، اور اس طرح انسان کے ہر کام کو عبادت وبندگی میں تبدیل کیا۔ تھوڑی دیر کتاب بند کر کے اس مضمون کو سوچیے، اور رو رو کر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگیے کہ یہ مضمون دل میں اُتر جائے۔[1]

اللہ جل جلالہٗ کے نام کی تاثیر

واقعہ نمبر ⑤: بادشاہِ روم قیصر نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف ایک خط لکھا کہ میرے سر میں درد رہتا ہے، کوئی علاج بتائیں، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے پاس اپنی ٹوپی بھیجی کہ اسے سر پر رکھا کرو، سر کا درد جاتا رہے گا، چناں چہ قیصر جب وہ ٹوپی سر پر رکھتا تو درد ختم ہو جاتا، اتارتا تو درد دوبارہ لوٹ آتا، اسے بڑا تعجب ہوا، تجسس سے ٹوپی چیری تو اس کے اندر ایک رقعہ پایا جس پر "بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ" لکھا تھا۔ یہ بات قیصر کے دل میں گھر کر گئی، کہنے لگا: "دینِ اسلام کس قدر معزز ہے اس کی تو ایک آیت بھی باعثِ شفاء ہے، پورا دین باعثِ نجات کیوں نہ ہوگا" اور اسلام قبول کر لیا۔[2]

واقعہ نمبر ⑥: "بِسْمِ اللّٰہ" کی تاثیر کا ایک اور واقعہ امام رازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا گزر ایک قبر پر ہوا جس میں میت کو عذاب دیا جا رہا تھا، دوبارہ وہاں سے گزر ہوا تو دیکھا کہ قبر میں رحمت کے فرشتے ہیں، عذاب کی تاریکی کے بجائے وہاں اب مغفرت کا نور ہے، آپ کو تعجب ہوا، اللہ تعالیٰ سے اس عقدہ کو حل کرنے کی دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ "یہ بندہ گناہ گار تھا، جس کی وجہ سے مبتلائے عذاب تھا، مرتے وقت اس کی بیوی امید سے تھی، اس کا بچہ پیدا ہوا، وہ بچہ مکتب میں داخل کر دیا گیا، استاذ نے اسے پہلے دن "بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ" پڑھائی، تب مجھے اپنے بندے سے حیا آئی کہ" میں زمین کے اندر اسے عذاب دیتا رہوں جب کہ اس کا بیٹا زمین کے اوپر میرا نام لیتا رہے۔"[3]

سینے میں ایک گھر

❶ امام ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اس بات کو خوب سمجھ لو! اللہ تعالیٰ نے سینے میں ایک گھر پیدا کیا اور وہ دل ہے، اللہ تعالیٰ نے اس دل میں ایک تخت بچھایا۔ اور اس میں اپنی رحمت سے جنت، مانوسیت، محبوبیت اور اپنے ملنے کے شوق کا دروازہ کھولا۔ اور احکامات کے اقسام میں سے جیسے تہلیل، تسبیح، تحمید اور تقدیس کے پھولوں اور پھلوں سے لدے

---

[1] ذکر و فکر: ۹ تا ۱۷ [2] المواهب اللدنية شرح شمائل ترمذی: ۳

[3] تفسیر کبیر: ۱/۱۷۲، تفسیر بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہوئے درختوں پر اپنے کلام کی بارش برسائی۔ اس باغ کے وسط میں اللہ تعالیٰ کی معرفت کا درخت ہے۔ جو محبت، رجوع، خوف اور اس کی خوشی کے پھل اللہ تعالیٰ کے حکم سے دیتا ہے اور اس درخت کو بطورِ پانی اور کھاد کے، اس کے کلام کا تدبر اس کی سمجھ اور اس کے احکامات پر عمل کرنے کو ڈالا جاتا ہے۔

اس گھر کے بیچ میں ایک قندیل لٹکا ہوا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی معرفت ونورِ ایمان اور توحید سے چمکایا، اور اللہ تعالیٰ کی معرفت دل کے سکون کو پیدا کرتی ہے۔ اس کی علامت یہ ہے کہ وہ اپنے دل کو اللہ تعالیٰ کے قریب محسوس کرتا ہے اور اس کو واقعتاً قریب ہی پاتا ہے۔"

❷ احمد بن عاصم رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں:

"جو اللہ تعالیٰ کو زیادہ پہچانتا ہے وہی اللہ تعالیٰ کے عذاب سے اور اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے خوف کھاتا ہے۔"[1]

اَللّٰہُ ...... یَفْرَحُ بِقُرْبِہِ الْمُؤْمِنُوْنَ، وَیَشْتَاقُ إِلٰی لِقَائِہِ الْمُتَّقُوْنَ.

تَرجَمہ: ایمان والے اللہ تعالیٰ کی قربت سے خوش ہوتے ہیں اور متقی لوگ اس کے دیدار کا شوق رکھتے ہیں۔[2]

سَاکِنٌ فِي الْقَلْبِ یَعْمُرُہٗ لَسْتُ أَنْسَاہُ فَأَذْکُرُہٗ
غَابَ عَنْ سَمْعِيْ وَعَنْ بَصَرِيْ فَسُوَیْدَا الْقَلْبِ تَبْصُرُہٗ

تَرجَمہ

وہ ذات میرے دل میں بسی ہوئی ہے
اور یہی چیز میرے دل کو آباد کیے ہوئے ہے
میں اس کو بھولا ہی نہیں ہوں کہ یاد کروں
وہ اگرچہ میری آنکھوں اور کانوں سے دور ہے
لیکن میں دل کی گہرائیوں سے اس کو دیکھ رہا ہوں

اَللّٰہُ جلّ جلالہٗ سے ملاقات کی دُعا

آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یوں دعا مانگا کرتے تھے:

"اَسْاَلُکَ لَذَّۃَ النَّظَرِ اِلٰی وَجْھِکَ ..... وَالشَّوْقَ اِلٰی لِقَآئِکَ."[3]

تَرجَمہ: اے اللہ! میں تیرے چہرے کی طرف دیکھنے کی لذت کا سوال کرتا ہوں اور تجھ سے ملنے کا شوق رکھتا ہوں۔

[1] اللّٰہ اھل الثناء والمجد: ۲۱۳ [2] اللّٰہ اھل الثناء والمجد: ۱۰۴ [3] کنز العمال: ۲/۷۶ رقم: ۳۶۰۸

آپ ﷺ کے دل میں ہمیشہ سے یہ اشتیاق تھا کہ میں اپنے ربّ سے ملاقات کروں۔ محبّ کا دل ہر وقت اپنے محبوب کے دیکھنے اور اس کے حسن میں ڈوبا ہوا ہوتا ہے۔ جب اس کے جلال کی طرف دیکھتا ہے تو اس کو بڑا سمجھتا ہے اور اس کے دل میں اس کا رعب پیدا ہوتا ہے اور جب اس کی مہربانیوں اور نعمتوں کی طرف دیکھتا ہے تو اس سے محبت پیدا ہوتی ہے اور جب جنت کی نعمتوں کا مراقبہ کرتا ہے تو اس سے ملنے کا شوق جنم لیتا ہے۔

۳ یحییٰ بن معاذ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"یَخْرُجُ الْعَارِفُ مِنَ الدُّنْیَا وَلَا یَقْضِيْ وَطَرَهٗ مِنْ شَیْئَیْنِ: بُکَاؤُهٗ عَلٰی نَفْسِهٖ، وَشَوْقُهٗ إِلٰی رَبِّهٖ." [۱]

"یعنی عارف کا دل موت آنے تک دو چیزوں سے نہیں بھرتا:

① اپنے نفس پر رونا ② اپنے ربّ سے ملاقات کرنے کا شوق۔"

۴ وَکَانَ أَبُوْعُبَیْدَةَ الْخَوَّاصُ لَیَمْشِيْ فِي الطَّرِیْقِ، وَیَصِیْحُ: "وَاشَوْقَاهُ إِلٰی مَنْ یَّرَانِيْ وَلَا أَرَاهُ."

حضرت ابوعبیدہ الخواص رحمہ اللہ تعالیٰ راستے میں چل رہے ہوتے اور ایک دم چیخ مارتے ہوئے کہتے:

"میں تو اپنے پروردگار سے ملاقات کا شوق رکھتا ہوں، جو مجھ کو دیکھتا ہے، لیکن میں اس کو نہیں دیکھتا ہوں۔" [۲]

کرب و پریشانی کے وقت یہ دعا مانگئے

حضرت اسماء بنت عُمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو رسول اللہ ﷺ نے یہ دعا سکھلائی تھی اور فرمایا کہ کرب اور پریشانی کے وقت یہ دعا مانگا کریں:

اَللّٰهُ اَللّٰهُ رَبِّیْ لَا اُشْرِكُ بِهٖ شَیْئًا. [۳]

تَرْجَمَہ: اللہ اللہ میرے ربّ ہیں میں اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا/ٹھہراتی۔

لہٰذا پریشانی کے وقت یہ دعا وِرد زبان رکھنی چاہیے۔

غرض یہ کہ اللہ تعالیٰ کا نام لینا کبھی بے کار نہیں جاتا۔ قرآن میں تقریباً دو ہزار نو سو چالیس (۲۹۴۰) مرتبہ لفظِ "اللّٰہ" آیا ہے۔ [۴]

---

[۱] اللّٰہ اهل الثناء والمجد: ۱۰۵　[۲] اللّٰہ اهل الثناء والمجد: ۱۰۵　[۳] ابن ماجه، الدعاء، باب الدعاء عند الکرب: ۲۷۷

[۴] المعجم المفهرس: ۹۶

فوائد و نصائح

❶ مسلمان بندہ کو چاہیے کہ اس یقین کو دل میں بٹھائے کہ میرا مولیٰ اور آقا میرے مسائل کا حل کرنے والا، میری پریشانیاں دور کرنے والا دنیا میں کوئی نہیں سوائے اَللّٰہُ جَلَّ جَلَالُہٗ کے۔

❷ جب یہ یقین پکا ہو جائے گا تو پھر ایک اللہ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْكَ لَہٗ کی ہی عبادت کرنے میں اور بندگی کرنے میں دن رات محنت و کوشش کرے گا۔

❸ جو بندہ اللہ ہی کی عظمت و کمال کو اپنی زندگی کا مقصد بنائے اور غیر اللہ کو کسی طرح بھی اہمیت نہ دے تو ایسے شخص کو یہ صفات ملتی ہیں: غیر اللہ سے مستغنی ہو جاتا ہے، مصیبت و پریشانی میں فوراً اَللّٰہُ جَلَّ جَلَالُہٗ سے رابطہ کرتا ہے، اللہ کی رضا کے خلاف کوئی کام نہیں کرتا۔[1]

❹ نبوت کے چھ سال بعد شعبِ ابی طالب کا واقعہ پیش آیا جو قریش کے ظلم و استبداد کی ایک مثال ہے۔

مشرکینِ مکہ نے آپس میں یہ عہد و پیمان کیا کہ ہم ان مسلمانوں کا مکمل طور پر بائیکاٹ کریں گے ان سے میل جول نہیں رکھیں گے اور نہ ہی انہیں کھانے پینے کی اشیاء پہنچنے دیں گے اور ایک معاہدہ لکھ کر خانہ کعبہ کے اندر رکھ دیا گیا۔

اس معاہدہ کا خاتمہ اس طرح ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر دیمک کو لگا دیا۔ جس نے اس معاہدہ کے حروف چاٹ لئے اور صرف اللہ کا نام چھوڑا۔

رسول اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے اس بات کا تذکرہ کرتے ہوئے ابوطالب سے یوں کہا:

"يَا عَمِّ إِنَّ اللّٰهَ قَدْ سَلَّطَ الْأَرَضَةَ عَلٰى صَحِيْفَةِ قُرَيْشٍ، فَلَمْ تَدَعْ فِيْهَا اسْمًا هُوَ لِلّٰهِ إِلَّا أَثْبَتَتْهُ فِيْهَا وَنَفَتْ مِنْهَا الظُّلْمَ وَالْقَطِيْعَةَ وَالْبُهْتَانَ."

تَرْجَمَہ: "چچا جان! اللہ تعالیٰ نے (خانہ کعبہ پر لٹکائے گئے) قریش کے صحیفے پر دیمک کو مسلط کر دیا ہے جو اللہ کے اسمائے گرامی کو چھوڑ کر ظلم و قطع اور بہتان پر مشتمل سارے الفاظ کو صاف کر گیا ہے۔"[2]

جب اُسے دیکھا گیا تو صرف "بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ" باقی رہ گیا ہے اور جہاں اللہ کا نام تھا وہ بچا ہے۔

---

[1] منہج الامام ابن قیم الجوزی: ۲۶۹ [2] البدایہ والنہایہ: ۳/۸۰، نقض الصحیفة

الرَّحْمٰنُ جَلَّ جَلَالُهٗ الرَّحِيْمُ جَلَّ جَلَالُهٗ

(بے حد رحم کرنے والا) (بڑا مہربان)

ان دونوں اسموں کے تحت تین تعریفیں ذکر کی گئی ہیں:

❶ رحمت نرمی اور مہربانی کو کہا جاتا ہے۔

لفظِ "الرَّحْمٰنُ" اللہ تعالیٰ کے لئے صفتِ رحمت کو ذاتی طور پر ثابت کرتا ہے۔ اور لفظِ "الرَّحِيْمُ" اللہ تعالیٰ کے لئے صفتِ رحمت کو ظہور کے طور پر ثابت کرتا ہے۔ (یعنی لفظِ "الرَّحْمٰنُ" اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ صفتِ رحمت اللہ تعالیٰ میں ذاتی طور پر موجود ہے، اور جب اللہ تعالیٰ کسی پر رحم فرماتے ہیں تو اس فعلِ رحمت کی وجہ سے انہیں "الرَّحِيْمُ" کہا جاتا ہے)۔[1]

❷ حضرت عبداللہ بن مبارک رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ سے منقول ہے: "هُوَ الَّذِيْ إِذَا سُئِلَ أَعْطٰى إِذَا لَمْ يُسْأَلْ غَضِبَ"۔ "یعنی "الرَّحْمٰنُ" وہ ذات ہے جب اس سے مانگا جائے تو عطا کرے اور "الرَّحِيْمُ" وہ ذات ہے جب اس سے نہ مانگا جائے تو وہ ناراض ہوجائے۔" جیسا کہ حدیث میں ہے:

"مَنْ لَّمْ يَسْئَلِ اللّٰهَ يَغْضَبْ عَلَيْهِ" جو اللہ سے نہیں مانگتا اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہوجاتے ہیں۔[2]

ان دونوں صفتوں نے بتلا دیا کہ جس اللہ جل جلالہ کو لوگوں نے صرف "قہّار" اور "جبّار" سمجھ رکھا ہے، وہ تو بے حد رحمت والا اور نہایت مہربان بھی ہے اور مخلوق کو وجود بخشنا اور پھر اس کی پرورش کرنا اور اس کی ضروریات مہیا کرتے رہنا اس کی رحمت ہی کا کرشمہ ہے، اور رحمت کی صفت اس میں اتنی ہے کہ اس کے بیان کرنے کے لئے "الرَّحْمٰنُ" کہنے کے بعد "الرَّحِيْمُ" کہنے کی بھی ضرورت ہے۔[3]

الرَّحْمٰنُ: اَلْعَاطِفُ عَلَى الْبَرِّ وَالْفَاجِرِ بِالرِّزْقِ لَهُمْ وَدَفْعِ الْبَلِيَّاتِ عَنْهُمْ، الرَّحِيْمُ: خَاصَّةٌ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ بِالْمَغْفِرَةِ وَإِدْخَالِهِمُ الْجَنَّةَ.[4]

تَرْجَمَہ: صفت "الرَّحْمٰنُ" ہر نیک و بد کے لئے عام ہے۔ شفقت میں، انہیں رزق دینے میں اور ان سے مصیبتوں

---

[1] النهج الأسمى: ۷۹/۱

[2] مرقاة، كتاب اسماء اللّٰه تعالىٰ: ۴۰/۵

[3] قرآن آپ سے کیا کہتا ہے: ۲۷

[4] تفسير ابن عباس: ۲، في تفسير بسم اللّٰه

کو دور کرنے میں۔ جب کہ صفتِ رحیم مؤمنوں کے ساتھ ان کی مغفرت کرنے میں اور انہیں جنت میں داخل کرنے میں خاص ہے۔

غور کرنے کی بات یہ ہے کہ "بِسْمِ اللّٰهِ" میں اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ اور صفاتِ کمال میں سے صرف یہ دو صفتیں جو لفظِ رحمت سے ماخوذ ہیں ذکر کی گئی ہیں، تاکہ ہر بندے کو یہ سمجھا دیا جائے کہ اس کی رحمت عام بھی ہے اور تام بھی ہے۔

"اَلرَّحْمٰنُ" یعنی عام رحمت والی وہ ذات جس کی رحمت سارے عالَم اور ساری کائنات اور جو کچھ اب تک پیدا ہوا ہے اور جو کچھ ہوگا، سب پر حاوی اور شامل ہو اور "اَلرَّحِیْمُ"، یعنی اس کی رحمت کامل و مکمل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لفظِ "اَلرَّحْمٰنُ" اللہ جل شانہ کی ذات کے ساتھ مخصوص ہے، کسی مخلوق کو رحمٰن کہنا جائز نہیں ہے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی ایسا نہیں ہوسکتا کہ جس کی رحمت عام ہو۔ اسی لئے جس طرح لفظ "اَللّٰهُ" کا جمع و تثنیہ نہیں آتا کیوں کہ وہ ایک ہی ذات پاک کے ساتھ مخصوص ہے، دوسرے اور تیسرے کا وہاں احتمال ہی نہیں، اسی طرح "اَلرَّحْمٰنُ" کا بھی جمع و تثنیہ نہیں آتا۔[1]

لفظِ "اَلرَّحْمٰنُ" قرآن کریم میں ۵۷ مرتبہ آیا ہے۔ ان میں سے تین مندرجہ ذیل ہیں:

1. ﴿وَإِلٰهُكُمْ إِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَّآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ﴾[2]
2. ﴿إِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ إِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا﴾[3]
3. ﴿اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى﴾[4]

لفظِ "اَلرَّحِیْمُ" قرآن کریم میں ۱۱۴ مرتبہ آیا ہے جن میں سے تین مندرجہ ذیل ہیں:

1. ﴿إِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ﴾[5]
2. ﴿إِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾[6]
3. ﴿إِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾[7]

"اَلرَّحْمٰنُ جل جلالہ" کے ساتھ شریک ٹھہرانے کا ایک بڑا سبب

اللہ تعالیٰ کے بارے میں بہت سی قومیں (نعوذ باللّٰہ) اس غلط فہمی میں مبتلا رہی ہیں کہ انہوں نے اس کو ایک جلالی شاہنشاہ سمجھا، جو قہر اور غضب سے بھرپور ہے اور جس کو راضی اور خوش کرنا بڑا ہی مشکل ہے۔ گویا عام انسانوں کے بس کی بات ہی نہیں ہے اور (نعوذ باللّٰہ) جس کے پاس گناہ گار اور خطا کار بندوں کے لئے بس لعنت ہی لعنت، غضب ہی

---

[1] تفسیر قرطبی بتفسیر بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم: ۹۸/۱ [2] البقرۃ: ۱۶۳ [3] مریم: ۹۳
[4] طٰہٰ: ۵ [5] البقرۃ: ۵۴ [6] البقرۃ: ۱۴۳ [7] المزّمّل: ۲۰

غضب اور عذاب ہی عذاب ہے۔

اور اگر رحیم اور مہربان ہے بھی تو اس کی رحمت اور مہربانیاں کسی خاص خاندان یا خاص نسل اور خاص قوم کے لئے محدود ہیں، باقی ساری دُنیا کے لئے وہ بڑا سخت گیر اور جبار وقہار حاکم ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں یہی غلط فہمی اور گمراہی بہت سی قوموں کے شرک کا سبب بنی ہے۔ انہوں نے اپنے آپ کو دیکھا کہ ان کی زندگی گناہوں سے پاک نہیں ہے اور اس دُنیا میں نیکی اور پاکی والی زندگی گزارنا گویا اُن کے بس کی بات ہی نہیں ہے اور اپنی جہالت سے انہوں نے سمجھا کہ اللہ تعالیٰ ایسا سخت گیر اور جلالی ہے کہ خطا کاروں اور گناہ گاروں پر وہ ہرگز رحم اور مہربانی نہیں کرسکتا، اس لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تو وہ بالکل نا اُمید ہوگئے۔

شیطان نے اُن کے کانوں میں پھونکا کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں کچھ ہستیاں ایسی بھی ہیں جو اپنی نیکی اور پاکی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی بڑی مقرب اور بڑی پیاری ہیں، اللہ تعالیٰ نے انہیں بھی بہت کچھ اختیار دے رکھا ہے، ان میں اللہ تعالیٰ کا سا جلال اور غصہ بھی نہیں ہے، انہیں راضی کرنا اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی طرح زیادہ مشکل بھی نہیں ہے۔ اس لئے اُن کے دامنوں میں تم جیسے گناہ گاروں کو بھی پناہ مل سکتی ہے، ان سے تعلق جوڑنے سے اللہ تعالیٰ کے عذاب اور گرفت سے بھی بچا جاسکتا ہے۔

بس اسی کو اُنہوں نے آسان سمجھا اور اللہ تعالیٰ سے نا اُمید ہوکر شیطان کی بتلائی ہوئی ان ہستیوں کی تعظیم وعبادت اور اُن کے نام کی نذرونیاز اس اُمید پر کرنے لگے کہ ان کی مہربانی سے ہم سرسبز رہیں گے اور اُن کی توجہ اور عنایت سے ہمارے کام بنتے رہیں گے اور اللہ تعالیٰ کی گرفت اور اس کے عذاب سے بھی ان کا یہ تعلق ہمیں بچالے گا۔

یونان اور بعض دوسرے ایشیائی ملکوں میں اسی پر بس نہیں کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کو اس کی صفات (تعریفوں اور خصوصیتوں) سے الگ کرکے ایک مجرد (تنہا اور خیالی) ہستی کی طرح مانا گیا، بل کہ اُس کی ہر صفت کے لئے (جو زندگی کی ایک ضرورت ہے اور انسان اس کا محتاج ہے) ایک الگ خیالی وجود اور پیکر تجویز کرلیا گیا، مثلاً: رحم وشفقت کا فلاں دیوتا ہے...... محبت کا فلاں...... پانی برسانے والا اور کھیتی سرسبز کرنے والا فلاں...... دشمن پر فتح دینے والا اور کامیاب کرنے والا فلاں...... اولاد عطا کرنے والا اور قسمت بنانے اور بگاڑنے والا فلاں یہاں تک کہ بعض بیماریوں (چیچک وغیرہ) کو دور کرنے والا فلاں دیوتا یا دیوی ہے، اس کے نتیجہ میں خالقِ کائنات اور ربُّ العالمین (سب جانوں کا پالنے والا اور اُن کو اُن کی ضروریات مہیا کرنے والا) اللہ ایک خیالی ہستی اور ایک معطل وجود بن کر رہ گیا۔

الغرض! اکثر مشرک قوموں کے حالات اور خیالات پر گہری نظر ڈالنے سے یہی پتا چلتا ہے کہ شرک میں ان کے مبتلا ہونے کی وجہ ان کی یہی گمراہی رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت وبخشش اور جود وکرم (سخاوت ومہربانی) کی صفت کو انہوں نے نہیں جانا اور اس کو صفتِ قہر وجبر والا اور نہایت سخت گیر قسم کا جلالی بادشاہ سمجھ کر اس کی طرف سے نا اُمید ہوگئے اور

شیطان کی بتائی ہوئی واقعی یا محض فرضی اور وہمی ہستیوں کو انہوں نے اپنی امیدوں کا قبلہ بنا دیا۔

اگر وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کی بے انتہا وسعت اور اس کی غفاریت اور بخشش کی شان سے واقف ہوتے تو اس شرک میں ہرگز گرفتار نہ ہوتے۔

اسلام نے اس کے برخلاف ساری تعریفوں اور خوبیوں کا مستحق، ہر طرح کی قدرت کا مالک، نفع و نقصان، زندگی و موت، رزق، صحت و مرض، فقر و مال داری اور فتح و شکست کا دینے والا صرف اسی ایک اللہ وحدہ لاشریک لہ کو قرار دیا۔[1]

اسی لئے قرآن مجید میں جو اس دُنیا کے لئے آخری ہدایت نامہ ہے اللہ تعالیٰ کی اس شان اور اس صفت کو بہت زیادہ اُجاگر کیا گیا ہے اور بلا مبالغہ سینکڑوں جگہ مختلف عنوانوں اور مختلف پیرایوں میں اللہ تعالیٰ کی شانِ رحمت و رافت...... اور بخشش و غفاریت...... اور مخلوق کے ساتھ اس کی عنایت و محبت...... کو بیان فرمایا گیا ہے۔

جن نیک بختوں کو قرآنِ مجید کی تلاوت کی توفیق ہوتی ہے وہ جانتے ہیں کہ اس میں کتنی جگہ اللہ تعالیٰ کو "غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ، رَؤُفٌ رَّحِيْمٌ، تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ، خَيْرُ الرَّاحِمِيْنَ، اَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ" کی صفات سے یاد کیا گیا ہے۔ یہاں تک کہ "بِسْمِ اللّٰهِ" جو قرآن مجید کا سرِ نامہ ہے، اُس میں اس کی صفتِ رحمت ہی کا تعارف کرایا گیا ہے۔

شیخ ناصر بن مسفر الزہرانی لکھتے ہیں: ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہر وہ رکعت جسے ہم اللہ تعالیٰ کے لئے ادا کرتے ہیں اور ہر وہ نماز جس کے ذریعے ہم اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرتے ہیں۔ اس میں ہم اللہ تعالیٰ کی اس صفت "الرحمٰن، الرحیم" کا خوب ورد رکھیں۔ تو اسی وجہ سے ہم نماز "بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" سے شروع کرتے ہیں اور ہر رکعت میں ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝﴾ پڑھتے ہیں۔ اور ہمیں یہ حکم نہیں دیا گیا کہ ہم "اَلْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ یا اَلْمُنْتَقِمُ الْجَبَّارُ یا اَلْوَاحِدُ الْقَهَّارُ" (جن سے اللہ تعالیٰ کی قدرت اور غلبہ کا اظہار ہوتا ہو) کا ورد کریں۔

باوجود اس کہ یہ مقام اللہ ربُّ العزت کے سامنے خشوع و خضوع کے اظہار اور اس ذاتِ جبار کے سامنے کھڑے ہونے کا ہے، تاکہ ہمارے دل و دماغ میں یہ بات پیوستہ اور راسخ ہو جائے کہ ہم جس ربّ کی عبادت کرتے ہیں اور اس کے سامنے مؤدّب کھڑے ہوتے ہیں اور اپنی پیشانی اس کے سامنے رگڑتے ہیں۔ وہ "رحمٰن و رحیم" ہے، تاکہ ہمارے دل و دماغ کو اللہ تعالیٰ کی عبادت پر تسلی اور اطمینان و سکون (انشراح) حاصل ہو جائے۔[2]

---

[1] اسمائے حسنیٰ: ۱۰

[2] أُمِرْنَا فِيْ كُلِّ رَكْعَةٍ نَرْكَعُهَا لِلّٰهِ جَلَّ وَعَلَا، وَفِيْ كُلِّ صَلَاةٍ نَتَقَرَّبُ بِهَا إِلَيْهِ أُمِرْنَا أَنْ نَتَرَنَّمَ بِهٰذِهِ الصِّفَةِ، فَنَسْتَفْتِحُ صَلَاتَنَا بِالْبَسْمَلَةِ، ثُمَّ نَقْرَأُ فِيْ كُلِّ رَكْعَةٍ: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝﴾ وَلَمْ يَقُلْ مَثَلًا: اَلْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ، أَوِ الْمُنْتَقِمُ الْجَبَّارُ، أَوِ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ. رَغْمَ أَنَّ الْمَقَامَ مَقَامُ خُشُوْعٍ وَخُضُوْعٍ وَاسْتِكَانَةٍ بَيْنَ يَدَيِ الْجَبَّارِ، وَلٰكِنْ لِيَزْرَعَ فِيْ نَفْسِكَ وَيَغْرِسَ فِيْ وِجْدَانِكَ أَنَّ هٰذَا الرَّبَّ الَّذِيْ تَعْبُدُهُ، وَتَقِفُ أَمَامَهُ، وَتُمَرِّغُ جَبْهَتَكَ لِأَجْلِهِ هُوَ رَحْمٰنٌ رَّحِيْمٌ، فَيَنْشَرِحُ صَدْرُكَ، وَتَسْلُوْ نَفْسُكَ، وَيَطْمَئِنُّ فُؤَادُكَ (اللّٰه...... اهل الثناء والمجد: ٢٩٣)

اس اجمالی بیان کے بعد چند آیتوں پر ذرا تفصیلی نظر ڈال لیجیے۔ سورۂ بقرہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَاِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ﴾[1]

ترجمہ: تم سب کا معبود ایک ہی ہے، اس کے سوا کوئی عبادت اور بندگی کے لائق نہیں، وہ بڑا مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

اور اسی بات کو سورۂ اَنعام میں یوں فرمایا:

﴿ كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۚ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۚ ﴾[2]

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ نے اپنے پر رحمت اور مہربانی لازم کرلی ہے (اس لئے وہ مجرموں کو یہاں سزا نہیں دیتا، بل کہ اس نے اس پوری زندگی کی سب کو مہلت دے رکھی ہے، تاکہ جو چاہے معافی مانگ لے اور اپنے کو درست کر کے عذاب سے بچا سکے) اس نے مقرر کیا ہے کہ (انصاف اور جزا کے لئے) تم سب کو قیامت کے دن جمع کرے گا (اور اس دن ہر ایک کو اپنے کئے کا بدلہ مل جائے گا۔ یہ بالکل یقینی اور اٹل بات ہے) اس میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔''

سُبْحَانَ اللّٰهِ! اس آیت کا پہلا جملہ ﴿ كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ﴾ (اللہ تعالیٰ نے رحمت کو اپنے پر لازم اور مقرر کرلیا ہے) ہم بندوں کے لئے کتنے اطمینان اور کیسی امیدوں کا سامان اپنے اندر رکھتا ہے۔ ایسے رحمت والے پروردگار سے نااُمیدی اگر کفر نہیں تو کیا ہے؟

اور پھر اسی سورۂ اَنعام میں چار رکوع کے بعد رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا گیا اور کیسے پیارے انداز میں فرمایا گیا ہے:

﴿ وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۙ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًۢا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾[3]

ترجمہ: ''اور جب تمہارے پاس ہمارے وہ بندے آئیں جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں تو اے پیغمبر! تم (شفقت اور محبت سے ان کا استقبال کرو اور) کہو تم پر سلام! (اور انہیں خوش خبری سناؤ کہ) تمہارے پروردگار نے اپنے پر رحمت و مہربانی کو لازم کرلیا ہے (اس لئے تمہیں مطمئن رہنا چاہئے کہ) تم میں سے جس نے نادانی سے کوئی برا عمل کیا، پھر اس کے بعد اُس نے توبہ کی اور اپنی اصلاح کرلی تو بلاشبہ تمہارا رب بہت بخشنے والا اور بڑا مہربان ہے۔''

''آیات'' سے مراد اس جگہ آیاتِ قرآنی بھی ہوسکتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کی عام نشانیاں بھی، تو ایسے لوگوں کے متعلق رسولِ کریم ﷺ کو یہ ہدایت دی گئی کہ آپ ﷺ اُن کو ''سَلَامٌ عَلَيْكُمْ'' سے خطاب فرمائیں۔

یہاں ''سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ'' کے دو معنی ہوسکتے ہیں۔

---

[1] البقرہ: ۱۶۳ [2] الانعام: ۱۲ [3] الانعام: ۵۴

❶ ایک یہ کہ ان کو اللہ تعالیٰ کا سلام پہنچا دیجئے۔ جس میں ان لوگوں کا انتہائی اعزاز و اکرام ہے۔ اس صورت میں ان غریب مسلمانوں کی دل شکنی کا بہترین تدارک ہو گیا، جن کے بارے میں سردارانِ قریش نے مجلس سے ہٹا دینے کی تجویز پیش کی تھی۔

❷ اور یہ بھی مراد ہو سکتی ہے کہ آپ ﷺ ان لوگوں کو سلامتی کی خوش خبری سنا دیجئے کہ اگر ان لوگوں سے عمل میں کوتاہی یا غلطی بھی ہوئی ہے تو وہ معاف کر دی جائے گی اور یہ ہر قسم کی آفات سے سلامت رہیں گے۔

دوسرے جملے ﴿كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ﴾ میں اس احسان پر مزید احسان و انعام کا وعدہ اس طرح بیان فرمایا گیا ہے کہ آپ ﷺ ان مسلمانوں سے فرما دیں کہ تمہارے رب نے رحمت کرنے کو اپنے ذمہ لکھ لیا ہے، اس لئے وہ بہت ڈریں اور گھبرائیں نہیں، اس جملہ میں اوّل تو ''ربّ'' استعمال فرما کر مضمونِ آیت کو مزید شفقت و رحمت سے مدلل کر دیا کہ اللہ تعالیٰ تمہارا پالنے والا ہے اور ظاہر ہے کہ کوئی پالنے والا اپنے پالے ہوئے کو ضائع نہیں کرتا۔ پھر لفظِ ''رب'' نے جس رحمت کی طرف اشارہ کیا تھا، اس کو صراحتاً بھی ذکر فرما دیا۔ اور وہ بھی اس عنوان سے کہ تمہارے رب نے رحمت کرنے کو اپنے ذمہ لکھ دیا ہے اور ظاہر ہے کہ کسی شریف بھلے انسان سے بھی وعدہ خلافی صادر نہیں ہوتی تو ربُّ العالمین سے کیسے صادر ہو سکتی ہے۔ خصوصاً جب کہ اس وعدہ کو بصورتِ معاہدہ لکھ لیا گیا ہو۔

حضرت ابو ہریرہ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے ساری مخلوقات کو پیدا فرمایا اور ہر ایک کی تقدیر کا فیصلہ فرمایا تو ایک کتاب میں جو عرش پر اللہ تعالیٰ کے پاس ہے یہ لکھا:

''إِنَّ رَحْمَتِي تَغْلِبُ غَضَبِي.''[1] ''یعنی میری رحمت میرے غصے پر غالب ہے۔''

حضرت سلمان رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ فرماتے ہیں: ہم نے تورات میں یہ لکھا دیکھا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آسمان، زمین اور ان کی ساری مخلوقات کو پیدا فرمایا، تو صفتِ رحمت کے سو (۱۰۰) حصے کر کے اس میں سے ایک حصہ ساری مخلوقات کو تقسیم کر دیا، آدمی اور جانور اور دوسری مخلوقات میں جہاں بھی کوئی اثرِ رحمت پایا جاتا ہے، وہ اُسی حصۂ تقسیم شدہ کا اثر ہے۔ ماں باپ اور اولاد میں، بھائی بہنوں میں، شوہر بیوی میں، عام رشتہ داروں میں، پڑوسیوں اور دوسرے دوستوں میں باہمی ہمدردی اور محبت و رحمت کے تعلقات مشاہدہ کئے جاتے ہیں، وہ سب اسی ایک حصۂ رحمت کے نتائج ہیں۔ باقی رحمت کے ننانوے حصے اللہ تعالیٰ نے خود اپنے لئے رکھے ہیں۔

بعض روایات میں اس کو نبی کریم ﷺ کی حدیث کی حیثیت سے بھی روایت کیا گیا ہے۔ اس سے انسان کچھ اندازہ لگا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اپنی مخلوق پر کیسی اور کس درجہ ہے۔[2]

یہ ظاہر ہے کہ کوئی انسان بل کہ فرشتہ بھی اللہ تعالیٰ کے شایانِ شان عبادت و اطاعت تو ادا نہیں کر سکتا اور جو اطاعت

---

[1] مسلم، كتاب التوبة، باب في سعة رحمه الله تعالىٰ: ۲/۳۵٦

[2] اس کے لئے دیکھئے صحيح مسلم: ۲/۳۵٦ كتاب التوبة، باب في سعة رحمه الله تعالىٰ

خلافِ شان ہو، وہ دنیا کے لوگوں کی نظر میں بجائے سببِ انعام ہونے کے باعثِ ناراضگی سمجھی جاتی ہے۔ یہ حال تو ہماری اطاعت وعبادت اور حسنات (نیکیوں) کا ہے کہ حق تعالیٰ شانہ کی بارگاہِ عالی کی نسبت سے دیکھا جائے تو سیئات (برائیوں) سے کم نہیں۔ پھر اس پر مزید یہ کہ حقیقی سیئات اور معاصی سے بھی کوئی بشر خالی نہیں "إِلَّا مَنْ عَصَمَهُ اللّٰهُ" (مگر جسے اللہ تعالیٰ بچائے) ان حالات میں انصاف کا تقاضہ تو یہ تھا کہ کوئی بھی عذاب سے نہ بچتا، لیکن ہو یہ رہا ہے کہ ہر انسان پر اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہر وقت برس رہی ہیں۔ یہ سب اُسی رحمت کا نتیجہ ہے جو پروردگارِ عالم نے اپنے ذمہ لکھ لی ہے۔[1]

یقیناً بڑا شقی اور بدبخت ہے وہ انسان جو ایسے رحمت والے پروردگار کی رحمت سے بھی محروم رہے۔ جو اپنے پیغمبر رحمتِ عالم رسول اللہ ﷺ کی زبان سے اپنے خطا کار اور گناہ گار بندوں کو سلام کے بعد رحمت کا یہ پیام دلاتا ہے کہ اپنے پروردگار سے مایوس نہ ہوں اور نہ بھاگو۔ اُس نے تو رحمت کو اپنے ذمہ لکھ لیا ہے۔ اگر نادانی سے تم سے گناہ ہو گئے ہیں تو اب توبہ کرلو اور اپنی حالت ٹھیک کرلو۔ میں بڑا بخشنے والا اور مہربان ہوں۔[2]

"الرحمٰن جل جلالہ" کی رحمت اور مغفرت کے حق دار کون ہیں؟

سورۂ زمر کی آیتِ رحمت (آیت نمبر ۵۳) سے بھی معلوم ہوا اور اس سے اوپر جو آیتیں اس مضمون کی درج کی جاچکی ہیں (جن میں خاص طور سے گناہ گاروں اور خطا کاروں کے لئے اللہ تعالیٰ کی رحمت ومغفرت میں گنجائش کا اعلان کیا گیا ہے) ان سب سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وسعت اور کشادگی کا حال تو یہ ہے کہ دُنیا بھر کے بڑے سے بڑے مجرموں اور سیاہ کاروں کے لئے اس میں گنجائش ہے۔ لیکن اس کے دروازے میں داخلے کی یہ لازمی شرط ہے کہ بندہ اس رحمت والے آقا کی طرف رجوع ہو اور اس کے ساتھ اپنے معاملے کو درست رکھنے کا ارادہ رکھتا ہو۔ اگرچہ اس سے پہلے ساری عمر باغی اور نافرمان رہا ہے۔

اسی لئے قرآن مجید میں بہت سے مقامات پر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی بخشش وغفاریت کے بیان کے ساتھ اس کی دوسری صفت عدالت اور سرکش مجرموں کو سزا دہی کا بھی بیان فرمایا گیا ہے۔

جیسا کہ سورۂ فاتحہ ہی میں ﴿رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝١ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝٢﴾ کے ساتھ اس کی صفت ﴿مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ کا بھی ذکر فرمایا گیا۔ اس کا مقصد اور منشاء یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ومغفرت کی وسعت کے ان قرآنی اعلانات سے کسی کو یہ غلط فہمی نہ ہو جائے کہ اب گناہوں کی کھلی چھٹی ہے اور زندگی خواہ کیسی ہی گزار دی جائے، اللہ تعالیٰ کی رحمت کا دروازہ ہمارے لئے کھلا ہوا ہے۔ نہیں بل کہ جزا وسزا کا بھی ایک دن مقرر ہے اور اس دن کے مالک اللہ تعالیٰ ہیں۔

---

[1] معارف القرآن: ۳۳۷/۳
[2] قرآن آپ سے کیا کہتا ہے: ۴۳

بہر حال اسی غلط فہمی سے بچانے کے لئے قرآن مجید میں جا بجا رحمت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی صفتِ عدالت کا بھی بیان فرمایا گیا ہے۔ ذیل کی چند آیتیں پڑھیے:

﴿فَإِنْ كَذَّبُوكَ فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُو رَحْمَةٍ وَاسِعَةٍ ۚ وَلَا يُرَدُّ بَأْسُهُ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِينَ﴾[1]

ترجمہ: "(اے پیغمبر)! اگر یہ لوگ (اس واضح بیان اور اتمام حجت کے بعد بھی) تمہاری تکذیب ہی کریں تو آپ اُن سے کہہ دیجئے کہ تمہارا پروردگار بڑی ہی وسیع رحمت والا ہے (اور اسی رحمت کا صدقہ ہے کہ اس نے تم کو مہلت دے رکھی ہے، لیکن یاد رہے کہ مجرموں کو سزا دینا بھی اس کا قانون ہے، اس لئے اگر تم باغیانہ اور مجرمانہ زندگی سے باز نہ آئے تو ضرور اس کی سخت سزا پاؤ گے) اور مجرموں پر سے اس کا عذاب ہٹایا نہیں جا سکتا۔"

اور فرمایا:

﴿نَبِّئْ عِبَادِي أَنِّي أَنَا الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ۝ وَأَنَّ عَذَابِي هُوَ الْعَذَابُ الْأَلِيمُ﴾[2]

ترجمہ: "میرے بندوں کو خبر دے دو کہ میں بہت ہی بخشنے والا اور بڑا مہربان ہوں اور ساتھ ہی میرے عذاب بھی دردناک ہیں۔"

اسی طرح ارشاد فرمایا:

﴿غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيدِ الْعِقَابِ ذِي الطَّوْلِ ۖ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۖ إِلَيْهِ الْمَصِيرُ﴾[3]

ترجمہ: "وہ گناہ بخشنے والا ہے اور توبہ کرنے والوں کی توبہ قبول کرنے والا ہے (اور اسی کے ساتھ سرکش مجرموں کے لئے وہ) بڑی سخت سزا دینے والا ہے۔ سب کچھ قدرت رکھتا ہے۔ اُس کے سوا کوئی بندگی اور عبادت کے لائق نہیں ہے۔ سب کو اسی کی طرف لوٹنا ہے۔"[4]

مندرجہ بالا آیات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ جس طرح مہربان ہیں اسی طرح گناہ گاروں کو عذاب دینے والے بھی ہیں، لہٰذا اس کے غضب سے بچنا چاہئے۔

"الرحمٰن جل جلالہ" سے رحم اور مہربانی مانگئے

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اس سے بھی زیادہ رحم کرنے والے ہیں جتنا کہ ماں اپنے بچے پر رحم دل ہوتی ہے۔"[5]

اور ماں کی شفقت، اللہ تعالیٰ کی شفقت اور رحمت کا کہاں مقابلہ کرسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت تو ہر چیز کو شامل ہے۔

---

[1] الانعام: ۱۴۸ [2] الحجر: ۴۹، ۵۰ [3] المؤمن: ۳ [4] قرآن آپ سے کیا کہتا ہے: ۴۵، ۴۶، ۴۷

[5] بخاري، أدب: رحمة الولد ...... رقم ۵۹۹۹

وہ ذات جو اپنے بندوں پر ان کے ماں اور باپ سے بھی زیادہ رحم کرنے والی ہے...... جب بندہ دشمن کے خوف سے یا مصیبتوں کے انبار میں اس ذات کی جانب دوڑتا ہے اور اس کے دروازے پر اپنے آپ کو ڈال دیتا ہے اور اس کے سامنے روتے ہوئے اپنے رخسار اس کی چوکھٹ کی خاک میں رگڑتا ہے اور کہتا ہے:

''اے رب! اے رب! اس بندے پر رحم کر جس پر تیرے سوا کوئی رحم کرنے والا نہیں، تیرے سوا جس کا کوئی مددگار نہیں، تیرے سوا اُسے کوئی ٹھکانہ دینے والا نہیں، تیرے سوا کوئی اُس کا فریاد رَس نہیں۔ میں تیرے ہی سامنے عاجزی کرنے والا ہوں، تیرا ہی محتاج ہوں، تجھ ہی سے سوال کرنے والا ہوں، تجھ ہی سے امید رکھنے والا ہوں تیرے سوا نہ کوئی جائے پناہ ہے نہ ٹھکانہ۔ تو ہی پناہ دینے والا ہے۔[1]

اللہ تعالیٰ نے اپنے دریائے رحمت وشفقت سے ایک بڑا حصہ قلبِ مادر کو عطا کیا ہے۔ اگر اس کے بچے کا کان بھی گرم ہوتا ہے تو وہ بے چین ہوجاتی ہے۔ راتوں کو اس کے لئے جاگتی ہے اور چاہتی ہے کہ فوراً اس کی تکلیف دور کردے، وہ ذرا روتا ہے تو وہ فوراً اپنا خون پلانے کے لئے تیار ہوجاتی ہے۔ ایک لمحہ کے لئے وہ اس کی تکلیف برداشت نہیں کرسکتی، خود بھوکی رہتی ہے مگر اس کا پیٹ بھرتی ہے، خود جاگتی ہے مگر اسے سلاتی ہے، خود گرم وسرد زمانہ برداشت کرتی ہے مگر اس پر آنچ نہیں آنے دیتی، ہر وقت اس کی تکلیف کا خیال رکھتی ہے اور یہ ''رأفت وشفقت'' جو اس کے دل میں ہے ظاہر ہے کہ خود اس کی پیدا کردہ نہیں ہے، کسی دوسری ہستی کی پیدا کردہ ہے۔

اس سے کہیں زیادہ کرم اس ''الرحمٰن و الرحیم جل جلالہ'' کا ہے، وہ مادرِ مہربان سے زیادہ اپنی مخلوق پر مہربان ہے، مگر عذاب وعتاب بھی کرتا ہے۔ حشر ونشر کے بعد وہ اپنے خطا کار بندے سے پوچھے گا کہ اے میرے بندے! تو نے فلاں وقت میرا حق ادا نہیں کیا، فلاں وقت تو نے میرے ساتھ ایسا کیا، فلاں وقت ایسا کیا۔ وہ کہے گا ہاں اے پروردگار! تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے میرے بندے! میں نے اپنے حقوق تو معاف کیے، مگر تو نے جو دوسروں کی حق تلفی والے جرائم کیے، ان کی سزا بھگتنی پڑے گی۔ وہ تو وہی لوگ معاف کرسکتے ہیں۔[2]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں سو رحمتیں ہیں۔

---

[1] وَتَأَمَّلْ قَوْلَهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "اَللّٰهُ أَرْحَمُ بِعِبَادِهٖ مِنَ الْوَالِدَةِ بِوَلَدِهَا"، وَأَيْنَ تَقَعُ رَحْمَةُ الْوَالِدَةِ مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ الَّتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ.

وَمَا هُوَ الظَّنُّ بِمَنْ هُوَ أَرْحَمُ بِعَبْدِهٖ مِنَ الْوَالِدِ بِوَلَدِهٖ، وَمِنَ الْوَالِدَةِ بِوَلَدِهَا؟ إِذَا فَرَّ عَبْدٌ إِلَيْهِ، وَهَرَبَ مِنْ عَدُوِّهٖ إِلَيْهِ، وَأَلْقٰى بِنَفْسِهٖ طَرِيْحاً بِبَابِهٖ. يُمَرِّغُ خَدَّهٗ فِيْ ثَرٰى أَعْتَابِهٖ بَاكِياً بَيْنَ يَدَيْهِ. يَقُوْلُ: "يَارَبِّ يَارَبِّ اِرْحَمْ مَّنْ لَّارَاحِمَ لَهٗ سِوَاكَ ..... وَلَا نَاصِرَ لَهٗ سِوَاكَ ..... وَلَا مُؤْوِيَ لَهٗ سِوَاكَ ..... وَلَا مُغِيْثَ لَهٗ سِوَاكَ مِسْكِيْنُكَ وَفَقِيْرُكَ وَسَآئِلُكَ وَمُؤَمِّلُكَ وَمُرَجِّيْكَ. لَامَلْجَأَ لَهٗ وَلَا مَنْجَا لَهٗ مِنْكَ اِلَّآ اِلَيْكَ. اَنْتَ مَعَاذُهٗ وَبِكَ مَلَاذُهٗ." (اللّٰه.....اهل الثناء والمجد: ٢٩٧)

[2] شرح اسماء الحسنٰى للازهرى: ١٧٢، ١٧٣

اس نے ان میں سے ایک رحمت جن وانس، جانوروں اور کیڑے مکوڑوں کے درمیان اتاری ہے۔ اُسی ایک حصے کی وجہ سے وہ ایک دوسرے پر نرمی اور رحم کرتے ہیں۔ اُسی کی وجہ سے وحشی جانور اپنے بچے پر شفقت کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ننانوے رحمتوں کو قیامت کے دن کے لئے رکھا ہے کہ ان کے ذریعے اپنے بندوں پر رحم فرمائیں گے۔

ایک روایت میں ہے کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ تعالیٰ اپنی ان ننانوے رحمتوں کو اس دنیوی رحمت کے ساتھ ملا کر مکمل فرمائیں گے (پھر سو کی سو رحمتوں کے ذریعے اپنے بندوں پر رحم فرمائیں گے)۔[1]

مسلم شریف میں روایت ہے کہ حضور ﷺ کے سامنے قیدی پیش کئے گئے تو ایک قیدی عورت اپنے بچے کو ڈھونڈ رہی تھی۔ جب وہ بچہ ملا تو فرطِ محبت سے اُس نے بچہ کو سینے سے لگالیا اور دودھ پلایا، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم گمان کرتے ہو کہ یہ عورت اپنے بچے کو آگ میں پھینک سکتی ہے؟

ہم نے کہا: "لَا، وَاللّٰهِ! هِيَ تَقْدِرُ عَلٰى أَنْ لَّا تَطْرَحَهُ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَللّٰهُ اَرْحَمُ بِعِبَادِهٖ مِنْ هٰذِهٖ بِوَلَدِهَا."[2]

تَرجَمَہ: "اللہ کی قسم! وہ اس کو آگ میں نہیں پھینکے گی۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ زیادہ رحم فرمانے والے ہیں اپنے بندوں پر بنسبت اس عورت کے اپنے بچے پر۔"

رحم و مہربانی مانگنے کے لئے اس اسم مبارک کا وسیلہ دے کر اس طرح مانگے "يَا رَحْمٰنُ ارْحَمْنِيْ" اے مہربان! مجھ پر رحم فرما۔

صلہ رحمی کی تاکید

اللہ ربُّ العزت جس طرح خود صفتِ "رحم" کے ساتھ موصوف ہیں اور "اَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ" ہیں اسی طرح اپنے بندوں میں بھی ان بندوں کو پسند فرماتے ہیں جو رحم کرنے والے، آپس میں نرمی و محبت کا معاملہ کرنے والے، اور صلہ رحمی کرنے والے ہیں۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: میں ہی اللہ ہوں اور میں ہی رحمٰن ہوں۔ رحم کو میں نے پیدا کیا ہے اور اس کا نام (رحم) میں نے اپنے نام "الرحمٰن" سے نکالا ہے۔ پس جو اسے ملائے گا میں اسے ملاؤں گا اور جو اسے قطع کرے گا میں اسے اپنی رحمت سے جدا کردوں گا۔[3]

ایک حدیث میں ہے کہ اس قوم پر رحمت نازل نہیں ہوتی جس میں کوئی قطع رحمی کرنے والا ہو۔[4]

---

[1] مسلم: كتاب التوبة، باب في سعة رحمة الله تعالىٰ وانها تغلب غضبه: ٣٥٦/٢

[2] مسلم، كتاب التوبة، باب في سعة رحمة الله تعالىٰ، وأنها تغلب غضبه: ٣٥٦/٢

[3] ابوداؤد، رقم: ١٦٩٤، الزكاة، باب في صلة الرحم

[4] الادب المفرد: ٣٢، رقم: ٦٣، باب لا تنزل الرحمة على قومٍ فيهم قاطع رحم

دوسری حدیث میں ہے:

"مَا مِنْ ذَنْبٍ أَحْرٰى أَنْ يُّعَجِّلَ اللّٰهُ لِصَاحِبِهِ الْعُقُوْبَةَ فِي الدُّنْيَا مَعَ مَا يَدَّخِرُ لَهُ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْبَغْيِ وَقَطِيْعَةِ الرَّحِمِ."[1]

ترجمہ: "ظلم اور قطع رحمی کے علاوہ کوئی گناہ ایسا نہیں کہ اس کا وبال آخرت میں جمع رہنے کے ساتھ ساتھ اس کی سزا دنیا میں بھی اللہ پاک کرنے والے کو دیں" (یعنی یہ دو گناہ ظلم و قطع رحمی ایسے ہیں کہ آخرت میں تو ان پر جو کچھ وبال ہو گا وہ تو ہوگا ہی، آخرت کے علاوہ دنیا میں بھی اس کی سزا بہت جلد ملتی ہے)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ بستر پر لیٹتے وقت یہ دعا مانگتے تھے:

"اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ اَنْ تَدْعُوَ عَلَيَّ قَطِعْتُهَا."[2]

ایک اور حدیث میں ہے کہ حق تعالیٰ ہر گناہ کی جب چاہے مغفرت فرما دیتے ہیں، مگر والدین سے قطع رحمی کی سزا مرنے سے پہلے دے دیتے ہیں۔

لہٰذا ہم میں سے ہر ایک کو چاہئے کہ صلہ رحمی کا خوب اہتمام کرے، آج ہی سے توبہ کریں اور جو رشتہ دار ناراض ہیں ان سے جا کر معافی مانگیں، ان کو راضی کرنے کی بھرپور کوشش کریں اور بار بار دعا کرتے رہیں کہ اے "الرحمٰن و الرحیم"! جب میری آپ سے ملاقات ہو، دنیا سے رخصت ہونے کا وقت ہو تو میرا کوئی رشتہ دار مجھ سے ناراض نہ ہو۔ اور آپ کے اس نام مبارک کے طفیل مانگتا ہوں کہ میرے اور میرے رشتہ داروں کے دلوں میں رحم پیدا فرما دیجئے کہ ہم آپس میں صلہ رحمی کے ساتھ رہیں۔ رشتہ داروں کے ساتھ قطعِ تعلق یا ان کو ناراض کرنا، خاص طور پر والدین کی خدمت میں کوتاہی کرنا......، والدین کے وصال کے بعد چھوٹے بھائی بہنوں کو ان کا حق نہ دینا......، میراث شرعی طریقے پر تقسیم نہ کرنا......، بیوی کی یک طرفہ شکایت سن کر بغیر تحقیق کے چھوٹے بہن بھائیوں پر ظلم کرنا، بغیر تحقیق کے صرف وہمی خیالات پر رشتہ داروں سے بدگمان ہونا کہ فلاں کے پاس مال زیادہ آگیا ہے اس لئے اس میں تکبر ہے وغیرہ......، ان سب گناہوں پر بہت شدید وعید آئی ہے اور آخرت کی بات تو الگ ہے۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

"دنیا کے واقعات بہت کثرت سے اس کی شہادت دیتے ہیں کہ قطع رحمی کرنے والا دنیا میں بھی ایسے مصائب میں پھنستا ہے کہ پھر روتا ہی پھرتا ہے اور اپنی حماقت اور جہالت کی وجہ سے اس کو یہ خبر بھی نہیں ہوتی، اگر اپنے اس گناہ سے توبہ نہ کرے............اس کی تلافی نہ کرے............اس کا بدل نہ کرے............اس آفت اور اس عذاب سے جس میں

---

[1] ابوداؤد، الادب، باب في النهي عن البغي: رقم: ۴۹۰۲

[2] مجمع الزوائد: ۱۰/۱۲۸، رقم: ۱۷۰۵۹

مبتلا ہے خلاصی نہ ہوگی۔[1] چاہے لاکھ تدبیریں کر لے اور اگر کسی دنیاوی آفت میں مبتلا ہو جائے تو وہ اس سے بہت ہلکی ہے کہ کسی بددینی میں اللہ نہ کرے مبتلا ہو جائے کہ اس صورت میں اس کو پتا بھی نہ چلے گا کہ توبہ ہی کر لے۔ حق تعالیٰ ہی اپنے فضل سے محفوظ فرمائے۔"[2]

حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے: "إِرْحَمُوْا مَنْ فِي الْأَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ."[3]

ترجمہ: "تم زمین پر رہنے والوں پر رحم کرو تم پر آسمان والا رحم کرے گا۔"

دوسری حدیث میں حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے: "لَا يَرْحَمُ اللّٰهُ مَنْ لَّا يَرْحَمُ النَّاسَ."[4]

ترجمہ: "جو شخص آدمیوں پر رحم نہیں کرتا اللہ جل شانہ اس پر رحم نہیں فرماتے۔"

ایک اور حدیث میں ہے کہ: "لَاتُنْزَعُ الرَّحْمَةُ إِلَّا مِنْ شَقِيٍّ."[5]

ترجمہ: "رحم اسی شخص کے دل سے نکالا جاتا ہے جو بدبخت ہو۔"

یاد رکھیں! انسان سگا بھائی یا سگی بہن خود کسی کو نہیں بنا سکتا، اللہ نے جس کا انتخاب کیا ہے وہی سگا بھائی یا بہن ہے، لہٰذا انسان کو یہ حق بھی حاصل نہیں کہ سگے بھائی یا بہن سے رشتہ ناطہ توڑے اور ناراض ہو کر بے رحم اور سخت دِل لوگوں میں شامل ہو۔

ہر جان دار قابلِ رحم ہے

زمین پر رہنے والی مخلوق عام ہے۔ مسلمان، کافر، ملازم، انسان، حیوان، سب ہی داخل ہیں۔ ہر مخلوق کے ساتھ احسان کا برتاؤ کرنا اسلام کی تعلیم ہے اور اللہ جل شانہٗ کو محبوب ہے۔

اسی طرح حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے: ایک فاحشہ عورت کی اتنی بات پر بخشش کر دی گئی کہ وہ چلی جارہی تھی، اس نے ایک کنوئیں پر دیکھا کہ ایک کتا کھڑا ہوا ہے جس کی زبان پیاس کی شدت کی وجہ سے باہر نکلی پڑی ہے اور وہ مرنے کو ہے۔ اس عورت نے اپنے پاؤں سے چمڑے کا موزہ اُتارا اور اس کو اپنی چادر میں باندھ کر کنوئیں میں سے پانی نکالا اور اس کتے کو پلایا۔

حضور اقدس ﷺ سے کسی نے پوچھا: کیا ہم لوگوں کو جانوروں کے صلے میں بھی ثواب ملتا ہے؟

حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: "ہر جگر رکھنے والے (یعنی جان دار) پر احسان کرنے میں ثواب ہے۔" (مسلمان

---

[1] بعض پریشانیوں میں عاملین کے پاس جاتے ہیں، پروفیسر، جوتشی، نجومیوں کے پاس پریشان ہوتے ہیں، کئی کئی قسم کے تعویذ جلانے کی چیزیں استعمال کرتے ہیں، حالاں کہ وہ درحقیقت قطع رحمی کی وجہ سے عذاب میں مبتلا ہوتے ہیں ان کو چاہئے کہ صلہ رحمی کریں، اور شرعی طور پر میراث تقسیم کریں۔

[2] فضائل صدقات: ۲۸۵ [3] ترمذی: كتاب البرّ والصّلة، باب ماجاء في رحمة الناس: ۱۴/۲

[4] ایضًا [5] ایضًا

ہو یا کافر، آدمی ہو یا جانور)۔[1]

رحم کی چند صورتیں

حقیقی رحم یہ ہے کہ جس طرح ہم خود اپنے لئے دنیا و آخرت کی کامیابی کو پسند کرتے ہیں اور جہنم کی آگ سے اپنے آپ کو بچانا چاہتے ہیں، یہی بات ہم دوسروں کے لئے بھی پسند کریں کہ کس طرح یہ سب انسان جہنم سے اپنے آپ کو بچالیں، اس کے لئے چند صورتیں لکھی جاتی ہیں۔

❶ چوبیس گھنٹوں میں جتنے بھی لوگوں سے آپ کی ملاقات ہوتی ہے اگر وہ غیر مسلم ہوں تو ان کو اپنے حسنِ اخلاق اور محبت سے اسلام کی طرف بلانے کی کوشش کریں اور دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ان کافروں کے اسلام میں آنے کا ذریعہ بنا دے۔ اگر آپ اس کوشش میں کامیاب ہوگئے تو یہ لوگ آپ کی وجہ سے جہنم میں جانے سے بچ جائیں گے۔

❷ اگر آپ سے ملنے والے لوگ مسلمان ہیں تو اس بات کی کوشش کیجئے کہ وہ پورے دین پر خود بھی عمل کرنے والے ہوں اور اس دین کو سارے عالم میں پھیلانے والے بنیں۔ اس بات کی کوشش کیجئے کہ آپ کے دوست احباب، آپ کے ماتحت کام کرنے والے لوگ، اہل وعیال نمازوں کے پابند ہوں۔ مرد حضرات پانچ وقت کی نماز جماعت کے ساتھ اہتمام سے مسجد میں پڑھنے والے ہوں اور عورتیں گھروں میں وقت کا اہتمام رکھتے ہوئے نمازیں پڑھنے والی ہوں۔

اسی طرح آپ کے گھروں میں جو عورتیں آتی ہیں ان کو گھر کی عورتیں دین پر عمل کروانے کی کوشش کریں۔ ان کو اچھے ماحول میں آنے کی دعوت دیں۔ ان کو بٹھا کر فضائلِ اعمال، بہشتی زیور، اصلاحی خطبات،[2] صحابہ کے واقعات اور تابعین کے واقعات نامی کتابوں سے روزانہ چند صفحات پڑھ کر سنائیں۔

❸ اسی طرح اگر آپ گھر کے بڑے ہیں تو اس بات کی کوشش کریں کہ آپ کے خاندان اور دوسرے رشتے داروں کی شادیوں میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا کوئی حکم نہ ٹوٹے، اور آج کل عام طور سے اللہ تعالیٰ کی جو نافرمانیاں رواج میں شامل ہوگئی ہیں، ان سے ہر ممکن طور پر بچنے اور بچانے کی کوشش کریں۔

❹ اللہ تعالیٰ نے اگر آپ کو خاندان میں اثر ورسوخ اور وجاہت عطا فرمائی ہے تو اس کو کام میں لائیں۔ اثر ورسوخ ہوتے ہوئے لوگوں کو بری باتوں سے نہ روکنا گویا اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کی ناقدری کرنا ہے۔ لہٰذا ہر موقع پر اپنے اثر ورسوخ کے ذریعے نیکی کو فروغ دینے اور برائی کو مٹانے کی جو بھی کوشش آپ کر سکتے ہوں اس سے دریغ نہ کریں۔

حفظ قرآن کے لیے ''الرحمٰن جل جلالہ'' سے مانگیے

حضور ﷺ کی بتائی ہوئی دعائیں ایسی ہیں جیسے احکم الحاکمین نے خود بتایا ہو کہ ہم سے اس طرح درخواست کرو تو یہ

---

[1] صحیح البخاری، کتاب بدء الخلق، باب اذا وقع الذباب، الرقم: ۳۳۲۱ [2] از مولانا محمد تقی عثمانی صاحب

قبولیت کے زیادہ قریب ہیں تو ہمیں بھی ان دعاؤں کا اہتمام کرنا چاہیے۔

حضور ﷺ نے یوں دعا مانگنا سکھایا ہے، اے اللہ! رحم فرما مجھ پر کہ میں گناہوں کو چھوڑ دوں۔

اے اللہ! مجھ پر رحم فرما کہ لایعنی چھوڑ دوں، چناں چہ حضور اقدس ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حفظِ قرآن کے لیے یہ دعا تعلیم فرمائی:

"اَللّٰهُمَّ ارْحَمْنِيْ بِتَرْكِ الْمَعَاصِيْ اَبَدًا مَّا اَبْقَيْتَنِيْ وَارْحَمْنِيْ اَنْ اَتَكَلَّفَ مَا لَا يَعْنِيْنِيْ وَارْزُقْنِيْ حُسْنَ النَّظَرِ فِيْمَا يُرْضِيْكَ عَنِّيْ اَللّٰهُمَّ بَدِيْعَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ذَالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ وَالْعِزَّةِ الَّتِيْ لَا تُرَامُ اَسْئَلُكَ يَا اَللّٰهُ يَا رَحْمٰنُ بِجَلَالِكَ وَنُوْرِ وَجْهِكَ اَنْ تُلْزِمَ قَلْبِيْ حِفْظَ كِتَابِكَ كَمَا عَلَّمْتَنِيْ وَارْزُقْنِيْ اَنْ اَقْرَأَهٗ عَلَى النَّحْوِ الَّذِيْ يُرْضِيْكَ عَنِّيْ اَللّٰهُمَّ بَدِيْعَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ وَالْعِزَّةِ الَّتِيْ لَا تُرَامُ اَسْئَلُكَ يَا اَللّٰهُ يَا رَحْمٰنُ بِجَلَالِكَ وَنُوْرِ وَجْهِكَ اَنْ تُنَوِّرَ بِكِتَابِكَ بَصَرِيْ وَاَنْ تُطْلِقَ بِهٖ لِسَانِيْ وَاَنْ تُفَرِّجَ بِهٖ عَنْ قَلْبِيْ وَاَنْ تَشْرَحَ بِهٖ صَدْرِيْ وَاَنْ تَغْسِلَ بِهٖ بَدَنِيْ فَاِنَّهٗ لَا يُعِيْنُنِيْ عَلَى الْحَقِّ غَيْرُكَ وَلَا يُؤْتِيْهِ اِلَّا اَنْتَ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ [1]."

تَرجَمَہ: "اے الٰہ العالمین! مجھ پر رحم فرما کہ جب تک میں زندہ رہوں گناہوں سے بچتا رہوں اور مجھ پر رحم فرما کہ میں بے کار چیزوں میں کلفت نہ اٹھاؤں اور اپنی مرضیات میں خوش نظری مرحمت فرما۔ اے اللہ زمین اور آسمان کے بے نمونہ پیدا کرنے والے، اے عظمت اور بزرگی والے اور اس غلبہ یا عزت کے مالک جس کے حصول کا ارادہ بھی ناممکن ہے۔ اے اللہ اے رحمٰن! میں تیری بزرگی اور تیری ذات کے نور کے طفیل تجھ سے مانگتا ہوں کہ جس طرح تو نے اپنا کلام پاک مجھے سکھا دیا اسی طرح اس کی یاد بھی میرے دل سے چسپاں کر دے اور مجھے توفیق عطا فرما کہ میں اس کو اس طرح پڑھوں جس سے تو راضی ہو جاوے۔ اے اللہ زمین اور آسمانوں کے بے نمونہ پیدا کرنے والے، اے عظمت اور بزرگی والے اور اس غلبہ یا عزت کے مالک جس کے حصول کا ارادہ بھی ناممکن ہے، اے اللہ اے رحمٰن! میں تیری بزرگی اور تیری ذات کے نور کے طفیل تجھ سے مانگتا ہوں کہ تو میری نظر کو اپنی کتاب کے نور سے منور کر دے اور میری زبان کو اس پر جاری کر دے اور اس کی برکت سے میرے دل کی تنگی کو دور کر دے اور میرے سینے کو کھول دے اور اس کی برکت سے میرے جسم کے گناہوں کا میل دھو دے کہ حق پر تیرے سوا میرا کوئی مددگار نہیں اور تیرے سوا میری یہ آرزو کوئی پوری نہیں کر سکتا اور نہیں ہے گناہوں سے بچنے کی ہمت اور نہ نیکی کرنے کی طاقت، مگر اللہ برتر و بزرگی والے کی مدد سے۔"

[1] جامع الترمذی، الدعوات، باب فی دعاء الحفظ: ۲/۱۹۷

المَلِكُ جَلّ جَلالُہٗ

(حقیقی بادشاہ)

اس اسم مبارک کے تحت دو تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں۔

❶ امام غزالی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ فرماتے ہیں: "المَلِكُ جَلّ جَلالُہٗ" وہ ذات ہے جو اپنی ذات وصفات میں ہر موجود سے مستغنی ہے۔ ہر موجود اس کا محتاج ہے، بل کہ کوئی چیز اپنی ذات میں...... صفات میں...... وجود میں...... بقا میں...... غرض کسی بات میں اس سے مستغنی نہیں۔ موجود کا وجود اس سے ہے یا اس کے ساتھ منسوب ہونے والی کسی دوسری شئے سے ہے۔ اس کے سوا ہر چیز اپنی ذات وصفات میں اس کی مملوک ہے اور وہ ہر چیز سے مستغنی ہے۔ الغرض ایسی ذات ملک مطلق ہے۔[1]

❷ اللہ ربُّ العزت کی ذات ہی حقیقی طور پر رب کہلانے کے لائق ہے۔ اس کے علاوہ کوئی اور رب ہے ہی نہیں۔ وہ تمام پالنے والوں کا پالنے والا، تمام سلطنت کا مالک اور تمام بادشاہوں کا بادشاہ ہے۔[2]

اسی بات کو بیان کرتے ہوئے امام قرطبی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ فرماتے ہیں: اللہ ربُّ العزت تمام پالنے والوں کا بھی رب ہے، تمام بندوں کا معبود، تمام سلطنتوں اور بادشاہوں پر اس کی بادشاہت ہے۔ تمام بندوں پر اسی کا حکم چلتا ہے۔ وہی ان کا خالق اور ان کا رازق ہے۔ اس ذات کے علاوہ کوئی خالق اور رازق نہیں ہے۔

مخلوق اگر کسی چیز کی مالک ہے بھی تو اسے اللہ ربُّ العزت کی جانب سے عارضی طور پر مالک بنایا گیا ہے، حالاں کہ جس وقت وہ دنیا میں آئے تو وہ کسی چیز کے بھی مالک نہ تھے، اور جو ملکیت انہیں اب حاصل ہے، یہ ملکیت بھی عارضی ہے، کسی بھی وقت ان کی ملکیت زائل ہو سکتی ہے، اور ان کی ملکیت بھی چیدہ چیدہ اشیاء پر ہے جب کہ "المَلِكُ جَلّ جَلالُہٗ" کی ملکیت اس کے برخلاف کائنات کے ذرّہ ذرّہ پر ہے۔ تو خالق اور مخلوق کی صفات میں یہی فرق ہے۔[3]

---

[1] رسائل امام غزالی: ۲۷٤/۱

[2] إِنَّ اللّٰهَ سُبْحَانَهٗ هُوَ الرَّبُّ عَلَى الْحَقِيْقَةِ، فَلَا رَبَّ عَلَى الْحَقِيْقَةِ سِوَاهُ وَهُوَ رَبُّ الْأَرْبَابِ وَمَالِكُ الْمُلْكِ، وَمَلِكُ الْمُلُوْكِ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى.

[3] قال القرطبي: فَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ رَبُّ الْأَرْبَابِ، وَمَعْبُوْدُ الْعُبَّادِ، يَمْلِكُ الْمَمَالِكَ وَالْمُلُوْكَ، وَجَمِيْعَ الْعِبَادِ، وَهُوَ خَالِقُ ذٰلِكَ =

یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ حقیقی مالک تمام کائنات کے ذرّے ذرّے کا وہی ذاتِ پاک ہے، جس نے ان کو پیدا کیا...... ان کی نشوونما کی...... تربیت کی...... اور جس کی ملکیت ہر چیز پر مکمل ہے۔ ظاہر پر بھی...... باطن پر بھی...... زندہ پر بھی...... مردہ پر بھی...... اور جس کی ملکیت کی نہ کوئی ابتداء ہے نہ انتہا۔

بخلافِ انسان کی ملکیت کے کہ وہ ابتداء وانتہا کے دائرے میں محدود ہے، پہلے نہیں تھی اور پھر نہ رہے گی، نیز اس کی ملکیت وتصرف اشیاء کے ظاہر پر ہے باطن پر نہیں، زندہ پر ہے مردہ پر نہیں۔ اس لئے تمام اہلِ بصیرت کے نزدیک صرف روزِ جزاء کی نہیں، بل کہ دنیا میں بھی تمام کائنات کی حقیقی ملکیت صرف اور صرف ''مالک جل جلالہ'' ہی کی ہے۔

اگرچہ حقیقی اور مکمل ملکیت تمام کائنات پر صرف پروردگارِ عالم ہی کی ہے، لیکن اسی نے اپنے کرم اور حکمتِ بالغہ سے ایک قسم کی ناقص ملکیت انسان کو بھی عطا فرما رکھی ہے اور دنیا کے قوانین میں اس کی ملکیت کا کافی احترام بھی کیا گیا ہے۔ دنیا میں انسان مال و دولت کا مالک ہے، زمین و جائیداد کا مالک ہے، کوٹھی، بنگلہ اور فرنیچر کا مالک ہے، حشم و خدم کا مالک ہے۔ اور یہ ناقص سی ملکیت جو اس کو محض آزمائش کے لئے دی گئی تھی، سورۂ فاتحہ کی تلاوت کرتے ہوئے اس کو یاد دلایا گیا ہے کہ اس ناقص سی ملکیت سے دھوکہ نہ کھانا، فرمایا:

﴿مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ [1] یعنی یہ ملکیتیں اور سب تعلقات و روابط صرف چند روز کے لئے ہیں، ایک دن ایسا آنے والا ہے جس میں کوئی کسی چیز کا ظاہری طور پر بھی مالک نہ رہے گا۔ نہ کوئی کسی کا خادم رہے گا، نہ مخدوم، نہ کوئی کسی کا آقا رہے گا نہ غلام۔ تمام کائنات کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہی ہوگا۔

جیسا کہ اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ ملکیت اور بادشاہت اُسی ذات ''مالک جل جلالہ'' کے لئے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَوْمَ هُمْ بٰرِزُوْنَ ۚ لَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ ۭ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۭ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ۝۱۶ اَلْيَوْمَ تُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ ۭ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝۱۷﴾ [2]

ترجَمہ: جس دن سب لوگ اللہ تعالیٰ کے سامنے آموجود ہوں گے (کہ) ان کی کوئی بات اللہ تعالیٰ سے (صورۃً) بھی مخفی نہ رہے گی۔ آج کے روز کس کی حکومت ہوگی؟

بس اللہ ہی کی ہوگی جو یکتا اور غالب ہے۔ آج ہر شخص کو اس کے کیے (ہوئے کاموں) کا بدلہ دیا جائے گا۔ آج کسی پر ظلم نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔ [3]

= وَرَازِقُهُ، وَكُلُّ رَبٍّ سِوَاهُ غَيْرُ خَالِقٍ وَلَا رَازِقٍ، وَكُلُّ مَخْلُوْقٍ فَمُمَلَّكٌ بَعْدَ أَنْ لَّمْ يَكُنْ، وَمُنْتَزَعٌ ذٰلِكَ مِنْ يَدِهِ، وَإِنَّمَا يَمْلِكُ شَيْئًا دُوْنَ شَيْءٍ، وَصِفَةُ اللّٰهِ مُخَالِفَةٌ لِهٰذَا الْمَعْنٰى، فَهٰذَا الْفَرْقُ بَيْنَ صِفَاتِ الْخَالِقِ وَالْمَخْلُوْقِيْنَ. (النهج الأسمٰى: ١/٤١٢)

[1] الفاتحہ: ۳ [2] المؤمن: ١٦، ١٧ [3] خلاصہ از معارف القرآن: ۱/۸۵

اور مندرجہ ذیل احادیث میں بھی یہ بات بیان کی گئی ہے:

"عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ -رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ- عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: يَقْبِضُ اللّٰهُ الْأَرْضَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَيَطْوِي السَّمَاءَ بِيَمِينِهِ ثُمَّ يَقُولُ: أَنَا الْمَلِكُ، أَيْنَ مُلُوكُ الْأَرْضِ؟"[1]

تَرْجَمَہ: آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ قیامت کے دن زمین کو اپنے قبضہ میں لیں گے اور آسمانوں کو اپنے داہنے ہاتھ میں لپیٹیں گے، پھر فرمائیں گے کہ میں ہی بادشاہ ہوں، زمین کے بادشاہ کہاں ہیں......؟ جب کوئی نہیں بولے گا تو یہ جواب اللہ تعالیٰ خود ہی دے گا، بعض کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایک فرشتہ منادی کرے گا، جس کے ساتھ ہی تمام کافر اور مسلمان بیک آواز یہی جواب دیں گے "لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ."[2]

اور ایک حدیث میں یہ الفاظ ہیں:

"وَالْجِبَالَ وَالشَّجَرَ عَلَى إِصْبَعٍ، وَالْمَاءَ وَالثَّرٰى عَلَى إِصْبَعٍ وَسَائِرَ الْخَلْقِ عَلَى إِصْبَعٍ، ثُمَّ يَهُزُّهُنَّ فَيَقُولُ: أَنَا الْمَلِكُ، أَنَا الْمَلِكُ."[3]

تَرْجَمَہ: اور (اللہ تعالیٰ قیامت میں) تمام پہاڑ اور درختوں کو ایک انگلی پر رکھیں گے اور پانی اور مٹی ایک انگلی پر اور تمام مخلوق کو ایک انگلی پر، پھر ان کو ہلا کر فرمائیں گے: میں ہی بادشاہ ہوں، میں ہی بادشاہ ہوں۔

یعنی اس کی مالکیت اور ملکیت یعنی بادشاہت کے لئے روز جزاء کو اس لئے خاص کیا گیا کہ اس کے جلال و جمال کا بلاواسطہ ظہور عَلٰی وَجْهِ التَّمَامِ وَالْكَمَالِ عالم کے ہر ہر فرد کے لئے ایک ہی آن میں صرف اسی روز ہوگا۔ دنیا میں بھی وہی حقیقی مالک اور حقیقی بادشاہ ہے، مگر دنیا میں اس کی مشیت اور حکمت سے کچھ مجازی بادشاہت اور مجازی مالکیت نظر آتی ہے۔ قیامت کے دن سارے مجاز ختم ہو جائیں گے اور صرف حقیقت ہی حقیقت رہ جائے گی۔[4]

ہر چیز کا مالک "اَلْمَلِكُ جَلَّ جَلَالُہٗ" ہے

وَاقِعَہ نمبر ⑦: ایک بچے نے اپنے والد سے آکر کہا کہ مالک مکان آئے ہوئے ہیں۔ والد نے بچے کی تربیت کرتے ہوئے سمجھایا: بیٹا یوں نہیں کہتے، اس لئے کہ مکان کا حقیقی مالک تو اللہ تعالیٰ ہے۔ ہاں ان کی طرف عارضی نسبت کرتے ہوئے یہ کہہ سکتے ہیں کہ صاحبِ مکان آئے ہوئے ہیں۔ بچپن سے یہ ذہن بنایا جائے کہ ہر چیز کا مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ آج جس کے قبضے میں یہ چیز نظر آتی ہے، یہ اللہ تعالیٰ ہی نے اس کے قبضے میں دی ہے اور یہ قبضہ اور یہ ملکیت

---

[1] مسلم، كتاب صفة المنافقين واحكامهم، باب صفة القيامة و الجنة والنار: ٣٧٠/٢

[2] تفسير فتح القدير: ١٥٥٣، المؤمن: ١٦

[3] مسلم، كتاب صفة المنافقين واحكامهم، باب صفة القيامة و الجنة والنار: ٣٧٠/٢

[4] معارف القرآن: ٨٣/١ (مولانا كاندهلوى رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى)

عارضی طور سے اس کے ہاتھ میں ہے۔ اللہ تعالیٰ جب چاہے اس سے لے لے اور جب تک چاہے اس کو دیئے رکھے۔

واقعۂ نمبر ⑧: شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحب رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے آپ بیتی میں اپنا ایک قصہ لکھا ہے کہ جب میں چھوٹا بچہ تھا تو ماں نے میرے لئے ایک چھوٹا سا خوب صورت تکیہ بنا دیا تھا، جیسا کہ عام طور پر بچوں کے لئے بنایا جاتا ہے۔ مجھے اس تکیہ سے بڑی محبت تھی اور ہر وقت میں اس کو اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ ایک دن میرے والد صاحب لیٹنا چاہ رہے تھے۔ ان کو تکیے کی ضرورت پیش آئی تو میں نے والد صاحب سے کہا:

ابا جی! میرا تکیہ لے لیجئے۔ یہ کہہ کر میں نے اپنا تکیہ ان کو اس طرح پیش کیا جس طرح کہ میں نے اپنا دل نکال کر باپ کو دے دیا، لیکن جس وقت یہ تکیہ میں نے ان کو پیش کیا، اسی وقت والد صاحب نے مجھے ایک چپت رسید کی اور کہا کہ ابھی سے تو اس تکیے کو اپنا تکیہ کہتا ہے۔ مقصد یہ تھا کہ تکیہ تو درحقیقت باپ کی عطا ہے، لہٰذا اس کو اپنی طرف منسوب کرنا یا اپنا قرار دینا غلط ہے۔

حضرت شیخ الحدیث رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی لکھتے ہیں کہ اس وقت تو مجھے بہت برا لگا کہ میں نے تو اپنا دل نکال کر باپ کو دے دیا اور اس کے جواب میں باپ نے ایک چپت لگا دی، لیکن آج سمجھ میں آیا کہ کتنی باریک بات پر اس وقت والد صاحب نے تنبیہ فرمائی تھی، اور اس کے بعد سے ذہن کا رُخ بدل گیا۔ اس قسم کی چھوٹی چھوٹی باتوں پر ماں باپ کو نظر رکھنی پڑتی ہے، تب جا کر بچے کی تربیت صحیح ہوتی ہے اور بچہ صحیح طور پر ابھر کر سامنے آتا ہے۔[1]

''المَلِكُ جَلَّ جَلَالُهٗ'' کی مالکیت اور وحدانیت کا اقرار

ملا علی قاری رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے اپنی کتاب ''الحزب الاعظم'' میں ایک دعا ذکر فرمائی ہے۔ اس کے معنی پر خوب غور کرتے رہنا چاہئے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی مالکیت وحدانیت کا اقرار اور اللہ تعالیٰ کی تعریف وثناء بھی ہے۔

''اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الْمَلِكُ لَاشَرِيْكَ لَكَ..... وَالْفَرْدُ لَانِدَّلَكَ..... كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَكَ..... لَنْ تُطَاعَ اِلَّا بِاِذْنِكَ..... وَلَنْ تُعْصٰى اِلَّا بِعِلْمِكَ..... تُطَاعُ فَتَشْكُرُ..... وَتُعْصٰى فَتَغْفِرُ..... اَقْرَبُ شَهِيْدٍ وَّاَدْنٰى حَفِيْظٍ..... حُلْتَ دُوْنَ النُّفُوْسِ..... وَاَخَذْتَ بِالنَّوَاصِيْ..... وَكَتَبْتَ الْاٰثَارَ..... وَنَسَخْتَ الْاٰجَالَ..... اَلْقُلُوْبُ لَكَ مُفْضِيَةٌ..... وَالسِّرُّ عِنْدَكَ عَلَانِيَةٌ..... اَلْحَلَالُ مَا اَحْلَلْتَ..... وَالْحَرَامُ مَا حَرَّمْتَ..... وَالدِّيْنُ مَا شَرَعْتَ..... وَالْاَمْرُ مَا قَضَيْتَ..... وَالْخَلْقُ خَلْقُكَ..... وَالْعَبْدُ عَبْدُكَ..... وَاَنْتَ اللّٰهُ الرَّءُوْفُ الرَّحِيْمُ. اَسْاَلُكَ بِنُوْرِ وَجْهِكَ الَّذِيْٓ اَشْرَقَتْ لَهُ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَبِكُلِّ حَقٍّ هُوَ لَكَ وَبِحَقِّ السَّآئِلِيْنَ عَلَيْكَ اَنْ تُقِيْلَنِيْ فِيْ هٰذِهِ الْغَدَاةِ اَوْ فِيْ هٰذِهِ الْعَشِيَّةِ..... وَاَنْ تُجِيْرَنِيْ مِنَ النَّارِ بِقُدْرَتِكَ''[2]

---

[1] آپ بیتی: ۱/۱۷
[2] کتاب الدعا للطبرانی: ۴۷، ۴۸ نقلاً عن الحزب الاعظم: ۴۱، ۴۲

ترجمۃ: ''اے اللہ! تو ہی بادشاہ ہے...... تیرا شریک کوئی نہیں...... تو یکتا ہے...... تیرا مثل کوئی نہیں...... تیری ذات کے سوا جو چیز بھی ہے سب نیست و نابود ہو جانے والی ہے...... تیرے حکم کے بغیر تیری فرماں برداری نہیں کی جاسکتی...... اور نہ تیرے علم کے بغیر تیری نافرمانی ہو سکتی ہے...... تیری اطاعت کی جائے تو تو خوش ہوتا ہے...... اور تیری نافرمانی کی جائے تو تو بخش دیتا ہے...... تو ہر حاضر سے نزدیک تر ہے...... ہر نگہبان سے زیادہ قریب ہے...... تو حائل ہوا اور آڑے آیا لوگوں اور ان کی خواہشات کے درمیان (یعنی تو دلوں کا مالک ہے جدھر چاہے پھیر دے کفر کی طرف یا اسلام کی طرف)...... پکڑ رکھے ہیں تو نے پیشانیوں کے بال (یعنی سب تیرے قبضہ میں ہیں)...... لکھ دیا ہے تو نے لوگوں کے سب کاموں کو (لوح محفوظ میں)...... اور لکھ دی ہیں سب کی عمریں...... مخلوق کے دل تیرے لئے کشادہ ہیں...... بھید تیرے سامنے سب کھلے ہوئے ہیں...... حلال بس وہ چیز ہے جو تو نے حلال فرمائی...... حرام وہی ہے جس کو تو نے حرام فرمایا...... دین وہی ہے جو تو نے جاری کیا...... اور حکم (فیصلہ) وہی ہے جو تو نے مقدر فرما دیا...... سب مخلوق تیری پیدا کردہ ہے...... سب بندے تیرے ہی بندے ہیں...... تو ہی وہ اللہ ہے جو بڑا مہربان ہے اور بڑی رحمت والا ہے۔ میں تیرے اس روئے انور کے وسیلے سے مانگتا ہوں جس سے سب آسمان و زمین چمک اٹھے اور تیرے اس حق کے وسیلے سے مانگتا ہوں جو تیرا ساری مخلوق پر ہے (یعنی عبادت) اور اس حق کے وسیلے سے جو سوال کرنے والوں کے واسطے تو نے اپنے اوپر لازم فرما لیا ہے کہ تو مجھ کو معاف فرما دے اس صبح میں یا اس شام میں اور یہ کہ تو اپنی قدرت سے مجھ کو دوزخ کی آگ سے پناہ دے۔''

یہ اسم مبارک قرآن کریم میں پانچ مرتبہ آیا ہے جن میں سے تین یہ ہیں:

۱ ﴿فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ﴾[1]

۲ ﴿مَلِكِ النَّاسِ﴾[2]

۳ ﴿هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْمَلِكُ﴾[3]

فوائد و نصائح

۱ بندہ کو چاہئے کہ دنیا کی ہر چیز کا مالک اور بادشاہ حقیقی ''المَلِكُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کو مانے اور جانے اور اقبال کے اس شعر کو یاد رکھے:

اپنے مالک کو نہ پہچانے تو محتاج ملوک   اور پہچانے تو پھر تیرے گدا و دارا و جم

۲ جب بندہ اللہ کے سوا کسی کو مالک اور حقیقی بادشاہ نہیں مانے گا تو وہ ضرور شرک سے بچے گا اور اس کے ایمان میں بھی

---

[1] طٰہٰ: ۱۱۴ [2] الناس: ۲ [3] الحشر: ۲۳

اضافہ ہوگا، ایمان ''المَلِكُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' پر پکا ہوگا اطمینان اور سکون نصیب ہوگا۔ پھر بندہ خوشی وغم میں مالک حقیقی ہی کی تعریف اور اسی ہی سے پناہ طلب کرے گا، ''المَلِكُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' ہی کی پناہ میں آئے گا، اور ہر چیز کو اللہ تعالیٰ ہی کا محتاج سمجھے گا۔[1]

❸ بندے کو چاہئے کہ یقین رکھے کہ میری جان، میرا مال، میرا وقت یہ میرے پاس امانت ہے حقیقی مالک اللہ ہے، اپنے بشری تقاضوں کو پورا کرکے باقی وقت اور جان اور مال اللہ کے دین کو پھیلانے کی محنت میں گزارے۔ ؎

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

---

[1] المنهج للجوزي: ٢٧٤

الْقُدُّوْسُ جَلَّ جَلَالُہٗ

(ہر عیب سے پاک ذات)

اس اسم مبارک کے تحت تین تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں۔

❶ "اَلْقُدُّوْسُ: هُوَ الطَّاهِرُ مِنَ الْعُيُوْبِ، اَلْمُنَزَّهُ عَنِ الْأَوْلَادِ وَالْأَنْدَادِ."[1]

تَرجَمہ: "امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "الْقُدُّوْسُ" جَلَّ جَلَالُہٗ وہ ذات ہے جو تمام عیوب سے پاک ہے۔ اولاد اور اپنے ہم مثلوں (شریکوں) سے بری (بے نیاز) ہے۔"

❷ "(اَلْقُدُّوْسُ) أَيِ اَلْمُنَزَّهُ عَنِ النَّقَائِصِ، اَلْمَوْصُوْفُ بِصِفَاتِ الْكَمَالِ."[2]

تَرجَمہ: "امام ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: القدوس یعنی جو کمیوں وکوتاہیوں سے پاک ہو، صفاتِ کمالیہ سے متصف ہو۔"

❸ "الْقُدُّوْسُ" جَلَّ جَلَالُہٗ وہ ذات ہے جو ہر عیب سے پاک اور ہر ایسی چیز سے بری ہے جو اس کے شایانِ شان نہیں۔

یہ اسم مبارک قرآن کریم میں دو جگہ آیا ہے۔

❶ ﴿هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ۭ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿٢٣﴾﴾[3]

تَرجَمہ: "وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، بادشاہ، نہایت پاک، سب عیبوں سے صاف، امن دینے والا، نگہبان، غالب زور آور، اور بڑائی والا، پاک ہے اللہ تعالیٰ ان چیزوں سے جنہیں یہ اس کا شریک بناتے ہیں۔"

وہ ذات ہر قسم کے شرک اور شائبۂ شرک سے، جو لوگ اس کی ذات وصفات میں کرتے رہتے ہیں پاک ہے، کوئی مخلوق کیسی ہی اشرف واعلیٰ ہو، اس کی شریک کسی حیثیت سے، کسی درجہ سے بھی نہیں ہو سکتی۔ وہ ذاتِ پاک ہر عیب، ہر نقص، ہر کوتاہی سے بالاتر ہے۔ اس کی ذات میں اس بات کا امکان ہی نہیں کہ آئندہ بھی کوئی نقص، کوئی عیب اس میں پیدا ہو سکے۔[4]

---

[1] النہج الأسمیٰ: ۱/۱۱۰ [2] النہج الأسمیٰ: ۱/۱۱۱ [3] الحشر: ۲۳ [4] تفسیر ماجدی: ۲/۱۰۹۷

سورۂ حشر کی ان آخری آیات کی فضیلت یہ ہے کہ ترمذی میں حضرت معقل بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو صبح کے وقت تین مرتبہ "اَعُوْذُ بِاللّٰهِ السَّمِيْعِ الْعَلِيْمِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ" اور اس کے بعد ایک مرتبہ سورۂ حشر کی آخری تین آیتیں ﴿هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ﴾ سے آخر سورت تک پڑھ لے تو اللہ تعالیٰ ستر (۷۰) ہزار فرشتے مقرر فرما دیتے ہیں، جو شام تک اس کے لئے رحمت کی دعا کرتے رہتے ہیں۔ اگر اس دن میں وہ مرگیا تو اُسے شہادت کی موت حاصل ہوگی اور جس نے شام کو یہی کلمات تین مرتبہ پڑھ لئے تو صبح تک یہی درجہ اس کو بھی حاصل ہوگا۔[1]

❷ ﴿يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ﴾[2]

ترجمہ: "(ساری چیزیں) جو آسمانوں اور زمین میں ہیں اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرتی ہیں۔ (جو) بادشاہ، نہایت پاک (ہے) غالب و باحکمت ہے۔"

ان تمام سورتوں میں جو مُسَبِّحَاتْ (جن کے شروع میں سَبَّحَ یا يُسَبِّحُ ہے) ہیں، اُن سب میں تمام زمین و آسمان اور جو کچھ ان میں ہے، سب کے لئے اللہ تعالیٰ کی تسبیح خوانی ثابت کی گئی ہے۔ یہ تسبیح حالی یعنی بزبانِ حال تو ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوقات کا ذرّہ ذرّہ اپنے صانع حکیم کی حکمت وقدرت پر گواہی دیتا ہے، یہی اس کی تسبیح ہے۔ اور صحیح بات یہ ہے کہ ہر چیز اپنے اپنے طرز میں حقیقی تسبیح کرتی ہے، کیوں کہ حقیقت یہ ہے کہ شعور وادراک اللہ تعالیٰ نے ہر شجر و حجر اور ہر چیز میں اس کے حوصلے کے مطابق رکھا ہے۔ اس عقل وشعور کا لازمی تقاضہ تسبیح ہے، مگر ان چیزوں کی تسبیح کو لوگ سنتے نہیں۔ اس لئے قرآن کریم میں فرمایا: ﴿وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ﴾[3]

جس طرح اللہ پاک خود قدوس ہیں تو اس پاک ذات نے جس چیز پر رحمت کی تجلی کردی، وہ زمان (جیسے رمضان، لیلۃ القدر، یوم عرفہ)، اور مکان (جیسے بیت اللہ شریف اور مساجد)، اور (جیسے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی) ہستیاں بھی تقدس مآب ہوگئیں۔ اسی طرح وادی طویٰ بھی، جو کوہِ طور کے دامن میں ہے، ان ہی مقاماتِ مقدسہ میں سے ہے جس کا ذکر اس آیت میں ہے:

﴿اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى﴾[4]

ترجمہ: "آپ پاک میدان طُویٰ میں ہیں۔"

یہ اسم مبارک مندرجہ ذیل دعاؤں میں بھی مذکور ہے۔

رکوع، سجود اور وتر کے بعد کی دعا

❶ "اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع اور سجدہ میں:

[1] الترمذي: (۱۲۰/۲) أبواب فضائل القرآن، باب في فضل قرائة آخر سورة الحشر [2] الجمعة: ۱
[3] معارف القرآن: ۴۳۴/۸، بني اسرائيل: ۴۴ [4] طٰهٰ: ۱۲

"سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّ الْمَلٰٓئِکَۃِ وَالرُّوْحِ" پڑھا کرتے تھے۔"[1]

۲ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب وتر کا سلام پھیرتے تو تین مرتبہ "سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ" پڑھتے۔[2]
ترجمہ: ہمارا بادشاہ پاک اور ہر طرح کے عیب سے منزہ (پاک) ہے۔

فوائد و نصائح

۱ اس اسم مبارک سے بندہ کا حصہ یہ ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرے کہ جس طرح اُس "القدوس" جل جلالہ کی ذات ہر عیب و شرک سے پاک ہے اسی طرح وہ اپنے اسمائے حسنیٰ میں بھی ہر قسم کے عیب سے پاک و برتر ہے۔[3]

۲ لوگوں کو بھی زیادہ سے زیادہ "القدوس" جل جلالہ کی پاک ذات کا تعارف و پہچان کرائے اور اس ذات کی اطاعت و فرماں برداری میں دنیا و آخرت کا فائدہ ملنے کی خوب دعوت دے۔

۳ اس اسم مبارک کے تحت رکوع، سجدوں اور نمازِ وتر کے بعد کی جو دعا ذکر کی گئی ہے اسے یاد کریں اور نمازوں میں پڑھتے رہیں۔

---

[1] مسلم: الصلوٰۃ، باب مایقال فی الرکوع والسجود، رقم: ۱۰۹۱

[2] ابوداؤد، الوتر، باب فی الدعاء بعد الوتر، رقم: ۱۴۳۰

[3] المنهج للامام الجوزی: ۲۷۸

السّلام جل جلالہٗ

(سلامتی[1] والا)

اس اسم مبارک کے تحت دو تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

❶ السَّلَامُ أَيْ مِنْ جَمِيعِ الْعُيُوْبِ وَالنَّقَائِصِ لِكَمَالِهِ فِيْ ذَاتِهِ وَصِفَاتِهِ وَأَفْعَالِهِ.[2]

ترجمہ: امام ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''السّلام جل جلالہٗ'' وہ ذات ہے، جو تمام عیبوں سے اور تمام نقائص سے پاک ہو اور اپنی ذات، صفات اور افعال میں کامل ہو۔

❷ ''هُوَ الَّذِيْ تُرْجٰى مِنْهُ السَّلَامَةُ.''[3]

ترجمہ: ''وہ ذات جس سے حفاظت و عافیت کی اُمید رکھی جائے۔''

یہ اسم مبارک ''السّلام جل جلالہٗ'' قرآن پاک میں ایک مرتبہ آیا ہے:

﴿ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ ﴾[4]

وَهُوَ السَّلَامُ عَلَى الْحَقِيْقَةِ سَالِمٌ مِنْ كُلِّ تَمْثِيْلٍ وَّمِنْ نُقْصَانٍ[5]

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ ''السّلام جل جلالہٗ'' ہیں اور درحقیقت اللہ تعالیٰ ہر مثل اور عیب سے منزہ ہیں۔''

علامہ خطابی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: سفیان ابن عیینہ سے روایت ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے: انسان کو وحشت زدہ کرنے والے تین مواقع ہوتے ہیں:

① ایک وہ موقع جس دن بچہ پیدا ہوتا ہے، کیوں کہ وہ اپنے آپ کو اپنے محل و مستقر سے (جہاں وہ نو ماہ گزار چکا ہوتا ہے) نکلا ہوا پاتا ہے۔

② جس دن انسان مرتا ہے، اس دن وہ ایسی قوم کو دیکھتا ہے، جسے اس نے پہلے کبھی نہیں دیکھا ہوتا (یعنی فرشتوں کو)۔

③ جب انسان کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا تو وہ اپنے آپ کو ایک بڑے محشر میں پائے گا۔ اللہ ربّ العزت نے ان تینوں مواقع پر اپنے پیغمبر حضرت یحییٰ علیہ السلام کو سلامتی عطا فرمائی اور ان کا اکرام فرمایا۔ ارشادِ ربانی ہے جس کا ترجمہ یہ ہے:

---

[1] السَّلَامَةُ الْعَافِيَةُ، وَمِنْهُ قِيْلَ لِلْجَنَّةِ: دَارُالسَّلَامِ لِأَنَّهَا دَارُالسَّلَامَةِ مِنَ الْآفَاتِ. (لسان العرب: ۲۰۷۸/۳)

[2] تفسیر ابن کثیر: ۴۷۹/۳، الحشر: ۲۳ [3] روح المعانی: ۶۳/۱۴ (الحشر: ۲۳)

[4] الحشر: ۲۳ [5] قال ابن القیم فی النونیۃ نقلاً عن النهج الأسمٰی: ۱۱۷/۱

”اور اس پر سلام ہے جس دن پیدا ہوا اور جس دن وہ مرے اور جس دن وہ زندہ کر کے اٹھایا جائے۔“[1]

اس آیت میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ ربُّ العزت نے یحییٰ عَلَیْہِ السَّلَام کو ان تین مواقع کے شر سے سلامتی عطا فرمائی اور انہیں خوف سے امن عطا فرمایا۔ اللہ تعالیٰ اپنے مؤمن بندوں کے ساتھ بھی اسی طرح کا معاملہ فرماتے ہیں، کیوں کہ فرشتے نیک بندوں کی روح قبض کرتے وقت ان کو سلام کرتے ہیں اور انہیں اطمینان دلاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے جس کا ترجمہ یہ ہے: ”وہ جن کی جانیں فرشتے اس حال میں قبض کرتے ہیں کہ وہ پاک صاف ہوں، کہتے ہیں کہ تمہارے لئے سلامتی ہی سلامتی ہے، جاؤ جنت میں اپنے ان اعمال کے بدلے جو تم کرتے تھے۔“[2]

ملائکہ انہیں جنت کے حصول کی خوش خبری دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے عذاب اور آگ سے بچاؤ کی خبر سناتے ہیں۔[3]

”اَلسَّلَامُ جَلَّ جَلَالُہٗ“ کا اپنی نیک بندی کو سلام

وَاقِعَۃٌ مُّبِیْنٌ ⑨: حضرت انس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے کہ جبرئیل عَلَیْہِ السَّلَام نے آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سے فرمایا: إِنَّ اللّٰهَ يُقْرِئُ خَدِيْجَةَ السَّلَامَ، يَعْنِيْ فَأَخْبِرْهَا. قَالَتْ: إِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّلَامُ وَعَلٰى جِبْرِيْلَ السَّلَامُ وَعَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ.[4]

”اللہ تعالیٰ حضرت خدیجہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا پر سلام بھیجتے ہیں، مطلب یہ تھا کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ان کو سلام پہنچا دیں۔ چناں چہ سلام کے جواب میں حضرت خدیجہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا نے فرمایا: اللہ ربُّ العزت تو بذاتِ خود ”السَّلَام“ ہیں، اور حضرت جبرئیل عَلَیْہِ السَّلَام پر سلامتی ہو، اور اے اللہ کے رسول! آپ پر بھی سلامتی ہو، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمتیں اور برکتیں ہوں۔“

علماء فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ حضرت خدیجہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا کی فقاہت پر دلیل ہے۔ اس لئے کہ انہوں نے اللہ ربُّ العزت کے سلام کے جواب میں ”وَعَلَيْهِ السَّلَامُ“ نہیں فرمایا، جیسا کہ بعض صحابہ کرام رِضْوَانُ اللّٰهِ عَلَيْهِمْ أَجْمَعِيْنَ تشہد میں ”اَلسَّلَامُ عَلَى اللّٰهِ“ پڑھا کرتے تھے تو آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ان کو اس سے منع فرمایا تھا۔ حضرت

---

[1] مريم: ۱۵　[2] النحل: ۳۲

[3] قَالَ الْخَطَّابِيُّ: عَنْ سُفْيَانَ بْنِ عُيَيْنَةَ يَقُوْلُ: أَوْحَشُ مَا تَكُوْنُ الْخَلْقُ فِيْ ثَلَاثَةِ مَوَاطِنَ: يَوْمَ يُوْلَدُ فَيَرٰى نَفْسَهُ خَارِجًا مِمَّا كَانَ، وَيَوْمَ يَمُوْتُ فَيَرٰى قَوْمًا لَمْ يَكُنْ عَايَنَهُمْ، وَيَوْمَ يُبْعَثُ فَيَرٰى نَفْسَهُ فِيْ مَحْشَرٍ عَظِيْمٍ. قَالَ: فَأَكْرَمَ اللّٰهُ فِيْهَا يَحْيٰى فَخَصَّهُ بِالسَّلَامِ فَقَالَ: ﴿وَسَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوْتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا﴾ (مريم: ۱۵)

أَشَارَ إِلٰى أَنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ سَلَّمَ يَحْيٰى مِنْ شَرِّ هٰذِهِ الْمَوَاطِنِ الثَّلَاثَةِ وَأَمَّنَهُ مِنْ خَوْفِهَا وَكَذَا عِبَادَهُ الْمُؤْمِنِيْنَ فَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ تُسَلِّمُ عَلَيْهِمْ عِنْدَ قَبْضِ أَرْوَاحِهِمْ وَتُطَمْئِنُهُمْ وَتُؤْمِنُهُمْ. قَالَ تَعَالٰى: ﴿الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَيِّبِيْنَ يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ (النحل: ۳۲) فَالْمَلَائِكَةُ تُبَشِّرُهُمْ بِالْفَوْزِ بِالْجَنَّةِ وَالنَّجَاةِ مِنْ عِقَابِ اللّٰهِ وَالنَّارِ. (النهج الأسمى: ۱/۱۱۹)

[4] الاستيعاب في معرفة الاصحاب: ۴/۳۸۱

خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنی عقلِ سلیم سے یہ بات سمجھ لی تھی کہ اللہ ربُّ العزت پر اس طرح سلام کا جواب لوٹایا نہیں جاتا جس طرح تمام مخلوقات کو سلام کا جواب دیا جاتا ہے، اس لئے کہ ”السّلام“ تو خود اس کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔[1]

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نیک لوگوں کو کتنا پسند فرماتے ہیں کہ دنیا میں بھی ان کی دل جوئی فرماتے ہیں۔

سلامتی کے اسباب ”السّلام جل جلالہٗ“ کی طرف سے ہیں

معلوم ہوا کہ امن و سلامتی صرف اسی ”السّلام جل جلالہٗ“ کی طرف سے ہے، ورنہ ہم کیا اور ہماری حفاظت کا سامان کیا؟ پھر جب وہ اپنی سلامتی کو اُٹھا لیتا ہے تو ہمارے سارے انتظامات دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں۔ ہمیشہ سے انسان اپنی سلامتی، موت اور حوادث سے بچنے کی بڑی بڑی تدبیریں کرتا ہے۔

ہم گھر سے باہر نکلتے ہیں تو زمین و آسمان میں ہماری سلامتی کے نہ جانے کتنے دشمن چھپے ہوتے ہیں، مگر ہم سلامتی کے ساتھ گزر جاتے ہیں۔ گلی کوچوں اور عام شاہراہوں پر جگہ جگہ ہماری موت کے اسباب ہوتے ہیں، مگر ہم سب سے بچ کر نکل جاتے ہیں، حتیٰ کہ ہمارے کھانے کی میز پر بھی ایسی چیزیں ہوتی ہیں جو ہمارا گلا دبا سکتی ہیں، مگر ہم سب چیزوں کو مزے لے لے کر نگل جاتے ہیں۔ کتنے ہی ایسے ہوئے کہ وہ کھانے بیٹھے تو کھانا ہی انہیں کھا گیا۔

پانی پینے بیٹھے تو پانی ہی انہیں پی گیا، کیوں کہ ”السّلام جل جلالہٗ“ کی سلامتی ان سے اٹھ چکی تھی۔

ہم چھوٹی بڑی اور سر بفلک تعمیر شدہ یا زیرِ تعمیر عمارتوں کے نیچے سے گزرتے ہیں تو اوپر سے ایک اینٹ گر کر ہمارا کام تمام کر سکتی ہے اور جو لوگ دیہات میں رہتے ہیں ان کے گھروں اور کھیتوں میں موت کے فرشتے تاک لگائے بیٹھے رہتے ہیں، مگر اس ”السّلام جل جلالہٗ“ کے حکم کے منتظر ہوتے ہیں، درندے تو درندے خود ہم ہی جیسے کتنے انسان ہی ہمارے خون کے پیاسے ہوتے ہیں، مگر اس ”السّلام جل جلالہٗ“ کی سلامتی ہمیں ان سے بچا کر صاف نکال جاتی ہے۔ یعنی ہم یہ یقین رکھیں کہ بس اُس سلامتی والے کا کرم اور حفاظت ہی ہمیں بچا کر رکھتی ہے اور ہماری موت اور ہلاکت کے ظاہری اسباب اور نقشے دانت پیستے رہ جاتے ہیں اور اس دور میں تو بجلی جگہ جگہ موت کی ایجنٹ بنی بیٹھی رہتی ہے۔ اب تو قسم قسم کی گیسیں جو ہماری ہر وقت کی خادم ہیں یہی دامِ اجل بھی ہیں، مگر ہم سلامت رہتے ہیں، بس یہ امن و سلامتی اسی ”السّلام جل جلالہٗ“ کی طرف سے ہے۔

---

[1] قَالَ الْعُلَمَاءُ: فِيْ هٰذِهِ الْقِصَّةِ دَلِيْلٌ عَلٰى وُفُوْرِ فِقْهِهَا لِأَنَّهَا لَمْ تَقُلْ "وَعَلَيْهِ السَّلَامُ" كَمَا وَقَعَ لِبَعْضِ الصَّحَابَةِ حَيْثُ كَانُوْا يَقُوْلُوْنَ فِي التَّشَهُّدِ "السَّلَامُ عَلَى اللّٰهِ" فَنَهَاهُمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعَرَفَتْ خَدِيْجَةُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا لِصِحَّةِ فَهْمِهَا أَنَّ اللّٰهَ لَا يُرَدُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَمَا يُرَدُّ عَلَى الْمَخْلُوْقِيْنَ لِأَنَّ السَّلَامَ إِسْمٌ مِّنْ أَسْمَاءِ اللّٰهِ تَعَالٰى. (النهج الأسمٰى ۱/۱۲۱)

حق تعالیٰ کی طرف سے جس کے ساتھ امداد نہ ہو تو وہ گھر قیامت تک کبھی آباد نہ ہو۔ ہنستے بستے گھر منٹوں میں برباد ہو جاتے ہیں، اس لئے کہ اس گھر کی سلامتی اس سے اٹھ جاتی ہے۔ آگ ہماری خادمہ ہے اگر یہ سرکشی پر اتر آئے تو سب کچھ جلا کر راکھ کر دے۔

جب السَّلَامُ جَلَّ جَلَالُهٗ کی طرف سے سلامتی اٹھ جائے……

وَاقِعَۃٌ مُّبِیْنٌ ⑩: یہ ڈھور ڈنگر، گھوڑے اور ہاتھی جو دل و جان سے ہماری خدمت کرتے ہیں، ذرا سی دیر میں ہمیں مار بھی سکتے ہیں۔ حکایتوں میں جمشید بادشاہِ ایران کے بارے میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ بڑا ہی حسین گھوڑا کہیں سے آکر اس کے قلعے کے دروازے پر کھڑا ہو گیا۔ بادشاہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے میری سواری کے لئے بھیجا ہے، لگام لگاؤ اور زین کس دو، تاکہ میں اس پر سواری کا لطف اٹھاؤں۔ ہر چند لوگوں نے کوشش کی، مگر کوئی بھی اسے لگام نہ لگا سکا تو بادشاہ نے کہا کہ یقیناً یہ صرف میرے ہی لئے اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے یہ مجھ ہی سے لگام لگوائے گا۔

چناں چہ بادشاہ نے اس پر زین کسی، لگام لگایا، وہ خاموش کھڑا رہا، جب اس کی دم میں زین کی ڈوری لگانے لگا تو اس نے ایسی لات ماری کہ وہیں ٹھنڈا ہو گیا۔ جو ہماری سواری کے جانور ہیں اور ساری دنیا میں ہمیں لئے پھرتے ہیں، ایک لات میں ہمارا کام تمام کر سکتے ہیں، مگر اس "السَّلَامُ جَلَّ جَلَالُهٗ" کی سلامتی ہمیں ان کی سرکشی سے بچاتی ہے۔[1]

جب تک "السَّلَامُ جَلَّ جَلَالُهٗ" کی طرف سے سلامتی کا حکم ہو تو ہلاکت اور مصیبت کے نقشوں میں بھی سلامتی اور عافیت مل جاتی ہے اور جب اللہ ربُّ العزت کی طرف سے سلامتی اٹھا لی جائے تو حفاظت و عافیت کے اسباب و وسائل ہی میں سے مصیبت و ہلاکت ظاہر ہونے لگتی ہے۔

دو موتوں کے درمیان سلامتی

وَاقِعَۃٌ مُّبِیْنٌ ⑪: ایک باز ایک چھوٹے پرندے کے شکار کے لئے اس کے پیچھے جھپٹا۔ اُس پرندے نے اُڑ کر ایک شاخ پر پناہ لی۔ باز بھی ایک قریبی اوپر کی شاخ پر اس کے انتظار میں بیٹھ گیا۔ اتنے میں چھوٹے پرندے کی نظر پڑی کہ ایک شکاری اس کا نشانہ لے رہا ہے۔ اس نے دو موتوں کے درمیان اُسی "السَّلَامُ جَلَّ جَلَالُهٗ" سے سلامتی طلب کی۔ اللہ کی شان ایک موذی جانور نے درخت کی جڑ سے نکل کر اُس شکاری کے پاؤں پر ڈنک مارا جس سے اُس کا نشانہ خطا ہو کر پرندے کے بجائے باز کو لگا اور وہ وہیں ڈھیر ہو گیا اور شکاری بھی گر گیا۔ معلوم ہوا کہ وہ "السَّلَامُ جَلَّ جَلَالُهٗ" جب کسی کو سلامتی دینا چاہتے ہیں تو موتوں اور ہلاکتوں کے نقشوں کے درمیان بھی سلامتی عطا فرماتے ہیں اور اگر وہ ہی سلامتی کا ارادہ نہ فرمائیں تو ظاہری سلامتی اور حفاظت کے سارے نقشے دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں، بل کہ بسا اوقات وہی ذریعۂ

---

[1] شرح اسماء الحسنیٰ للازہری: ۲۰۰

ہلاکت ہو جاتے ہیں۔

دنیا میں ایسے کتنے واقعات ہوئے کہ دشمنوں نے جان بچائی، سانپ نے حفاظت کی اور درندوں نے انسانی بچوں کو پالا۔ بھیڑیا اپنا پیٹ بھرنے کے لئے انسان کے بچے کو اٹھا کر لے گیا، مگر اسے کھا نہ سکا۔ سلامتیٔ خداوندی نے اس کے دل میں مادرِ مہربان کا سا دل ڈال دیا اور وہ اس کی سلامتی کا محافظ بن گیا۔ فرعون جو بنی اسرائیل کے بچوں کا دشمن تھا، حضرت موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَامُ کا مربی بن گیا۔ ان موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَامُ کا، جو اس کی تباہی کا باعث ہوئے اور جب اس نے دیکھ لیا کہ موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَامُ میرے دشمن ہیں تو انہیں مار ڈالنا چاہا، مگر وہ ان کا بال بیکا نہ کر سکا۔ اس لئے کہ وہ ''السَّلَامُ جَلَّ جَلَالُهٗ'' ان کی حفاظت کر رہا تھا۔ ایک بے زر و بے پر انسان کو باوجود سب کچھ طاقت رکھنے کے گزند نہ پہنچا سکا۔

وَاقِعَۃٌ نَمْبَر ⑫: حضرت عمرو بن العاص رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ (فاتحِ مصر) کو قتل کرنے کے لئے ایک خارجی تلوار لے کر ان کے دروازے پر صبح صبح کھڑا ہو گیا کہ نمازِ فجر کے لئے نکلیں گے تو قتل کر دوں گا، مگر اللہ تعالیٰ کو انہیں سالم رکھنا تھا، اس رات آپ کو اسہال لگ گئے اور آپ نمازِ فجر کے لئے مسجد میں نہ جا سکے۔ ان کا محافظ خارجہ نماز کے لئے نکلا تو خارجی نے یہ خیال کر کے کہ یہی عمرو بن العاص رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ ہیں، اسے قتل کر دیا۔ خارجی کو گرفتاری کے بعد پتا چلا کہ اس نے عمرو بن العاص رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو نہیں، بل کہ خارجہ کو قتل کیا ہے تو کہنے لگا:

''أَرَدْتُ عَمْرواً وَاللّٰهُ أَرَادَ خَارِجَةً''

میں نے تو عمرو کو قتل کرنا چاہا تھا، مگر اللہ تعالیٰ نے خارجہ کو مارنا چاہا۔[1]

دیکھو دشمن بھی مارنا چاہتا ہے تو نہیں مار سکتا اور جس سے اس کی حفاظت اٹھ جاتی ہے، وہ بلا ارادۂ قاتل مارا جاتا ہے۔ معلوم ہوا سلامتی اسی ''السَّلَامُ جَلَّ جَلَالُهٗ'' (کی طرف) سے ہے اور اسباب و وسائل طفل تسلیاں ہیں اور بس۔[2]

وَاقِعَۃٌ نَمْبَر ⑬: امیر مہدی کے عہد خلافت میں ایک مرتبہ سخت قحط پڑا۔ ہر چند کہ امیر نے خزانے کا منہ فی سبیل اللہ کھول دیا اور غلے کے انبار وقفِ عام کر دیئے، لیکن قحط کی مصیبت کم نہ ہوئی۔ اس سبب سے امیر کو خلقت کی یہ حالت دیکھ کر اپنی جانِ شیریں بھی تلخ معلوم ہوئی۔ نہ پیٹ بھر کر کھانا کھاتا، نہ چین سے بچھونے پر سوتا۔ ایک روز بستر پر حیرت و حسرت زدہ لیٹا ہوا تھا، خادم پاس بیٹھا ہوا تھا، فرمایا: کہ کوئی کہانی کہہ کہ دل بہلے اور کچھ غم غلط ہو۔

خادم نے کہا: غلام کی کہانی بادشاہ کی سماعت کے کب لائق ہے؟

فرمایا: مضائقہ نہیں، جیسے تجھے یاد ہو بیان کر۔

خادم نے کہا: ہند کی سرزمین کے کسی بیابان میں ایک شیر رہا کرتا تھا اور سب درندے جنگل کے اس کی خدمت میں حاضر رہتے۔ ایک دن لومڑی نے شیر سے کہا کہ ''تو ہمارا بادشاہ ہے اور ہم تیری رعیت۔ بادشاہ پر رعیت کی رعایت بہر

[1] سیر الصحابہ: ۱۳۹/۳ [2] شرح اسماء الحسنیٰ للازھری: ۲۰۳

صورت واجب و لازم ہے۔ اب مجھے ایک ضروری سفر درپیش ہے، بغیر جانے کے نہیں بن پڑتی۔ مشکل یہ ہے کہ میرا ایک بچہ ہے، میں چاہتی ہوں کہ وہ تیرے سپرد کردوں، تاکہ تو اس کو اپنی پناہ میں رکھے اور کسی دشمن کا چنگل اس تک نہ پہنچ پائے۔'' شیر نے یہ بات قبول کی۔ لومڑی اپنا بچہ اس کے حوالے کرکے سفر پر روانہ ہوگئی۔

شیر نے اس بچے کو اپنی پیٹھ پر بٹھا لیا، تاکہ کوئی درندہ اسے گزند نہ پہنچا سکے۔ ناگاہ ایک عقاب اپنا لقمہ تلاش کرتا ہوا اُڑتا پھر رہا تھا، اس کی نگاہ لومڑی کے بچے پر پڑی اور شیر کی پیٹھ پر سے جھپٹا مار کر اس کے بچے کو لے اُڑا۔ جب لومڑی سفر سے واپس آئی تو بچے کو نہ دیکھ کر شیر سے بولی: ''کیا تم نے یہ عہد نہیں کیا تھا کہ میں تیرے بچے کی حفاظت ضرور کروں گا؟''

شیر نے کہا: ''ہاں میں نے ذمہ لیا تھا کہ کوئی جانور زمین کا اس کا قصد نہ کر پائے، لیکن جو بلائے ناگہانی آسمان کی طرف سے نازل ہو تو میرا کوئی ذمہ نہ تھا۔''

امیر نے جب یہ کہانی سنی تو اٹھ بیٹھا اور رو رو کر جنابِ کبریائی میں التجا کرنے لگا کہ الٰہی! جو کچھ فتنہ و فساد زمین سے اُٹھے تو میں اُسے دفع کروں، مگر قضائے آسمانی قدرتِ یزدانی میں بندہ ناچیز سے کیا ہوسکتا ہے؟ آخر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے وہ قحط چند روز میں دفع ہوگیا ؎

قفل درِ قبول نہ کھولے بعید ہے انسان کے پاس دست دعا سی کلید ہے
کیوں دُعا اپنی نہ ہو بابِ ظفر کی کُنجی گریہ ہے قفلِ درِ گنجِ اثر کی کنجی[1]

مال کی سلامتی

❶ چوروں، ڈاکوؤں سے سلامتی کے لئے اپنے مال کی زکوٰۃ نکالیں۔ آپ جس روز نصابِ زکوٰۃ کے مقدار مال کے مالک ہوئے ہیں، اُس روز سے چاند کی تاریخ کے اعتبار سے ایک سال مکمل ہونے پر ایک ایک پائی کا حساب کرلیں۔ یہاں تک کہ جیب کے بٹوے اور درازوں میں رکھی ہوئی نقدی، مالِ تجارت، سونا چاندی، زیورات جو کچھ اپنی ملکیت میں جہاں کہیں بھی ہے، اس کا حساب کرکے پوری پوری زکوٰۃ نکالیں اور ماہر علماء سے پوچھ کر صحیح مستحقوں تک پہنچائیں۔

جن کو سواری یا ہل چلانے والے جانوروں سے واسطہ پڑے اور جن کی زراعت کی زمین ہو، وہ سب ان کے احکام معلوم کریں۔

❷ اذان کے بعد کاروبار جاری نہ رکھیں، بل کہ فوراً مسجد کی طرف جائیں، کیوں کہ ''اَحْکَمُ الْحَاکِمِیْن'' کے منادی مؤذن نے ''حَیَّ عَلَی الصَّلَاۃِ'' کہہ کر مسجد میں بلایا ہے۔ اب سب کاروبار وغیرہ چھوڑ کر خود بھی مسجد میں جائیں اور یقین رکھیں کہ مسجد کے مؤذن نے جو ''حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ'' کہہ کر فلاح و کامیابی کی طرف بلایا ہے، وہی فلاح ہے، باقی

[1] مخزن اخلاق: ۳۳۲

کسی چیز میں فلاح نہیں۔ نماز چھوڑ کر اگر لاکھوں بھی کما لیے تو وہ فلاح کا سبب نہیں بنیں گے، بل کہ خسران ہی خسران ہوگا۔

۳ (الف) کسی کا حق دبا کر کاروبار نہ کریں۔

(ب) والدین کے انتقال کے بعد، بہنوں اور بھائیوں کا حق ان کو دے دیں۔

(ج) اُدھار پر جو مال خریدا ہے پیسہ آتے ہی فوراً صاحبِ حق کا حق ادا کر دیں۔

(د) جھوٹ اور دھوکا دے کر کوئی کاروبار نہ کریں کہ جھوٹ بول کر یا بغیر عیب بتائے سودا بیچ کر جو مال آئے گا وہ بیماریوں کے علاج یا روحانی جھوٹے دعوے کرنے والے عاملوں کے پاس اور جھوٹے مقدمات کی وجہ سے عدالتوں کے چکر لگانے میں ہی ضائع ہوگا۔

رزقِ حلال میں برکت ہوتی ہے خواہ وہ تھوڑا ہی کیوں نہ ہو، جب کہ حرام اور ناجائز مال میں برکت نہیں ہوتی، خواہ وہ مقدار میں زیادہ ہو۔ اپنے حق سے زیادہ پیسے لینا اور جھوٹ اور دھوکہ دہی سے تنخواہ بڑھا لینا، بغیر زائد وقت دیئے اوور ٹائم لگا لینا، یا دورانِ ملازمت کام سے غائب رہنا، یا کام صحیح طریقے پر امانت واخلاص سے انجام نہ دینا، یا ادارے کی مراعات کو غلط استعمال کرنا، یا ملازموں کے حقوق ادا نہ کرنا، صاحبِ استطاعت ہوتے ہوئے ملازموں کی ضروریات اور قابلیت کے موافق اُجرت نہ دینا، اُن کی خوشی وغمی میں مدد نہ کرنا، یہ سب گناہ کے کام ہیں جو انسان کی آمدنی کو بے برکت اور حرام بنا دیتے ہیں اور اس کا اثر انسان کی ساری عبادتوں اور اہل وعیال پر بھی پڑتا ہے۔

بدن کی سلامتی

ہر فرض نماز کے بعد "آیتُ الْکُرسِیْ" اور "قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ، قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ" ان دو سورتوں کو اہتمام سے پڑھیں اور جسم پر دم بھی کر دیں فجر اور مغرب کے بعد ۱۰۰ مرتبہ یا کم از کم دس ۱۰ مرتبہ چوتھا کلمہ پڑھ لیں۔ ترمذی کی روایت ہے کہ مغرب کی نماز کے بعد دس مرتبہ چوتھا کلمہ "یُحْیِیْ وَ یُمِیْتُ" کے ساتھ پڑھنے سے مسلح فرشتوں کی جماعت صبح تک حفاظت کرے گی۔[1]

ہمارے استاذ حضرت مفتی ولی حسن صاحب رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی عجیب بات فرماتے تھے کہ "قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ" اور "قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ" قرآن کریم کی بالکل آخری دو سورتیں ہیں اور ان کو آخر میں لانے میں ایک لطیف اشارہ یہ بھی ہے کہ ان دو سورتوں کی مسلمانوں کو آخر زمانے (قربِ قیامت کے دور) میں (چوں کہ وہ زمانہ فتنوں سے بھرا ہوگا) زیادہ ضرورت پڑے گی، لہٰذا ہم سب کو چاہئے کہ اس زمانے میں خصوصاً ان دو سورتوں کو کثرت سے پڑھنے کا معمول بنالیں۔[2]

---

[1] ترمذی، الدعوات: ۱۹۳/۲ [2] مستند معمولات صبح و شام: ۱۲

اولاد کی سلامتی

❶ اولاد کی سلامتی کے لئے صدقہ کا کثرت سے اہتمام کریں۔ گھر میں ایک تھیلی یا بٹوا لگا کر رکھیں، جس پر لکھ دیں "صدقہ" اور ایک تھیلی پر لکھیں "لِلّٰہ"۔ اب جب بھی تنخواہ ملے یا کسی قسم کی آمدنی ہو تو دسواں حصہ یا بیسواں حصہ، جتنی بھی استطاعت ہو ان دو تھیلیوں میں ڈال دیں۔ پھر یہ تھیلیاں آپ کو مجبور کریں گی یعنی یاد دلاتی رہیں گی کہ ہمیں خرچ کرو اور ہمارا مصرف ڈھونڈو۔

اسی طرح بچا بچا کر چیزیں نہ رکھیں۔ پندرہ دن یا ایک ماہ بعد اپنی الماری صاف کریں۔ جوتے، سوئیٹر، کپڑے بعض ایسے ہوتے ہیں جن کی ضرورت کبھی بھی نہیں پڑتی یا سالہا سال بعد ضرورت پڑنے پر رکھے جاتے ہیں، ان کو صدقہ کر دیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اور بچوں کو نئے کپڑے دیں تو پرانے صدقہ کر دیں۔ (البتہ بچے اگر ان کپڑوں کے مالک بنا دیئے گئے تھے، مگر وہ کپڑے اب ان کے کام کے نہیں رہے تو صدقہ کر کے ان کپڑوں کی قیمت فروخت کا اندازہ کر کے اتنی رقم نابالغ بچہ ہی پر استعمال کر دیں، یہ ضروری ہے۔)

❷ بچوں کو نظرِ بد سے بچانے کی دعائیں یاد کروا دیں۔ چھوٹے بچے ہوں تو ان پر دم کر دیں یا یہ دعا لکھ کر گلے میں باندھ دیں:

"اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللهِ التَّآمَّةِ مِنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ وَهَامَّةٍ وَمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَامَّةٍ."[1]

تَرْجَمَہ: میں اللہ تعالیٰ کے کامل کلمات کی پناہ چاہتا ہوں ہر شیطان اور ہر زہریلی چیز اور ہر ملامت کرنے والی آنکھ کے شر سے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسن اور حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے لئے (ہر شر سے بچاؤ کی) اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب کرتے تھے، اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے دونوں بیٹوں کے لئے بھی ان ہی کلمات کے ذریعے پناہ طلب کرتے تھے۔

ہمیں بھی اپنی اولاد کو ہر قسم کے فتنوں سے، جنوں، شیطانوں اور زہریلی چیزوں وغیرہ سے بچانے کے لئے اس دعا کو خوب اہتمام سے مانگتے رہنا چاہئے۔

❸ بچے جب گھر سے باہر جائیں تو ان کو "فِيْ أَمَانِ اللّٰهِ" کہیں اور یہ دعا دیں:

"اَسْتَوْدِعُ اللهَ دِيْنَكَ وَاَمَانَتَكَ وَخَوَاتِيْمَ عَمَلِكَ."[2]

اسی طرح منزل جو چند آیات پر مشتمل ہے (جن کو حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب صاحب زادہ حضرت شیخ الحدیث

---

[1] ابن ماجة، الطب، باب ما عوّذ به النبي صلى الله عليه وسلم، رقم: ۳۵۲۵

[2] ابوداؤد، كتاب الجهاد، باب في الدعاء عندالوداع: ۳۵/۱

صاحب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے جمع کر دیا ہے) ان کو پڑھ کر بچوں پر دم کر دیں۔

بیت الخلاء جانے کی دعا، نکلنے کی دعا، گھر میں داخل ہونے کی دعا، گھر سے باہر نکلنے کی دعا، بچوں کو یاد کروادیں کہ یہ سب انسانوں اور جنات وشیاطین سے حفاظت کریں گی۔

۴ آفتاب غروب ہونے سے پہلے جب دونوں وقت مل رہے ہوں، چھوٹے بچوں کو آسمان کے نیچے کھیلنے سے منع کریں۔

آفات و بلیات، سحر و جادو سے سلامتی کی دس تدبیریں

سحر اور جادو کا تو قرآن وحدیث میں بھی ذکر آیا ہے اور ان سے حفاظت کے اعمال بھی احادیثِ مبارکہ میں موجود ہیں۔ جادو، برے اور غلط قسم کے تعویذ، منتر، سفلی اعمال، نظرِ بد وغیرہ، یہ وہ اہم اُمور ہیں جن کے ذریعے شیطان انسانوں کو صراطِ مستقیم سے بہکا کر فساد و بگاڑ، بل کہ کفر وشرک کے راستے پر ڈال دیتا ہے۔ وہ لوگ جو اِن چیزوں کے ذریعے انسان کو تکلیف واذیت پہنچاتے ہیں، گھروں کو اُجاڑتے اور ان کے سکون کو دَرہم برہم کرتے ہیں، میاں بیوی میں نفرتیں پیدا کرتے ہیں، تجارت وکاروبار اور ملازمت میں نقصان وخسارے کے لئے یہ برے عمل کرتے کرواتے ہیں، سب کے سب اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دُور ہیں اور لعنت وعذاب کے مستحق ہیں۔

جادو کا اثر ختم کرنے، اسے توڑنے اور اس سے نجات حاصل کرنے کے لئے قرآنی آیات سے بہتر علاج دوسری کسی چیز میں نہیں ہے۔ حضرات تابعین اور حضراتِ سلف صالحین رَحِمَہُمُ اللہُ تَعَالٰی کے ہاں قرآنی آیات ہی ہر قسم کی بیماری کے علاج اور ہر قسم کی تکلیف و پریشانی سے بچاؤ کے طور پر استعمال ہوتی تھیں۔ یعنی ان کی تلاوت کی جاتی تھی، ان کے ذریعے دم کیا جاتا اور انہیں لکھ کر مریض کو وہ پانی پلایا جاتا تھا۔

۱ سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر یقینِ کامل ہو کہ جو کچھ بھی ہوتا ہے اُسی کے حکم سے ہوتا ہے۔ ساری مخلوق اور جن وانس مل کر بھی کسی کو نفع ونقصان پہنچانے پر قدرت وتصرف نہیں رکھتے۔ نیز یہ کہ اللہ تعالیٰ کے ہر کام میں حکمت ومصلحت ہوتی ہے۔ ہر حال میں صبر وشکر کر کے اسی سے دنیا و آخرت کی بھلائی مانگتے رہیں اور نفس وشیطان کے شر سے پناہ مانگتے رہیں اور قوت ارادی کو مضبوط رکھے، قوت ارادی کی مضبوطی کے ذریعے جادو کو توڑ دے۔

۲ جادو اور تعویذ وغیرہ کے بُرے اثر سے یا نظرِ بد سے حفاظت کے لئے "سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃ" کا پڑھنا مفید نسخہ ہے۔ اگر "سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃ" ایک نشست (یعنی ایک وقت) میں نہ پڑھی جاسکے تو اُسے مختلف اوقات میں مکمل کر لیا جائے۔ پانی پر دم کر کے پیا جائے اور مکان میں چھڑکا جائے۔ "سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃ" مسلسل پڑھی جاتی رہے۔ کوئی بھی فرد روزانہ ایک صفحہ یا دو صفحہ یا کم وبیش پڑھ لیا کرے، کوشش یہ ہو کہ روزانہ یا ہر ہفتے یا ہر ماہ ایک بار "سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃ" ضرور ختم ہو جایا کرے، ہر

بار دوبارہ شروع کر دیا کریں، لیکن اس کام کے لئے اُجرت دے کر کسی قاری، حافظ کو مقرر نہ کیا جائے کہ اس سے نہ پڑھنے والے کو پورا فائدہ ہوتا ہے اور نہ پڑھوانے والے کو اگر مجبوری نہ ہو تو آپ خود قرآن پڑھیں، پیسہ دے کر دوسروں سے نہ پڑھوائیں اور اگر کوئی خود نہ پڑھ سکتا ہو تو ٹیپ سے سننا بھی فائدے سے خالی نہیں، جنات وغیرہ کے اثر میں اس طرح سننا بھی اثرات کو ختم کرتا ہے۔

❸ اگر کسی شخص پر جادو کر دیا گیا ہو تو اس کا اثر دور کرنے کے لئے سعودی عرب کے مفتی اعظم سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے اپنے رسالہ "حُکْمُ السِّحْرِ وَالْکَھَانَۃِ" میں فرمایا:

سبز بیری کے سات پتے لے کر اُن کو پیسا جائے، پھر اسے ایک برتن میں رکھ کر اس میں اتنا پانی ڈالا جائے کہ وہ غسل کے لئے کافی ہو جائے۔ پھر اُس پر "آیَۃُ الْکُرْسِیِّ، سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃ" کی آخری تین آیات، سُوْرَۃُ الْکَافِرُوْنَ، سُوْرَۃُ الْاِخْلَاص اور مُعَوَّذَتَیْن (سُوْرَۃُ الْفَلَق، سُوْرَۃُ النَّاس) پڑھے۔ نیز آیاتِ سحر یعنی سُوْرَۃُ الْاَعْرَاف آیات ۱۱۷ تا ۱۱۹، سُوْرَۃُ یُوْنُس آیت ۷۹ تا ۸۲، سُوْرَۃ طٰہٰ آیت ۶۵ تا ۶۹ بھی پڑھے، یہ آیات پڑھ کر پانی پر دم کرنے کے بعد مریض اس پانی کو تین مرتبہ پیے اور باقی پانی سے غسل کر لے۔ ان شاء اللہ اس سے بیماری ختم ہو جائے گی۔ نیز اس طریقۂ علاج کو ایک سے زیادہ مرتبہ بھی مرض کے ختم ہونے تک استعمال کیا جا سکتا ہے، اس میں کوئی حرج نہیں۔[1]

❹ نمازوں کی پابندی رکھیں، کوشش کریں کہ نوافل اور سنتیں گھر میں پڑھیں۔ نیز اس بات کی بھی کوشش کی جائے کہ مکان، دُکان یا جہاں انسان برکت چاہتا ہو، وہاں نوافل اور ذکر و اذکار کا مسلسل اہتمام کیا جائے۔ جب بھی موقع ملے دو چار رکعت نفل پڑھ لئے جائیں یا تھوڑی دیر ذکر کر لیا جائے۔

❺ گناہوں والی ہر قسم کی چیز، جان دار کی تصویر، مجسمے، گانے و فلمی کیسٹ وغیرہ ہٹا دیئے جائیں۔ دفتر، گھر، دُکان وغیرہ میں اگر کوئی تصویر یا مجسمہ وغیرہ ہے تو اُسے ہٹا دیجئے کہ جہاں تصویر ہو وہاں رحمت کے فرشتے نہیں آتے۔

گھر سے نکلتے وقت "اَلسَّلَامُ جَلَّ جَلَالُہٗ" سے سلامتی کی دعا مانگنے کی فضیلت

❻ صبح و شام کی دعائیں خصوصاً بیت الخلاء جاتے ہوئے دعا پڑھنا، گھر میں داخل ہوتے اور نکلتے وقت کی دُعائیں اور "بِسْمِ اللّٰہ" پڑھی جائے اور خصوصاً گھر سے نکلتے وقت۔

بِسْمِ اللّٰہِ تَوَکَّلْتُ عَلَی اللّٰہِ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ[2] کے ساتھ یہ دعا بھی مانگی جائے۔

---

[1] امام ابن حجر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے "فتح الباری" (۱۰/۲۳۳) میں اور علامہ عینی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے "عمدۃ القاری" (۱۷/۴۲۵) میں کعب بن احبار رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے وہب بن منبہ کا بھی یہی قول اور علاج نقل کیا ہے۔ (کتاب الدعا: ۳۶۸)

[2] اس دعا کی برکت کے حوالے سے ایک واقعہ کتاب کے آخر میں ضمیمہ کے تحت ملاحظہ فرمائیں۔

"اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ اَنْ اَضِلَّ اَوْ اُضَلَّ اَوْ اَزِلَّ اَوْ اُزَلَّ اَوْ اَظْلِمَ اَوْ اُظْلَمَ اَوْ اَجْھَلَ اَوْ یُجْھَلَ عَلَیَّ." [1]

تَرجَمَہ: "یا اللہ! میں پناہ چاہتا ہوں آپ کی اس بات سے کہ میں گمراہ ہو جاؤں یا گمراہ کیا جاؤں یا میرے قدم ڈگمگا جائیں اور (پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ) میں ظلم کروں یا مجھ پر ظلم کیا جائے اور (پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ) میں جہالت کا مظاہرہ کروں یا میرے ساتھ جہالت والا برتاؤ کیا جائے۔"

گھر سے نکلتے ہوئے پہلی دعا کے مانگنے سے آپ کو یہ خوش خبری اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملتی ہے:

یہ دعا تجھے کافی ہے...... تجھے بچا لیا گیا ہے...... اور تجھے سیدھا راستہ دکھا دیا گیا ہے...... اور شیطان تجھ سے دور ہوگیا ہے...... اور ایک شیطان دوسرے شیطان سے کہتا ہے: تو اس آدمی پر کیسے غلبہ حاصل کر سکتا ہے؟ جب کہ اسے ہدایت دے دی گئی ہے اور اس کی حفاظت کر دی گئی ہے اور اسے بچا لیا گیا ہے۔[2]

۷ بچوں کو کھڑے ہو کر لاپروائی سے اِدھر اُدھر پیشاب کرنے سے روکیں۔ مائیں نجاست کو فوراً بہا دیں کہ جس جگہ (بلا واقعی مجبوری) برتن میں پیشاب جمع ہو، رحمت کے فرشتے نکل جاتے ہیں اور گندے شیاطین مجمع لگاتے ہیں، پھر یہ شیاطین جھگڑے بھی کراتے ہیں، ان کی نحوست سے نیکیوں سے رغبت ہٹ جاتی ہے، دل سخت ہوتا ہے اور گناہوں کی طرف طبیعت مائل ہوتی ہے۔

۸ روزانہ حسبِ اِستطاعت (جتنی آپ کی طاقت ہو) کچھ نہ کچھ صدقہ کرتے رہیں کہ صدقہ ہر آنے والی بلا کو ٹالتا ہے جیسا کہ احادیث میں ہے۔ اور صدقہ صبح جلدی دے دیں تو بہتر ہے کہ حدیث میں صبح جلد ہی صدقہ دینے کی ترغیب بھی ہے کہ پھر بلا صدقہ کو پھاند نہیں سکتی اور نہ اس سے آگے بڑھ سکتی ہے۔[3]

تمام کبیرہ گناہوں سے بچتے رہیں۔ جھوٹ، جھوٹی قسم، غیبت اور زبان کے دوسرے گناہوں سے پرہیز کریں۔ یاد رکھیے! ہر کبیرہ گناہ کا اثر انسان کے رزق کی برکت پر پڑتا ہے اور گناہوں سے نحوست پھیلتی ہے۔

۹ نظرِ بد سے محفوظ رہنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ کمرے یا مکان کے باہر کارخانہ یا فیکٹری میں کسی ایسی جگہ "مَاشَآءَ اللّٰہُ"، "بَارَکَ اللّٰہُ" یا مَاشَآءَ اللّٰہُ لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ لکھ کر لگا دیا جائے، جسے ہر آنے جانے والا شخص پڑھے، اس طرح ان شاء اللہ جادو یا نظرِ بد کے اثرات سے محفوظ رہا جا سکتا ہے۔

سلامتی حاصل کرنے کے لئے ظلم سے بچیں

۱۰ دورانِ خرید و فروخت یا دورانِ ملازمت و تجارت کسی مخلوق پر ظلم نہ کریں کہ مظلوم کی بددعا قبول ہوتی ہے، خواہ وہ کافر

[1] ابوداؤد، الأدب، باب ما یقول الرجل ......: ۳۳۹/۲ [2] ابوداؤد، الأدب، مایقول إذا خرج من بیتہ: ۳۳۹/۲

[3] الترغیب والترھیب، باب الترغیب فی الصدقة والحث علیھا: ۱۱/۲

ہی کیوں نہ ہو۔ بعض اوقات آدمی سمجھتا ہے کہ مجھ پر کسی نے جادو کر دیا ہے یا فلاں بری بیماری آ گئی ہے، حالاں کہ حقیقت میں وہ کسی کی بددعا ہوتی ہے یا کسی پر ظلم کی سزا ہوتی ہے، خاص طور پر شوہر ہوتے ہوئے بیوی پر ظلم کرنے سے بچیں اور استاذ اور سیٹھ ہوتے ہوئے شاگردوں اور ملازموں پر اور ساس ہوتے ہوئے بہو پر ظلم کرنے سے بچیں اور بہو ہوتے ہوئے ناحق ساس کو برا کہنے اور میکے جاکر بلاوجہ لگائی بجھائی کرنے سے بچیں۔[1]

سلامتی حاصل کرنے کے لئے چھ دعائیں

سلامتی کے لئے ہر نماز کے بعد یا جب بھی موقع ملے، طاق عدد میں یہ دعائیں مانگتے رہیں:

❶ "یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِیْثُ اَصْلِحْ لِیْ شَاْنِیْ كُلَّهٗ وَلَا تَكِلْنِیْ اِلٰی نَفْسِیْ طَرْفَةَ عَیْنٍ"[2]

تَرجَمہ: "اے ہمیشہ زندہ رہنے والے اور سب کو تھامنے والے! میں تیری رحمت کے واسطے سے (تیری) مدد چاہتا ہوں۔ تو میرے تمام معاملات کو درست فرما اور مجھے پلک جھپکنے کے برابر بھی میرے نفس کے حوالے نہ فرما۔"

❷ "اَللّٰهُمَّ اَصْلِحْ لِیْ دِیْنِیَ الَّذِیْ هُوَ عِصْمَةُ اَمْرِیْ وَاَصْلِحْ لِیْ دُنْیَایَ الَّتِیْ فِیْهَا مَعَاشِیْ وَاَصْلِحْ لِیْ اٰخِرَتِیَ الَّتِیْ فِیْهَا مَعَادِیْ وَاجْعَلِ الْحَیٰوةَ زِیَادَةً لِّیْ فِیْ كُلِّ خَیْرٍ وَّاجْعَلِ الْمَوْتَ رَاحَةً لِّیْ مِنْ كُلِّ شَرٍّ."[3]

تَرجَمہ: "اے اللہ! میرے دین کو درست فرما جو میرے معاملات کا امین ونگہبان ہے (یعنی جس میں میرے ہر کام کی حفاظت ہے) اور میری دُنیا کو دُرست فرما جس میں میری روزی اور میرا گزران ہے، اور میری آخرت کو بھی درست فرما جس کی طرف مجھے لوٹ کر جانا ہے، میری زندگی کو ہر قسم کی بھلائی میں اضافہ کا ذریعہ بنادے اور موت کو میرے لئے ہر قسم کے شر اور برائی سے راحت وحفاظت کا ذریعہ بنا۔"

❸ "اَللّٰهُمَّ اكْفِنِیْ بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ وَاَغْنِنِیْ بِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ"[4]

تَرجَمہ: "اے اللہ! تو مجھے اپنے حلال کے ذریعے اپنے حرام سے بچالے، اور تو اپنے فضل سے مجھے اپنے سوا سب سے بے نیاز کردے۔"

---

[1] ظلم سے بچنے کے لئے ہر مرد وزن کو چاہئے کہ بیت العلم ٹرسٹ کی کتاب "مظلوم کی آہ" اور "کسی کو تکلیف نہ دیجئے" کا مطالعہ کرے اسی طرح شوہر کو چاہئے کہ "تحفۂ دولھا" کا مطالعہ کرے اور بیوی "تحفۂ دلہن" کا مطالعہ کرے۔ ان چاروں کتابوں کے ہدایت کی نیت سے مطالعہ کرنے سے ان شاء اللہ تعالیٰ ایک دوسرے کے حقوق ادا کرنے کی توفیق ہوگی۔ یہ چاروں کتابیں کسی بھی معیاری کتابوں کی دکان پر مل سکتی ہیں یا ہم سے براہِ راست لے سکتے ہیں۔

[2] عمل الیوم واللیلة للنسائي: ۱۷۹ [3] مسلم، كتاب الذكر والدعاء والتوبة، باب في الأدعية: ۳۴۹/۲

[4] ترمذي، الدعوات، احاديث شتى، رقم: ۳۵۶۳

❹ "اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ الْعَافِیَةَ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ... اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِیَةَ فِیْ دِیْنِیْ وَدُنْیَایَ وَاَهْلِیْ وَمَالِیْ.... اَللّٰھُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِیْ وَاٰمِنْ رَوْعَاتِیْ.... اَللّٰھُمَّ احْفَظْنِیْ مِنْ بَیْنِ یَدَیَّ وَمِنْ خَلْفِیْ وَعَنْ یَّمِیْنِیْ وَعَنْ شِمَالِیْ وَمِنْ فَوْقِیْ وَاَعُوْذُ بِعَظَمَتِكَ اَنْ اُغْتَالَ مِنْ تَحْتِیْ"[1]

ترجمہ: "یا اللہ! میں آپ سے دنیا و آخرت میں عافیت مانگتا ہوں۔ یا اللہ! میں آپ سے معافی اور عافیت (دنیا و آخرت کے مصائب سے نجات) کا سوال کرتا ہوں اپنے دین میں بھی، اپنی دنیا میں بھی، اپنے گھر والوں کے لئے بھی اور اپنے مال کے لئے بھی۔ یا اللہ! میرے جملہ عیوب کی پردہ پوشی فرما اور میرے خوف اور پریشانی کو امن و امان سے بدل دے، یا اللہ! میرے سامنے سے بھی میری حفاظت کیجئے، میرے پیچھے سے بھی، دائیں سے بھی اور بائیں سے بھی اور اوپر سے بھی (کہ کوئی آفت آسمان سے بھی نہ آئے) اور میں آپ کی عظمت کی پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ اپنے پیر تلے (زمین کے کسی عذاب یعنی زلزلے سے) ہلاک کر دیا جاؤں۔"

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس دعا کے بارے میں فرماتے ہیں:

"آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم صبح و شام ان الفاظ سے دعا مانگا کرتے تھے اور اس مبارک دعا کا معمول اخیر عمر تک رہا۔ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے پردہ فرما گئے۔"[2]

یہ دعا بہت مبارک ہے اور اس کو صبح و شام ضرور مانگنا چاہئے۔

❺ حضرت کعب احبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہا کرتے تھے: "لَوْلَا كَلِمَاتٌ أَقُوْلُهُنَّ لَجَعَلَتْنِي الْيَهُوْدُ حِمَارًا" اگر میں چند کلمات (دعا) نہ پڑھوں تو یہود مجھے گدھا بنادیں۔" ان سے کہا گیا کہ وہ کلمات کیا ہیں؟ تو فرمایا:

"اَعُوْذُ بِوَجْهِ اللّٰهِ الْعَظِیْمِ الَّذِیْ لَیْسَ شَیْءٌ اَعْظَمَ مِنْهُ وَبِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّآمَّاتِ الَّتِیْ لَا یُجَاوِزُهُنَّ بَرٌّ وَّلَا فَاجِرٌ وَبِاَسْمَآءِ اللّٰهِ الْحُسْنٰی مَا عَلِمْتُ مِنْهَا وَمَا لَمْ اَعْلَمْ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ وَذَرَاَ وَبَرَاَ."[3]

ترجمہ: "میں اللہ تعالیٰ کی عظیم ذات کے ذریعے پناہ چاہتا ہوں جس سے بڑھ کر عظمت والی کوئی چیز نہیں، اور اللہ تعالیٰ کے پورے کلمات کے ذریعے جن سے آگے نہ کوئی نیک بڑھ سکتا ہے اور نہ کوئی برا، اور اُس کے تمام اسمائے حسنیٰ کے ذریعے جن کو میں جانتا ہوں اور جنہیں میں نہیں جانتا۔ میں ان کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتا ہوں، اس کی تمام مخلوقات کی برائی سے۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرض نمازوں کے بعد جو دعائیں مانگا کرتے تھے، ان میں سے ایک یہ مندرجہ ذیل دعا بھی ہے۔

---

[1] ابن ماجہ: ابواب الدُّعاء باب مایدعو به الرجل إذا أصبح وإذا أمسٰى: ۲۷۶

[2] سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ فِيْ دُعَائِهِ حِيْنَ يُمْسِيْ وَحِيْنَ يُصْبِحُ لَمْ يَدَعْهُ حَتّٰى فَارَقَ الدُّنْيَا أَوْ حَتّٰى مَاتَ.

[3] مشكوٰة: باب الإستعاذة: ۲۱۸

❻ "اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ"[1]

تَرجَمہ: "اے اللہ! تو ہی سلامتی والا ہے اور تیری ہی جانب سے سلامتی ہے۔ تو برکت والا ہے، اے بزرگی اور عزت والے۔"

وضاحت: احادیث میں یہ دعا اتنے ہی الفاظ کے ساتھ ہے اس لئے اس پر اپنی طرف سے دوسرے الفاظ "حَيِّنَا رَبَّنَا بِالسَّلَامِ" وغیرہ کا اضافہ نہیں کرنا چاہئے بل کہ جہاں تک الفاظ ہیں وہیں تک دعا مانگے۔

ہم نے اپنے استاذِ محترم مولانا محمد بدیع الزمان صاحب رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی سے یہ سنا تھا کہ موٹر سائیکل پر سوار ہوتے ہوئے مسنون دعا کے بعد "يَا سَلَامُ سَلِّمْنَا وَسَلِّمْ مِنَّا." پڑھ لیا کرو۔

تَرجَمہ: "اے سلامتی دینے والے! ہمیں کسی قسم کی کوئی تکلیف نہ پہنچا اور ہم سے بھی کسی دوسرے کو تکلیف نہ پہنچا" (ہمیں بھی اپنی سلامتی میں رکھ اور ہم سے لوگوں کو سلامتی میں رکھ)۔

جنون سے سلامتی کے لئے نبوی نسخہ ومنزل

سیّدنا حضرت اُبَی بن کعب رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں: میں نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے پاس تھا کہ ایک اَعرابی (دیہاتی) آیا اور اُس نے کہا: اے اللہ کے نبی! میرا ایک بھائی ہے اور وہ تکلیف ومصیبت میں ہے۔ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: تکلیف کیا ہے؟

اُس نے عرض کیا کچھ جنون سا ہے۔ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا: اس کو میرے پاس لاؤ۔ اُنھیں لاکر آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے سامنے بٹھایا گیا۔ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے یہ آیات مبارکہ پڑھ کر دَم کیا تو وہ اس طرح کھڑا ہوگیا، جیسے اس کو کبھی شکایت تھی ہی نہیں۔

وہ آیات یہ ہیں:

① سورۃ الفاتحۃ.

② سورۃ البقرۃ کی اِبتدائی چار آیات اور آخری تین آیات اور آیت نمبر ۱۶۳ اور آیت الکرسی.

③ سورۃ آل عمران آیت ۱۸۔

④ سورۃ الاعراف آیت ۵۴۔

⑤ سورۃ المؤمنون آیت ۱۱۶۔

⑥ سورۃ الصّٰفّٰت کی اِبتدائی دس آیتیں۔

⑦ سورۃ الحشر کی آخری تین آیتیں۔

---

[1] مسلم: كتاب المساجد بَابُ اسْتِحْبَابِ الذِّكْرِ بَعْدَ الصَّلَاةِ وَبَيَانِ صِفَتِهٖ: ۱/۲۱۸

⑧ سورۃ الجن آیت ۳۔

⑨ سورۃ الاخلاص اور معوذتین[1]

''دَارُالسَّلَامِ'' کی طرف دعوت

اللہ ربُّ العزت نے دنیوی مصائب ومشکلات سے سلامتی کے اسباب عطا فرما کر اس جہانِ فانی میں بھی انسان کو امن عطا فرمایا اور اس فانی زندگی کے بعد آنے والی دائمی اور ابدی زندگی میں بھی اپنے نیک بندوں کے لئے سلامتی والا گھر تیار کر رکھا ہے، جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَاللّٰهُ يَدْعُوٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ﴾[2]

تَرجَمَۃ: ''اور اللہ تعالیٰ سلامتی کے گھر کی طرف تم کو بلاتا ہے۔''

یعنی ایسے گھر کی طرف جس میں ہر طرح کی سلامتی ہی سلامتی ہے۔ نہ اس میں کسی طرح کی کوئی تکلیف ہے، نہ رنج وغم، نہ بیماری کا خطرہ، نہ فنا ہونے یا حالت بدل جانے کی فکر۔

''دَارُالسَّلَامِ'' سے مراد جنت ہے، اس کو دَارُالسَّلَامِ کہنے کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ اس میں ہر طرح کی سلامتی اور امن وسکون ہر شخص کو حاصل ہوگا۔

دوسری وجہ بعض روایات میں ہے کہ ''جنت'' کا نام ''دَارُالسَّلَامِ'' اس وجہ سے بھی رکھا گیا ہے کہ اس میں بسنے والوں کو ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نیز فرشتوں کی طرف سے سلام پہنچتا رہے گا، لفظِ ''سلام'' ہی اہلِ جنت کی اصطلاح ہوگی، جس کے ذریعے وہ اپنی خواہشات کا اظہار کریں گے اور فرشتے ان کو مہیا کریں گے۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے اس آیت کی تفسیر میں بطورِ نصیحت عوام کو خطاب کر کے فرمایا:

اے آدم کے بیٹے! تجھ کو اللہ تعالیٰ نے دَارُالسَّلَامِ کی طرف بلایا تو تو اس دعوتِ الٰہیہ کی طرف کب اور کہاں سے قدم اٹھائے گا؟

خوب سمجھ لے کہ اس دعوت کو قبول کرنے کے لئے اگر تو نے دنیا ہی سے کوشش شروع کر دی تو وہ کامیاب ہوگی اور تو دارالسلام میں پہنچ جائے گا۔ اور اگر تو نے اس دنیا کی عمر کو ضائع کرنے کے بعد یہ چاہا کہ قبر میں پہنچ کر اس دعوت کی طرف چلوں گا تو تیرا راستہ روک دیا جائے گا تو وہاں ایک قدم آگے نہ بڑھ سکے گا، کیوں کہ وہ دارالعمل نہیں۔

---

[1] ابن ماجۃ، الطب، باب الفزع والارق وما یتعوذ منہ، رقم: ۳۵۴۹

حضرت شیخ الحدیث رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے ان تمام آیات کو ''منزل'' کے نام کے ساتھ جمع کر دیا ہے۔ صبح وشام ان آیات کے ورد کا معمول بنا لینا چاہئے۔ یہ ''منزل'' کتابچہ کی صورت میں بازار میں دستیاب ہے۔

[2] یونس: ۲۵

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: دَارُ السَّلَامِ جنت کے سات ناموں میں سے ایک نام ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ دنیا میں کسی گھر کا نام دَارُ السَّلَامِ رکھنا مناسب نہیں، جیسے جنت یا فردوس نام رکھنا درست نہیں۔[1]

جس طرح اس آیت میں اللہ ربُّ العزت نے دعوت کی نسبت اپنی ذات کی جانب فرمائی کہ اللہ تعالیٰ دَارُ السَّلَامِ کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ اسی طرح ہر مسلمان کو چاہئے کہ وہ لوگوں کو دَارُ السَّلَامِ کی طرف دعوت دے۔ دعوت اتنا مبارک عمل ہے کہ خود اللہ تعالیٰ یہ عمل فرماتے ہیں۔ نیز ایک بات یہ بھی ہے کہ سلامتی کی طرف وہی بلاتا ہے جو شفیق ہوتا ہے اور دوسروں کی بھلائی چاہتا ہے اور ظاہر ہے اللہ ربُّ العزت سے بڑھ کر کون شفیق اور مہربان ہوسکتا ہے۔

لہٰذا جب انسان سلامتی کے راستے کی طرف دعوت دے گا تو یہ عمل انسان کے جذبۂ شفقت اور مہربانی کے تحت ہوگا اور اس عمل سے یہ جذبہ اور اُبھرے گا اور اس عمل میں لوگوں کی خلافِ طبیعت باتیں بھی برداشت کرنی پڑیں گی، صبر سے کام لینا پڑے گا۔ اللہ تعالیٰ اس صبر کا بڑا اجر عطا فرمائیں گے اور ہدایت کے فیصلے جاری فرمائیں گے۔

اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهٗ کہنے کی فضیلت:

مندرجہ بالا مضمون سے معلوم ہوا کہ جنت کا نام "دَارُ السَّلَامِ" رکھنے کی ایک وجہ جنت میں اہلِ جنت کا تکیہ کلام "تَحِيَّةٌ وَّسَلَامٌ" ہونا ہے۔ اس سے سلام کی اہمیت وافادیت معلوم ہوتی ہے۔ لہٰذا ہمیں بھی سلام کا کثرت سے اہتمام کرنا چاہئے، احادیث میں بھی اس کی فضیلت وارد ہوئی ہے:

۱ "حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"تم جنت میں نہیں جاسکتے جب تک مؤمن نہ ہوجاؤ (یعنی تمہاری زندگی ایمان والی زندگی نہ ہوجائے) اور تم اس وقت تک مؤمن نہیں ہوسکتے جب تک آپس میں ایک دوسرے سے محبت نہ کرو۔ کیا میں تمہیں وہ عمل نہ بتادوں جس کے کرنے سے تمہارے درمیان محبت پیدا ہوجائے؟ (وہ یہ ہے کہ) سلام کو آپس میں خوب پھیلاؤ۔"[2]

۲ "حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"سلام کو خوب پھیلاؤ، تاکہ تم بلند ہوجاؤ۔"[3]

۳ "حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"علاماتِ قیامت میں سے ایک علامت یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے شخص کو صرف جان پہچان کی بنیاد پر سلام کرے

---

[1] معارف القرآن: ٥٢٨/٤، ٥٢٩

[2] لَا تَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى تُؤْمِنُوْا، وَلَا تُؤْمِنُوْا حَتّٰى تَحَابُّوْا، أَوَلَا أَدُلُّكُمْ عَلٰى شَيْءٍ إِذَا فَعَلْتُمُوْهُ تَحَابَبْتُمْ؟ أَفْشُوا السَّلَامَ بَيْنَكُمْ." (مسلم: كتاب الايمان، باب بيان انه لا يدخل الجنة الاالمؤمنون: ٥٤/١)

[3] أَفْشُوا السَّلَامَ كَيْ تَعْلُوْا." (مجمع الزوائد: ٢٨/٨، رقم: ١٢٧٣٣)

(نہ کہ مسلمان ہونے کی بنیاد پر)۔"[1]

❹ "حضرت ابواُمامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
"لوگوں میں اللہ تعالیٰ کے قرب کا زیادہ مستحق وہ ہے جو سلام کرنے میں پہل کرے۔"[2]

❺ "حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
"سلام میں پہل کرنے والا تکبر سے بری ہے۔"[3]

❻ "حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
"میرے پیارے بیٹے! جب تم اپنے گھر میں داخل ہو تو گھر والوں کو سلام کرو، یہ تمہارے لئے اور تمہارے گھر والوں کے لئے برکت کا سبب ہوگا۔"[4]

❼ "حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:[5]
"جب تم کسی گھر میں داخل ہو تو اس گھر والوں کو سلام کرو اور جب (گھر سے) جانے لگو تو گھر والوں سے سلام کے ساتھ رخصت ہو۔"

❽ "حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
""اَلسَّلَامُ" اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے زمین پر اتارا ہے، لہٰذا اس کو آپس میں خوب پھیلاؤ، کیوں کہ مسلمان جب کسی قوم پر گزرتا ہے اور ان کو سلام کرتا ہے اور وہ اس کو جواب دیتے ہیں تو ان کو سلام یاد دلانے کی وجہ سے سلام کرنے والے کو اس قوم پر ایک درجہ فضیلت حاصل ہوتی ہے اور اگر وہ جواب نہیں دیتے ہیں تو فرشتے جو انسانوں سے بہتر ہیں، اس کے سلام کا جواب دیتے ہیں۔"[6]

صاحب "النہج الاسمٰی" فرماتے ہیں:

---

[1] إِنَّ مِنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ أَنْ يُّسَلِّمَ الرَّجُلُ عَلَى الرَّجُلِ لَايُسَلِّمُ عَلَيْهِ إِلَّا لِلْمَعْرِفَةِ." (مسند احمد: ۴۰۵/۱، رقم: ۳۸۳۸

[2] إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِاللّٰهِ تَعَالٰى مَنْ بَدَأَهُمْ بِالسَّلَامِ" (ابوداؤد، الادب، باب فی فضل من بدأبالسلام ۳۵۰/۲

[3] اَلْبَادِيُ بِالسَّلَامِ بَرِيْءٌ مِّنَ الْكِبْرِ." (رواه البيهقی: ۴۳۳/۶)

[4] يَابُنَيَّ! إِذَا دَخَلْتَ عَلٰى أَهْلِكَ فَسَلِّمْ يَكُوْنُ بَرَكَةً عَلَيْكَ وَعَلٰى أَهْلِ بَيْتِكَ." (الترمذی: أبواب الإستئذان والأدب، باب ماجاء فی التسليم إذا دخل بيته: ۹۹/۲)

[5] إِذَا دَخَلْتُمْ بَيْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰى أَهْلِهٖ وَ إِذَا خَرَجْتُمْ فَأَوْدِعُوْا أَهْلَهُ السَّلَامَ." (الترغيب والترهيب: (باب) فی افشاء السلام: ۲۸۷/۳

[6] اَلسَّلَامُ اسْمٌ مِّنْ أَسْمَاءِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَضَعَهُ فِي الْأَرْضِ فَأَفْشُوْهُ بَيْنَكُمْ، فَإِنَّ الرَّجُلَ الْمُسْلِمَ إِذَا مَرَّ بِقَوْمٍ فَسَلَّمَ عَلَيْهِمْ فَرَدُّوْا عَلَيْهِ، كَانَ لَهُ عَلَيْهِمْ فَضْلُ دَرَجَةٍ بِتَذْكِيْرِهٖ إِيَّاهُمُ السَّلَامَ، فَإِنْ لَّمْ يَرُدُّوْا عَلَيْهِ رَدَّ عَلَيْهِ مَنْ هُوَ خَيْرٌ مِّنْهُمْ." (الترغيب والترهيب: (باب) فی افشاء السلام: ۲۸۷/۳

سلام کا پھیلانا اسلام کے بڑے بڑے شعائر میں سے ہے جس میں اکثر لوگ سستی کر جاتے ہیں۔

سلام ان چیزوں میں سے ہے جن پر ہجرتِ مدینہ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے دعوت دی۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے کے لئے دوڑے چلے آئے۔ میں بھی ان لوگوں میں شامل تھا۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کو غور سے دیکھا اور نبوت کے آثار تلاش کرنے کی کوشش کی تو مجھے یقین آگیا کہ یہ کسی جھوٹے کا چہرہ نہیں ہوسکتا۔ پھر پہلی بات جو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام سے سنی وہ یہ تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے لوگو! سلام کو پھیلاؤ اور لوگوں کو کھانا کھلاؤ اور راتوں کو جس وقت لوگ سو رہے ہوتے ہیں نماز پڑھو تو تم جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ گے۔[1]

چار باتیں ایسی ہیں جن سے آپس کی محبت میں اضافہ ہوتا ہے اُن میں سے ایک سلام بھی ہے:

1. جب بھی اپنے مسلمان بھائی سے ملیں تو اسے سلام کریں۔
2. مجلس میں اس کے لئے جگہ کشادہ کریں۔
3. اُسے اس کے محبوب ناموں کے ساتھ پکاریں۔
4. اور اس کی غیر موجودگی میں اس کے دوستوں رشتہ داروں کے سامنے اس کی بھلائیاں اور خوبیاں بیان کرے، اس کے عیوب اور خامیوں پر پردہ ڈال کر اس کی اصلاح کے لئے دعا کریں۔

جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہونے کے لئے چار اعمال

(۱) لوگوں کو کھانا کھلانا، (۲) صلہ رحمی کرنا، (۳) سلام کا پھیلانا، (۴) تہجد کی نماز پڑھنا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

”يَاأَيُّهَا النَّاسُ أَفْشُوا السَّلَامَ وَأَطْعِمُوا الطَّعَامَ وَصِلُوا الْأَرْحَامَ وَصَلُّوْا بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ.“[2]

تَرْجَمَہ: ”اے لوگو! تم سلام کو عام کرو اور لوگوں کو کھانا کھلاؤ، رشتہ داروں سے صلہ رحمی کرو، رات کو اس وقت نماز

---

[1] وَإِفْشَاءُ السَّلَامِ مِنْ شَعَائِرِ الإِسْلَامِ الْعَظِيْمَةِ الَّتِيْ يَتَهَاوَنُ فِيْهَا كَثِيْرٌ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ وَهِيَ مِنْ أَوَائِلِ مَا دَعَا إِلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَمَا وَصَلَ إِلَى الْمَدِيْنَةِ، فَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ قَالَ:
أَوَّلُ مَا قَدِمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِيْنَةَ اِنْجَفَلَ النَّاسُ إِلَيْهِ، فَكُنْتُ فِيْمَنْ جَاءَهُ، فَلَمَّا تَأَمَّلْتُ وَجْهَهُ وَاسْتَثْبَتُّهُ عَلِمْتُ أَنَّ وَجْهَهُ لَيْسَ بِوَجْهِ كَذَّابٍ. قَالَ: وَكَانَ أَوَّلُ مَاسَمِعْتُ مِنْ كَلَامِهِ أَنْ قَالَ: "أَيُّهَا النَّاسُ أَفْشُوا السَّلَامَ وَأَطْعِمُوا الطَّعَامَ وَصَلُّوْا بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ" (الترمذي: كتاب صفة القيامة، باب أفشوا السلام ۷۵/۲ نقلا عن النهج الأسمٰى، ۱۲۰/۱)

[2] المستدرك للحاكم، كتاب البر والصلة: ۲۷۲/٤، رقم: ۷۳۵۷

پڑھو جب لوگ سو رہے ہوں تو سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔“

کتنے آسان ہیں یہ چار کام، خصوصاً سلام کو پھیلانے میں تو کوئی پیسہ نہیں لگتا۔ ہمیں چاہئے کہ ایک دوسرے کو خوب سلام کریں، اور پورا سلام کریں اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُهٗ اور رشتہ داروں کے ساتھ صلۂ رحمی کریں، اپنے دل میں ہر ایک کے لئے سلامتی پیدا کریں، اس لئے کہ ہم اسی ”اَلسَّلَامُ جَلَّ جَلَالُہٗ“ کے بندے ہیں۔

فوائد و نصائح

❶ اس اسم سے تعلق پیدا کرنے کے لئے یقین رکھنا ہوگا کہ سلامتی صرف اور صرف اکیلے اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، سلامتی اور عافیت حفاظت صرف اور صرف اللہ ہی سے مانگنی ہے۔ اس کے لئے جو واقعات لکھے گئے ہیں ان کو ذہن نشین کر لیجئے اور دوسروں کو بھی بیان کیجئے۔

❷ جان کی سلامتی کے لئے چھ دعائیں یاد کر لیں اور مانگنے کا اہتمام کریں۔

❸ مال کی سلامتی کے لئے بہنوں اور بھائیوں کا حق نہ دبایئے۔ مال ہوتے ہوئے قرض اپنے اوپر نہ رکھئے فوراً قرض ادا کریں، زکوٰۃ واجب اور نفلی صدقہ، اور رشتہ داروں کے ساتھ مالی صلہ رحمی کا بھی اہتمام کیجئے۔

❹ لوگوں کو دَارُالسَّلَامِ کی طرف دعوت دیجئے یعنی جنت کے اعمال کی طرف بلایئے اور جنت میں سلامتی سے داخلہ کے چار اعمال کا مذاکرہ کرتے رہیں۔

❺ اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُهٗ کی کثرت کیجئے۔ آپ سے سلام کرنے میں کوئی سبقت نہ لے جائے، رکشہ، ٹیکسی والے سے بات کرنے سے پہلے اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ، دکان دار سے بات کرنے سے پہلے اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ، فون، موبائل پر بات کرنے سے پہلے اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ گھر میں داخل ہونے کے بعد بات کرنے سے پہلے اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ کا اہتمام کریں۔

❻ ان تمام باتوں کی دعوت اپنے آپ کو بھی دیں اور لوگوں کو بھی دیں کہ: ”اَلسَّلَامُ جَلَّ جَلَالُہٗ“ ہر عیب سے سلامت ہے، اس کی صفات میں بھی سلامتی ہے، اولاد اور بیوی سے سلامت ہے۔ وہ ایسی ذات ہے جو ہم مثل، شریک، موت، نیند و اونگھ، تھکاوٹ و پریشانی اور بھول چوک ان تمام سے سلامت ہے اسی طرح اس ذات کا کسی کو سزا دینا ظلم و ستم سے انتقام سے پاک ہے اور حکمت و مصلحت پر ہی ”اَلسَّلَامُ جَلَّ جَلَالُہٗ“ کا ہر فیصلہ ہوتا ہے۔[1]

---

[1] المنهج للامام الجوزي: ١٨١

المؤمن جل جلالہ

(امن دینے والا)

اس اسم مبارک کے تحت دو تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

شیخ سعدی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

❶ ''المؤمن جل جلالہ'' وہ ذات ہے، جس نے اپنی تعریف کامل صفات، انتہائی بزرگی اور جمال سے فرمائی ہے۔ جس نے رسول بھیجے، اپنی کتابیں واضح نشانیوں اور دلائل کے ساتھ نازل فرمائیں، ہر ہر نشانی اور دلیل سے اپنے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تصدیق فرمائی اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی سچائی پر خود وہ نشانیاں بھی دلیل تھیں، جو وہ لے کر مبعوث ہوئے۔[1]

❷ ''المؤمن جل جلالہ'' کا ایک معنی تصدیق کرنے والا بھی آتا ہے، اب اس لفظ کے کئی مطلب ہو سکتے ہیں:

① ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے کئے ہوئے وعدوں کو پورا فرماتے ہیں اور ان کو دنیا میں بھی پورا پورا رزق عطا فرماتے ہیں، جس کا اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ فرمایا ہے اور ان بندوں کے اچھے اعمال پر آخرت میں بھی ان کو پورا بدلہ عطا فرمائیں گے۔

② دوسرا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے گمان کو (جو وہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ رکھتے ہیں) پورا فرماتے ہیں اور انہیں ناامید نہیں فرماتے۔[2]

قرآن کریم کی اس آیت میں یہ اسم مبارک مذکور ہے:

﴿هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ﴾[3]

---

[1] قَالَ السَّعْدِيُّ: (اَلْمُؤْمِنُ) الَّذِي أَثْنٰى عَلٰى نَفْسِهٖ بِصِفَاتِ الْكَمَالِ، وَبِكَمَالِ الْجَلَالِ وَالْجَمَالِ، الَّذِي أَرْسَلَ رُسُلَهٗ وَأَنْزَلَ كُتُبَهٗ بِالْاٰيَاتِ وَالْبَرَاهِيْنِ، وَصَدَّقَ رُسُلَهٗ بِكُلِّ اٰيَةٍ وَبُرْهَانٍ وَيَدُلُّ عَلٰى صِدْقِهِمْ وَصِحَّةِ مَاجَاءُوْا بِهٖ. (النهج الأسمٰى: ۱۲۵/۱

[2] اَلْمُؤْمِنُ اَلْمُصَدِّقُ، وَقَدْ يَحْتَمِلُ ذٰلِكَ وُجُوْهاً أَحَدُهَا أَنَّهٗ يُصَدِّقُ عِبَادَهٗ وَعْدَهٗ وَيَفِيْ بِمَاضَمَّنَهٗ لَهُمْ مِنْ رِزْقٍ فِي الدُّنْيَا، وَثَوَابٍ عَلٰى أَعْمَالِهِمُ الْحَسَنَةِ فِي الْاٰخِرَةِ وَالْوَجْهُ الْاٰخَرُ: أَنَّهٗ يُصَدِّقُ ظُنُوْنَ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِيْنَ، وَلَا يُخَيِّبُ اٰمَالَهُمْ. (شان الدعا: ٤٥)

[3] الحشر: ۲۳

بتّیس چھریوں سے ننھی زبان کو امن دینے والا کون ہے؟

عالمِ کون وفساد میں امن وامان کا قیام اسی ”المؤمن جلّ جلالہٗ“ کی ذات سے قائم ہے۔ ورنہ لمحہ بھر کے لئے بھی امن وسلامتی اس عالمِ کون وفساد میں محال ہے۔ وہ جہاں چاہتا ہے، جب تک چاہتا ہے امن وامان قائم رکھتا ہے۔ جب اور جہاں چاہتا ہے اپنے عطا کردہ امن وامان کو اٹھالیتا ہے اور کسی مصلحت یا انتقام وغیرہ کی وجہ سے وہاں صفتِ جبر وقہر کا ظہور کر دیتا ہے تو اس خطے کا امن برباد ہو جاتا ہے۔

ہمارے جسم میں بھی امن وامان کا قیام اسی ”المؤمن جلّ جلالہٗ“ سے ہے، ورنہ ایک پل کے لئے بھی ہمارے بدن میں امن وامان قائم نہیں رہ سکتا۔ اس لئے کہ ہمارا بدن ایسے متضاد عناصر سے بنا ہے جو ایک دوسرے کے دشمن ہیں اور ایک ہی آشیانے میں بسیرا نہیں کر سکتے، مگر اس ”المؤمن جلّ جلالہٗ“ نے انہیں ایسی خوبی سے ترتیب دیا ہے کہ وہ جب تک چاہتا ہے، سب کے سب سر جوڑ کر کام کیے جاتے ہیں ورنہ منتشر ہو جاتے ہیں۔[1]

اپنے منہ کے اندر ہی دیکھ لیجئے! چھوٹے سے اس ڈبے میں زبان کے مقابلہ میں بتّیس دانت اس کو دبانے والے ہیں، کبھی کبھی زبان دانتوں کے نیچے آجاتی ہے تو کیا حال ہوتا ہے؟

غور کریں ان بتّیس دانتوں سے (گویا بتّیس چھریوں سے) ننھی سی زبان کو کون امن دیتا ہے؟ وہی ”المؤمن جلّ جلالہٗ“

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ﴾[2]

تَرجَمَہ: ”اور خود تمہاری ذات میں بھی (نشانیاں ہیں) تو کیا تم دیکھتے نہیں؟“

ہمارا جسم بھی اس دنیا کی طرح عالمِ اصغر ہے کہ متضاد عناصر سے بنا ہے اور سب مل جل کر کام کر رہے ہیں۔ زمین کے اندر ایسے ایسے جلا دینے والے مادے بھرے پڑے ہیں، جو اللہ تعالیٰ کے ایک اشارے پر پلک جھپکتے ہی اسے تہس نہس کر دیں، اس کے جگر کو پھاڑ دیں اور اس کے ٹکڑے اُڑا دیں کہ بڑے بڑے پہاڑ دھنی ہوئی روئی کی طرح اُڑتے نظر آئیں۔ ہوا کو اس کا مالکِ حقیقی آزاد چھوڑ دے تو سارے عالم کو اڑا کر لے جائے اور پانی سب کو غرق کر دے۔ سانپ، بچھو اور حشرات الارض نکل پڑیں تو ساری مخلوق کو بہت نقصان پہنچائیں۔ درندوں اور وحشی جانوروں کو مالکِ حقیقی کی لگام نہ ہو تو تباہی مچا دیں۔ بارشیں اور آسمانی بجلیاں اذنِ الٰہی کی پابند نہ ہوں تو خرابی پھیلا دیں۔

ان سارے اسباب فساد کے ہوتے ہوئے بھی عالمِ کون ومکان مامون ومحفوظ ہے تو صرف اسی ”المؤمن جلّ جلالہٗ“ کی صفتِ امان سے محفوظ ہے۔ اَن دیکھی بلاؤں، وباؤں، بیماریوں اور جراثیم سے یہ دنیا بھری پڑی ہے، پھر بھی مخلوق محفوظ ہے۔ یہ مکھیاں اور مچھر ہی ہماری ہلاکت کے لئے کافی ہیں، مگر وہ ”المؤمن جلّ جلالہٗ“ انہیں روکے رکھتا

---

[1] شرح اسماء الحسنیٰ للازھری: ۴۷۲

[2] الذّٰریٰت: ۲۱

ہے اور جس حد تک ان سے کام لینا چاہتا ہے لے لیتا ہے۔ جس گندے خطے کو چاہتا ہے اس سے اپنی امان کو اٹھا لیتا ہے تو وبائیں پھوٹ پڑتی ہیں۔

اس عالمِ کون ومکان کا سب سے بڑا مقصد تو خود یہ حضرتِ انسان ہی ہے۔ دنیا چوروں، ڈاکوؤں، ظالموں، رشوت خوروں، لڑنے والوں، شریروں، فتنہ پروروں اور قاتلوں سے بھری پڑی ہے، پھر بھی مخلوقِ خدا میٹھی نیند سوتی ہے۔ کیوں کہ اس "اَلْمُؤْمِنُ جَلَّ جَلَالُہٗ" نے ان کو لگام دے رکھی ہے، اگر وہ انہیں قابو میں نہ رکھتا تو ایک دوسرے کو کھا جاتے۔[1]

شہری امن ایک بڑی نعمت ہے

امن اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے، جس شہر یا جس ملک میں امن نہ ہو وہاں آدمی دین یا دنیا کا کوئی کام نہیں کرسکتا۔ شہر میں ساری دنیا کی نعمتیں ہوں، لیکن امن نہ ہو تو اس شہر میں رہنا مشکل ہے۔ شیخ ایوب برمی امام مسجد قباء (مدینہ منورہ) جب کراچی تشریف لائے تو ایک عجیب حکمت کی بات فرمائی کہ شہر میں امن ہونا بہت ہی بڑی نعمت ہے۔

(اسی لئے حضراتِ انبیاء عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کی دعائیں حکمت سے بھری ہوئی ہوتی ہیں) حضرت ابراہیم خلیل اللہ عَلَیْہِ السَّلَامُ نے عجیب دعا کی ہے:

﴿رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا﴾[2]

ترجمہ: "اے میرے پروردگار! اس شہر کو امن والا بنا دے۔"

یہ دُعا سب سے اہم ہے کہ شہر میں امن ہو۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے جب "سورۃ التین" میں شہر کی قسم کھائی تو اس کی صفت "امین" لائے ﴿وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ﴾[3] جس سے معلوم ہوا کہ ایک شہر کی سب سے زیادہ عظیم اور اہم صفت، جس سے وہ شہر رہنے کے قابل بنے امن ہے۔

حضرت یوسف عَلَیْہِ السَّلَامُ نے سب خاندان کے افراد سے کہا کہ آپ سب بحکمِ خداوندی مصر میں بے خوف وخطر بغیر کسی پابندی کے داخل ہو جائیں:

﴿اُدْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ﴾[4]

ترجمہ: "مصر میں چلئے (اور) ان شاء اللہ (وہاں) امن چین سے (رہیے گا)۔"

اسی طرح سُورۂ قریش میں جو اللہ تعالیٰ نے دو بڑی بڑی نعمتیں ذکر فرمائیں ان میں سے ایک یہ تھی ﴿وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ﴾ یعنی انہیں امن دیا خوف سے۔ چوں کہ مکہ میں غلہ وغیرہ پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اس لئے قریش کی عادت تھی کہ سال بھر میں تجارت کی غرض سے دو سفر کرتے تھے۔ جاڑوں میں یمن کی طرف کہ وہ ملک گرم ہے اور گرمیوں میں شام کی طرف جو سرد اور شاداب ملک ہے۔ لوگ ان کو اہلِ حرم اور خادمِ بیت اللہ سمجھ کر نہایت عزت واحترام کی نظر سے دیکھتے۔

---

[1] شرح اسماء الحسنیٰ للازهری: ۴۷۳ [2] ابراهيم: ۳۵ [3] التين: ۳ [4] يوسف: ۹۹

اُن کی خدمت کرتے اور اُن کے جان و مال سے کچھ تعرض نہ کرتے۔ اس طرح اُن کو خاطر خواہ نفع ہوتا۔

پھر امن وچین سے گھر بیٹھ کر کھاتے اور کھلاتے تھے۔ حرم کے چاروں طرف لوٹ کھسوٹ اور چوری ڈکیتی کا بازار گرم رہتا تھا، لیکن کعبہ کے ادب کی وجہ سے کوئی چور، ڈاکو کعبہ کے پاسبان اہلِ قریش پر ہاتھ صاف نہ کرتا تھا۔ اسی انعام کو یہاں یاد دلایا ہے کہ اس گھر کے طفیل تم کو روزی دی اور امن چین دیا۔ ''اصحابِ فیل'' کی زد سے محفوظ رکھا، پھر اس گھر والے کی بندگی کیوں نہیں کرتے؟ اور اُس کے رسول ﷺ کو کیوں ستاتے ہو؟ کیا یہ انتہائی ناشکری اور احسان فراموشی نہیں؟ اگر دوسری باتیں نہیں سمجھ سکتے تو ایسی کھلی ہوئی حقیقت کا سمجھنا کیا مشکل ہے؟ [1]

امن کا ظہور کب ہوتا ہے

اب غور کرنے کی بات ہے کہ ''اَلْمُؤْمِنُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کی ''صفتِ امن'' کا ظہور کب ہوتا ہے؟ اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے خود ہی قرآنِ کریم میں دو جگہ صراحت کے ساتھ بیان فرمایا کہ کب اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں امن بھیجتے ہیں اور کب دونوں جگہ سے امن سلب کردیتے ہیں؟ جس کی حیثیت قانون کی سی ہے۔

❶ ﴿اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْٓا اِیْمَانَھُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِکَ لَھُمُ الْاَمْنُ وَھُمْ مُّھْتَدُوْنَ﴾ [2]

تَرجَمہ: ''جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان کو شرک کے ساتھ مخلوط نہیں کیا، انہیں کے لئے امن ہے اور وہی سیدھی راہ پر چل رہے ہیں۔''

اس آیت میں یہ مضمون ارشاد فرمایا کہ عذاب سے مامون و مطمئن صرف وہی لوگ ہوسکتے ہیں جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور پھر انھوں نے اپنے ایمان میں کسی ظلم کی ملاوٹ نہ کی۔ حدیث میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ سہم گئے۔ اور عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم میں سے کون ایسا ہے جس نے کوئی ظلم اپنی جان پر بذریعہ گناہ نہیں کیا؟ اور اس آیت میں عذاب سے مامون ہونے کی یہ شرط ہے کہ ایمان کے ساتھ ظلم نہ کیا ہو، پھر ہماری نجات کا کیا راستہ ہے؟

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: تم آیت کا صحیح مفہوم نہیں سمجھے۔ آیت میں ظلم سے مراد شرک ہے، جیسا کہ ایک دوسری آیت میں ارشاد ہے: ﴿اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ﴾ [3] اس لئے مراد آیت کی یہ ہے کہ جو شخص ایمان لائے اور پھر اس میں اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات میں کسی کو شریک نہ ٹھہرائے، وہ عذاب سے مامون اور ہدایت یافتہ ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ بتوں، پتھروں، درختوں، ستاروں اور دریاؤں کو پوجنے والی مخلوق اپنی بے وقوفی سے ان چیزوں کو بااختیار سمجھتی ہے اور ان کی عبادت چھوڑنے سے اس لئے ڈرتی ہے کہ کہیں یہ چیزیں ہمیں نقصان نہ پہنچادیں۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ عَلَیْہِ السَّلَامُ نے گر کی بات ان کو بتائی کہ اللہ تعالیٰ جو تمہارے ہر کام سے باخبر بھی ہے اور تمہارے ہر بھلے

---

[1] تفسیر عثمانی: ۸۰۳　[2] الانعام: ۸۲　[3] لقمٰن: ۱۳

برے پر پوری قدرت رکھتا ہے، اس سے تو تم ڈرتے نہیں کہ اس کی خلاف ورزی کرنے سے کوئی مصیبت آجائے گی اور جن چیزوں میں نہ علم ہے نہ قدرت، ان سے ایسے ڈرتے ہو؟ یہ سوائے بے عقلی کے اور کیا ہے؟ ڈرنا صرف اللہ تعالیٰ (کی پکڑ) سے چاہئے اور جس کا اس پر ایمان ہو وہ کسی خطرے میں نہیں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ شرک صرف یہی نہیں کہ کھلے طور پر مشرک و بت پرست ہو جائے، بل کہ وہ آدمی بھی مشرک ہے جو اگرچہ کسی بت کی پوجا پاٹ نہیں کرتا اور کلمۂ اسلام پڑھتا ہے، مگر کسی فرشتے یا رسول یا کسی ولی اللہ کو اللہ تعالیٰ کی بعض صفاتِ خاصہ کا شریک ٹھہرائے۔ اس میں اُن عوام کے لئے سخت تنبیہ ہے جو اولیاء اللہ اور ان کے مزارات کو حاجت روا سمجھتے ہیں اور عملاً ان کو ایسا سمجھتے ہیں کہ گویا خدائی کے اختیارات ان کے حوالے کر دیئے گئے ہیں۔ "نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْهُ."[1]

پھر چاہے ساتھ یہ بھی عقیدہ ہو کہ ان اولیاء اللہ اور خاصانِ خدا کو یہ خداوندی مخصوص صفات بوجہ ان بندوں کے مقرب ہونے کے خود اللہ تعالیٰ ہی نے دی ہیں اور وہ جب چاہے ان سے سلب بھی کر لے اور اصل مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے، مگر اس عقیدے کے باوجود بھی ایسے فاسد خیال والے شرک کے جُرم سے بری نہیں، کیوں کہ مکہ کے مشرکوں کا بھی اصل شرک یہی تھا، چناں چہ وہ طواف کرتے ہوئے کہتے تھے:

"لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَاشَرِيْكَ لَكَ إِلَّا شَرِيْكًا هُوَلَكَ فَتَمْلِكُهُ وَمَا مَلَكَ."[2]

تَرجَمَہ: میں حاضر ہوں اے اللہ! میں حاضر ہوں۔ آپ کا کوئی شریک نہیں سوائے ایک شریک کے جو آپ کا ہے، آپ اس کے مالک ہیں اور اس چیز کے بھی مالک ہیں جس کا وہ شریک مالک ہے۔

اس لئے شرک سے بچنے اور بچانے کی خوب محنت کرتے رہنا چاہئے اور شرک سے بچنے کی یہ دعا مانگتے رہنا چاہئے:

"اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُبِكَ مِنْ أَنْ أُشْرِكَ بِكَ شَيْئًا وَّأَنَا أَعْلَمُ بِهٖ وَأَسْتَغْفِرُكَ لِمَا لَا أَعْلَمُ بِهٖ."[3]

تَرجَمَہ: "اے اللہ! میں تیری پناہ لیتا ہوں اس بات سے کہ تیرے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراؤں اور میں یہ جانتا بھی ہوں اور تجھ سے استغفار کرتا ہوں اس گناہ پر جس کو میں نے لاعلمی میں کیا ہو۔"

❷ دوسری بات جس سے اللہ تعالیٰ نعمتِ امن کو خوف و بے چینی سے بدل دیتے ہیں، وہ ناشکری کا گناہ ہے، لہٰذا جہاں کہیں امن ہو وہاں کے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کا خوب شکر ادا کرنا چاہئے اور شرک اور گناہوں سے بچنا چاہئے کہ یہ دونوں چیزیں ملک کے معاشرے سے امن کو تباہ کر دیتی ہیں اور فقر و فاقہ تنگ دستی لے آتی ہیں۔ امن کمیٹیاں .... اور جو

[1] معارف القرآن: ۳۸۷/۳ [2] امداد الفتاوی: ۸۲/۶، ۸۳

[3] اورده السيوطي في "استعاذات مطلقة مأثورة من كتابه عمل اليوم والليلة (۷۱) وذكر عبدالرؤف المناوي الشطر الاول منه فقط في كتابه (كنوز الحقائق) وعزاه الى الطبراني (۲۹۴) فتح الاعز الاكرم لتخريج الحزب الاعظم محمد عبدالرشيد النعماني: ۱۱۸

امن کو چاہنے والے لوگ ہیں .... ان کے لئے یہ دو آیتیں مشعلِ راہ ہیں کہ اس میں خوب غور کریں کہ جن اسباب کو اسبابِ امن قرار دیا گیا ہے، وہ ہم میں کتنے ہیں اور ہم انسانوں کو ان دونوں خرابیوں (جن سے امن وسلامتی ختم ہو جاتی ہے اور خوف بے چینی اور بھوک آتی ہے) سے بچانے کے لئے کتنی محنت کرتے ہیں؟

اب قرآن کریم کی زبانی بھی سن لیجئے کہ امن دنیا سے ناشکری کی وجہ سے کیسے ختم ہو جاتا ہے؟

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ﴾[1]

ترجمہ: ”اللہ تعالیٰ اس بستی کی مثال بیان فرماتا ہے جو پورے امن واطمینان سے تھی۔ اس کی روزی اس کے پاس بافراغت ہر جگہ سے چلی آرہی تھی۔ پھر اس نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا کفر کیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے بھوک اور ڈر کا مزہ چکھایا، جو بدلہ تھا ان کے کرتوتوں کا۔“

یعنی نہ باہر سے دشمن کا کھٹکا ...... نہ اندر سے کسی طرح کی فکر وتشویش ...... خوب امن چین سے زندگی گزرتی تھی۔ کھانے کے لئے غلے اور پھل کھنچے چلے آتے تھے۔ ہر چیز کی افراط تھی اور گھر بیٹھے دنیا کی نعمتیں ملتی تھیں۔ اس بستی کے رہنے والوں نے اللہ تعالیٰ کے انعامات کی قدر نہ پہچانی، دنیا کے مزوں میں پڑ کر ایسے بدمست ہوئے کہ منعم حقیقی کا دھیان بھی نہ آیا، بل کہ اُس کے مقابلہ میں بغاوت کی ٹھان لی۔

آخر اللہ تعالیٰ نے ان کی ناشکری اور کفرانِ نعمت کا مزہ چکھایا یعنی امن چین کی جگہ خوف وہراس نے اور فراخ روزی کی جگہ بھوک اور قحط کی مصیبت نے اُن کو اِس طرح گھیر لیا، جیسے کپڑا (اپنے) پہننے والے کے بدن کو گھیر لیتا ہے کہ ایک دم کو بھوک اور ڈر اُن سے جدا نہ ہوتا تھا۔[2]

مندرجہ بالا بیان سے یہ بات واضح ہوگئی کہ امن وسکون کے حقیقی اسباب شرک اور گناہوں سے بچنا ہے، خصوصاً ہر قسم کی نعمت کی ناشکری سے بچنا ہے، لہٰذا ہم میں سے ہر ایک مرد ہو یا عورت سوچے کہ میں نے امن کے کتنے اسباب اپنائے ہیں؟ یعنی میں کتنے چھوٹے بڑے گناہوں سے بچتا ہوں اور بچانے کی فکر کرتا ہوں؟

ہم اپنے گھر میں، بل کہ اپنے آپ کو دیکھ لیں کہ گناہ کرنے والا شخص کبھی بھی امن میں نہیں ہوسکتا، لہٰذا ہمیں چاہئے کہ ہر قسم کے گناہ سے بچیں، مثلاً: ہماری آنکھ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرے، کسی نامحرم کو نہ دیکھے، زبان کسی کی غیبت نہ کرے، کان غیبت اور گانا وغیرہ نہ سنے۔ مرد داڑھی رکھنے کا اہتمام کرے، گھر میں کوئی مرد ایسا نہ ہو جس کا چہرہ حضور اکرم ﷺ کے چہرہ کے مشابہ نہ ہو۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو مرد کا وہ چہرہ پسند ہے جس پر داڑھی ہو، لہٰذا ہمیں اپنی پسند کو اللہ تعالیٰ کی پسند میں فنا کر دینا چاہئے اور اپنے چہرے پر داڑھی رکھنی چاہئے۔

---

[1] النحل: ۱۱۲ [2] تفسیر عثمانی: ۳۷۰

اسی طرح عورتیں بھی سر کے بالوں سے لے کر پیر کے ناخن تک اپنے جسم کی حفاظت کریں کہ کوئی نامحرم نہ دیکھے۔ جو عورت اپنا جسم دوسروں کو دکھاتی پھرتی ہے، گھر کے ڈرائیور، نوکر سے پردہ نہیں کرتی یا خالہ زاد، پھوپھی زاد نامحرموں کے سامنے بے پردہ آتی جاتی ہے تو وہ عورت اللہ تعالیٰ کے غضب وغصہ کو دعوت دے رہی ہوتی ہے، وہ امن میں کیسے آسکتی ہے۔

لہٰذا آج سے توبہ کریں اور اللہ تعالیٰ کی امان میں داخل ہونے کے لئے ساری شرعی حدود کی پابندی کے ساتھ گھروں سے گناہ اور غفلت کا سامان نکال پھینکیں۔ ہمت کر کے حکمت کے ساتھ ٹی وی گھر سے نکال دیں اور بچوں کی دینی تربیت کریں۔ گناہوں سے بچیں اور پیار محبت اور دُعاؤں کے ذریعے دوسروں کو بھی بچائیں تو اپنی ذات میں، گھر میں اور ملک میں بھی امن وامان قائم ہوگا۔

ایمان کی حفاظت کیجئے

عام طور پر دو چیزیں ایمان کے کم زور ہونے کا سبب بنتی ہیں، لہٰذا اس کی نگرانی کرتے ہوئے ایمان کی حفاظت کیجئے:

❶ سب سے پہلی بات: ایمان کی نعمت پر اللہ کا شکر ادا نہ کرنا کیوں کہ جس نعمت پر اللہ کا شکر ادا نہ کیا جائے تو خطرہ ہے کہ کہیں اللہ تعالیٰ اس نعمت کو واپس نہ لے لیں، نعمت تب باقی رہتی ہے جب انسان اس نعمت پر اپنے رب کا شکر ادا کرتا ہے اس لئے دعائیں سکھلا دی گئیں ''رَضِيْتُ بِاللّٰهِ رَبًّا وَّبِالْإِسْلَامِ دِيْنًا وَّبِمُحَمَّدٍ نَّبِيًّا'' تو ہم اپنے دل میں بھی یہی سوچیں، ہم اپنے رب سے راضی ہیں، وہ ہمارا پروردگار ہے، ہم نبی عَلَيْهِ السَّلَام سے راضی ہیں، وہ ہمارے آقا اور سردار ہیں اور ہم دین سے راضی ہیں کہ اللہ ربّ العزت نے ہمیں یہ نعمت عطا فرمائی تو پہلی بات کہ ہم نعمت ایمان پر اللہ کا شکر ادا کریں۔[1]

❷ دوسری بات دین داروں سے نفرت کرنا: دین یا دین داروں سے کبھی نفرت نہ کریں کیوں کہ ہمارے نفرت کرنے سے ان کا کیا نقصان! اپنی ہی آخرت خراب ہوتی ہے، چناں چہ بجائے نفرت کے ان سے محبت کریں، دین خود سیکھیں ایمان بڑھائیں دینی ماحول میں شرکت کرتے رہا کریں، تاکہ ایمان کی حفاظت اور بڑھوتری خوب ہو۔

ایمان دل میں رچ بس جائے اس کے لئے یہ دعائیں مانگیں

❶ ''اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْأَلُكَ إِيْمَانًا يُّبَاشِرُ قَلْبِيْ وَيَقِيْنًا صَادِقًا حَتّٰى أَعْلَمَ أَنَّهُ لَا يُصِيْبُنِيْ إِلَّا مَا كَتَبْتَ لِيْ وَرَضِّنِيْ مِنَ الْمَعِيْشَةِ بِمَا قَسَمْتَ لِيْ''[2]

تَرجَمَہ: ''اے اللہ! میں تجھ سے وہ ایمان مانگتا ہوں جو میرے دل میں رچ بس جائے اور وہ سچا یقین کہ میں خوب

---

[1] عمل سے زندگی بنتی ہے: ۲۹۶
[2] کنز العمال، کتاب الاذکار، قسم الاقوال: ۸۱/۱، رقم: ۳۶۵٤

جان لوں کہ جو بات تو نے میری تقدیر میں لکھ دی ہے بس وہی مجھ کو پیش آسکتی ہے اور مجھے راضی کر دے اس زندگانی پر جو تو نے میرے لئے تقسیم فرما دی ہے۔"

❷ "اَللّٰهُمَّ اَعْطِنِيْ إِيْمَانًا لَّا يَرْتَدُّ وَيَقِيْنًا لَّيْسَ بَعْدَهٗ كُفْرٌ وَّرَحْمَةً اَنَالُ بِهَا شَرَفَ كَرَامَتِكَ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ."[1]

ترجمہ: "اے اللہ! مجھے ایسا ایمان ویقین دے جس کے بعد کفر نہ ہو اور وہ رحمت عطا فرما جس کے سبب میں دنیا و آخرت میں تیری عطا کردہ بزرگی کا شرف حاصل کرسکوں۔"

❸ "اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْاَلُكَ اِيْمَانًا لَّا يَرْتَدُّ وَنَعِيْمًا لَّا يَنْفَدُ وَمُرَافَقَةَ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ اَعْلٰى دَرَجَةِ الْجَنَّةِ جَنَّةِ الْخُلْدِ."[2]

ترجمہ: "الٰہی! میں تجھ سے ایسا ایمان مانگتا ہوں جو نہ چھوٹے اور اس نعمت کا طالب ہوں جو ختم نہ ہو اور اپنے نبی محمد ﷺ کی رفاقت چاہتا ہوں جنت کے سب سے اونچے درجے میں، جو ہمیشہ رہنے کی جنت ہے۔

❹ "اَللّٰهُمَّ زَيِّنَّا بِزِيْنَةِ الْاِيْمَانِ وَاجْعَلْنَا هُدَاةً مُّهْتَدِيْنَ."[3]

ترجمہ: "اے اللہ! تو ہمیں ایمان کی زینت سے آراستہ کر دے اور راہ بتانے والا اور خود راہ یافتہ بنا دے۔"

فوائد و نصائح

❶ مکہ مکرمہ کے امام شیخ عبدالرحمان السدیس یہ مختصر دُعا امن کے لئے مانگتے ہیں:

"اَللّٰهُمَّ اٰمِنَّا فِيْ اَوْطَانِنَا."

ترجمہ: "اے اللہ! ہمیں ہمارے وطنوں میں امن نصیب فرما۔"

❷ حضرت شیخ عبدالغفور عباسی المدنی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی "اوراد غفوریہ" میں لکھتے ہیں:

جو شخص فجر اور مغرب کی نماز کے بعد گیارہ گیارہ بار (سورۂ قریش) کو پڑھے گا (﴿اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ﴾ پڑھتے وقت رزق کی تنگی کے دور ہونے اور ﴿اٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ﴾ پڑھتے وقت دشمن کے خوف سے حفاظت کا دل سے طالب ہوگا) اس کے رزق میں وسعت ہوگی اور دشمن کے شر سے محفوظ رہے گا۔

ابوالحسن قزوینی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے فرمایا: جس شخص کو کسی دشمن یا کسی مصیبت کا خوف ہو اس کے لئے ﴿لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ﴾ کا پڑھنا بہت مفید ہے۔ اس کو امام جزری رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے نقل کر کے فرمایا کہ یہ عمل آزمودہ اور مجرب ہے۔[4]

---

[1] الترغيب و الترهيب: ٥٨٣/٤ [2] مستدرك حاكم كتاب الدعاء ...... : ٧١٥/١، رقم: ١٩٨٠

[3] النسائي، كتاب السهو: ١٩٢/١ [4] تفسير مظهري: ٣٤٨/١٠

③ خوف و پریشانی کو امن میں بدلوانے کے لئے یہ دعا مانگنی چاہیے:

"اَللّٰھُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِیْ وَاٰمِنْ رَوْعَاتِیْ."[1]

تَرْجَمَہ: اے اللہ (میں درخواست کرتا ہوں کہ) آپ میرے تمام عیوب کی پردہ پوشی فرما دیں اور میرے خوف و پریشانی کو امن میں بدل دیں۔

ایمان کی حقیقت حاصل کرنے کا نسخہ

④ مؤمن کے لئے ضروری ہے کہ دوسرے مؤمنین اس کے شر اور مصیبتوں سے محفوظ رہیں۔

نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اللہ کی قسم مؤمن نہیں ہے، اللہ کی قسم مؤمن نہیں ہے، اللہ کی قسم مؤمن نہیں ہے۔" کہا گیا: اے اللہ کے رسول! کون مؤمن نہیں ہے؟

فرمایا: "وہ شخص جس کے شر سے اس کے پڑوسی محفوظ نہ ہوں۔"

حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ کوئی بھی شخص کامل مؤمن نہیں ہوسکتا، یہاں تک کہ اس کے پڑوسی اس کے شر سے محفوظ نہ ہوں۔

لہٰذا اس بات کی پوری کوشش ہو اور پکا ارادہ ہو کہ میری وجہ سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے خصوصاً پڑوسیوں کو کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچے۔

رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا: بھلا میں تمہیں نہ بتلاؤں مؤمن کے بارے میں؟ مؤمن وہ ہے جس سے لوگوں کے جان و مال محفوظ ہوں اور مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے لوگ محفوظ رہیں۔[2]

ایک حدیث میں آیا ہے:

"مَنْ کَظَمَ غَیْظًا وَھُوَ یَقْدِرُ عَلٰی اِنْفَاذِہٖ مَلَأَ اللّٰہُ تَعَالٰی قَلْبَہٗ اٰمِنًا وَّاِیْمَانًا."[3]

تَرْجَمَہ: "جس شخص نے غصے کو ضبط کرلیا باوجود اس کے کہ وہ غصہ نافذ کرنے پر قدرت رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ

---

[1] ابوداؤد، کتاب الأدب، بَابُ مَایَقُولُ إِذَا أَصْبَحَ، الرقم: ٥٠٧٤

[2] وَأَمَّا الْمُؤْمِنُ فَقَدْ وَجَبَ عَلَيْهِ أَنْ يَأْمَنَ الْمُؤْمِنُونَ شَرَّهٗ وَ غَوَائِلَهٗ. فَقَدْ قَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "وَاللّٰهِ لَا يُؤْمِنُ وَاللّٰهِ لَا يُؤْمِنُ وَاللّٰهِ لَا يُؤْمِنُ" قِيلَ: وَمَنْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ؟ قَالَ: الَّذِيْ لَا يَأْمَنُ جَارُهٗ بَوَائِقَهٗ. ("البخاری" کتاب الأدب، باب إِثْمِ مَنْ لَا يَأْمَنُ جَارُهٗ بَوَائِقَهٗ: ٢/٨٨٩) ای: لَا يَكُونُ الرَّجُلُ مُؤْمِنًا كَامِلَ الإِيْمَانِ حَتّٰى يَأْمَنَ جَارُهٗ بَوَائِقَهٗ. أَيْ: شُرُوْرَهٗ وَغَوَائِلَهٗ. وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ النَّاسُ مِنْ لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ وَالْمُؤْمِنُ مَنْ أَمِنَهُ النَّاسُ عَلٰى دِمَائِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ." (الترمذی الإیمان، باب المسلم من سلم المسلمون ......الرقم: ٢٦٢٧) النهج الأسمٰی: ١/١٢٧

[3] جامع الصغیر: ٢/٩٧١

اس کے قلب کو ایمان اور سکون سے بھر دے گا۔"

ایک اور حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کا مفہوم یہ ہے:

"بندہ جب تک اپنی زبان کی حفاظت نہ کرلے ایمان کی حقیقت کو حاصل نہیں کرسکتا۔"[1]

اس اسم مبارک سے جو سبق ہمیں ملتا ہے وہ یہ کہ لوگوں کو اپنی زبان اور ہاتھ سے امن میں رکھیں۔

"المؤمن جل جلالہ" سے امن مانگیے

❺ یہ یقین رکھیں کہ امن دینے والی ذات ایک اللہ کی ذات ہے۔ دنیا و آخرت کا امن وسکون، عافیت وراحت اسی "المؤمن جل جلالہ" کے قبضے میں ہے۔ لہٰذا ہر قسم کا امن المؤمن جل جلالہ ہی سے مانگا جائے۔ بلاؤں اور مصیبتوں کے آنے سے پہلے بھی اور آنے کے بعد بھی اسی سے امن، شفا، راحت اور عافیت مانگی جائے۔ امن اور سکون کے حالات اسی کے قبضے میں ہیں، جس طرح بدامنی، بے چینی و بے سکونی کے حالات اُس کے قبضے میں ہیں۔

وہ جب چاہے، ...... جس طرح چاہے، ...... جس کے لئے چاہے ...... اور جس وقت چاہے، ...... امن وسکون کے حالات بھیج دے اور جہاں چاہے، وہاں سے امن وسکون کے حالات ہٹادے۔

اسی طرح "المؤمن جل جلالہ" کے پاس امن وسکون کے لامحدود خزانے ہیں، امن وسکون کی لامحدود شکلیں ہیں۔ وہ امن وسکون دینا چاہے تو آگ میں رکھتے ہوئے، مچھلی کے پیٹ میں رکھتے ہوئے، چھوٹی سی جھونپڑی میں رکھتے ہوئے، ہر قسم کی ظاہری نظر آنے والی تکالیف میں رکھتے ہوئے دل کا امن وسکون اور اطمینان نصیب فرمائے، اور وہ چاہے تو ہر قسم کی ظاہری راحت دیتے ہوئے بادشاہت کی کرسی پر بٹھا کر دل کو بے چین و بے سکون کردے۔

لہٰذا ہر قسم کی بے چینی، بے سکونی اور بدامنی، دور کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ ہی سے دعا مانگنی چاہئے، جس کے ہاتھ میں امن ہے اور جس کے پاس امن وسکون کے بے شمار اور نہ ختم ہونے والے خزانے ہیں۔ جس کا نام ہی مؤمن ہے اُس کے دربار کو چھوڑ کر غلط قسم کے عاملین ......، پروفیسر ......، جوتشی ...... کے پاس جانا بہت ہی بری، گھٹیا اور بے وقوفانہ حرکت ہے۔ یا منوں مٹی کے نیچے مدفون انسانوں سے امن، سکون، کی بھیک مانگنا بہت ہی بڑا ظلم ہے، اسی طرح یاد رکھئے! تعویذ بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کا محتاج ہے، تعویذ لکھنے والا بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کا محتاج ہے، جس کو تعویذ دیا جارہا ہے وہ بھی اللہ کے حکم کا محتاج۔ اللہ تعالیٰ کو ناراض کرکے، ...... ماتحتوں کو بے چین کرکے، ...... رشتہ داروں سے قطع تعلق کرکے، ...... ڈیوٹی کی ادائیگی میں خیانت کرکے، ...... پھر بھی تعویذ کے ذریعے کوئی شخص امن اور سکون کا متلاشی ہے، تو یہ اس کا غلط خیال ہے۔ اللہ تعالیٰ کو ناراض کرکے ساری دنیا کے تعویذ اس کو امن وسکون نہیں دے سکتے، بل کہ توبہ کرکے پہلے اللہ تعالیٰ کو راضی کرے۔

---

[1] مجمع الزوائد، الزهد، باب ماجاء في الصمت...... : ۱۰/۳۹٤، رقم: ۱۸۱۷۷

المُهَيْمِنُ جَلَّ جَلَالُہٗ

(پوری نگہبانی فرمانے والا)

اس اسم مبارک کے تحت تین تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

❶ ''المهيمن'' نام ہے اس ذات کا جو تین صفات کے مجموعے کے ساتھ موصوف ہو:

پہلی صفت...... ہر چیز کے تمام احوال کا علم ہو۔

دوسری صفت...... اس چیز کے فوائد حاصل کرنے پر مکمل قدرت ہو۔

تیسری صفت...... ان فوائد و مصالح کو پابندی سے حاصل بھی کر سکے۔ ان صفات کے جامع کا نام ''المهيمن'' ہے۔ اور یہ تینوں صفات اللہ رب العزت کے سوا کسی اور میں کہاں ہو سکتی ہیں؟ [1]

❷ (المهيمن): المُطَّلِعُ عَلٰى خَفَايَا الْأُمُوْرِ، وَخَبَايَا الصُّدُوْرِ، اَلَّذِیْ أَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا. [2]

تَرجَمَہ: ''المهيمن جل جلاله'' وہ ذات ہے، جو تمام مخفی امور سے آگاہ ہو اور دلوں میں چھپی ہوئی باتوں پر مطلع ہو اور جس کا علم ہر چیز پر حاوی ہو۔

''المهيمن جل جلاله'' کے دوسرے معنی شاہد کے ہیں۔ یعنی ایسا حاضر اور باخبر جس کے علم سے ایک ذرہ بھی غائب نہیں ہوتا۔ صاحب مرقاۃ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے ''المهيمن'' کی تعریف اس طرح کی ہے:

❸ ''اَلْقَائِمُ بِأُمُوْرِ الْخَلْقِ مِنْ أَعْمَالِهِمْ وَأَرْزَاقِهِمْ وَآجَالِهِمْ وَأَخْلَاقِهِمْ.'' [3]

تَرجَمَہ: ''مخلوق کے تمام کاموں کی نگرانی کرنے والا، ان کے رزق، ان کی عمروں اور اخلاق، ان سب کی نگرانی کرنے والا۔''

قَالَ أُمَيَّةُ بْنُ أَبِی الصَّلْتِ:

---

[1] إِسْمٌ لِّمَنْ كَانَ مَوْصُوْفًا بِمَجْمُوْعِ صِفَاتٍ ثَلَاثٍ، أَحَدُهَا اَلْعِلْمُ بِأَحْوَالِ الشَّيْءِ، وَالثَّانِي: اَلْقُدْرَةُ التَّامَّةُ عَلٰى تَحْصِيْلِ مَصَالِحِ ذٰلِكَ الشَّيْءِ، وَالثَّالِثُ: اَلْمُوَاظَبَةُ عَلٰى تَحْصِيْلِ تِلْكَ الْمَصَالِحِ، فَالْجَامِعُ لِهٰذِهِ الصِّفَاتِ اِسْمُهٗ ''الْمُهَيْمِنُ'' وَأَنّٰى أَنْ تَجْتَمِعَ عَلَى الْكَمَالِ إِلَّا لِلّٰهِ تَعَالٰى. (النهج الأسمٰی: ۱۳۲/۱)

[2] النهج الأسمٰی: ۱۳۲/۱ [3] مرقاۃ: کتاب اسماء اللہ تعالٰی ۷۷/۵

مَلِيكٌ عَلٰى عَرْشِ السَّمَآءِ مُهَيْمِنٌ　　لِعِزَّتِهٖ تَعْنُو الْوُجُوْهُ وَتَسْجُدُ[1]

ترجمہ: ''مالک ہے آسمان کے عرش کا، ہر ہر ذرّے اور قطرے کی نگہبانی کرنے والا، اسی کی خوشنودی کی خاطر چہرے سجدہ ریز ہوتے ہیں۔''

یہ اسم مبارک قرآن مجید میں صرف ایک مرتبہ آیا ہے: ﴿اَلْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ﴾[2]

سب کا نگہبان وہی وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ہے۔ اس نے ہر چیز کی نگہبانی کا پورا پورا سامان کیا ہے۔ ہمارے جسم میں سب سے نازک عضو آنکھ ہے تو دیکھو اس کی حفاظت اس نے کس مضبوطی سے کی ہے۔

دماغ جہاں سے سارے جسم کے لئے احکامات صادر ہوتے ہیں، اس کو ایک جھلی پھر دوسری جھلی میں محفوظ کر کے مضبوط سر کی نگہبانی میں دے دیا، جس کی ساخت کچھ ایسی بے ڈول سی ہے کہ وہ اپنے اتار چڑھاؤ کی وجہ سے مغز کی خوب حفاظت کر سکتا ہے۔ ہر ذی روح کو اسبابِ حفاظت دیئے گئے ہیں۔

اس ''المھیمن جل جلالہٗ'' نے ہر چیز کی نگہبانی کے لئے کوئی نہ کوئی چیز پیدا کی ہے۔ بعض کو حفاظت کے لئے ڈنک عطا کیے...... بعض کو کاٹنے کے لئے دانت...... بعض کو پنجے...... بعض کو اچھلنے کودنے کی طاقت...... بعض کو دم...... اور چونچ...... بعض کو سینگ...... بعض کو قدرتی مکا زنی...... بعض کو ٹکر مارنے کی طاقت...... بعض کے جسم میں ایک قسم کی بجلی اور بجلی کا سا کرنٹ پیدا کر دیا ہے اور پھولوں کی نگہبانی کے لئے کانٹے پیدا کیے، بعض جانوروں کی حفاظت ان کی بدبو کرتی ہے اور ہماری نگہبانی کے لئے عقل پیدا کی۔

چوہے کو رات دن میں یکساں دکھائی دیتا ہے، لہٰذا وہ ہر وقت بلی سے اپنا بچاؤ کر سکتا ہے، مگر چھچھوندر کو دن میں دکھائی نہیں دیتا، لہٰذا اس کی حفاظت اس کے جسم کی بدبو کرتی ہے کہ اسے کوئی جانور قبول نہیں کرتا۔

بعض کو اس قدر ننھا جسم عطا کیا ہے کہ وہ دشمن کو دکھائی نہیں دیتا اور نہ کسی طرح اپنے حقیر ہونے کی وجہ سے قبضے میں آتے ہیں۔

بعض جانور جیسے چھپکلی اپنا رنگ تبدیل کرنے پر قادر ہوتی ہے اور اس طرح وہ بچ نکلتی ہے۔ گرگٹ رنگ بدلنے میں ضرب المثل ہے۔ یہ دشمن سے بچاؤ کے لئے اپنا رنگ تبدیل کر لیتا ہے اور جس رنگ کی لکڑی یا درخت ہوتا ہے اسی کا سا رنگ اختیار کر لیتا ہے کہ دیکھنے والا دیکھ نہ سکے۔

''المھیمن جل جلالہٗ'' نے ہرن، خرگوش اور بعض جانوروں کو اتنی برق رفتاری عطا کی ہے کہ وہ رات دن درندوں کے درمیان رہتے ہیں اور جب تک وہ چاہتا ہے، اس کی نگہبانی میں رہتے ہیں۔

بعض کو ایسا بدصورت اور بے مایہ بنایا ہے کہ ان کی طرف کوئی بھی آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتا۔ ان کی بے مصرفی ہی ان کی

[1] النہج الأسمٰی: ۱/۱۳۲　　[2] الحشر: ۲۳

حفاظت کی ضمانت ہے۔ کسی کو اس قدر زور آور اور طاقت ور بنایا ہے کہ وہ اپنی طاقت کے بل بوتے پر ہر بلا سے محفوظ رہتا ہے۔ بعض کو حفاظت کے لئے بال عطا کئے ہیں۔ ریچھ بڑے مزے سے شہد پی جاتا ہے اور شہد کی مکھیاں اس کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتیں۔

درختوں کی حفاظت ان کی جڑیں اور دور دور تک پھیل جانے والی نسیں کرتی ہیں۔ زمین کی حفاظت پہاڑ کرتے ہیں اور ستاروں کی حفاظت ان کی آپس کی کشش، ان کی فضا اور ان کا ماحول۔ ایک فلک کو دوسرے فلک کا ماحول راس نہیں آتا، لہٰذا وہ ایک دوسرے میں مدغم نہیں ہو پاتے اور ان کے ستارے ان ہی کی نگہبانی میں رہنا پسند کرتے ہیں۔[1]

"اَلْمُهَيْمِنُ جَلَّ جَلَالُہٗ" نے بعض جانوروں کے منہ میں ایسا لعاب پیدا کر دیا کہ ٹہنیوں سے پتے کھاتے ہوئے اگر کانٹے اس کے منہ میں لگ جائیں تو وہ فوراً اس کے لعاب کی وجہ سے پگھل جاتے ہیں۔ اَلْمُهَيْمِنُ جَلَّ جَلَالُہٗ نے اس کی زبان اور اس کے منہ کے اندرونی حفاظت کے لئے اس کی ایسی نگہبانی کی کہ اس کے لعاب میں ایسا تیزاب پیدا کر دیا کہ لمحوں میں وہ کانٹے پگھل جاتے ہیں۔ "فَتَبَارَكَ اللّٰهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ"

اَلْمُهَيْمِنُ جَلَّ جَلَالُہٗ سے حفاظت طلب کرنے کی ایک پیاری دعا

یہ دعا، دعائے انس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے نام سے مشہور ہے ہر مسلمان کو چاہئے کہ اس دعا کو روزانہ مانگنے کا معمول بنائے:

"اَللّٰهُ أَكْبَرُ اَللّٰهُ أَكْبَرُ اَللّٰهُ أَكْبَرُ، بِسْمِ اللّٰهِ عَلٰى نَفْسِيْ وَدِيْنِيْ، بِسْمِ اللّٰهِ عَلٰى أَهْلِيْ وَمَالِيْ، بِسْمِ اللّٰهِ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ أَعْطَانِيْ رَبِّيْ، بِسْمِ اللّٰهِ خَيْرِ الْأَسْمَاءِ، بِسْمِ اللّٰهِ رَبِّ الْأَرْضِ وَالسَّمَاءِ، بِسْمِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَا يَضُرُّ مَعَ اسْمِهٖ دَاءٌ، بِسْمِ اللّٰهِ افْتَتَحْتُ وَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ اَللّٰهُ اَللّٰهُ رَبِّيْ لَا أُشْرِكُ بِهٖ شَيْئًا، أَسْأَلُكَ اللّٰهُمَّ بِخَيْرِكَ مِنْ خَيْرِكَ الَّذِيْ لَا يُعْطِيْهِ غَيْرُكَ عَزَّ جَارُكَ وَجَلَّ ثَنَاؤُكَ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ اجْعَلْنِيْ فِيْ عِيَاذِكَ وَجِوَارِكَ مِنْ كُلِّ سُوْءٍ وَّمِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ، اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْتَجِيْرُكَ مِنْ جَمِيْعِ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْتَ وَأَحْتَرِسُ بِكَ مِنْهُنَّ وَأُقَدِّمُ بَيْنَ يَدَيَّ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ ۝ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ ۝ وَلَمْ يُوْلَدْ ۝ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا أَحَدٌ ۝ عَنْ أَمَامِيْ وَمِنْ خَلْفِيْ وَعَنْ يَمِيْنِيْ وَعَنْ شِمَالِيْ وَمِنْ فَوْقِيْ وَتَحْتِيْ."[2]

تَرْجَمَہ: "اللہ کی ذات سب سے بڑی ہے، اللہ کی ذات سب سے بڑی ہے، اللہ کی ذات سب سے بڑی ہے۔

---

[1] شرح اسماء الحسنٰی للازھری: ٤٧٨

[2] کنز العمال، کتاب الاذکار، باب ادعية الحرز: ٢٨٣/٢، رقم: ٥٠١٨

اللہ تعالیٰ کے نام کی برکت میری جان پر اور میرے دین پر، اللہ تعالیٰ کے نام کی برکت میرے گھر والوں پر اور میرے مال پر، اللہ کے نام کی برکت ہر اس چیز پر جو میرے پروردگار نے مجھ کو عطا کی، اللہ تعالیٰ کے نام سے جو سب ناموں سے بہتر ہے، اللہ تعالیٰ کے نام سے جو رب ہے زمین و آسمان کا، اللہ تعالیٰ کے نام سے جس کی برکت سے کوئی بیماری نقصان نہیں پہنچا سکتی، اللہ تعالیٰ ہی کے نام کی برکت سے میں نے شروع کیا اور اللہ تعالیٰ ہی کی ذات پر میں نے بھروسہ کیا، اللہ ہی اللہ میرا پروردگار ہے، میں کسی کو اس کا شریک نہیں ٹھہراتا، اے اللہ! میں تیرے خیر کے وسیلے سے تجھ سے مانگتا ہوں وہ بھلائی جو تیرے سوا اور کوئی نہیں دے سکتا، تیری پناہ عزت والی ہے اور تیری ثناء بڑی ہے اور معبود نہیں کوئی سوائے تیرے، مجھ کو اپنی پناہ میں لے لے ہر برائی سے اور شیطان مردود سے۔ اے اللہ! میں تیری پناہ لیتا ہوں ہر اس مخلوق سے جو تو نے پیدا کی ہے اور تیری حفاظت مانگتا ہوں ان سب سے اور اپنے آگے رکھتا ہوں اس سورت کو ...... بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۚ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۚ لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ۙ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۚ

''آپ کہہ دیجئے! وہ یعنی اللہ ایک ہے، اللہ بے نیاز ہے، اس کی اولاد نہیں اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے اور نہ کوئی اس کے برابر کا ہے۔'' اپنے سامنے اور پیچھے دائیں اور بائیں، اپنے اوپر اپنے نیچے۔

أَمَامِيْ، خَلْفِيْ، يَمِيْنِيْ، شِمَالِيْ، فَوْقِيْ اور تَحْتِيْ'' ہر ایک کے بعد سورۂ اخلاص مع بِسْمِ اللّٰهِ مکمل پڑھے۔

فوائد و نصائح

❶ اگر بندہ اس اسم مبارک کی حقیقت کو پہچان لے کہ مجھ پر کوئی نگران ہے تو وہ اس استحضار کی وجہ سے فرماں بردار رہتے ہوئے زندگی گزارے گا۔ اس کی نافرمانی کرنے پر جرأت نہ کرے گا۔

اب اس اسم مبارک پر جتنا یقین بڑھتا جائے گا، اتنا ہی بندہ اس کی نافرمانی سے ڈرے گا، بل کہ نافرمانی اور گناہوں کی جرأت ہی نہیں کر سکے گا کہ میرا نگران میرے ساتھ ہے، مثلاً: کسی نے عاریتاً آپ کو سائیکل یا کار چلانے کے لئے دی اور وہ خود ساتھ بیٹھا ہو تو چلانے والے کی کیفیت کس طرح ہوگی کہ بہت سنبھال کر چلائے گا کہ جو اس سائیکل کا عارضی نگران ہے، وہ میرے ساتھ ہے۔ اب جس ''المھیمن جل جلالہ'' نے ہمیں یہ جسم استعمال کرنے کے لئے دیا ہے، وہ بھی مکمل ہماری نگرانی کر رہا ہے۔ آنکھوں کو ہم کہاں استعمال کر رہے ہیں؟ .... زبان کہاں استعمال ہو رہی ہے؟ .... پاؤں کہاں استعمال ہو رہے ہیں؟ .... جب ''المھیمن جل جلالہ'' کے ہونے کا استحضار ہوگا تو اذان سننے کے بعد پاؤں کو مسجد و نماز کے علاوہ کہیں اور استعمال نہیں کر سکے گا، زبان غلط بول نہیں بولے گی، ہاتھ غلط استعمال نہیں ہوں گے۔ غرض اعضاءِ جسم ناجائز استعمال ہونے سے بچے رہیں گے۔ عورت گھر سے باہر بغیر پردے کے کبھی بھی نہیں نکلے گی۔

❷ المهيمن کی تین تعریفات بیان کی گئی ہیں، آپ اِن تینوں تعریفات کو اپنے دوستوں اور گھر والوں میں ضرور بیان کریں۔ گھر میں ایک سبورہ (بلیک بورڈ) رکھیں اور بچوں کو اللہ پاک کے مبارک ناموں کی تشریح دل چسپ انداز میں ضرور سمجھائیں اور پھر ان سے مختلف سوالات کریں تو اُن کا شوق بھی بڑھے گا اور دین کی باتوں کی سمجھ بھی پیدا ہوگی۔ بچوں سے اس طرح سوال کریں کہ المهيمن کی جس تعریف میں تین صفات کا ذکر کیا گیا ہے، آپ ان میں سے دو بتائیں یا کاپی میں لکھیں۔

اَلْعَزِیْزُ جَلَّ جَلَالُہٗ

(سب پر غالب)

اس اسم مبارک کے تحت پانچ تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

❶ (اَلْعَزِيْزُ) اَلشَّدِيْدُ فِي انْتِقَامِهٖ مِمَّنِ انْتَقَمَ مِنْ أَعْدَائِهٖ.

(اَلْعَزِيْزُ) فِي انْتِقَامِهٖ مِمَّنْ أَرَادَ الْإِنْتِقَامَ مِنْهُ لَا يَقْدِرُ أَحَدٌ يَدْفَعُهٗ عَنْهُ.[1]

ترجمہ: ”علامہ ابن جریر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ”اَلْعَزِیْزُ جَلَّ جَلَالُہٗ“ وہ ذات ہے جو اپنے دشمنوں سے انتقام لینے میں سخت ترین ہے اور جب کسی کو سزا دینے کا ارادہ فرمالیں تو کوئی طاقت ایسی نہیں جو اس کی سزا کو ہٹا سکے۔“

❷ (اَلْعَزِيْزُ) أَيِ الَّذِيْ قَدْ عَزَّ كُلَّ شَيْءٍ فَقَهَرَهٗ وَغَلَبَ الْأَشْيَاءَ فَلَا يُنَالُ جَنَابُهٗ لِعِزَّتِهٖ وَعَظَمَتِهٖ وَجَبَرُوْتِهٖ وَكِبْرِيَائِهٖ.[2]

ترجمہ: ”علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ”اَلْعَزِیْزُ جَلَّ جَلَالُہٗ“ وہ ذات ہے جو ہر چیز پر غالب ہے اور سب اس کے جلال وعظمت کے سامنے دبے ہوئے ہوں اور اس کے غلبے، عظمت اور بڑائی کی وجہ سے کوئی بھی اس کی بارگاہ تک نہ پہنچ سکتا ہو۔“

❸ (اَلْعَزِيْزُ) مَعْنَاهُ الْمَنِيْعُ الَّذِيْ لَا يُنَالُ وَلَا يُغَالَبُ.[3]

ترجمہ: ”امام قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ”اَلْعَزِیْزُ جَلَّ جَلَالُہٗ“ وہ ذات ہے جس کا غلبہ اور شان و شوکت، قوت اور طاقت سب پر اتنی حاوی ہو کہ کوئی چیز اس کو عاجز نہ کر سکے، کوئی اس کو شکست نہ دے سکے، اس کی قدرت وطاقت سے کوئی چیز باہر نہ ہو، اس کے قبضے سے کوئی اپنے آپ کو چھڑا نہ سکے اور اس پر کوئی غلبہ نہ پاسکے۔“

❹ ”اَلْعَزِیْزُ جَلَّ جَلَالُہٗ“ وہ ذات ہے کہ ہر طرح کی شان وشوکت اسی کے لئے ہے۔ قوت بھی اس کے پاس ہے، غلبہ بھی اسی کا ہے۔ تمام تر تصرفات بھی اسی کے اختیار میں ہیں، مخلوقات میں سے کسی کے لئے یہ ممکن نہیں کہ اس کی

---

[1] جامع البيان: ۹۰/۷، نقلا عن النهج الأسمٰى: ۱۳۶/۱ [2] تفسير ابن كثير: ۴۷۹/۳، الحشر: ۲۳

[3] القرطبي: ۱۰۱/۲، البقرة: ۲۲۸

صفات تک رسائی حاصل کر سکے، تمام تر موجودات پر غالب ہے، تمام مخلوقات اس کی عظمت کے سامنے عاجز اور بے بس ہیں۔[1]

۵ (اَلْعَزِیْزُ) مَنْ ضَلَّتِ الْعُقُوْلُ فِيْ بِحَارِ عَظَمَتِهٖ، وَحَارَتِ الْأَلْبَابُ دُوْنَ إِدْرَاكِ نَعْتِهٖ، وَكَلَّتِ الْأَلْسُنُ عَنِ اسْتِيْفَاءِ مَدْحِ جَلَالِهٖ وَوَصْفِ جَمَالِهٖ.[2]

ترجمہ: ”علامہ طیبی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ فرماتے ہیں: ”اَلْعَزِیْزُ جَلَّ جَلَالُہٗ“ وہ ذات ہے کہ جس کی عظمت کے سمندر میں (غوطہ زن ہوکر) انسانی عقول گم ہو کر رہ جائیں۔ اور اس کے جلال کی مکمل تعریف کرنے اور جمال کا وصف بیان کرنے سے زبانیں عاجز آجائیں اور عقل والوں کی عقلیں حیران ہو کر رہ جائیں۔“

علامہ ابن قیم رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے قصیدہ نونیہ میں اشعار ذکر فرمائے ہیں جس کے لحاظ سے ”اَلْعَزِیْزُ جَلَّ جَلَالُہٗ“ کے یہ چار معانی ہوں گے:

(الف) ”اَلْعَزِیْزُ جَلَّ جَلَالُہٗ“ وہ ذات ہے جو بذاتِ خود محفوظ و مضبوط اور قوت والا ہے اور اس کی حفاظت کو توڑا نہیں جاسکتا، اس کی حمایت کا مقابلہ نہیں کیا جاسکتا۔

(ب) ”اَلْعَزِیْزُ جَلَّ جَلَالُہٗ“ وہ ذات ہے جو غلبہ والی ہے، اس پر کوئی دوسرا غلبہ نہیں پا سکتا۔

(ج) ”اَلْعَزِیْزُ جَلَّ جَلَالُہٗ“ وہ ذات ہے جو انتہائی سخت قوت والی ہے۔

(د) ”اَلْعَزِیْزُ جَلَّ جَلَالُہٗ“ کا ایک معنیٰ یہ ہے کہ وہ ذات جو انتہائی نفیس ہو جس کی برابری کوئی بھی نہ کر سکے اور اس کی مثل بھی نہ ہو اور نہ ہی اس کی کوئی نظیر موجود ہو۔[3]

”اَلْعَزِیْزُ جَلَّ جَلَالُہٗ“ وہ ذات ہے جس کی طاقت و قدرت انتہائی درجہ کی ہے کہ اس سے بڑھ کر کوئی قدرت والا نہیں۔

یہ اسم قرآن مجید میں ۹۲ مرتبہ آیا ہے، جن میں سے تین یہ ہیں:

---

[1] (اَلْعَزِيْزُ): اَلَّذِيْ لَهُ الْعِزَّةُ كُلُّهَا، عِزَّةُ الْقُوَّةِ، وَعِزَّةُ الْغَلَبَةِ، وَعِزَّةُ الْإِمْتِنَاعِ، فَامْتَنَعَ أَنْ يَّنَالَهٗ أَحَدٌ مِّنَ الْمَخْلُوْقَاتِ وَقَهَرَ جَمِيْعَ الْمَوْجُوْدَاتِ، دَانَتْ لَهُ الْخَلِيْقَةُ وَخَضَعَتْ لِعَظَمَتِهٖ. (تيسير الكريم الرحمٰن: ۳۰۰/۵، ۳۰۱ نقلاً عن النهج الأسمٰى: ۱۳۷/۱)

[2] طیبی شرح مشکوٰۃ: ۲۰/۵، کتاب اسماء اللّٰہ تعالیٰ

[3] (الف) (اَلْعَزِيْزُ): هُوَ الْمَنِيْعُ الَّذِيْ لَا يُرَامُ جَنَابُهٗ. (ب) (اَلْعَزِيْزُ): هُوَ الْقَاهِرُ الَّذِيْ لَا يُغْلَبُ وَلَا يُقْهَرُ.

(ج) (اَلْعَزِيْزُ): هُوَ الْقَوِيُّ الشَّدِيْدُ.

(د) (اَلْعَزِيْزُ): بِمَعْنٰى نَفَاسَةِ الْقَدْرِ، وَأَنَّهٗ سُبْحَانَهٗ لَا يُعَادِلُهٗ شَيْءٌ وَّلَا مِثْلَ لَهٗ وَلَا نَظِيْرَ. (النونية: ۲۱۸/۲ نقلا عن النهج الأسمٰى: ۱۳۷/۱)

❶ ﴿وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ﴾ [۱]

❷ ﴿وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُوانْتِقَامٍ﴾ [۲]

❸ ﴿وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ﴾ [۳]

خادموں کو مخدوم سمجھ لینا جہل وحماقت کی انتہاء ہے

غزوۂ بدر، اُحد، خندق، حنین اور تبوک وغیرہ میں اس ''العزیز جل جلالہ'' ہی نے مسلمانوں کو غلبہ وعزت سے سرفراز کیا تھا۔ ایران وعراق، شام ومصر اور فلسطین واسپین میں بھی ''العزیز جل جلالہ'' نے مسلمانوں کو غالب کیا تھا، ورنہ مسلمانوں کے پاس ظاہری اسباب میں سے کچھ بھی نہ تھا؟ [۴]

یہ سارا عظیم الشان کارخانۂ حیات، یہ نظامِ ارضی ونظامِ فلکی یوں ہی اٹکل سے نہیں چل رہا ہے۔ اُس ذات کے قانون کے مطابق اور اُس کے ضابطے کے ماتحت چل رہا ہے جو ''العزیز جل جلالہ'' ہے۔ ہر غالب پر غالب، ہر قادر پر قادر، جس کی راہ ہر رکاوٹ سے خالی ہے، جس کی ہر جنبش تکوینی وتخلیقی بے انتہا حکمتوں اور مصلحتوں سے لبریز رہتی ہے اور جو ہر علم وحکمت کا مبدا بھی ہے اور منتہیٰ بھی۔

رات کی سکونی کیفیت، سورج اور چاند کی نپی تلی گردش، اُس کی شرح رفتار اور مقدار یہ سب اسی قادرِ مطلق وحکیمِ برحق کے دستِ قدرت میں ہیں جو ہر ہر شعبۂ موجودات کا اکیلا حاکم وناظم ہے، اُس کے حضور میں کسی سورج دیوتا اور کسی چندر ماں اور کسی رات کی دیوی کا وجود فرض کرنا خرافات کی انتہا ہے۔

افسوس ہے کہ شرک کرنے والوں نے ستاروں کو اپنا معبود بنا لیا، ستاروں سے اپنی قسمت کا حال معلوم کرنے لگے، اپنے نفع اور نقصان کو ستاروں سے متعلق کر دیا، حالاں کہ یہ ستارے تو خود ہی انسان کے نفع کی غرض سے اس کی خدمت کے لئے بنائے گئے ہیں، اُلٹا ان کی پرستش میں لگ جانا اور خادموں کو مخدوم سمجھ لینا جہل وحماقت کی انتہاء ہے، کیوں کہ: [۵]

قرآن مجید کے نویں پارہ میں سورۂ اعراف کی آیت نمبر ۱۹۷ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

ترجمہ: اور تم جن لوگوں کی اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو وہ تمہاری کچھ بھی مدد نہیں کر سکتے ہیں اور نہ وہ اپنی مدد کر سکتے ہیں۔

جن کو تم پوجتے ہو نہ وہ تمہیں کچھ مدد دے سکتے ہیں اور نہ وہ اپنی کچھ مدد کر سکتے ہیں۔ بقول نصاریٰ مسیح کے یہود نے سولی دی اور وہ کچھ نہ کر سکے۔ اسی طرح اور بزرگ جن کو تم پوجتے ہو موت اور بیماری سے نجات نہ پا سکے (وہ تمہاری کیا

---

[۱] البقرة: ۲٦۰ [۲] آل عمران: ٤ [۳] الشعراء: ۹

[۴] شرح اسماء الحسنٰی للازهری: ۲٦۲ [۵] تفسیر ماجدی: ۳۰۳/۱، الانعام: ۹۷ (بالاختصار)

مدد کریں گے)۔

اس آیتِ کریمہ میں دو باتیں بتائی جارہی ہیں:

ایک تو یہ کہ تم اللہ کو چھوڑ کر جن جن کو پوج رہے ہو اور ان کے نام کے نعرے لگا رہے ہو اس امید پر کہ یہ ہماری مدد کریں گے وہ نبی عَلَیْہِ السَّلَامُ ہوں یا ولی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی، جن ہوں، یا فرشتے یا اللہ کی مخلوق میں سے کوئی بھی وہ تمہاری کچھ بھی مدد نہیں کر سکتے۔

دوسری بات یہ بتائی جارہی ہے کہ وہ خود اپنی مدد بھی نہیں کر سکتے، وہ تمہاری مدد کیا کریں گے۔ حضرت آدم عَلَیْہِ السَّلَامُ کے زمانے میں ان کے ایک بیٹے قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کو قتل کیا۔ حضرت نوح عَلَیْہِ السَّلَامُ کا بیٹا سیلاب کی نذر ہوا۔ حضرت لوط عَلَیْہِ السَّلَامُ کی بیوی عذاب میں ہلاک ہوئی۔

حضور اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَامُ کا بچپن میں انتقال ہوا اور آپ کی گود ہی میں وفات پاگئے۔ حضرت حسین رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے سامنے بہت سے لوگوں کو اور اسی طرح پھر خود حضرت حسین رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو شہید کیا گیا۔

اگر اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی اپنی مدد کر سکتا تو یہ ہستیاں ایسا کرنے کی زیادہ مستحق تھیں، لیکن ظاہر ہے کہ اس کائنات کا مالک صرف ایک اللہ ہے جس کی مدد کے ہم سب محتاج ہیں۔[۱]

جب اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے انبیاء کرام اور نیک متقی پرہیزگار بزرگ اپنی ضرورتوں اور مشکلات میں اللہ تعالیٰ ہی کو پکارتے ہیں تو ہمیں تو یہ بات بالکل بھی زیب نہیں دیتی کہ ہم بے دین اور شریعت پر عمل نہ کرنے والے عاملوں جوتشیوں، بے دین پیروں کے پاس جائیں۔ خاص کر ایسے عامل کہ جو مسلمان بھی نہیں ہیں، خصوصاً نامحرم عورتوں کا ایسے غلط لوگوں کے پاس بغیر اپنے محرم کے جانا، ان کے سامنے بیٹھنا خلوت میں ان سے باتیں کرنا، اُن سے دم کروانا، نامحرم عورتوں کے کپڑے دھلوانا وغیرہ امور، اللہ تعالیٰ کی ناراضگی میں اضافہ کر دیتے ہیں۔ ایک جن، شیطان مرتا ہے تو دوسرے دس آجاتے ہیں، لہٰذا اس کا علاج ایک ہی ہے کہ مخلوق کا تاثر دل سے نکال دیا جائے ''گناہوں سے توبہ کی جائے، نمازوں کا اہتمام کیا جائے، کسی کو تکلیف نہ دی جائے، کسی کو ستایا نہ جائے، کسی کی آہ نہ لی جائے۔''

پھر اس کے ساتھ ساتھ جادو، آسیب، جنات سے بچنے کے لئے مستند اور مسنون سات اعمال جو بیت العلم ٹرسٹ کی کتابیں ''مستند مجموعہ وظائف'' میں لکھے ہوئے ہیں اس پر عمل کیا جائے۔ اسی طرح اسی کتاب ''اسمائے حسنیٰ'' میں ''السَّلَامُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' میں جادو وغیرہ سے حفاظت کے لئے جو دس تدبیریں ذکر کی گئی ہیں، ان پر عمل کریں۔

یاد رکھیں! جو لوگ جہالت یا عقیدے کی کمزوری کی وجہ سے ایسے لوگوں کے پاس اپنی پریشانیاں لے کر جاتے ہیں تو

---

[۱] شریعت یا جہالت (بتصرف) مدد کس سے مانگیں: ۳۵۲

وہ بجائے اس کے کہ ان کی پریشانیاں ختم ہوں وہاں سے اور زیادہ پریشان ہوکر واپس لوٹتے ہیں، سچ ہے۔

؎ جو رب سے نہیں مانگتا
وہ سب سے مانگتا ہے

بعض اوقات تو یہ عامل اور پیر انسان کی زندگی ہی سے کھیل بیٹھتے ہیں، آئے دن اخبارات ورسائل میں ایسی خبریں چھپتی رہتی ہیں کہ فلاں عامل نے فلاں کو جان سے ہی مار ڈالا۔

یا پھر عجیب وغریب علاج بتلاتے ہیں کہ فلاں رنگ کا بکرا ذبح کرو جس کا سر ایسا ہو، ٹانگیں ایسی ہوں، فلاں قبرستان میں رات گزارو، فلاں چیز لے کر آؤ۔

ایسے میں نہ اِدھر کے رہتے ہیں، نہ اُدھر کے۔

اسی طرح کی ایک خبر روزنامہ اسلام میں شائع ہوئی کہ عامل نے ایک عورت کا جن نکالنے کے بہانے اسے اتنا مارا کہ نہ صرف یہ کہ اس عورت کی گردن ٹوٹ گئی، بل کہ وہ ہلاک ہی ہوگئی۔

اسی طرح ایک جعلی عامل نے بے چاری پریشان خاتون کو شرط لگائی کہ میرا تعویذ تب اثر کرے گا جب تم سر منڈوا کر آدھی رات یہ تعویذ قبرستان میں دفن کروگی، اس بے چاری نے مجبوراً سر گنجا کروایا، عشاء کے بعد شوہر تو بیوی کو دیکھ کر ڈر ہی گیا آخر نقلی بال لگوانے پڑے۔

لہٰذا کبھی بھی اس قسم کے غلط عاملوں، پنڈتوں، پادریوں اور گمراہ پیروں کے پاس مت جایئے، بل کہ اپنی پریشانیوں میں ''اَلْعَزِیْزُ، اَلْعَلِیْمُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کو پکاریئے اور پریشانی کے وقت کی جو دعائیں ہیں انہیں پکے یقین کے ساتھ مانگنے کا اہتمام کیجیے۔

ہر قسم کی مدد ''اَلْعَزِیْزُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' ہی سے طلب کریں

حضرت ابوالعباس المری رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں:

''مَارَأَیْتُ الْعِزَّ إِلَّا فِيْ رَفْعِ الْھِمَّةِ عَنِ الْمَخْلُوْقِیْنَ.''[1]

''یعنی عزت اور مرتبہ اسی کو ملتا ہے جو مخلوق کی طرف سے اپنی نگاہ ہٹالے۔''

جو مخلوق خود ہی اپنی عزت کروانے میں کسی کی محتاج ہو وہ کسی کو کیا عزت دے گی، جو مخلوق سے اپنی امیدیں ختم کرے گا کہ مخلوق سے کچھ بھی نہیں ملے گا، مگر اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہ خود اپنی نگاہ میں بھی عزیز ہوگا اور دوسروں کی نگاہ میں بھی۔

وَاقِعَۃٌ مُّنِیْرَۃٌ (۱۴): حضرت عطاء رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کہتے ہیں: قاضی شریح رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے مجھے دیکھا کہ میں اپنی

---

[1] مرقاة: كتاب اسماء الله تعالىٰ: ٥/٧٧

پریشانیوں اور مصیبتوں کی شکایت اپنے ایک دوست کے پاس کر رہا تھا۔ آپ میرا ہاتھ پکڑ کر ایک طرف لے گئے اور فرمایا:

اے میرے بھتیجے! اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے پاس شکوہ شکایت کرنے سے بچو، جس کے پاس تم شکوہ کرو گے وہ تمہارا دوست ہوگا یا دشمن، دوست یہ سن کر غمگین ہوگا اور دشمن خوش ہوگا (اور مصیبتوں بلاؤں کو نہ دوست دور کر سکتا ہے، نہ دشمن، پھر ان کو شکایت کرنے کا کیا فائدہ؟)

پھر آپ نے اپنی ایک آنکھ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: میری اس آنکھ کی طرف دیکھو، اللہ کی قسم! میں نے گزشتہ پندرہ برس سے اس آنکھ سے نہ کوئی شخص دیکھا اور نہ راستہ، لیکن میں نے کسی کو (شکایۃً) بتایا تک نہیں صرف آج تجھے محض سمجھانے کے لئے بتا رہا ہوں کہ بار بار ہر ایک سے پریشانیوں کا ذکر نہیں کرنا چاہئے۔[1]

کیا تو نے اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے حضرت یعقوب علیہ السلام کا یہ جملہ نہیں سنا:

﴿إِنَّمَا أَشْكُوا بَثِّي وَحُزْنِي إِلَى اللهِ﴾[2]

ترجمہ: ''میں اپنا شکوہ غم اللہ کے حضور پیش کرتا ہوں۔''

اور یہ بھی فرمایا:

''فَاجْعَلِ اللّٰهَ عَزَّ وَ جَلَّ مَشْكَاكَ وَ مَحْزَنَكَ عِنْدَ كُلِّ نَائِبَةٍ تَنُوْبُكَ، فَإِنَّهُ أَكْرَمُ مَسْئُوْلٍ وَأَقْرَبُ مَدْعُوٍّ''

ترجمہ: ''ہر مصیبت کے وقت اپنے حزن و ملال اور غم و اندوہ کا شکوہ اللہ ہی کے دربار میں پیش کیا کرو، وہی سوالیوں کی عزت رکھنے والا ہے اور بے کسوں کی التجائیں سننے والا ہے اور دعائیں مانگنے والوں کے قریب تر ہے۔''

واقعہ نمبر ⑮: قاضی شریح رحمہ اللہ تعالیٰ ہی کا واقعہ ہے:

ایک دن کسی شخص کو دوسرے سے کچھ مانگتے ہوئے دیکھا تو بڑے پیار سے نصیحت کی اور فرمایا:

''اے میرے بھتیجے! جو کسی انسان سے اپنی ضرورت پوری کرنے کے لئے مانگے گویا اس نے اپنے آپ کو اس انسان کی غلامی کے سپرد کر دیا۔ اگر اس شخص نے جس سے مانگا تھا سوالی کی ضرورت کو پورا کر دیا تو اس نے گویا اسے اپنا ذہنی غلام بنا لیا اور اگر اسے جواب دے دیا تو دونوں ذلیل و خوار ہو کر واپس لوٹے ایک بخل کی ذلت کے ساتھ، اور دوسرا ناکامی کی ذلت و رسوائی کے ساتھ۔

جب بھی تجھے کچھ مانگنا ہو تو اپنے اللہ سے مانگو اور جب بھی مدد طلب کرو تو اپنے اللہ سے مدد طلب کرو، خوب اچھی

---

[1] يَاابْنَ أَخِيْ..... إِيَّاكَ وَالشَّكْوٰى لِغَيْرِاللّٰهِ عَزَّ وَ جَلَّ..... فَإِنَّ مَنْ تَشْكُوْ إِلَيْهِ لَا يَخْلُوْ أَنْ يَكُوْنَ صَدِيْقاً أَوْ عَدُوًّا..... فَأَمَّا الصَّدِيْقُ فَتُحْزِنُهُ..... وَأَمَّا الْعَدُوُّ فَيَشْمَتُ بِكَ..... ثُمَّ قَالَ: أُنْظُرْ إِلٰى عَيْنِيْ هٰذِهٖ. وَأَشَارَ إِلٰى إِحْدٰى عَيْنَيْهِ. فَوَاللّٰهِ مَا أَبْصَرْتُ بِهَا شَخْصاً وَلَا طَرِيْقاً مُنْذُ خَمْسَ عَشْرَةَ سَنَةً..... وَلٰكِنِّيْ مَا أَخْبَرْتُ أَحَداً بِذٰلِكَ إِلَّا أَنْتَ فِيْ هٰذِهِ السَّاعَةِ.....

[2] یوسف: ۸٦

طرح یہ بات جان! لو برائی سے بچنے کی اور نیکی کرنے کی توفیق اور مدد دینے کا حقیقی اختیار اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے پاس نہیں۔"[۱]

اس لئے ہر معاملے میں اسی "العزیز جل جلالہٗ" ہی سے مدد مانگنی چاہیے۔ کبھی کوئی پریشانی ہو، کوئی مسئلہ اٹکا ہوا ہو تو دو رکعت صلاۃ الحاجت کی نیت سے پڑھ کر "العزیز جل جلالہٗ" سے مانگیں۔ صلوۃ الحاجت کی مشہور دعا یاد کرلیں، جو دعا کی عام کتابوں میں موجود ہے اور اس کتاب میں بھی "العزیز جل جلالہٗ" کے اسم مبارک کی تشریح میں وہ دعا مذکور ہے۔

مانگنے کا بہترین طریقہ نمازِ حاجت

یہاں ایک اور دعا کا طریقہ ذکر کیا جاتا ہے، کبھی اس طرح چار رکعت نمازِ حاجت کی نیت سے پڑھ کر دعا مانگی جائے اور بار بار مانگی جائے، جب لوگ سو رہے ہوں تو رات کو اٹھ کر گڑگڑا کر، رو رو کر دعا مانگیں اِنْ شَاءَ اللّٰہ ضرور قبول ہوگی وہ دعا اور نماز کی ترکیب یہ ہے:

"فرات بن سلیمان کہتے ہیں کہ سیّدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: "کیا تم میں سے کوئی یہ نہیں کرسکتا کہ کھڑا ہوکر چار رکعت نماز پڑھے، پھر اس میں یہ کلمات کہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہا کرتے تھے:"

"تَمَّ نُوْرُكَ فَهَدَيْتَ فَلَكَ الْحَمْدُ.... عَظُمَ حِلْمُكَ فَعَفَوْتَ.... فَلَكَ الْحَمْدُ. فَبَسَطْتَ يَدَكَ فَاَعْطَيْتَ.... فَلَكَ الْحَمْدُ رَبَّنَا.... وَجْهُكَ اَكْرَمُ الْوُجُوْهِ.... وَجَاهُكَ اَعْظَمُ الْجَاهِ وَعَطِيَّتُكَ اَفْضَلُ الْعَطِيَّةِ وَاَهْنَؤُهَا.... تُطَاعُ رَبَّنَا فَتَشْكُرُ.... وَتُعْصٰى رَبَّنَا فَتَغْفِرُ.... وَتُجِيْبُ الْمُضْطَرَّ.... وَتَكْشِفُ الضُّرَّ.... وَتَشْفِي السُّقْمَ.... وَتَغْفِرُ الذَّنْبَ.... وَتَقْبَلُ التَّوْبَةَ.... وَلَا يَجْزِيْ بِاٰلَائِكَ اَحَدٌ.... وَلَا يَبْلُغُ مِدْحَتَكَ قَوْلُ قَائِلٍ."[۲]

ترجمہ: "آپ کا نور مکمل ہے، چناں چہ آپ نے ہدایت دی، پس آپ ہی کے لئے تمام تعریف ہے۔ آپ کا حلم بڑھا تو درگزر فرمادیا، پس آپ ہی کے لیے تمام تعریف ہے، آپ نے اپنا ہاتھ کشادہ فرماکر عطاء و بخشش سے نوازا، پس اے ہمارے ربّ! تمام تعریف آپ ہی کے لئے ہے، آپ کی ذات سب سے اکرم اور آپ کا مرتبہ سب سے عظیم، اور آپ کا عطیہ افضل و خوش گوار عطیہ ہے۔

اے ہمارے ربّ! آپ کی اطاعت کی جاتی ہے تو آپ اس کی قدر فرماتے ہیں، (اور ثواب عطا فرماتے ہیں)

---

[۱] يَابْنَ أَخِيْ مَنْ سَأَلَ إِنْسَانًا حَاجَةً فَقَدْ عَرَضَ نَفْسَهُ عَلَى الرِّقِّ. فَإِنْ قَضَاهَا لَهُ الْمَسْئُوْلُ فَقَدِ اسْتَعْبَدَهُ بِهَا..... وَإِنْ رَدَّهُ عَنْهَا رَجَعَ كِلَاهُمَا ذَلِيْلًا..... هٰذَا بِذُلِّ الْبُخْلِ..... وَ ذَاكَ بِذُلِّ الرَّدِّ..... "فَإِذَا سَأَلْتَ فَاسْأَلِ اللّٰهَ. وَ إِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ" وَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ وَلَا عَوْنَ إِلَّا بِاللّٰهِ. (صور من حياة التابعين: ۲/ ۴۸ تا ۵۰)

[۲] مجمع الزوائد: كتاب الأدعية: ۱۰/ ۱۷۷، حديث: ۱۷۲۷۰

نافرمانی کی جاتی ہے تو مغفرت فرماتے ہیں، (مجبور و بے کس کی دعا سنتے اور قبول فرماتے ہیں) تکلیف کو آپ ہی دور کرتے اور بیماری سے شفا عطا فرماتے ہیں، گناہوں کو معاف فرماتے اور توبہ قبول فرماتے ہیں۔ آپ کی نعمتوں کا کوئی بدلہ نہیں دے سکتا، اور کسی کی تعریف آپ کی تعریف تک نہیں پہنچ سکتی۔

عزت کا طالب ''الْعَزِیْزُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' سے عزت طلب کرے

صاحب ''النہج الاسمیٰ'' فرماتے ہیں:

''جو کوئی عزت کا طالب ہو تو اسے چاہئے کہ وہ اللہ ربُّ العزت سے ہی عزت طلب کرے جیسا کہ اللہ ربُّ العزت کا ارشاد ہے، جس کا ترجمہ ہے: ''جو عزت پانا چاہے تو اللہ ہی کے لئے ہے ساری عزت۔''

یعنی جو شخص یہ چاہتا ہے کہ وہ دنیا و آخرت میں عزیز ہو۔ اس کو چاہئے کہ وہ اللہ ربُّ العزت کی فرماں برداری کو لازم پکڑے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ ہی دنیا و آخرت (کی تمام عزتوں) کے مالک ہیں اور ساری کی ساری عزتیں اسی کے لئے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا ضابطہ ہے کہ جو اس کے احکامات کے مطابق زندگی بسر کرتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں عزت عطا فرماتے ہیں۔

اس بات پر غور و فکر کرنے سے ان لوگوں کی گمراہی واضح ہو جاتی ہے جو ''الْعَزِیْزُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کے سوا کسی اور سے عزت کے طالب ہیں، حالاں کہ وہ ''الْعَزِیْزُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کی اطاعت کو اور مؤمنین کے طریقے کو بھی چھوڑے ہوئے ہیں اس طرح انہوں نے ''الْعَزِیْزُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' سے اعراض کر کے اور شریعت اور مؤمنین کی جماعت کو چھوڑ کر ''الْعَزِیْزُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کے دشمن یہود و نصاریٰ اور مشرکین سے یہ گمان رکھ کر دوستی کر لی کہ یہی عزت کا راستہ ہے، اللہ تعالیٰ ایسے ہی لوگوں پر نکیر فرماتے ہیں، ارشادِ ربانی ہے جس کا ترجمہ ہے:

''وہ جو بناتے ہیں کافروں کو اپنا رفیق مسلمانوں کو چھوڑ کر، کیا ان کے پاس عزت ڈھونڈتے ہیں؟ (حالاں کہ) ساری عزت تو اللہ ہی کے پاس ہے۔''[1]

---

[1] فَمَنْ طَلَبَ الْعِزَّ فَلْيَطْلُبْهُ مِنْ رَّبِّ الْعِزَّةِ كَمَا قَالَ تَعَالٰى: ﴿مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا﴾ [فاطر: ۱۰]

أَيْ: مَنْ كَانَ يُحِبُّ أَنْ يَّكُوْنَ عَزِيْزًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ فَلْيَلْزَمْ طَاعَةَ اللّٰهِ تَعَالٰى فَإِنَّهُ يَحْصُلُ لَهُ مَقْصُوْدُهُ لِأَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى مَالِكُ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَلَهُ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا.

وَبِذٰلِكَ تَعْلَمُ ضَلَالَ مَنْ بَحَثَ عَنِ الْعِزَّةِ عِنْدَ غَيْرِ اللّٰهِ تَعَالٰى، وَبِغَيْرِ طَاعَتِهِ وَالْتِزَامِ نَهْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ، فَعَادٰى رَبَّ الْعِزَّةِ وَشَرِيْعَتَهُ، وَحَارَبَ حِزْبَهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَوَالٰى أَعْدَاءَ اللّٰهِ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ وَالْيَهُوْدِ وَالنَّصَارٰى وَغَيْرِهِمْ ظَنًّا مِنْهُ أَنَّ هٰذَا هُوَ سَبِيْلُ الْعِزَّةِ وَطَرِيْقُهَا، قَالَ تَعَالٰى مُنْكِرًا عَلَيْهِمْ:

﴿الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ أَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَإِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا﴾ (النساء: ۱۳۹) (النہج الاسمیٰ: ۱/۱۳۹)

دونوں جہانوں کی عزت ”اَلْعَزِیْزُ جَلَّ جَلَالُہٗ“ کی اطاعت میں ہے

”إِنَّمَا يَعْرِفُ اللّٰهَ عَزِيْزاً مَنْ أَعَزَّ أَمْرَهُ وَطَاعَتَهُ وَأَمَّا مَنِ اسْتَهَانَ بِأَوَامِرِهِ فَمِنَ الْمُحَالِ أَنْ يَّكُوْنَ مُتَحَقِّقًا بِعِزَّتِهِ“[1]

تَرجَمۃ: ”جو اللہ تعالیٰ کے ایک ایک حکم کی عزت وعظمت کا استحضار کر کے اس کی اطاعت کرے گا، وہ ہی اس کی صفت ”اَلْعَزِیْزُ“ کی معرفت حاصل کر سکے گا اور (اللہ نہ کرے) جو اس کے حکموں کی توہین کرے گا اس کے لئے صفت ”اَلْعَزِیْزُ“ کی معرفت حاصل کرنا مشکل ہے۔“

حضور اکرم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کا ارشاد ہے:

”إِنَّ رَبَّكَ يَقُوْلُ كُلَّ يَوْمٍ أَنَا الْعَزِيْزُ فَمَنْ أَرَادَ عِزَّ الدَّارَيْنِ فَلْيُطِعِ الْعَزِيْزَ“[2]

تَرجَمۃ: ”تمہارا پروردگار روزانہ یہ اعلان کرتا ہے کہ میں ہی عزیز ہوں۔ لہٰذا جو دونوں جہاں میں عزت کا طالب ہو اسے چاہئے کہ ”اَلْعَزِیْزُ جَلَّ جَلَالُہٗ“ کی اطاعت کرے (گناہوں سے بچے)۔“

”اَلْعَزِیْزُ جَلَّ جَلَالُہٗ“ کی اس صفت کا اتنا دل میں استحضار ہو کہ اس کی نافرمانی کی جرأت نہ ہو سکے کہ اتنی بڑی قوت وغلبہ والے جَلَّ جَلَالُہٗ کو کیسے ناراض کیا جا سکتا ہے، اسی طرح ”اَلْعَزِیْزُ جَلَّ جَلَالُہٗ“ کے بندوں پر ظلم نہ ہو، کسی کی دل آزاری نہ ہو۔

اس بات کو حضرت حکیم الامت رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے ایک مثال کے ذریعے سمجھایا ہے، فرماتے ہیں:

پہلے زمانے میں غلام ہوا کرتے تھے اور اپنے مالک کے مملوک ہوتے تھے، مالک ان کو بازار میں باقاعدہ بیچ سکتا تھا، آقا ان کی ہر چیز کا مالک ہوتا تھا، مالک جو بھی حکم دے گا غلام کو کرنا ہوگا، اگر وہ کہے کہ میں سفر میں جا رہا ہوں، میری غیر موجودگی میں اب تم حکمرانی کرو، اب وہ حکمرانی کر رہا ہے۔ گورنر بنا ہوا ہے، لیکن ہے غلام کا غلام، لہٰذا اس غلام کے دماغ میں یہ بات آ ہی نہیں سکتی کہ یہ جو اقتدار میرے پاس آیا ہے، یہ میری قوتِ بازو کا یا میری صلاحیت کا نتیجہ ہے، اس کو یہ خیال رہتا ہے کہ جب آقا آجائے گا تو کہہ دے گا کہ ہٹو، اب بیت الخلاء صاف کرو، تب وہ سارا تخت اور ساری حکمرانی دھری رہ جائے گی۔ معلوم ہوا کہ وہ غلام بے شک حاکم بن کر حکم چلا رہا ہے، لیکن ساتھ ساتھ اپنی حقیقت کا احساس بھی کر رہا ہے کہ یہ حکمرانی میرے مالک کی عطا ہے، حقیقت میں تو میں غلام ہی ہوں۔

یہ تو ایک غلام کا حال تھا، لیکن ”بندہ“ ہونے کا درجہ اس سے کہیں زیادہ نیچے ہے، لہٰذا جب ”اَلْعَزِیْزُ جَلَّ جَلَالُہٗ“ کسی بندہ کو کوئی منصب عطا فرما دیں تو ”بندہ“ کو سمجھنا چاہئے کہ منصب مجھے ”اَلْعَزِیْزُ جَلَّ جَلَالُہٗ“ نے عطا فرما دیا، اسی وجہ سے

---

[1] مرقاۃ: کتاب اسماء اللّٰہ تعالیٰ: ۷۷/۵
[2] تفسیر روح المعانی: ۱۷۳/۱۲، الفاطر: ۱۰

یہ کام انجام دے رہا ہوں، لیکن میں ان کا بندہ ہوں، میری حقیقت اس غلام سے بھی فروتر (کم رتبہ) ہے جس کو مالک نے تخت پر بٹھا دیا، کتنے غلام گزرے ہیں جنھوں نے بادشاہت کی ہے، لیکن رہے غلام کے غلام۔[1]

درگزر کرنا اور تواضع اختیار کرنا حصولِ عزت کے اسباب میں سے ہیں

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: صدقہ مال کو کم نہیں کرتا، اور بندہ کے درگزر کر دینے پر اللہ ربُّ العزت اس کی عزت میں اضافہ فرماتے ہیں اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کے لئے تواضع اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے سربلند فرماتے ہیں۔[2]

جو شخص انتقام پر قدرت رکھنے کے باوجود معاف کر دیتا ہے تو دلوں میں اس کی عظمت بڑھ جاتی ہے اور آخرت میں اسے اجرِ عظیم حاصل ہوگا اور جو کوئی صرف اللہ ربُّ العزت کے تقرب کی نیت سے تواضع اختیار کرتا ہے اس میں کوئی اور غرض شامل نہیں ہوتی تو ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ لوگوں میں بلند مرتبہ عطا فرماتے ہیں۔[3]

زیادہ عزت والا بندہ کون ہے؟

دوسری بات کہ جس کے ذریعے "اَلْعَزِيْزُ جَلَّ جَلَالُهٗ" سے تعلق پیدا ہو جائے اور ہماری دعائیں قبول ہوں وہ یہ کہ ہماری طرف سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے، کسی کا دل نہ دکھے، کسی کی آہ نہ لی جائے، لوگوں کے......... ماتحتوں کے......... بیوی بچوں کے......... قصور معاف کیے جائیں، پیار و محبت سے سمجھایا جائے، دعائیں کی جائیں، اسی کو حدیث شریف میں سمجھایا گیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: حضرت موسیٰ بن عمران (علیہ السلام) نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا:

"يَارَبِّ مَنْ أَعَزُّ عِبَادِكَ عِنْدَكَ؟ قَالَ: مَنْ إِذَا قَدَرَ غَفَرَ."

اے میرے ربّ! آپ کے بندوں میں آپ کے نزدیک زیادہ عزت والا کون ہے؟

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وہ بندہ جو بدلہ لے سکتا ہو اور پھر معاف کر دے۔[4]

---

[1] اصلاحی خطبات: ۵/۵۳

[2] أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "مَا نَقَصَتْ صَدَقَةٌ مِّنْ مَّالٍ وَمَا زَادَ اللّٰهُ عَبْدًا بِعَفْوٍ إِلَّا عِزًّا، وَمَا تَوَاضَعَ أَحَدٌ لِلّٰهِ إِلَّا رَفَعَهُ اللّٰهُ." (ترمذی: ابواب البرّ والصلة، باب ماجاء فی التواضع ۲/۲۳)

[3] فَمَنْ عَفَا عَنْ شَيْءٍ مَّعَ قُدْرَتِهٖ عَلَى الْإِنْتِقَامِ، عَظُمَ فِي الْقُلُوْبِ فِي الدُّنْيَا أَوْ فِي الْاٰخِرَةِ بِأَنْ يُّعْظِمَ ثَوَابَهٗ أَوْ فِيْهِمَا، وَمَنْ تَوَاضَعَ رَجَاءَ التَّقَرُّبِ إِلَى اللّٰهِ دُوْنَ غَرَضٍ غَيْرِهٖ. رَفَعَ اللّٰهُ عِنْدَ النَّاسِ وَأَجَلَّ مَكَانَهٗ. (النهج الأسمٰی: ۱/۱۴۰)

[4] بیہقی فی شعب الایمان: ۶/۳۱۹

فوائد و نصائح

❶ غلبہ وعزت تو اسی "العزیز جل جلالہٗ" کے لئے ہے، جسے کوئی چھین نہیں سکتا۔ وہ چند لمحوں میں غلبہ وعزت کو خاک میں ملا دیتا ہے۔

❷ "العزیز جل جلالہٗ" نے آپ کو کسی قسم کا عہدہ، منصب یا رُتبہ دیا ہے، مثلاً: بڑا بھائی ہونا، شوہر یا والد ہونا، پرنسپل یا مہتمم ہونا، چودھری یا زمین دار ہونا، بیگم صاحبہ یا سیٹھانی ہونا، معلّمہ یا ناظمہ ہونا، تو مغرور نہ ہوئیے، اس کو اپنا ذاتی کمال نہ سمجھئے، یہ عارضی طور پر امتحان کے لئے ہم کو دیا گیا ہے، یہ غلبہ وعزت مخلوق کو ستانے کے لئے نہیں دیا گیا، ورنہ تاریخ ان قصوں سے بھری پڑی ہے کہ بعض بادشاہ وحکمران، بڑے مرتبہ کے حاملین مرد وعورتیں جب "العزیز جل جلالہٗ" نے اُن سے عزت وغلبہ لینے کا ارادہ کرلیا تو وہ ذلیل ہوگئے۔

ایک وقت میں پورے ملک پر ان کا حکم چلتا تھا اور ایک وقت میں اس ملک میں ان کو اپنی قبر کے لئے بھی جگہ نہ ملی۔

❸ دنیا میں جس نے کسی پر ظلم کیا یا کسی کو ستایا، دل دُکھایا، تو اکثر "العزیز جل جلالہٗ" اس کا بدلہ دنیا ہی میں لے لیتے ہیں، انسان غور کرے تو اس کو اپنے معاشرے ہی میں ایسے لوگوں کے کئی واقعات مل جائیں گے جنہوں نے کسی پر ظلم کیا تو موت سے پہلے پہلے وہ ایسی بیماریوں اور مصیبتوں میں مبتلاء ہوئے کہ اللہ ہی سب کی حفاظت فرمائے۔[1]

لہٰذا ہر انسان کو کسی پر ظلم کرنے سے پہلے یہ ضرور سوچنا چاہئے کہ دارا...... جمشید...... سکندر...... چنگیز...... بابر...... تیمور...... ہٹلر...... اور نپولین کہاں گئے؟

اور ان کا کیا انجام ہوا؟

"العزیز جل جلالہٗ" نے تمہیں غلبہ وعزت مخلوق کے ستانے کے لئے نہیں دیا۔ ؎

ہم نے دیکھے ہیں زمانے میں بہت سے انقلاب　　اہلِ دولت سے کہو اتنا نہ اِترایا کریں

مغرور انسان سے "العزیز جل جلالہٗ" عزت چھین لیتا ہے۔ ؎

ناز نیرنگ برائے ابلقِ ایام نہ کر　　نہ رہے گی یہ سپیدی یہ سیاہی تیری

نیرنگیِ ایام وغضب "العزیز جل جلالہٗ" سے غافل نہ رہو۔ ؎

خوشی کے ساتھ ہزاروں غم بھی ہوتے ہیں　　جہاں بجتی ہے شہنائی وہاں ماتم بھی ہوتے ہیں

چناں چہ ان باتوں پر غور کرنے سے واضح ہو جاتا ہے کہ وہ مالک جسے ساری مخلوق پر غلبہ تام اور اقتدارِ کامل حاصل ہے وہ اپنے اقتدار وقدرت کا استعمال حکمت اور رحم کے ساتھ فرماتا ہے۔ یہ سبق ہے ان لوگوں کے لئے جن کو دنیائے

---

[1] چناں چہ ایسے مستند واقعات پر مبنی ایک عرب عالم کی کتاب "دعوۃ المظلوم" جس کا اردو ترجمہ بنام "مظلوم کی آہ" بیت العلم ٹرسٹ سے شائع ہوا ہے جو ہر مرد وزن کے لئے یکساں مفید ہے۔

فانی میں چند روز محدود غلبہ کسی مقام یا اشخاص پر حاصل ہوگیا ہو کہ وہ بھی اپنے اختیارات کا استعمال، علمِ صحیح کے بعد اوّل عفو ورحم اور پھر دانائی وحکمت کے ساتھ کیا کریں۔ اس اسم سے تعلق کا یہی طریقہ ہے۔[۱]

مذاکرہ

"العزیز جل جلالہ" سے تعلق کو مضبوط کرنے کے لیے اس کے اسماء حسنیٰ کے معانی پر غور کرنا اور ان معانی ومفہوم کی طرف لوگوں کو دعوت دینا اور اکیلے بیٹھ کر ان کے معنی کو سوچنا، یہ بہت ہی مفید اور اپنا ایمان مضبوط کرنے کے لیے معین اور مددگار رہے گا۔ لہٰذا اب سوچیں یہاں "العزیز جل جلالہ" کے پانچ معنی بیان کیے ہیں، اِن پانچ تعریفات کو آپ کتاب بند کر کے بتائیں، ورنہ پھر دوبارہ پڑھیں، بار بار پڑھیں اور جب پڑھیں تو اللہ تعالیٰ سے دعا بھی مانگتے رہیں کہ اس کی حقیقت بھی ہمیں نصیب فرمائیں اور پھر جہاں موقع مناسب ہو وہاں دوستوں میں، نجی مجالس میں، گھر کے افراد کے ساتھ بیٹھے ہوں اُن کو بھی یہ معانی سمجھائیں۔ بچوں کو تختہ سیاہ پر لکھ کر سمجھائیں یاد کروائیں۔

---

[۱] شرح اسماء الحسنی: ٦١ للمنصور پوری

الجبار جل جلالہ

(سب سے زبردست)

اس اسم مبارک کے تحت تین تعریفیں کی جاتی ہیں:

❶ (اَلْجَبَّارُ): اَلْمُصْلِحُ أُمُوْرَ خَلْقِهِ الْمُتَصَرِّفُ فِيْهِمْ بِمَا فِيْهِ صَلَاحُهُمْ.[1]

ترجمہ: علامہ طبری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''الجبار جل جلالہ'' وہ ذات ہے جو مخلوق کے تمام کاموں کی درستگی کرنے والی ہے اور مخلوق کے لئے ان ہی معاملات کو طے کرنے والی ہے جو ان کے حق میں بہتر ہیں۔

❷ (اَلْجَبَّارُ): جَبَرُوْتُ اللّٰهِ عَظَمَتُهُ، وَالْعَرَبُ تُسَمِّي الْمَلِكَ: اَلْجَبَّارَ.[2]

ترجمہ: امام شوکانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: جبروت کے معنی اللہ ربُّ العزت کی عظمت کے ہیں اور عرب حضرات بادشاہ کو بھی ''الجبار'' کہا کرتے تھے۔

❸ اللہ ربُّ العزت کے اوصاف میں ''الجبار جل جلالہ'' بھی ہے اور جبر اس کے اوصاف میں دو طرح کا ہے:

① ایک کمزور کی خستہ حالی کو دور کر کے، اس کی حالت درست کرنا اور ہر وہ دل جو ٹوٹ چکا ہوا سے جوڑنا۔ وہ اس معنی میں جبار ہے کہ شکستہ دل کی دل بستگی کرتا ہے۔

② دوسرے معنی جبار[3] کے قہر اور غلبہ کے ہیں کہ ایسا قہر اور غلبہ اس ذات کو حاصل ہے جو کسی دوسری ذات کے لئے ہرگز مناسب نہیں۔ اور اس نام ''جبار'' کا تیسرا مطلب اس بلندی کے بھی ہیں جہاں تک انسان کی رسائی نہیں ہو سکتی

---

[1] تفسیر ابن کثیر: ۴۷۹/۳، (الحشر: ۲۳) [2] فتح القدیر: ۲۰۸/۵ نقلاً عن النہج الاسمیٰ: ۱۴۴/۱

[3] ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ ''الجبار جل جلالہ'' کی تشریح اشعار کے انداز میں کچھ اس طرح فرماتے ہیں:

وَكَذَالِكَ الْجَبَّارُ مِنْ أَوْصَافِهِ	وَالْجَبْرُ فِي أَوْصَافِهِ قِسْمَانِ
جَبْرُ الضَّعِيْفِ وَ كُلُّ قَلْبٍ قَدْ غَدَا	ذَاكَسْرَةٍ فَالْجَبْرُ مِنْهُ دَانِ
وَالثَّانِي جَبْرُ الْقَهْرِ بِالْعِزِّ الَّذِيْ	لَا يَنْبَغِيْ لِسِوَاهُ مِنْ إِنْسَانِ
وَلَهُ مُسَمّٰى ثَالِثٍ وَهُوَ الْعُلُوُّ	فَلَيْسَ يَدْنُوْ مِنْهُ مِنْ إِنْسَانِ
مِنْ قَوْلِهِمْ جَبَّارَةٌ لِلنَّخْلَةِ الْ	عُلْيَا الَّتِيْ فَاتَتْ لِكُلِّ بَنَانِ

(النونیة: ۲۳۲/۲ نقلاً عن النہج الاسمیٰ: ۱۴۴/۱)

اور یہ معنی عربی زبان کے ایک مشہور جملہ "جَبَّارَةُ النَّخْلَةِ" سے لئے گئے ہیں جس کے معنی یہ ہیں کہ کھجور کا ایسا لمبا اور بلند درخت جس پر کوئی انسان نہ پہنچ سکے۔

اس تعریف سے معلوم ہوا کہ "اَلْجَبَّارُ" کے کئی معانی ہیں، مثلاً:

(الف) "اَلْجَبَّارُ جَلَّ جَلَالُہٗ" وہ ذات ہے جو اپنی مخلوق پر بلند ہو۔

(ب) "اَلْجَبَّارُ جَلَّ جَلَالُہٗ" وہ ذات ہے جو تمام امور کی اصلاح کرنے والی ہو جیسے "جَبْرُ الْکَسْرِ" (ٹوٹی ہوئی ہڈی کو جوڑنا) اور "جَبْرُ الْفَقِیْرِ" یعنی فقیر کو غنی کر دینا۔

(ج) "اَلْجَبَّارُ جَلَّ جَلَالُہٗ" وہ ذات ہے جو اپنی مخلوقات پر اپنے سارے ارادوں کو نافذ کرنے میں غالب ہو، چاہے وہ کسی کام کے کرنے کے اعتبار سے ہو یا کسی کام سے روکنے کے اعتبار سے ہو۔[1]

یہ اسم قرآن مجید میں صرف ایک مرتبہ آیا ہے۔

﴿اَلْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَکَبِّرُ﴾[2]

عربی زبان میں "جابر" کے وہ معنی نہیں ہیں جو اردو میں ہیں، اردو میں "جابر" کے معنی ظالم کے آتے ہیں، لیکن عربی میں جابر کہتے ہیں ٹوٹی ہوئی چیز کو جوڑنے والا، ٹوٹی ہڈی جوڑنے کو "جبر" کہتے ہیں اور جو شخص ٹوٹی ہڈی کو جوڑے اس کو "جابر" کہتے ہیں، اسی طرح "اَلْجَبَّارُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کے معنی ہوئے، ٹوٹی ہوئی چیزوں کو بہت خوبی سے جوڑنے والا، تو اللہ تعالیٰ کا جو نام "اَلْجَبَّارُ جَلَّ جَلَالُہٗ" ہے، اس کے معنی (معاذ اللہ) ظلم کرنے والے یا عذاب دینے والے کے نہیں ہیں، بل کہ اس کے معنی یہ ہوئے کہ جو چیز ٹوٹ گئی ہو اس کو اللہ تعالیٰ بہترین جوڑنے والے ہیں۔

ٹوٹی ہڈی جوڑنے والی ذات صرف "اَلْجَبَّارُ جَلَّ جَلَالُہٗ" ہے

اسی لئے نبی اکرم ﷺ نے جو بہت سی دعائیں تعلیم فرمائی ہیں، ان میں سے ایک میں اللہ تبارک وتعالیٰ کو اس نام سے یوں پکارا گیا ہے:

"یَا جَابِرَ الْعَظْمِ الْکَسِیْرِ"[3]

تَرْجَمَہ: "اے ٹوٹی ہوئی ہڈی کو جوڑنے والے۔"

اس نام سے خاص طور پر اس لئے پکارا کہ دنیا کے تمام اطباء، معالج اور ڈاکٹر اس بات پر متفق ہیں کہ اگر ہڈی ٹوٹ

---

[1] ① (اَلْجَبَّارُ): هُوَ الْعَالِيْ عَلٰى خَلْقِهٖ، وَفَعَّالٌ مِنْ أَبْنِيَةِ الْمُبَالَغَةِ.

② (اَلْجَبَّارُ): هُوَ الْمُصْلِحُ لِلْأُمُوْرِ مِنْ جَبَرَ الْكَسْرَ إِذَا أَصْلَحَهٗ وَ جَبَرَ الْفَقِيْرَ إِذَا أَغْنَاهُ.

③ (اَلْجَبَّارُ) هُوَ الْقَاهِرُ خَلْقَهٗ عَلٰى مَا أَرَادَ مِنْ أَمْرٍ أَوْ نَهْيٍ.. (النهج الاسمٰی: ۱/۱۴۵)

[2] الحشر: ۲۳ [3] الحزب الاعظم: ۱۱۵

جائے تو کوئی دوا اور کوئی علاج ایسا نہیں ہے جو اس کو جوڑ سکے، انسان کا کام صرف اتنا ہے کہ وہ ٹوٹی ہوئی ہڈی کو اس کی صحیح جگہ پر رکھ دے، لیکن کوئی مرہم.....کوئی لوشن.....کوئی دوا.....کوئی معجون.....ایسی نہیں ہے جو ٹوٹی ہڈی پر لگادی جائے اور وہ جڑ جائے، جوڑنے والی ذات تو صرف وہی ہے، اس معنی میں اللہ تعالیٰ کو "الجبّار" کہا جاتا ہے اس معنی میں نہیں جیسا کہ لوگ سمجھتے ہیں۔

ہوگا وہی جو "الجبّار جلّ جلالہٗ" کو منظور ہو

❹ "الجبّار" کے ایک معنی یہ بھی ہیں:

"لَا يَجْرِيْ فِيْ سُلْطَانِهٖ شَيْءٌ بِخِلَافِ مُرَادِهٖ."[1]

تَرجَمَہ: "اس کی سلطنت میں کوئی ایسی چیز واقع نہیں ہوسکتی جو اس کی مراد و چاہت کے خلاف ہو۔"

ہر انسان ارد گرد دیکھتا ہے کہ نہ چاہتے ہوئے بھی بہت سے امور اس کی طبیعت کے خلاف واقع ہوجاتے ہیں۔ دنیا کے بڑے سے بڑے بادشاہ ظاہری فوج و حشم و خدم کے مالک ہوتے ہوئے بھی بعض کام کرنا چاہتے ہیں، مگر وہ نہیں کر پاتے اور بعض چیزیں ان کے نہ چاہتے ہوئے بھی ہوجاتی ہیں۔

(الف) فرعون نے بڑی کوشش کی کہ موسیٰ علیہ السلام پیدا نہ ہوں، صرف موسیٰ دنیا میں نہ آئے اس کے لئے ہزاروں بچوں کو قتل کرادیا، لیکن اسی "الجبّار جلّ جلالہٗ" نے اسی کے گھر میں موسیٰ علیہ السلام کی تربیت کروادی۔

(ب) نمرود نے کوشش کی کہ ابراہیم علیہ السلام کی دعوت نہ چلنے پائے، لیکن اس "الجبّار جلّ جلالہٗ" نے ان کی دعوتِ توحید چلادی۔

(ج) مشرکینِ مکہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت روکنے کے لئے بڑی بڑی کوششیں کیں، لیکن سب ناکام ہوئیں، ان ہی قریش کے نوجوانوں کو اس "الجبّار جلّ جلالہٗ" نے ان کے خلاف کھڑا کردیا۔

تو "الجبّار جلّ جلالہٗ" وہ ذات ہے کہ اس کی سلطنت میں وہی ہو کر رہتا ہے جو وہ چاہتا ہے، اس کی چاہت پوری ہونے میں رکاوٹ کوئی نہیں بن سکتا اور جو وہ نہ چاہے وہ ہو نہیں سکتا۔

ایک حدیثِ قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"عَبْدِيْ تُرِيْدُ وَأُرِيْدُ، وَلَايَكُوْنُ إِلَّا مَآ أُرِيْدُ فَإِنْ رَضِيْتَ بِمَا أُرِيْدُ كَفَيْتُكَ مَا تُرِيْدُ، وَ إِنْ لَّمْ تَرْضَ بِمَا أُرِيْدُ أَتْعَبْتُكَ فِيْمَا تُرِيْدُ ثُمَّ لَا يَكُوْنُ إِلَّا مَا أُرِيْدُ."[2]

تَرجَمَہ: "میرے بندے تو بھی کسی بات کو چاہتا ہے اور میں بھی ایک بات چاہتا ہوں اور ہوتا وہی ہے جو میں چاہتا ہوں۔ اگر تو راضی رہے گا میری چاہت پر تو تیری چاہت کے لئے میں کافی ہو جاؤں گا اور تو راضی نہیں ہوا اس پر جو میں

[1] مرقاۃ، کتاب اسماء اللّٰہ الحسنیٰ: ۷۸/۵ [2] شرح طیبی، ابواب الدعوات: ۲۲/۵

نے ارادہ کیا تو میں تھکا دوں گا تجھے اس چیز کے حاصل کرنے میں جو تیری خواہش ہے، مگر ہوگا پھر بھی وہی جو میں چاہوں گا۔''

حضرت مولانا عمر پالن پوری صاحب رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے تھے: اللہ پاک بندے سے یہ چاہتے ہیں کہ تو اپنی مرضی کا بیج گم کردے میرے مرضیات کی زمین میں! تو نتیجتاً میں تیری مرضی اُگاؤں گا۔

یعنی ایک بار ربّ چاہی پر آجا پھر من چاہی کے مزے ملیں گے۔

امام رازی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: تمام تر بڑائی اللہ ربُّ العزت ہی کے لئے ہے۔ اللہ ربُّ العزت نے اسم مبارک ''اَلْجَبَّارُ'' سے اپنی تعریف فرمائی ہے اور یہ صفت مخلوق کے حق میں مذموم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام سر کشوں پر اپنی بڑائی کی وجہ سے غالب ہیں اور اپنی شانِ عظمت و کبریائی کی وجہ سے اُن کی عظمت سب سے بلند ہے، یہی وجہ ہے کہ اللہ ربُّ العزت پر کسی حاکم کا حکم نہیں چلتا کہ انہیں کسی کی فرماں برداری کرنی پڑے اور نہ ہی کسی آمر (حکم چلانے والے) کا حکم ان پر جاری ہوتا ہے کہ اس کی پیروی کرنی پڑے۔

وہ آمر ہے مامور نہیں، وہ غالب ہے مغلوب نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے جس کا ترجمہ یہ ہے:

''وہ جو کچھ کرتا ہے اس کے بارے میں اس سے سوال نہیں کیا جاتا اور لوگوں سے باز پرس ہوتی ہے۔'' [1]

اس لئے کہ مخلوق کمزور ہے، مغلوب ہے اور مجبور ہے، ایک کھٹل اُس کو تکلیف پہنچا سکتا ہے اور ریشم کا کیڑا تک انہیں کھانے کے درپے ہوتا ہے، ایک مکھی انہیں پریشان کردیتی ہے، بھوک تنگ کرنے پر آئے تو کلیجہ منہ کو آجائے، زیادہ کھا لے تو ہیضہ اٹھنے نہ دے، چھوٹی سی چیونٹی کاٹ لے پریشان ہوجائے، مکھی ڈس لے تو آنسو نکل آئے، بڑے سے بڑے بہادر اور جلاد شخص کے دانتوں میں درد شروع ہوجائے تو گھٹنے ٹیک جائیں جس کی یہ صفات ہوں تو کیا اسے تکبر کرنا زیب دیتا ہے......؟ [2]

اَلْجَبَّارُ جَلَّ جَلَالُہٗ سے مانگنے والی دعائیں

حضرت علی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے منقول ہے کہ وہ دعا یوں مانگتے تھے:

---

[1] الانبیاء: ۲۳

[2] اَلْجَبَرُوْتُ لِلّٰهِ وَحْدَهٗ وَقَدْ مَدَحَ اللّٰهُ بِهٰذَا الإِسْمِ نَفْسَهٗ وَأَمَّا فِي حَقِّ الْخَلْقِ فَهُوَ مَذْمُوْمٌ فَمَا الْفَرْقُ؟

اَلْفَرْقُ أَنَّهٗ سُبْحَانَهٗ قَهَرَ الْجَبَابِرَةَ بِجَبَرُوْتِهٖ وَعَلَاهُمْ بِعَظَمَتِهٖ لا يَجْرِيْ عَلَيْهِ حُكْمُ حَاكِمٍ فَيَجِبُ عَلَيْهِ انْقِيَادُهٗ، وَلَا يَتَوَجَّهُ عَلَيْهِ أَمْرُ آمِرٍ فَيَلْزَمُهٗ إِمْتِثَالُهٗ، آمِرٌ غَيْرُ مَأْمُوْرٍ، قَاهِرٌ غَيْرُ مَقْهُوْرٍ ﴿لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ﴾ (الأنبياء: ۲۳)

وَأَمَّا الْخَلْقُ فَهُمْ مَوْصُوْفُوْنَ بِصِفَاتِ النَّقْصِ مَقْهُوْرُوْنَ مَجْبُوْرُوْنَ تُؤْذِيْهِمُ الْبَقَّةُ وَتَأْكُلُهُمُ الدُّوْدَةُ، وَتُشَوِّشُهُمُ الذُّبَابَةُ، أَسِيْرُ جُوْعِهٖ، وَصَرِيْعُ شَبْعِهٖ وَمَنْ تَكُوْنُ هٰذِهٖ صِفَتُهٗ كَيْفَ يَلِيْقُ بِهِ التَّكَبُّرُ وَالتَّجَبُّرُ؟ (النهج الاسمٰی: ۱/۱۴۷)

① "یَا جَابِرَ كُلِّ كَسِيْرٍ وَّمُسَهِّلَ كُلِّ عَسِيْرٍ." [1]

ترجمہ: "اے وہ ذات! جو ہر ٹوٹے ہوئے کو جوڑتی ہے، جو بکھرے ہوئے احوال درست کرتی ہے اور ہر مشکل (کام) کو آسان کرتی ہے۔"

پیارے نبی ﷺ دونوں سجدوں کے درمیان یہ دعا مانگا کرتے تھے:

② "اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ وَارْحَمْنِيْ وَاجْبُرْنِيْ وَاهْدِنِيْ وَارْزُقْنِيْ." [2]

ترجمہ: "اے اللہ! میری مغفرت فرما، مجھ پر رحم فرما، مجھے عافیت عطا فرما، (سیدھا) راستہ دکھادے، اور مجھے تو ہی رزق عطا فرما۔"

اس دعا میں آپ ﷺ نے وہ الفاظ استعمال فرمائے ہیں جس پر اسم مبارک "الجبار" دلالت کرتا ہے۔

علامہ ابن اثیر رحمہ اللہ تعالیٰ وَاجْبُرْنِيْ کا ترجمہ أَغْنِنِيْ سے فرماتے تھے جس کا مطلب یہ ہے:

اے اللہ! مجھے تونگری نصیب فرما، کیوں کہ "الجبار" کے ایک معنی یہ بھی ہیں کہ کھوئی ہوئی نعمت کو دوبارہ لوٹانے والا، اصلاً لغت کے اعتبار سے ہر قسم کے نقصان کی تلافی کرنے والا۔

نبی ﷺ رکوع وسجود میں اپنے رب کی تعظیم اس نام مبارک سے بھی بیان فرمایا کرتے تھے جیسا کہ حضرت عوف بن مالک الاشجعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ آپ ﷺ رکوع میں یہ تسبیح پڑھا کرتے تھے:

③ "سُبْحَانَ ذِی الْجَبَرُوْتِ وَالْمَلَكُوْتِ وَالْكِبْرِيَاءِ وَالْعَظَمَةِ." [3]

ترجمہ: "تمام عیبوں اور ہر قسم کی کمزوری سے پاک ہے، اللہ بگڑے ہوئے حالات کو درست کرنے والا اور فرمان روائی والا اور عظمت وکبریائی والا۔"

اس دعا کے ذریعے رکوع اور سجدہ میں اللہ تعالیٰ کی تعریف اور عظمت کا ذکر فرماتے تھے۔ [4]

غم اور خوف سے چھٹکارے کا بہترین نسخہ

"الجبار" کی یہ چوتھی تفسیر بہت سارے غموں اور پریشانیوں سے چھٹکارے کا بہترین نسخہ ہے کہ:

---

[1] طیبی، شرح مشکوٰۃ، کتاب الدعوات، باب اسماء اللّٰہ تعالیٰ: ۲۱/۵

[2] ترمذی، کتاب الصلاۃ، باب ما یقول بین السجدتین: ۶۳/۱

[3] ابوداؤد: کتاب الصلوٰۃ باب مایقول الرجل فی رکوعه و سجوده ۱۲۷/۱

[4] قَالَ ابْنُ الْأَثِيْرِ: وَاجْبُرْنِيْ أَيْ أَغْنِنِيْ، مَنْ جَبَرَ اللّٰهُ مُصِيْبَتَهُ: أَيْ رَدَّ عَلَيْهِ مَا ذَهَبَ مِنْهُ وَعَوَّضَهُ، وَأَصْلُهُ مِنْ جَبْرِ الْكَسْرِ.
وَكَانَ يُعَظِّمُ رَبَّهُ أَيْضًا بِهٰذَا الْإِسْمِ فِي الصَّلٰوةِ فِي الرُّكُوْعِ وَالسُّجُوْدِ كَمَا جَاءَ فِيْ حَدِيْثِ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ الْأَشْجَعِيِّ أَنَّهُ كَانَ يَقُوْلُ فِيْ رُكُوْعِهِ: "سُبْحَانَ ذِی الْجَبَرُوْتِ وَالْمَلَكُوْتِ وَالْكِبْرِيَاءِ وَالْعَظَمَةِ"، وَفِيْ سُجُوْدِهِ مِثْلُ ذٰلِكَ. (النهج الاسمیٰ: ۱۴۹/۱)

ہوگا وہی جو اللہ تعالیٰ کو منظور ہو اور اس کی طرف لوگوں کو دعوت دیں، کسی چیز سے ڈریں نہیں، کسی حال سے خوف زدہ نہ ہو، جو اللہ تعالیٰ چاہے گا وہی ہوگا، زمین و آسماں کے درمیان وہی ہوگا جو "اَلْجَبَّارُ جَلَّ جَلَالُہٗ" چاہیں گے، جو وہ نہیں چاہیں گے وہ نہیں ہوگا، پھر غم، پریشانی اور موہوم خیالاتِ فاسدہ کو سوچ سوچ کر غمگین ہونے کی ضرورت نہیں۔ گھر کے ہر فرد کو سمجھائیں کہ ہوگا وہی جو "اَلْجَبَّارُ جَلَّ جَلَالُہٗ" چاہیں گے، کتنا ہی بڑا دشمن ہو، وہ ذرّہ برابر بھی نقصان نہیں پہنچا سکتا "اَلْجَبَّارُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کے حکم کے بغیر، اور کتنا ہی اچھا دوست ہو، وہ ذرّہ برابر بھی نفع نہیں پہنچا سکتا اللہ کے حکم کے بغیر، اللہ تعالیٰ کے غیر سے کچھ نہیں ہوگا۔ حاکم، وزیر، سیٹھ اور ڈاکٹر سے وہ نہیں ہوگا جو وہ چاہیں گے، بل کہ وہ ہوگا جو اللہ تعالیٰ چاہیں گے، یہ یقین بنانا پڑے گا، دل میں یہ خیال جمالیں کہ......... بگڑے ہوئے حالات کو بنانا،...... اُلجھن، ٹینشن،...... ڈیپریشن کو دور کرنا،...... مصیبتوں کی اندھیری رات میں مدد کا چراغ جلانا،...... پریشانیوں کے جنگلات میں عافیت کا باغ لگانا...... اُجڑی ہوئی زندگی کو سنوارنا......... اور انہونی کو ہونی کرنا......... اسی "اَلْجَبَّارُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کے قبضۂ قدرت میں ہے اور ہوتا وہی ہے جو "اَلْجَبَّارُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کو منظور ہوتا ہے، پھر کس چیز کا غم وخوف؟

فوائد و نصائح

"اَلْجَبَّارُ جَلَّ جَلَالُہٗ" سے تعلق پیدا کرنے کے لیے مندرجہ ذیل اُمور کا اہتمام کرنا چاہیے:

❶ ہر ٹیڑھے اور پیچیدہ یا مشکل کام میں یا جو کام اٹکے ہوتے ہیں ان کے حل کی کوشش کرتے ہوئے یہ دعا مانگتے رہنا چاہیے:

"یَا جَابِرَ کُلِّ کَسِیْرٍ وَمُسَهِّلَ کُلِّ عَسِیْرٍ"[1] اے ہر ٹوٹی ہوئی چیز کو جوڑنے والے! اور ہر مشکل کو آسان کرنے والے! میری اس مشکل کو آسان فرمادے یا میرے اس نقصان کی تلافی فرمادے۔"

❷ اسی طرح ہر قسم کے نقصان اور خسارہ کی تلافی کے لئے یہ دعا بھی مانگتے رہنا چاہیے:

یَاجَبَّارُ اُجْبُرْنِیْ "اے بگاڑ و خرابی کے درست کرنے والے! مجھے جو نقصان ہوا ہے (یا ہونے کا جو اندیشہ ہے) اس کی تلافی فرمادیجیے۔"

❸ اسی طرح دو سجدوں کے درمیان کی یہ دعا جب دو سجدوں کے درمیان بیٹھے تو ضرور اس دعا کو مانگیے، آپ ﷺ کی بتلائی ہوئی دعا ہے اور اس مختصر سی دعا میں مغفرت بھی مانگی گئی ہے اور رحمت بھی، عافیت بھی ہدایت بھی، ہر قسم کے نقصان کی تلافی بھی، کیا پیاری دعا ہے، دعا مانگنے کا محل اور موقع بھی کتنا اونچا ہے کہ اس دعا کے پڑھنے سے نماز کے واجبات صحیح طرح ادا ہوجاتے ہیں، نماز جان دار بن جاتی ہے دعا یہ ہے:

---

[1] طیبی شرح مشکوٰۃ: کتاب الدعوات، باب اسماء اللّٰہ تعالیٰ: ۵/۲۱

"اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ وَارْحَمْنِيْ وَاجْبُرْنِيْ وَاهْدِنِيْ وَارْزُقْنِيْ."[1]

تَرجَمَۃ: "اے اللہ! مجھے بخش دیجئے اور مجھ پر رحم کیجئے اور میرے نقصان کی تلافی فرما دیجئے، مجھے ہدایت دیجئے اور مجھے رزق دیجئے۔"

❷ "الجبار جل جلالہٗ" ہی وہ ذات ہے جو کمزوروں کی دلجوئی فرماتا ہے پریشانی اور مشکلات میں پھنسے ہوئے انسانوں کو سہارا دیتا ہے، صبر کی توفیق دیتا ہے اور اس پر ثواب عطا کرتا ہے لہٰذا اس "الجبار جل جلالہٗ" کے دَر کو چھوڑ کر کسی اور دَر پر اس لئے جانا کہ...... پریشانی ختم ہو جائے گی،...... بپتا مل جائے گا، امن وسکون حاصل ہوگا...... ناواقفی اور جہالت کی بات ہے، اس لئے صرف ایک اللہ وحدہ لاشریک لہٗ کی طرف متوجہ ہوں اسی سے مانگیں اور چین وسکون حاصل کریں۔

---

[1] ترمذی: کتاب الصّلوٰۃ، باب ما یقول بین السجدتین: ۶۳/۱

المتکبر جل جلالہ الکبیر جل جلالہ

(بہت بڑائی والا) (بہت بڑا)

ان دونوں اسموں کے تحت چار تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

❶ هُوَ الْمُتَعَالِيْ عَنْ صِفَاتِ الْخَلْقِ، وَيُقَالُ: هُوَ الَّذِيْ يَتَكَبَّرُ عَلٰى عُتَاةِ خَلْقِهٖ إِذَا نَازَعُوْهُ الْعَظَمَةَ.[1]

ترجمہ: امام خطابی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''اللہ رب العزت مخلوق کی صفات اور ان کے حالات سے منزہ و برتر ہیں، اور کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے ان متکبرین سے بہت بلند شان والے ہیں، جو اللہ رب العزت کے ساتھ بڑائی وعظمت میں کشمکش ومنازعت رکھتے ہیں۔''

❷ قَالَ قَتَادَةُ: (اَلْمُتَكَبِّرُ) أَيْ: تَكَبَّرَ عَنْ كُلِّ شَرٍّ.[2]

ترجمہ: امام قتادہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''المتکبر جل جلالہ'' وہ ذات ہے جو ہر برائی سے برتر ہے۔

❸ امام قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''المتکبر'' وہ ذات ہے جو بڑائی وعظمت والی ہو۔ اللہ رب العزت ''المتکبر'' ہیں، کیوں کہ وہ ہر چیز کے رب ہیں۔ (یعنی تمام مخلوق کو پالنے والے ہیں۔ اس کے سوا کوئی رب نہیں) اور نہ ہی اس کی کوئی مثل ہے۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ اللہ رب العزت ''المتکبر'' اس معنی میں ہیں کہ ان کی شان ہر بری چیز سے برتر ہے اور ادنیٰ اور فانی صفات اللہ تعالیٰ کی عظمت کے شایانِ شان نہیں۔[3]

❹ قَالَ ابْنُ جَرِيْرٍ: (اَلْكَبِيْرُ) يَعْنِي الْعَظِيْمُ الَّذِيْ كُلُّ شَيْءٍ دُوْنَهٗ وَلَا شَيْءَ أَعْظَمُ مِنْهُ.[4]

ترجمہ: ''الکبیر جل جلالہ'' کا معنی برتر شان والا ہے اور باقی ہر چیز اس سے کم تر ہے۔

---

[1] شان الدعاء: ٤٨ و الاعتقاد، ص٥٥، نقلاً عن النهج الاسمٰی: ١/١٥٢

[2] رواه الطبری: ٢٨/٣٧

[3] وَقَالَ الْقُرْطُبِيُّ: (اَلْمُتَكَبِّرُ) الَّذِيْ تَكَبَّرَ بِرُبُوْبِيَّتِهٖ فَلَا شَيْءَ مِثْلُهٗ وَقِيْلَ: (اَلْمُتَكَبِّرُ) عَنْ كُلِّ سُوْءٍ، اَلْمُتَعَظِّمُ عَمَّا لَا يَلِيْقُ بِهٖ مِنْ صِفَاتِ الْحَدَثِ وَالذَّمِّ. (النهج الاسمٰی: ١/١٥٢)

[4] جامع البیان: ١٣/٧٥ نقلاً عن النهج الاسمٰی: ١/١٥٣

خلاصہ یہ ہوا کہ "اَلْمُتَکَبِّرُ" اور "اَلْکَبِیْرُ" کے حسبِ ذیل معانی ہوئے:

(الف) وہ ذات جو ہر ظلم، شر اور برائی سے برتر ہے۔

(ب) وہ ذات جو مخلوق کی صفات سے اونچی اور برتر ہے جس کی مانند کوئی دوسرا نہیں ہے۔

(ج) وہ ذات جو بڑائی اور عظمت والی ہے اور ہر چیز اس کی جلالت کے سامنے چھوٹی اور حقیر ہے۔

(د) وہ ذات کہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اور بڑائی اسی کے لئے ہے۔[1]

قرآنِ کریم میں "المتکبر" ایک مرتبہ آیا ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ایک آیت میں اپنی ذات کو "المتکبر" سے موسوم کیا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿الْعَزِيزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ﴾[2]

تاہم اللہ تعالیٰ کا اسم صفتی "الکبیر جل جلالہ" قرآن حکیم میں چھ جگہوں میں استعمال ہوا ہے جن میں سے دو یہ ہیں:

﴿عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيرُ الْمُتَعَالِ﴾[3]

ترجمہ: "وہ تمام پوشیدہ اور ظاہر چیزوں کا جاننے والا ہے، سب سے بڑا عالی شان ہے۔"

اور دوسری جگہ ارشاد ہے ﴿وَأَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ﴾[4]

ترجمہ: "اور اللہ ہی عالی شان ہے، سب سے بڑا ہے۔"

واضح رہے کہ اسم "اَلْعَلِیُّ" اور "اَلْمُتَعَالُ" بھی ساتھ آئے ہیں۔

درحقیقت ہر بڑائی اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے، جو کسی چیز میں کسی کا محتاج نہیں اور جو محتاج ہو وہ بڑا نہیں ہوسکتا، اس لئے اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کے لئے یہ لفظ عیب اور گناہ ہے، کیوں کہ حقیقت میں بڑائی حاصل نہ ہونے کے باوجود بڑائی کا دعویٰ جھوٹا ہے، اور وہ ذات جو حقیقت میں سب سے بڑی اور بے نیاز ہے، اس کی خاص صفت میں شرکت کا دعویٰ ہے، اس لئے "المتکبر" کا لفظ اللہ تعالیٰ کے لئے صفتِ کمال ہے اور غیر اللہ کے لئے جھوٹا دعویٰ۔[5]

زمین و آسمان کی کبریائی صرف اسی "المتکبر جل جلالہ" کے لئے ہے، جس کی تسبیح دریاؤں، سمندروں، پہاڑوں

---

[1] وَعَلٰى هٰذَا يَكُوْنُ مَعْنَى (الْمُتَكَبِّرِ) وَ (الْكَبِيْرِ):

① اَلَّذِيْ تَكَبَّرَ عَنْ كُلِّ سُوْءٍ وَ شَرٍّ وَ ظُلْمٍ.

② اَلَّذِيْ تَكَبَّرَ وَ تَعَالٰى عَنْ صِفَاتِ الْخَلْقِ فَلَا شَيْءَ مِثْلُهٗ.

③ اَلَّذِيْ كَبُرَ وَعَظُمَ فَكُلُّ شَيْءٍ دُوْنَ جَلَالِهٖ صَغِيْرٌ وَ حَقِيْرٌ.

④ اَلَّذِيْ لَهُ الْكِبْرِيَاءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ أَيْ: اَلسُّلْطَانُ وَالْعَظَمَةُ. (شان الدعاء: ٦٦، نقلاً عن النهج الاسمىٰ: ١٥٣/١)

[2] الحشر: ٢٣　[3] الرعد: ٩　[4] الحج: ٦٢　[5] معارف القرآن: ٣٩٣/٨، الحشر: ٢٣

اور زمینوں اور آسمانوں میں ہر دم اور ہر آن کی جاتی ہے۔ اس کی کبریائی ہمارے تصور سے بھی بڑھی ہوئی ہے۔ اسی کو سورۂ جاثیہ کی آیت نمبر ۳۷ میں فرمایا:

﴿ وَلَهُ الْكِبْرِيَآءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴾

ترجمہ: ''اور اُسی کے لئے بڑائی ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور وہی ہے زبردست حکمت والا۔''

یعنی کبریائی صرف اس ایک ہی کی ہے، کوئی اور اس میں شریک وحصہ دار نہیں، نہ زمین میں، نہ کائنات کے کسی گوشہ میں۔[1]

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: چاہئے کہ آدمی اُسی کی طرف متوجہ ہو، اُسی کے احسانات و انعامات کی قدر کرے، اُس کی ہدایات پر چلے، سب کو چھوڑ کر اُسی کی خوش نودی حاصل کرنے کی فکر رکھے اور اُس کی بزرگی وعظمت کے سامنے ہمیشہ مطیع وفرماں بردار رہے۔ کبھی سرکشی وتمرد کا خیال دل میں نہ لائے۔ حدیث قدسی میں ہے:

''اَلْكِبْرِيَاءُ رِدَائِيْ وَالْعَظَمَةُ إِزَارِيْ، فَمَنْ نَازَعَنِيْ وَاحِدًا مِّنْهُمَا قَذَفْتُهُ فِي النَّارِ''[2]

ترجمہ: ''کبریائی میری چادر اور عظمت میرا تہ بند ہے، لہٰذا جو کوئی ان دونوں میں سے کسی میں مجھ سے منازعت اور کشمکش کرے گا، میں اُسے اُٹھا کر آگ میں پھینک دُوں گا۔''

الکبیر جل جلالہٗ کی کبریائی کو سوچیں

حقیقتاً ''الکبیر جل جلالہٗ'' وہی ذات ہے جس کی کبریائی دریاؤں ...... سمندروں ...... جنگلوں ...... پہاڑوں ...... آسمانوں ...... اور زمینوں کے سینوں اور فضاؤں میں ہے، بلکہ مکان وغیر مکان، زمان وغیر زمان ہر جگہ اور ہر آن میں ہے۔

غور کیجئے! اربوں ٹن وزنی دو بڑی بڑی ٹکیہ سورج اور چاند کیسی بلندیوں میں، کس اعتدال وتوازن اور انتہائی نظم وضبط کے ساتھ بغیر کسی ستون کے قائم ہیں اور اپنی اپنی جگہ مسلسل یوں حرکت میں ہیں کہ دن بھی بنتا ہے اور راتیں بھی بنتی ہیں اور زمین کا مکمل نظام بھی چل رہا ہے۔ اَللّٰهُ اَكْبَرُ! یہ سب قدرتِ خداوندی کا مظہر ہے۔ تنظیمِ کائنات کے یہ سب مظاہر، یہ سب مناظر انسان کو قدرتِ خداوندی سے باخبر کرتے ہیں۔

اسی ''الکبیر جل جلالہٗ'' نے اپنے زبردست اندازے سے سورج اور ستاروں کے درمیان مختلف مسافتیں اور حرکت کے مختلف مدارج مقرر کیے ہیں کہ ایک کا دوسرے سے تصادم نہ ہو اور ان کے ٹکرانے سے عالم تباہ نہ ہو جائے۔ ہر چھوٹا بڑا سیارہ نہایت مضبوط نظام کے تحت معین وقت پر طلوع وغروب ہوتا ہے۔ جب کوئی سیارہ غروب ہو کر دنیا کو اپنے اس فیض اور تاثیر سے محروم کر دے جو طلوع کے وقت حاصل تھا تو نہ اس ستارے کی اور نہ کسی مخلوق کی قدرت میں ہے کہ

[1] تفسیر ماجدی: ۱۰۰۲/۲ [2] مشکوٰۃ: کتاب الأدب، باب الغضب والکبر ۴۳۳/۲

ایک منٹ کے لئے اسے واپس لے آئے یا غروب سے روک دے۔ یہ ربُ العالمین ہی کی شان ہے کہ کسی وقت بھی کسی قسم کے تبدیلی کرنے سے عاجز نہیں۔ اسی بات کی حقیقت کو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان فرمایا ہے جس کا ترجمہ ہے:

''اور سورج کے لئے جو مقرر راہ ہے وہ اسی پر چلتا رہتا ہے۔ یہ ہے اندازہ (ٹھہرایا ہوا) غالب، باعلم اللہ تعالیٰ کا۔ اور چاند کی ہم نے منزلیں مقرر کر رکھی ہیں، یہاں تک کہ وہ لوٹ کر پرانی ٹہنی کی طرح ہوجاتا ہے۔ نہ آفتاب کی یہ مجال ہے کہ چاند کو پکڑے اور نہ رات دن پر آگے بڑھ جانے والی ہے اور سب کے سب آسمان میں تیرتے پھرتے ہیں۔''[1]

یہ علویات کا حال ہے تو سفلیات کا اسی سے اندازہ کرلیں۔

یہی تکوینی عجائبات اور ﴿ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾[2] یعنی آسمانوں اور زمین کی مخلوقات ہیں جن کے دیکھنے سے ابراہیم علیہ السلام کی زبان پر ﴿ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ﴾[3] یعنی فرمایا: میں غروب ہوجانے والوں سے محبت نہیں رکھتا جاری ہوگیا۔[4]

جب ابراہیم علیہ السلام نے سورج جھلکتا ہوا دیکھا تو فرمایا:

﴿هٰذَا رَبِّيْ هٰذَآ اَكْبَرُ﴾[5]

ترجمہ: ''یہ میرا رب ہے یہ تو سب سے بڑا ہے۔''

پھر جب ستاروں اور چاند کی طرح یہ بھی غائب ہوگیا تو سوچا کہ یہ تو سب اللہ تعالیٰ کے مزدور ہیں جو وقتِ معین پر آتے اور چلے جاتے ہیں، ایک منٹ کی تقدیم و تاخیر پر بھی قادر نہیں ہیں، پھر ان کو خدائی صفات میں شریک کرنا کس قدر گستاخی اور قابلِ نفرت فعل ہے۔

پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا جس کا ترجمہ یہ ہے:

''اے میری قوم! میں بے زار ہوں ان سے جن کو تم شریک کرتے ہو، میں نے رُخ کرلیا اپنے چہرے کا اسی کی طرف جس نے بنائے آسمان و زمین سب سے یک سو ہوکر اور میں نہیں ہوں شرک کرنے والا۔''[6]

یعنی ساری مخلوق سے یک سو ہوکر میں نے صرف خالق جل جلالہ کا دروازہ پکڑ لیا ہے جس کے قبضۂ اقتدار میں سب علویات و سفلیات ہیں۔

اللہ ہی تو عالی شان اور سب سے بڑا ہے

سورۂ حج میں اللہ جل جلالہ کی علو شان بتائی گئی کہ رات دن کا اُلٹ پلٹ کرنا اور گھٹانا بڑھانا اسی کے ہاتھ میں

---

[1] ﴿ وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ۭ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۝ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ ۝ لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ۭ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ۝ ﴾ (یٰس: ۳۸، ۳۹، ۴۰)

[2] الأنعام: ۷۵ [3] الأنعام: ۷۶ [4] تفسیر عثمانی: ۱۸۲، الأنعام: ۷۵

[5] الانعام: ۷۸ [6] الانعام: ۷۸

ہے، اسی کے تصرف سے کبھی دن بڑے اور کبھی راتیں بڑی ہوتیں ہیں۔ پھر اس کے بعد آیت کے آخیر ٹکڑے میں فرمایا:

﴿وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِیُّ الْكَبِیْرُ﴾[1]

ترجمہ: ''اور اللہ ہی تو عالی شان ہے، سب سے بڑا ہے۔''

یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا ایسے عظیم الشان انقلابات اور کس سے ہو سکتے ہیں۔ واقع میں صحیح اور سچا خدا تو وہی ایک ہے، باقی اس کو چھوڑ کر خدائی کے جو دوسرے پاکھنڈ پھیلائے گئے ہیں، سب غلط، جھوٹ اور باطل ہیں۔ اسی کو خدا کہنا اور معبود بنانا چاہئے جو سب سے اُوپر اور سب سے بڑا ہے اور یہ شان بالاتفاق اسی ایک اللہ کی ہے۔[2]

اسی طرح سورۂ بنی اسرائیل میں حکم ہے:

﴿وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِیْرًا﴾[3]

ترجمہ: ''اور کہہ دیجئے! کہ تمام خوبیاں اسی اللہ کے لئے ہیں ...... جو نہ اولاد رکھتا ہے اور نہ اس کا کوئی سلطنت میں شریک ہے اور نہ کمزوری کی وجہ سے اس کا کوئی مددگار ہے اور اس کی خوب بڑائیاں بیان کیا کیجئے۔''

اس آیت مبارکہ میں شرک کی نفی عجیب طریقے سے کی گئی ہے۔ ہر عام سے عام آدمی یہ بات سمجھتا ہے کہ انسان یا کوئی بھی مخلوق کبھی اپنے چھوٹے سے مدد حاصل کرتی ہے، جیسے اولاد سے اور کبھی اپنے برابر کے لوگوں سے مدد حاصل کرتی ہے جیسے شریکِ کار اور کبھی اپنے سے بڑے سے مدد حاصل کرتی ہے، اس آیتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کے لئے ان تینوں کی نفی فرمادی گئی ہے۔

اس کے بعد فرمایا گیا '' كَبِّرْهُ تَكْبِیْرًا '' اس کی عظمت و کبریائی کی طرف متوجہ فرمادیا، یعنی انسان کو چاہئے کہ حق تعالیٰ کی بڑائی کا زبان و دل سے اقرار کرے......... اور ہر طرح کی کمزوریوں سے بلند و برتر سمجھے......... اور لطف یہ ہے کہ ''لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا'' (جو نہیں رکھتا اولاد) میں نصاریٰ کا .... ''لَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ'' (اور نہ حکومت میں اس کا کوئی شریک ہے) میں مشرکین کا .... اور ''وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ'' (اور کوئی کمزوری کی وجہ سے اُس کا مددگار نہیں ہے) میں یہود کا......... رد ہو گیا۔[4]

اس آیتِ مبارکہ میں ''تَكْبِیْرًا'' کا لفظ ہے کہ اس کی خوب بڑائیاں بیان کیجئے، عربی زبان میں مفہومِ تعظیم و اجلال کے لئے لفظِ تکبیر سے بڑھ کر جامع تر اور کوئی لفظ نہیں اور نکرہ مصدر کے ساتھ مؤکد کرتے ہوئے اس کا حکم دینا اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ نہ کوئی عبارت اس کا حق ادا کرنے کے لئے کافی ہو سکتی ہے اور نہ کوئی انسان اس کا حق ادا

---

[1] الحج: ٦٢ [2] تفسیر عثمانی: ٤٥٢، الحج: ٦٢

[3] بنی اسرائیل: ١١١ [4] تفسیر عثمانی: ٣٩٢ بنی اسرائیل: ١١١

کرنے کی قوت رکھتا ہے۔[1]

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: بنی عبدالمطلب میں جب کوئی بچہ زبان کھولنے کے قابل ہو جاتا تو اس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ آیت بالا سکھا دیتے تھے۔[2]

اسی طرح سورۂ مدثر میں ارشاد فرمایا:

﴿ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ﴾[3]

ترجمہ: ''اور اپنے رب کی بڑائیاں بیان کرو۔''

قول سے بھی، عمل سے بھی، لفظِ ''رب'' اس جگہ اس لئے اختیار کیا گیا کہ یہ خود اس حکم کی دلیل ہے کہ جو سارے جہان کا پالنے والا ہے، صرف وہی ہر بڑائی اور کبریائی کا مستحق ہے۔ کیوں کہ رب کی بڑائی بولنے اور بزرگی وعظمت بیان کرنے ہی سے اس کا خوف دلوں میں پیدا ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی تعظیم وتقدیس ہی وہ چیز ہے جس کی معرفت سب اعمال واخلاق سے پہلے حاصل ہونی چاہئے۔[4]

لہٰذا ہم میں سے ہر ایک کو چاہئے کہ اللہ کی کبریائی کے بول بولے۔ جتنی اللہ تعالیٰ کی کبریائی کی دعوت دے گا اتنا ہی مخلوق کا چھوٹا ہونا دلوں میں بیٹھے گا، بل کہ اس سے بھی پہلے اپنی ذات کی نفی آئے گی کہ میرے اپنے کرنے سے بھی کچھ نہیں ہوتا۔ غرض یہ کہ اس کی بڑائی بیان کرنے کے لئے نہ الفاظ ہیں نہ ان معانی کے لئے کوئی لباس۔

اَللّٰہُ اَکْبَرُ چار سو چھیاسٹھ (۴۶۶) مرتبہ

اذان میں جو سب سے پہلی حقیقت بیان کی گئی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی عظمت وکبریائی ہے اور اس حقیقت کو ایک اذان میں چھ بار بیان کیا گیا ہے۔ گویا پانچ وقت کی اذان میں تیس بار ''اَللّٰہُ اَکْبَرُ'' .... کہا جاتا ہے، اور اگر اقامت کو بھی شامل کرلیں تو تعداد ساٹھ .... تک پہنچ جائے گی، اور اگر پانچ وقت کی نماز میں فرضوں، سنتوں، وتر اور نوافل کے قیام اور قعود وغیرہ کے مواقع پر کہی جانے والی تکبیرات کو بھی شمار کرلیں تو تعداد دو سو چھیانوے تک پہنچ جائے گی اور چوں کہ ہمیں ترغیب دی گئی ہے کہ ہر نماز کے بعد چونتیس بار ''اَللّٰہُ اَکْبَرُ'' کہا کرو تو اگر ہم اس کو بھی گن لیں تو یوں کہہ سکتے ہیں کہ ایک نمازی مسلمان اپنے عام معمول میں اہتمام سے اذان کا جواب دے اور اس کے ساتھ ساتھ مذکورہ بالا اعمال کا بھی اہتمام کرے تو دن رات میں تقریباً چار سو چھیاسٹھ مرتبہ ''اَللّٰہُ اَکْبَرُ'' کہتا ہے۔

اور اگر وہ صبح وشام تسبیحات بھی کرتا ہے تو یہ تعداد مزید بڑھ جائے گی۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ اذکار تو اور بھی ہیں،

[1] ''وَالتَّكْبِيرُ أَبْلَغُ بِلُغَةِ الْعَرَبِ فِي مَعْنَى التَّعْظِيمِ وَالإِجْلَالِ وَفِي الْأَمْرِ بِذٰلِكَ بَعْدَ مَا تَقَدَّمَ مُؤَكَّداً بِالْمَصْدَرِ الْمُنَكَّرِ مِنْ غَيْرِ تَعْيِيْنٍ إِشَارَةٌ إِلٰى أَنَّهُ مِمَّا لَا تَسَعُهُ الْعِبَارَةُ وَلَا تَفِيْ بِهِ قُوَّةُ الْبَشَرِيَّةِ'' روح المعانی ۱۹۶/۸، بنی اسرائیل: ۱۱۱

[2] تفسیر مظہری: ۵۰۴/۵، بنی اسرائیل: ۱۱۱　[3] المدثر: ۳　[4] تفسیر عثمانی: ۷۶۳

سُبْحَانَ اللّٰہِ ذکر ہے ...... اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ذکر ہے ...... مَاشَاءَ اللّٰہُ ذکر ہے...... اَسْتَغْفِرُاللّٰہَ ذکر ہے...... تو آخر ''اَللّٰہُ اَکْبَرُ'' میں کیا بات تھی کہ اسے بار بار وردِ زبان کرنے کا حکم دیا گیا ہے؟

اذان اور نماز میں تو آپ سُن ہی چکے ہیں، حج میں دیکھیں تو سب سے زیادہ ''اَللّٰہُ اَکْبَرُ'' کہا جاتا ہے۔

عیدین میں دیکھیں تو سب سے زیادہ ''اَللّٰہُ اَکْبَرُ'' کہا جاتا ہے۔

میدانِ جہاد میں بھی نعرۂ تکبیر بلند کیا جاتا ہے۔

بلندیوں پر بھی ''اَللّٰہُ اَکْبَرُ'' کہا جاتا ہے۔

بچے کے کان میں اذان و اقامت، جانور ذبح کرتے وقت اور نمازِ جنازہ کی تکبیرات میں بھی ''اَللّٰہُ اَکْبَرُ'' ہی کہا جاتا ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ انسان کمزور ہے، اس کی سوچ بھی کمزور ہے، اس کی تاریخ یہ بتاتی ہے کہ یہ مادّی چیزوں سے متاثر ہو کر ان کو دیوتا مان لیتا ہے، خدا مان لیتا ہے، شریکِ خدا مان لیتا ہے۔

یہ آسمان کی عظمت سے متاثر ہوا تو اسے دیوتا مان لیا، زمین کی وُسعت وطوالت کو دیکھا تو اسے خدا مان لیا، پہاڑوں کی ہیبت سے متاثر ہوا تو اُن کے سامنے سر جھکا دیا اور اُن سے مورتیاں تراش کر گھروں میں سجالیں، سورج، چاند اور ستاروں کی چمک دمک کو دیکھا تو اُن سے خوف کھانے لگا۔ بادشاہوں سے مرعوب ہو کر یہ یقین کر بیٹھا کہ یہ خدا ہیں یا ان کے اندر خدائی روح حلول کیے ہوئے ہے۔

اس خاک کے پتلے کے اندر مادّیت پرستی اس قدر سمائی ہوئی ہے کہ یہ دولت تک کی پرستش کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے تو چوں کہ ظاہر پرست انسان مادّی چیزوں کی عظمت اور بڑائی سے بہت جلد متاثر ہوتا ہے اور یہ کبھی زمین و آسمان کو بڑا سمجھتا ہے، کبھی عناصر کو بڑا سمجھتا ہے، کبھی بادشاہوں کو بڑا سمجھتا ہے، کبھی عہدہ اور منصب کو بڑا سمجھتا ہے اور کبھی خود اپنے آپ ہی کو بڑا سمجھنے لگتا ہے۔

اس لئے سب سے زیادہ ضرب اسی بڑائی کے عقیدے اور تصور پر لگائی گئی ہے اور زبان سے بار بار ''اَللّٰہُ اَکْبَرُ'' کہلوا کر یہ بات دل میں بٹھادی گئی کہ سب سے بڑا اور سب سے زیادہ عظمت و کبریائی کا مستحق صرف اور صرف اللہ ہے۔ جس کا ایک نام ''اَلْمُتَکَبِّرُ'' اور ایک نام ''اَلْکَبِیْرُ'' ہے۔ اس کے سامنے سب بزرگیاں اور بڑوں کی بڑائیاں ہیچ ہیں۔

اس لئے نماز میں ان تکبیرات کو دھیان کے ساتھ کہنے کی مشق کرنی چاہیے، ان کے معانی کا خیال رکھتے ہوئے یہ الفاظ ادا کیے جائیں۔ ان کو تکبیراتِ انتقال کہا جاتا ہے، یعنی ایک رکن سے دوسرے رکن کی طرف منتقل ہونے کے لئے یہ تکبیر کہی جائے، اگر ہم قیام سے سجدہ کی طرف جارہے ہیں تو قیام سے تکبیر کہنا شروع کریں تو سجدہ میں پہنچ کر تکبیر ختم

کریں، اس طرح ایک رکن سے دوسرے رکن کی طرف منتقل ہوتے ہوئے ان تکبیرات کو ادا کیا جائے۔

لہٰذا ''اَللّٰہُ اَکْبَرُ'' کہتے ہوئے دل میں اس کے معنی کا دھیان رکھے خود اپنا بھی جائزہ لے کر میرے دل میں بار بار کے اس بول سے اس ذاتِ عالی کی بڑائی کس درجہ بیٹھی؟

کوشش اس بات کی کرے کہ سارے انسانوں کے دلوں میں ایک ''الکبیر جل جلالہ'' کی کبریائی بیٹھ جائے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا سب کے سب چھوٹے ہیں اور وہ ہی سب سے بڑا ہے۔ آپس کی گفتگو کے درمیان بھی اس بات کی مشق کریں کہ مخلوق کی بڑائی کا تذکرہ نہ ہو یا کسی کی ظاہری اور مادّی ترقی کی خبر سے دل مرعوب نہ ہوں۔ اور یہ دولت اُسی وقت نصیب ہوتی ہے جب بار بار اللہ کے بڑے ہونے کو بولا جائے، سنا جائے، تنہائیوں میں بیٹھ کر سوچا جائے، ماں باپ گھروں میں بچوں سے گفتگو کے دوران ساری مخلوق کے چھوٹے ہونے اور اللہ تعالیٰ کے بڑے ہونے کو وقتاً فوقتاً سمجھاتے رہیں اور ان بچوں سے بھی اللہ کی بڑائی کے بول بلوائیں اور بچوں کو اس بات کا عادی بنائیں کہ بچے بھی اپنے مدرسے اور اسکول میں ''المتکبر جل جلالہ'' کی بڑائی کے بول بولیں کسی سے اُمید نہ رکھیں اور کسی کا خوف دل میں نہ بسائیں۔

اصلی عظمت ''الکبیر جل جلالہ'' کی ہے

ایک افسر اپنے ماتحتوں کے اعتبار سے بڑا ہوتا ہے، مگر اپنے اعتبار سے چھوٹا ہے۔ گاؤں کا چودھری اپنے گاؤں کے اعتبار سے بڑا ہے، مگر اپنی تحصیل یا ضلع والوں کے اعتبار سے چھوٹا ہے۔ ایک بادشاہ اپنی مملکت کے اعتبار سے بڑا ہے، مگر اپنی مملکت کے باہر بڑی مملکت کے سامنے کچھ بھی نہیں یا اگر اس سے اس کا کوئی دشمن سلطنت چھین لیتا ہے تو وہ کچھ بھی نہیں رہتا۔ معلوم ہوا کہ مخلوق کی کبریائی میں مد و جزر (اتار چڑھاؤ) ہوتا رہتا ہے۔ حقیقتاً ''اَلْکَبِیْرُ'' وہی ''اَلْکَبِیْرُ الْمُتَعَالُ'' جل جلالہ ہے۔ جس کی کبریائی میں مد و جزر نہیں۔[1]

جن اسباب کی وجہ سے کسی کو بڑا سمجھا جاتا ہے اور اس کی تعظیم اور اکرام کیا جاتا ہے وہ سارے اسباب اللہ تعالیٰ کی مبارک اور مقدس ذات میں علیٰ وَجہِ الأتم (کمال درجے کے) پائے جاتے ہیں اور ان میں سے ہر سبب، ہر باشعور اور سمجھ دار انسان سے تقاضہ کرتا ہے کہ وہ اسے سب سے بڑا سمجھے اور اس بڑے کی عظمت و کبریائی کے سامنے سجدہ ریز ہو جائے۔

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ فرماتے ہیں: نماز میں سب سے پہلی مشق یہ ہے کہ نقشوں کا یقین نکالو۔ پیدا ہوتے ہی سب سے پہلی آواز کانوں میں ڈالی گئی ''اَللّٰہُ اَکْبَرُ'' روزانہ تمہارے کان میں پانچ مرتبہ آواز پہنچائی جارہی ہے ''اَللّٰہُ اَکْبَرُ'' اَللّٰہُ اَکْبَرُ کو سمجھو اور اَللّٰہُ اَکْبَرُ کو سیکھو۔ ایک آدمی کے بارہ بچے ہیں۔ ایک سال دو

---

[1] شرح اسماء الحسنیٰ للازھری: ۳۴۵

سال یہ سب سے بڑا ہے۔ جب وہ ابا جی کی بڑائی میں برابری کرنے لگے گا تو دو چار مرتبہ برداشت کرے گا پھر کہے گا کہ میرا تیرا جوڑ نہیں ہے۔ گھر سے نکل جا۔ باپ ہونا جنس بڑی ہے۔ بیٹا ہونا جنس چھوٹی ہے۔ بڑا کہتے کہتے اپنی بڑائی بیٹھ گئی۔ باپ کے مقابلے میں اپنی چلانے لگا۔ باپ کی جائدادوں سے محروم، دکان سے محروم، دن رات جو بڑائی کانوں میں پڑتی ہے وہ ایک دوسرے کے مقابلے میں بڑائی ہے۔ ایک چپڑاسی سے لے کر ملک کے وزیر اعظم اور صدر تک۔ ایک کنوئیں سے لے کر سمندر تک۔

ایک فرشتہ پھونک مارے گا تو ساتوں زمین و آسمان ٹوٹ کر گر پڑیں گے۔ ایک فرشتہ اس کا قد ساتوں زمین و آسمان سے بڑا ہے۔ ایک فرشتہ جو سارے جان داروں کی روح نکالتا ہے اور جبرئیل علیہ السلام کی بھی نکالے گا، اللہ تعالیٰ اس سے فرمائیں گے تو مر جا، وہ مر جائے گا۔

اَللّٰہُ اَکْبَرُ، اللہ کی ذات کے ماسوا مخلوق ہے۔ مخلوق چھوٹی جنس ہے، اللہ ربُّ العزت سب کے خالق ہیں، ان کے بنانے والے ہیں۔ ایک اللہ کے سوا سب چھوٹے ہیں۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں اس سے زیادہ چھوٹے ہیں جیسے ساتوں زمین و آسمان کے مقابلے میں ایک ذرّہ۔ یہ اتنے چھوٹے ہیں کہ ان کی چھوٹائی کی حد نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ اتنے بڑے ہیں کہ ان کی بڑائی کی کوئی حد نہیں ہے۔

بہت بڑا ملک، بہت بڑا صوبہ، بڑا کہتے کہتے غلط فہمیوں میں مبتلا ہو گئے، ان غلط فہمیوں کو نکالو۔ اللہ تعالیٰ بہت بڑے ہیں، زمین بہت چھوٹی ہے۔ ان سرمایہ داروں کو، وزیروں کو کون پوچھتا ہے، اگر تم چاہتے ہو کہ فرشتے پیروں میں جھکیں تو اللہ تعالیٰ کی بڑائی دل میں بٹھالو۔ پہاڑوں اور حکومتوں کی بڑائی دل سے نکل جائے، اللہ تعالیٰ کی بڑائی دل میں گڑ جائے۔ یہ پہلی بات ہے جو اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہہ کر پیدا ہوتے ہی تمہارے کانوں میں ڈالی گئی، آج تک ڈالی جا رہی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے سوا سب چھوٹے ہیں، ان سے نہیں ہوتا اللہ تعالیٰ سے سب کچھ ہوتا ہے۔ تخلیق چھوٹے سے نہیں ہوتی بڑے سے ہوتی ہے۔

پہلے چھوٹے ہونے کا یقین جماؤ اور پھر چھوٹوں سے نہ ہونے کا یقین جماؤ۔ سائنس والے، تاجر، زمین دار، کاشت کار روحانی اعتبار سے اندھے ہیں خدا کی بڑائی دیکھنے کے اعتبار سے، خدا کی ذات کو، خدا کے خزانوں کو دیکھنے کے اعتبار سے۔ چند کوڑیاں نظر آ رہی ہیں تو بینا نہ کہا جائے گا۔ اندھے کو لے کر چلنے کے واسطے بینا کی ضرورت ہے۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے عمل کے اثرات دیکھے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے ہوئے ہیں بدبو آئی، فرمایا: یہ غیبت کی بدبو ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعمال پر جو کچھ ہوتا ہے وہ آسمانوں پر بھی جا کر دیکھا ہے، یہاں بھی دیکھا ہے، فرمایا: تو نے جو یہ بول بولا ہے اگر سمندروں میں اس کی ظلمت کو ملا دیا جائے تو سمندر سیاہ ہو جائیں۔ دو عورتوں کی اجازت کے لئے ایک آدمی آیا کہ اِن دو عورتوں کی حالت خراب ہو رہی ہے، روزہ کھولنے کی اجازت دی جائے، فرمایا: ان کا روزہ ہے ہی کہاں،

انہوں نے تو غیبت کی ہے۔ حکم ہوا پیالہ میں قے کریں، گوشت وخون کے لوتھڑے اور پیپ نکلی، فرمایا: اگر میں نہ نکلواتا تو اسی پر عذاب ہوتا۔

ہمیں نظر نہیں آتا کہ انصاف میں کیا کامیابیاں ہیں اور ظلم میں کیا ناکامیاں ہیں؟

سارے زمین دار، کاشت کار، جائدادوں والے اندھے ہیں۔ اللہ کی قسم! ایسے اندھے ہیں کہ ان کو اپنے اندھے پن کی خبر نہیں۔ نابینا، ایک بینا کا ہاتھ پکڑ کر چل دیا تو جہاں بینا پہنچے گا وہاں اندھا بھی پہنچ جائے گا۔ پہنچنے کے بعد آنکھ کھلوائیں گے موافقت میں کھلی تو مزے آجائیں گے اور مخالفت پر کھلی تو مصیبت آجائے گی۔ وزیر کی بھی کھلے گی، فقیر کی بھی کھلے گی۔ تم اندھے ہو تمہاری طرف بینا کو بھیجا ہے، وہ تم کو بتائیں گے، اعمال کی ترتیب پر بتائیں گے، ایک ترتیب حکومت، تجارت، معاشرت، معاملات کی مال پر ہے اور ایک اعمال پر ہے۔ مال کی ترتیب سے ہٹ کر اعمال کی ترتیب پر آجاؤ۔ باپ نے گود میں بعد میں لیا پہلے آواز لگائی۔ اسی دن سے آواز برابر کان میں پڑ رہی ہے۔ دھوکے میں نہ رہو۔ ایک دن دھوکہ سامنے آجائے گا۔ تم اپنی آنکھ سے دیکھ لوگے کامیابی مال میں نہیں ہے، کامیابی اعمال میں ہے۔ مسجد کا پہلا کام، پہلی مشق جو انسان کو کرنی پڑے گی وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نظام کو، اللہ تعالیٰ کی جنت کو، اللہ تعالیٰ کی دوزخ کو اچھے عملوں کے اثر کو اور برے عملوں کے نقصان کو سنو اور اتنا سنو کہ دیکھ کر جو یقین بن رہا ہے وہ دل سے نکل جائے اور سننے کا یقین پیدا ہو جائے۔[۱]

جس کو اللہ تعالیٰ کی صفتِ کبریائی کا استحضار ہوگا وہ ہمیشہ تواضع اختیار کرے گا اور اللہ تعالیٰ کے لئے تذلل اختیار کرے گا، مساکین اور فقراء سے نفرت نہیں رکھے گا۔ اُسے ساری مخلوق اپنے اسباب و وسائل کے ساتھ بھی اس مولا ''المتکبر جل جلالہ'' کی بڑائی کے دھیان کی وجہ سے چھوٹی اور بے حیثیت نظر آئے گی'' اور الکبیر المتکبر جل جلالہ'' کے حکم کے بغیر ان سے کچھ بھی نہ ہونے کا یقین اس مؤمن بندے کے دل میں جمتا جائے گا۔

بل کہ بڑے بڑے بادشاہ، وزراء، پولیس، فوج کا رعب دل سے نکل جائے گا۔ یہ خود اتنے چھوٹے ہیں کہ اپنے پلنے میں، اپنے بڑھنے میں، اپنے کھانے پینے میں، رہنے سہنے میں ''المتکبر الکبیر جل جلالہ'' کے محتاج ہیں۔ کتنا ہی بڑے سے بڑا بادشاہ ہو، کتنی ہی اس کی بڑی اور بھاری فوج ہو، کتنا ہی بڑا بزرگ اور ولی ہو، لیکن یہ سب مل کر ملک الموت سے اپنے آپ کو نہیں بچا سکتے۔

بندگی کے لائق صرف ''المتکبر جل جلالہ'' ہی کی ذات ہے

حضرت مولانا علی میاں رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

ہمہ گیر اور محیط علم ...... مطلق ارادہ اور آزاد وغیر محدود تصرف اور قدرتِ کاملہ اللہ تعالیٰ کی خصوصیات میں سے ہے اور

---

[۱] خطبات حضرت جی رحمہ اللہ تعالیٰ: ص ۱۸۲ تا ص ۱۸۴ (ادارہ تالیفات اشرفیہ)

المتكبر

تَبٰرَكَ الَّذِیْ جَعَلَ فِی السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّجَعَلَ فِیْهَا سِرٰجًا وَّقَمَرًا مُّنِیْرًا ﴿٦١﴾ (الفرقان ٦١)

"بابرکت ہے وہ جس نے آسمان میں برج بنائے اور اس میں آفتاب بنایا اور منور مہتاب بھی"۔

عبادت کے اعمال اور شعائر جیسے سجدہ یا رکوع کا کسی کے سامنے کرنا...... کسی کے نام پر اور اس کی خوش نودی کے لئے روزہ رکھنا...... دور دور سے اہتمام کے ساتھ کسی جگہ کے لئے شدِ رحال (طویل سفر کر کے جانا) اور اس کے ساتھ وہ معاملہ کرنا جو بیت اللہ کو زیبا ہے اور وہاں قربانی کے جانور لے جانا، نذریں، منتیں ماننا...... شرک کے کام ہیں اور شکر کے مظاہر میں تعظیم کے وہ طریقے اور علامتیں جو عبودیت اور غایتِ ذلت کی مظہر ہوں، صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہیں۔

علمِ غیب صرف اللہ تعالیٰ کو ہے اور انسانی قدرت سے باہر ہے، دلوں کے بھیدوں اور خیالات اور نیتوں کا علم ہر وقت کسی کے لئے ممکن نہیں، اللہ تعالیٰ کو سفارش قبول کرنے اور اہلِ وجاہت اور بااثر و بااقتدار لوگوں کو راضی وخوش کرنے میں دنیا کے بادشاہوں پر قیاس نہیں کرنا چاہئے۔ ایسی ہر چھوٹی اور بڑی بات میں (ان کے بجائے) اللہ تعالیٰ ہی کی طرف متوجہ ہونا چاہئے۔

شاہانِ دنیا کی طرح کائنات کے انتظام میں درباریوں اور وزراء (وزیر بوجھ اُٹھانے میں مدد کرنے والے کو کہتے ہیں کیوں کہ "وِزْرٌ" بوجھ کو کہتے ہیں تو دنیاوی بادشاہ تو محتاج ہیں کہ کوئی بوجھ اُٹھانے اور نظام چلانے میں ہاتھ بٹائے مگر اللہ ربُّ العزت کی ذات کمزوری سے یکسر پاک ہے) اور اعوان (مددگاروں) سے مدد لینا اللہ تعالیٰ کے شایانِ شان نہیں ہے۔

کسی قسم کا سجدہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کے لئے جائز نہیں، حج کے مناسک و اعمال، غایت درجہ کی تعظیم کے مظاہر اور محبت و فنائیت کے تمام شعائر بیت اللہ اور حرمِ محترم کے ساتھ خاص ہیں۔

صالحین اور اولیاء کی نسبت سے جانوروں کی تخصیص،...... ان کا اُحترام کرنا،...... ان کی نذریں چڑھانا...... اور ان کی قربانی کے ذریعہ ان سے تقرب حاصل کرنا کسی طرح بھی صحیح اور جائز نہیں۔

عاجزی و انکساری کے ساتھ غایت درجہ کی تعظیم صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے، تقرب و تعظیم کے جذبہ سے قربانی کرنا صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے، کائنات میں آسمانی برجوں اور سیاروں کی تاثیر پر اعتقاد رکھنا شرک ہے۔ کاہنوں، نجومیوں اور غیب کی باتیں بتانے والوں پر اعتماد کرنا کفر ہے۔

نام رکھنے میں بھی مسلمانوں کو توحید کے شعار کا اظہار کرنا چاہئے، غلط فہمی پیدا کرنے والے اور جس سے مشرکانہ اعتقاد کا اظہار یا شبہ ہوتا ہو ایسے الفاظ سے پرہیز کرنا چاہئے، اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کے سوا کسی کی قسم کھانا شرک ہے...... ہر غیر اللہ کی نذریں ماننا حرام ہے...... اسی طرح کسی ایسے مقام پر قربانی کرنا ناجائز ہے، جہاں کوئی بت تھا یا جاہلیت کا کوئی جشن منایا جاتا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم میں اِفراط و تفریط اور نصاریٰ کے اپنے نبی کے بارے میں غلو و مبالغہ کی تقلید اور اولیاء و صالحین کی تصویروں اور شبیہوں کی تعظیم کرنے سے پرہیز اور مکمل احتیاط کرنا چاہئے۔[۱]

---

[۱] دستورِ حیات: ۷۹، ۸۰

یہی بت پرستی اور شرک (اللہ تعالیٰ کے علاوہ دوسروں کو معبود بنانا...... اور ان کے سامنے انتہائی ذلت و مسکنت کا اظہار...... ان کے سامنے سجدہ ریزی...... ان سے دعا و مدد کی طلب...... اور ان کے لئے نذر و نیاز......) عالمگیر طویل العمر اور سخت جان "جاہلیت" ہے، جو کسی زمانے کے ساتھ مخصوص نہیں اور یہی نوعِ انسانی کا قدیم ترین و مہلک ترین مرض ہے، جو تاریخِ انسانی کے تمام ادوار، تمدن و معاشرت اور معیشت و سیاست کے تمام تغیرات اور انقلابات کے باوجود بھی نوعِ انسانی کے پیچھے لگا رہتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی غیرت اور اس کے غضب کو بھڑکاتا ہے۔

بندوں کی روحانی، اخلاقی اور تمدنی ترقی کی راہ کا روڑا بنتا ہے اور ان کو انسانیت کے بلند درجے سے گرا کر پستی کے عمیق و مہیب غاروں میں اوندھے منہ ڈال دیتا ہے، اور اسی کی تردید قیامت تک کے لئے دینی دعوتوں اور اصلاحی تحریکوں کا بنیادی رکن اور نبوت کی ابدی میراث ہے، اور یہی تمام مصلحین، مجاہدین اور اللہ تعالیٰ کی دعوت دینے والوں کا عالمی و دائمی شعار ہے۔

جو اپنی حقیقت پہچان لے گا وہ کبھی بھی تکبر نہیں کرسکتا

واقعہ نمبر ⑯: حضرت عمر بن عبدالعزیز رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کو یہ خبر پہنچی کہ ان کے بیٹے نے ایک انگوٹھی بنائی ہے جس کی قیمت ہزار درہم ہے، تو امیر المؤمنین نے اپنے بیٹے کو لکھا کہ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ تم نے انگوٹھی ہزار درہم کی بنائی ہے، اگر یہ بات صحیح ہو تو اس انگوٹھی کو بیچ دو اور اس کی قیمت سے ہزار بھوکوں کو کھانا کھلاؤ اور اس کے بدلے ایک سادی لوہے کی انگوٹھی بنالو اور اس انگوٹھی پر یہ عبارت لکھ دو:

"رَحِمَ اللّٰهُ امْرَأً عَرَفَ قَدْرَ نَفْسِهِ."[1]

تَرجَمَۃ: "اللہ جل جلالہ اس شخص پر رحم فرمائے جو اپنے آپ کو پہچان لے۔"

واقعہ نمبر ⑰: مہلب وزیر کا ایک بیٹا ایک دن حضرت مالک بن دینار رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کے قریب سے فخر اور غرور کی چال چلتا ہوا گزرا تو مالک بن دینار رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے اسے نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

اے لڑکے! کیا ہی اچھا ہو اگر تم تکبر چھوڑ دو۔ وزیر کا بیٹا کہنے لگا:

کیا تم نے مجھے پہچانا نہیں؟

تو انہوں نے جواب دیا:

کیوں نہیں، میں تو تمہیں بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔

"اَوَّلُكَ نُطْفَةٌ مَذِرَةٌ وَآخِرُكَ جِيفَةٌ قَذِرَةٌ وَاَنْتَ بَيْنَ ذٰلِكَ تَحْمِلُ الْعَذِرَةَ"

---

[1] شرح اسماء اللّٰه الحسنٰى للقشيري: ۱۲۳

ترجمہ: ”یعنی تمہاری ابتدا تو ایک ناپاک نطفہ ہے اور تمہاری انتہا بدبودار جسم ہے اور درمیانی حالت یہ ہے کہ نجاست اٹھائے پھرتے ہو۔“

یہ سن کر اس لڑکے نے سر جھکا لیا اور آئندہ کے لئے توبہ کر لی۔[1]

تکبر سے بچنے کا علاج

تکبر کا علاج یہ ہے کہ بندہ اپنی حقیقت میں غور کرے کہ میں مٹی اور ناپاک پانی کی پیدائش ہوں۔ ساری خوبیاں اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہیں، اگر وہ چاہیں ابھی سب لے لیں، پھر تکبر کس بات پر کروں اور اللہ کی بڑائی کو یاد کرے اس وقت اپنی بڑائی نگاہ میں نہ آئے گی اور جس کو اس نے حقیر سمجھا ہے اس کے سامنے عاجزی سے پیش آئے اور اس کی تعظیم کیا کرے تو تکبر دل سے نکل جائے گا۔ اگر اور زیادہ ہمت نہ ہو تو اپنے ذمے اتنی ہی پابندی کرے کہ جب کوئی چھوٹے درجے کا آدمی ملے اس کو پہلے خود سلام کر لیا کرے، اِنْ شَاءَ اللہ تعالیٰ اس سے بھی نفس میں بہت عاجزی آجائے گی۔

تکبر کا انجام

واقعہ نمبر ⑱: نوفل بن مساحق رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کہتے ہیں: نجران کی مسجد میں میں نے ایک نوجوان کو دیکھا جو بڑا لمبا چوڑا، جوانی کے نشے میں چور، گٹھے ہوئے بدن والا، بانکا ترچھا اور خوب صورت تھا۔ میں نگاہیں جما کر اس کے جمال و کمال کو دیکھنے لگا۔ اس نے پوچھا:

”کیا دیکھ رہے ہو؟“

میں نے کہا:

”مجھے آپ کے حسن و جمال پر تعجب ہو رہا ہے۔“

اس نے جواب دیا: ”إِنَّ اللّٰهَ لَيَعْجَبُ مِنِّيْ“

”تجھے ہی کیا، اللہ کو بھی تعجب ہو رہا ہے۔“ (نعوذ باللّٰہ)

نوفل رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کہتے ہیں: یہ کفریہ کلمہ کہتے ہی وہ سکڑنے لگا، اس کا رنگ و روپ اڑ گیا...... یہاں تک کہ اس کا قد ایک بالشت رہ گیا...... لوگ حیران رہ گئے، آخر اس کا ایک رشتہ دار اسے اپنی آستین میں ڈال کر لے گیا۔[2]

---

[1] المستطرف: ١/٤٠٤ [2] از تفسیر ابن کثیر: ٣/٥٣١، القصص: ٨٢

فوائد و نصائح

ہمیں ایک دعا سکھلائی گئی ہے جس کو مانگ کر ہم اپنے اندر تواضع پیدا کر سکتے ہیں اور تکبر سے بچ سکتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی بڑائی دل میں بٹھا سکتے ہیں، اس دعا کو بار بار مانگنا چاہئے:

❶ ''اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ فِيْ عَيْنِيْ صَغِيْرًا وَّفِيْ اَعْيُنِ النَّاسِ كَبِيْرًا.''[1]

ترجمہ: ''اے اللہ! مجھے میری نظر میں چھوٹا بنائیے اور لوگوں کی نظروں میں مجھے بڑا رکھیے۔''

اور تواضع حاصل کرنے کے لئے تین کاموں کا اہتمام کریں:

(۱) اپنی غلطی کی تاویل نہ کریں کہ اصل میں بات یہ تھی، وہ دراصل وغیرہ وغیرہ، آپ کی اگر کوئی غلطی بتلائے، بڑوں میں سے کوئی ڈانٹے، اصلاح کرے تو خاموشی کے ساتھ سن لیں اور یہ کہہ دیں کہ آئندہ خیال رکھوں گا، پھر اگر یقین ہو جائے کہ اپنی غلطی نہیں تھی تو کسی دوسرے وقت میں مناسب اور ضروری ہو تو بتلائے کہ بات یہ تھی۔

(۲) میں، میری وغیرہ کا لفظ استعمال نہ کریں اس سے تکبر کی بو آتی ہے، مثلاً: یوں کہے کہ میں نے یوں کیا، ہم نے یوں کیا، ہماری وجہ سے یوں ہوا، بل کہ یہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت سے یہ کام ہوا۔

(۳) کسی انسان کی طرف سے پریشانی یا تکلیف پہنچے تو خوب دھیان سے سوچیں، غور کریں کہ اس میں میری غلطی کہاں تھی یا اعمال میں کمی کہاں واقع ہوئی ہے؟

دوسروں کو موردِ الزام ٹھہرانے یا الزامات تھوپنے کے بجائے ہر نقصان، مصیبت اور پریشانی کے وقت یہ آیتِ مبارکہ سوچے:

﴿وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ﴾[2]

ترجمہ: ''اور جو برائی پہنچتی ہے وہ تیرے اپنے نفس کی طرف سے ہے۔''

برائی بھی اگرچہ اللہ کی مشیت سے ہی آتی ہے، لیکن یہ برائی کسی گناہ کی سزا یا اپنی غفلت و لاپروائی اس کا بدلہ ہوتی ہے۔ اس لئے فرمایا کہ یہ تمہارے نفس سے ہے یعنی تمہاری غلطیوں، کوتاہیوں اور گناہوں کا نتیجہ ہے۔

''حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دیہاتی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: مجھے کوئی ایسا کلام سکھا دیجئے جس کو میں پڑھتا رہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یہ کہا کرو:

❷ ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ.... اَللّٰهُ اَكْبَرُ كَبِيْرًا وَّالْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيْرًا وَّسُبْحَانَ

اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ.... لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ.''[3]

---

[1] حصن حصین: ۴۹۰ [2] النساء: ۷۹ [3] مسلم، الذکر والدعاء، باب فضل التهليل والتسبيح والدعاء: ۲/۳۴۵

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں......... وہ اکیلا ہے......... اس کا کوئی شریک نہیں......... اللہ تعالیٰ بہت ہی بڑا ہے......... اور اللہ تعالیٰ ہی کے لئے تعریفیں ہیں......... اللہ تعالیٰ ہر عیب سے پاک ہے......... جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے......... گناہ سے بچنے کی طاقت اور نیکی کرنے کی قوت اللہ تعالیٰ ہی کی مدد سے ہے......... جو غالب ہے......... حکمت والا ہے۔''

❸ اس اسم سے تعلق پیدا کرنے والوں کو لازم ہے کہ اپنی ذات کو ذلت و رسوائی کے کاموں سے بچائیں، اللہ تعالیٰ کی کبریائی کو پیشِ نظر رکھیں، خود اپنے نفس کو متواضع بنائیں، مساکین وفقراء سے نفرت نہ کریں۔[1]

❹ اسی طرح اس اسم مبارک سے تعلق پیدا کرنے کے لئے ہم میں سے ہر ایک کو چاہئے کہ اذان اور اقامت دھیان سے سنے اور نمازوں میں تکبیرات انتقالیہ دھیان سے کہے جب مؤذن اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہے تو دل سے اس کی تصدیق کرے، زبان سے بھی وہی کہے جو مؤذن کہتا ہے۔ اذان اور اقامت ادب سے سننے اور اس کا جواب زبان اور عمل (نماز پڑھنے) دونوں سے دینے سے ان شاء اللّٰہ تعالیٰ جلد ہی اللہ تعالیٰ کی کبریائی عظمت دل میں راسخ ہو جائے گی۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کے قہر وغضب سے بچنے کے لئے یہ دعا مانگیں:

❺ ''اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنَا مُطِیْعِیْنَ لِاَمْرِكَ وَجَنِّبْنَا غَضَبَكَ وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ..... اِنَّكَ سَمِیْعٌ قَرِیْبٌ مُّجِیْبُ الدَّعْوَاتِ۔''

ترجمہ: اے اللہ! ہمیں اپنے احکام کا فرماں بردار بنا دے اور اپنے قہر وغضب اور جہنم کے عذاب سے محفوظ فرما، بے شک آپ خوب دعاؤں کو سننے اور قبول کرنے والے ہیں۔[2]

---

[1] شرح اسماء الحسنیٰ للمنصورپوری: ۶۳ [2] تفسیر عثمانی: ۶۶۶، جاثیہ: ۳۷

الخالق جل جلالہ البارئ جل جلالہ

(پیدا فرمانے والا) (ٹھیک ٹھیک بنانے والا)

ان دونوں اسموں کے تحت تین تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

❶ (اَلْخَالِقُ): هُوَ الْمُبْدِعُ لِلْخَلْقِ وَالْمُخْتَرِعُ لَهُ عَلٰى غَيْرِ مِثَالٍ سَبْقٍ قَالَ سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰى ﴿هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ﴾[1]

ترجمہ: امام خطابی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''الخالق جل جلالہ'' وہ ذات ہے جو مخلوق کو عدم سے وجود بخشنے والی ہے اور انہیں بغیر کسی نمونے اور مثال کے پیدا کرنے والی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جس کا ترجمہ ہے: کیا اللہ کے علاوہ کوئی بنانے والا ہے؟

❷ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''الخالق'' کا مطلب یہ ہے کہ اندازے سے کسی چیز کو بنانا اور ''اَلْبَرْءُ'' کا مطلب یہ ہے کہ جس چیز کو اندازے سے مقرر کر دیا گیا ہو اس کو ٹھیک درست کر کے وجود بخشا، اب ایسا نہیں ہوتا کہ جو کوئی بھی اسے اندازے سے ترتیب دے دے وہ اسے وجود بخش کر منظر عام پر لانے پر بھی قادر ہو سوائے ربّ العزت جل جلالہ کے۔[2]

جس طرح وہ ''الخالق'' ہے اس کے ساتھ ساتھ ''البارئ'' بھی ہے یعنی پیدا کرنے کے بعد وہ مخلوق اس کے ہاتھ سے آزاد نہیں ہوگی، بل کہ اس کے حکم میں جکڑی ہوئی ہوگی۔ کسی چیز کا اندازہ کرنا اور ترتیب دینا تو مشکل نہیں، لیکن اسے نافذ کر کے وجود بخشا ہر ایک کے بس کی بات نہیں، ایسا وجود بخشنا اللہ ربّ العزت ہی کا کام ہے۔

❸ ذَكَرَ الزَّمَخْشَرِيُّ فَقَالَ: (اَلْبَارِئُ) هُوَ الَّذِي خَلَقَ الْخَلْقَ بَرِيئًا مِّنَ التَّفَاوُتِ: ﴿مَا تَرٰى فِيْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ۭ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ﴾[3] أَيْ: خَلَقَهُمْ خَلْقًا مُسْتَوِيًا لَيْسَ فِيهِ

---

[1] الفاطر: ۳، النهج الاسمیٰ: ۱/۱۶۱

[2] وَقَالَ ابْنُ كَثِيرٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى: اَلْخَلْقُ هُوَ التَّقْدِيرُ، وَالْبَرْءُ هُوَ الْفَرِيُّ وَهُوَ التَّنْفِيذُ وَإِبْرَازُ مَا قَدَّرَهُ وَقَرَّرَهُ إِلَى الْوُجُودِ، وَلَيْسَ كُلُّ مَنْ قَدَّرَ شَيْئًا وَرَتَّبَهُ يَقْدِرُ عَلٰى تَنْفِيذِهِ وَإِيجَادِهِ سِوَى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ. (النهج الاسمیٰ: ۱/۱۶۴)

[3] الملك: ۳، الكشاف: ۱/۱۴۰، البقرة: ۵۴

اِخْتِلَافٌ وَلَا تَنَا فُرٌ وَلَا نَقْصٌ وَلَا عَيْبٌ وَلَا خَلَلٌ، أَبْرِيَاءَ مِنْ ذٰلِكَ كُلِّهٖ.[1]

تَرجَمۂ: علامہ زمخشری فرماتے ہیں: ''البارئ جل جلالہ'' وہ ذات ہے جس نے مخلوق کو اس طرح پیدا کیا کہ وہ ہر قسم کے تفاوت سے پاک ہے (جیسا کہ قرآن مجید میں آیا ہے کہ اے دیکھنے والے) تو اللہ رحمٰن کی پیدائش میں کوئی بے ضابطگی نہ دیکھے گا، دوبارہ (نظریں ڈال کر) دیکھ لے کوئی شگاف نظر آرہا ہے؟

یعنی اس نے ہر چیز کو ایسا برابر برابر بنایا ہے کہ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کوئی فرق نہیں ہے، ہر عیب، ہر خلل سے پاک ہے۔

الخالق جل جلالہ کی تخلیق میں حکمت وبصیرت

قدرت نے اپنے انتظام اور کاریگری میں کہیں فرق نہیں کیا۔ ہر چیز میں انسان سے لے کر حیوانات، نباتات، عناصر، اجرامِ علویہ، ساتوں آسمان، اور نیرات تک میں یکساں کاریگری دکھلائی ہے۔ یہ نہیں کہ بعض اشیاء کو حکمت و بصیرت سے اور بعض کو یوں ہی بے تکا یا بے کار وفضول بنا دیا ہو (العیاذ باللّٰہ) اور جہاں کسی کو ایسا وہم گزرے، سمجھو اس کی اپنی عقل ونظر کا قصور ہے۔

یعنی ساری کائنات نیچے سے اوپر تک ایک قانون اور مضبوط نظام میں جکڑی ہوئی ہے اور کڑی سے کڑی ملی ہوئی ہے، کہیں شگاف نہیں، نہ کسی صنعت میں کسی طرح کا خلل پایا جاتا ہے۔ ہر چیز ویسی ہے جیسا اُسے ہونا چاہئے۔ مندرجہ بالا ارشادالٰہی صرف آسمان سے متعلق ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ اے مخاطب! اوپر آسمان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھ کہیں اونچ نیچ یا درز اور شگاف نہیں پائے گا، بل کہ ایک صاف، ہموار، متصل، مربوط اور منتظم چیز نظر آئے گی جس میں باوجود زمانے کے گزرنے اور طویل ہونے کے آج تک کوئی فرق اور تفاوت نہیں آیا۔[2]

اسم مبارک ''الخالق جل جلالہ'' قرآن کریم میں گیارہ مرتبہ آیا ہے جن میں سے تین یہ ہیں:

1. ﴿هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ﴾[3]
2. ﴿قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ﴾[4]
3. ﴿اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ﴾[5]

اسم مبارک ''البارئ'' قرآن کریم میں تین مرتبہ آیا ہے:

1. ﴿هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ﴾[6]

دومرتبہ اس آیت میں:

---

[1] النهج الاسمٰی: ۱۶۶/۱ [2] تفسیر عثمانی: ۷۴۵، ملک ۳ [3] الفاطر: ۳ [4] الرعد: ۱۶ [5] الزمر: ۶۲ [6] الحشر: ۲۴

❷ ﴿فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ﴾ [1]

خالقِ کائنات اللہ ربُّ العزت ہی کی ذات ہے

قرآن مجید بڑے اہتمام کے ساتھ اور بڑی تفصیل کے ساتھ لوگوں کو یہ بتلاتا ہے اور ان کے دلوں میں اس کا یقین پیدا کرنا چاہتا ہے کہ ساری کائنات کو پیدا اور نیست سے ہست (عدم سے وجود) بھی اللہ ربُّ العزت نے کیا ہے اور وہی اس کارخانۂ عالم کے سارے نظام کو بلا شرکتِ غیر چلا رہا ہے۔ زندگی اور رزق وغیرہ، زندگی کے جو سامان جس کو مل رہے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ ہی دے رہا ہے اور اس کے سوا کسی کے ہاتھ میں نہ زندگی ہے نہ زندگی کی ضروریات اور اس کے سامان ہیں، بل کہ وہی جس کو جب تک اور جتنا دینا چاہتا ہے دیتا ہے اور جس کو دینا نہیں چاہتا نہیں دیتا۔ [2]

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۡ وَّهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ﴾ [3]

تَرجَمَہ: ”اللہ ہی ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور وہی ہر چیز پر نگہبان ہے۔“

یعنی ہر چیز کو اُس نے پیدا کیا اور پیدا کرنے کے بعد اُس کی بقا و حفاظت کا ذمہ دار بھی وہ ہی ہوا، اور زمین و آسمان کی تمام چیزوں میں تصرف و اقتدار بھی اُسی کو حاصل ہے، کیوں کہ سب خزانوں کی کنجیاں اُسی کے پاس ہیں، پھر ایسے اللہ کو چھوڑ کر آدمی کہاں جائے؟

چاہئے کہ اُسی کے غضب سے ڈرے اور اُسی کی رحمت کا اُمیدوار رہے۔ کفر و ایمان اور جنت و دوزخ سب اُسی کے زیرِ تصرف ہیں۔ اُس کی باتوں سے منکر ہو کر آدمی کا کہیں ٹھکانہ نہیں۔ کیا اُس سے منحرف ہو کر آدمی کسی کامیابی کی اُمید رکھ سکتا ہے؟ [4]

دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى ۭ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ۭ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ﴾ [5]

تَرجَمَہ: ”یقیناً اللہ تعالیٰ دانے اور گٹھلی کا پھاڑنے والا ہے، وہ جان دار کو بے جان سے نکالتا ہے اور بے جان کو جان دار سے نکالنے والا ہے، یہ سب کچھ کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے، پھر تم کہاں الٹے چلے جا رہے ہو؟“

قرآن کہتا ہے: تم دیکھتے ہو کسی اناج کے ایک دانے یا کسی پھل کی گٹھلی کو زمین میں دفن کر دیا جاتا ہے، نہ اُس دانے یا گٹھلی میں کوئی عقل و شعور (یا کسی قسم کا ظاہر یا احساس) ہے، نہ زمین میں اور نہ ان میں سے کسی میں ارادے کی کوئی

[1] البقرة: ٥٤ [2] قرآن آپ سے کیا کہتا ہے: ٣٢ [3] الزمر: ٦٢ [4] تفسیر عثمانی: حاشیہ نمبر٤ ٦١٩ [5] الانعام: ٩٥

طاقت ہے، یہ سب چیزیں بالکل بے جان ہیں، لیکن چند دنوں کے بعد کسی نظر نہ آنے والی طاقت کا چھپا ہوا ہاتھ زمین کے اندر ہی اندر اُس دانے اور گٹھلی کو پھاڑتا ہے اور اس میں سے نہایت نرم و نازک ایک ریشہ نکلتا ہے۔ پھر وہ اپنے اوپر والی مٹی کی تہوں کو چیرتا ہوا اوپر نمودار ہو جاتا ہے، تو ذرا سوچو کہ مٹی میں دفن شدہ اس بے جان دانے یا گٹھلی کو کس نے پھاڑا؟

کس نے اس میں سے وہ جان دار کونپل نکالی؟

پھر سوت کے دھاگے جیسی نرم و نازک اس کونپل نے کس کی طاقت سے زمین کو چیر ڈالا؟

کیا تمہاری عقل میں یہ آسکتا ہے کہ اُس بے جان دانے یا گٹھلی نے یہ سارے کام خود کر لئے؟

یا بغیر کسی کرنے والے کے آپ ہی آپ یہ سب کچھ ہو گیا۔ ہرگز نہیں! یہ سب ایک حکمت و قدرت والی ہستی نے کیا اور وہ ہستی "الخالق جل جلالہ" کی ہی ہے۔

اس کی قدرت صرف بے جان دانے اور گٹھلی ہی کے ساتھ یہ عمل نہیں کرتی ہے، بل کہ اور بھی کتنی بے جان چیزوں سے وہ جان دار چیزیں پیدا کرتا ہے اور اسی طرح کتنی ہی جان دار چیزوں سے بے جان چیزوں کو نکالتا ہے اور تم یہ سب دیکھتے ہو، مثلاً: بے جان انڈوں سے جان دار بچوں کا نکلنا بھی دیکھتے ہو اور جان دار میں سے بے جان مادوں کے برآمد ہونے کا بھی مشاہدہ کرتے ہو۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی یہ کیسی کھلی کھلی نشانیاں تمہارے سامنے ہیں، پھر تمہیں کیا ہو گیا ہے تم کیوں اور کدھر بہک رہے ہو؟ "فَأَيْنَ تَذْهَبُونَ"

"الخالق جل جلالہ" نے زمین کو انسان کے لئے بچھایا

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ ذَلُولًا فَامْشُوا فِي مَنَاكِبِهَا وَكُلُوا مِن رِّزْقِهِ ۖ وَإِلَيْهِ النُّشُورُ﴾[1]

تَرْجَمَہ: وہ ذات جس نے تمہارے لئے زمین کو پست و مطیع کر دیا، تاکہ تم اس کی راہوں میں چلتے پھرتے رہو اور اللہ کی روزیاں کھاؤ (پیو) اس کی طرف (تمہیں) جی کر اُٹھ کھڑا ہونا ہے۔

یعنی زمین کو انسان کے لئے مطیع و فرماں بردار بنایا، نرم و آسان کر دیا کہ آباد ہونا آسان ہو گیا، مثلاً:

۱. تمام انسانوں و حیوانوں کے کھانے اور ضروریات کی چیزیں زمین سے ہی نکلتی ہیں۔

۲. ہم اس میں خشک بیج ڈالتے ہیں، بوتے ہیں، لیکن زمین ایسی فرماں بردار کہ وہی بیج بڑا پودا ہو جاتا ہے اور ایک دانے سے کئی سو دانے پیدا ہو جاتے ہیں۔

۳. زمین ہمارے لئے اپنے پیٹ سے اچھی اور فائدہ مند چیزیں نکالتی ہے۔

---

[1] الملک: ۱۵

❹ زمین پر پڑی گندگی ونجاست بھی زمین کے پیٹ میں چلی جاتی ہے، ورنہ زمین پر بدبو کے عالم میں رہنا کتنا مشکل تھا، گویا جیسے ایک اونٹ انسان کے لئے بالکل فرماں بردار بنایا اسی طرح زمین کو بھی مطیع وتابع دار بنا دیا۔ سُبْحَانَ اللّٰہ "الخالق جل جلالہ" کی کیا ہی نرالی شان ہے۔

انسانی وحیوانی غذاؤں کا خالق اللہ تعالیٰ ہے

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:[1]

تَرجَمَہ: "اور دیکھو زمین میں مختلف قطعے ہیں جو باہم ملے ہوئے اور پاس پاس ہیں اور انگوروں کے باغات ہیں اور غلے کے کھیت ہیں اور کھجور کے درخت ہیں، ان میں کچھ ایسے ہیں جو جڑ سے دوسرے درخت کے ساتھ جڑے ہوتے ہیں اور کچھ ایسے جو اس طرح جڑے نہیں ہوتے۔ ان سب چیزوں کو ایک ہی پانی سے سیراب کیا جاتا ہے اور پھر ان میں سے بعض کو بعض پر ہم مزے میں فوقیت اور برتری دیتے ہیں۔ اس سب میں بڑی نشانیاں ہیں عقل سے کام لینے والوں کے لئے۔"

قرآن کہتا ہے: وہ زمین جس پر تم چلتے ہو اور جس سے تمہاری غذا پیدا ہوتی ہے، ذرا اس کی اس حالت پر تو غور کرو کہ اس کے باہم ملے ہُوئے قطعوں میں بسا اوقات کیسا کیسا فرق ہوتا ہے۔ ایک زیادہ پیداوار والا ہے، دوسرا کم پیداوار والا۔

مثلاً: ایک قطعہ گیہوں کی کاشت کے لئے زیادہ مناسب ہے اور دوسرا کپاس کی کاشت کے لئے۔ پھر کسی ٹکڑے میں انگور کی بیلیں ہیں اور اُن سے انگور اترتے ہیں اور اسی کے برابر والے دوسرے ٹکڑے میں مثلاً: غلے کا کھیت ہے، جس میں سے غلہ پیدا ہوتا ہے اور ساتھ ہی کے تیسرے ٹکڑے میں کھجور کے درخت ہیں اور وہ بھی سب یکساں نہیں، بل کہ مختلف طرح کے ہیں۔ الگ الگ اکہرے اکہرے بھی ہیں اور ایک ہی جڑ سے نکلے ہوئے کئی کئی جڑے ہوئے بھی ہیں۔

پھر حال یہ ہے کہ سب کو ایک پانی ملتا ہے، ایک ہی ہوا لگتی ہے۔ ایک ہی سورج کی شعاعیں سب پر پڑتی ہیں۔ اس کے باوجود ان کی ظاہری شکل وصورت کے علاوہ ان کے ذائقوں میں بھی کتنا فرق ہے۔ کیا یہ فرق، یہ چھوٹائی، بڑائی اور یہ اُونچ نیچ آپ ہی آپ ہے۔ کسی ارادے اور قدرت کے عمل کے بغیر یہ یوں ہی خود بخود ہو رہا ہے؟

ہرگز نہیں! زمین کے ٹکڑوں کی اس کیفیاتی فرق واختلاف میں اور اس کی پیداوار کی اس رنگارنگی میں عقل وبصیرت سے کام لینے والوں کے لئے کھلی نشانیاں موجود ہیں جن سے وہ اصل حقیقت کے بارے میں یقین حاصل کر سکتے ہیں اور جس کی حکمت وقدرت سے یہ سب کچھ ہو رہا ہے اس کو جان سکتے ہیں۔

---

[1] ﴿وَفِي الْأَرْضِ قِطَعٌ مُتَجَاوِرَاتٌ وَجَنَّاتٌ مِنْ أَعْنَابٍ وَزَرْعٌ وَنَخِيلٌ صِنْوَانٌ وَغَيْرُ صِنْوَانٍ يُسْقَىٰ بِمَاءٍ وَاحِدٍ وَنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلَىٰ بَعْضٍ فِي الْأُكُلِ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ﴾ (الرعد: ٤)

اے انسان! اپنی غذا کو تو دیکھ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَلْيَنظُرِ الْإِنسَانُ إِلَىٰ طَعَامِهِ ۝ أَنَّا صَبَبْنَا الْمَاءَ صَبًّا ۝ ثُمَّ شَقَقْنَا الْأَرْضَ شَقًّا ۝ فَأَنبَتْنَا فِيهَا حَبًّا ۝ وَعِنَبًا وَقَضْبًا ۝ وَزَيْتُونًا وَنَخْلًا ۝ وَحَدَائِقَ غُلْبًا ۝ وَفَاكِهَةً وَأَبًّا ۝﴾

ترجمہ: ”انسان ذرا اپنی غذا پر نظر ڈالے اور اس میں غور کرے، ہم پہلے زمین پر پانی برساتے ہیں، پھر اس زمین کی سطح کو شق کرتے (پھاڑتے) ہیں، پھر ہم اس میں غلہ، انگور، ترکاریاں، زیتون، کھجور کے درخت اور گنجان باغ اور میوے اور جانوروں کے لئے چارہ پیدا کرتے ہیں۔“ [1]

تو ہماری پیدا کی ہوئی ان غذاؤں کو استعمال کرنے والے انسان کو چاہئے کہ وہ سوچے کہ یہ غلہ جس سے تیار کی ہوئی روٹی میں کھاتا ہوں اور یہ ترکاریاں اور یہ طرح طرح کے میوے اور یہ پھل اور ہمارے جانوروں کے کام آنے والے یہ چارے، یہ سب چیزیں کہاں سے آتی ہیں؟

کون ان کو پیدا کرتا ہے؟

جس پانی سے یہ سب چیزیں پیدا ہوتی ہیں وہ کون برساتا ہے؟

پھر کس کے حکم اور کس کی قدرت سے زمین کے اندر دبے ہوئے دانوں یا گٹھلیوں سے ان چیزوں کے پودے اُگتے ہیں؟

بالکل ابتداء میں زمین میں سے اُن پودوں کے نکلنے کے لئے کون سطح زمین کو ان کے واسطے چیر دیتا ہے؟ انسان اگر حقیقت کا طالب بن کر اپنی غذا ہی پر غور کرے گا تو وہ حقیقت کو پالے گا اور غذا کے خالق کا اور اس کی قدرت وحکمت کا اس کو علم حاصل ہو جائے گا۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے جس کا ترجمہ ہے:

”اور تمہارے لئے مویشیوں میں بھی غور وعبرت کا سامان ہے، ہم تم کو اُن کے پیٹ میں سے خون اور غلیظ فضلہ (گندگی) کے درمیان سے پاک صاف دودھ پلاتے ہیں جو پینے والوں کے لئے بڑا خوش گوار ہوتا ہے۔“ [2]

قرآن کریم کہتا ہے: جن مویشیوں کا تم دودھ پیتے ہو ذرا اُن ہی میں تم غور کرو، ان کے پیٹ میں خون کی نالیاں ہیں، غلیظ فضلہ کے رہنے کی جگہ اور اس کے راستے ہیں اور کوئی لمحہ ایسا نہیں ہوتا کہ ان مویشیوں کے جسم میں سرخ ناپاک خون اور بدبودار غلیظ فضلہ کی کافی مقدار بھری نہ رہتی ہو، لیکن ان مویشیوں کے جسم کے جن حصوں میں خون اور غلاظت

---

[1] (عبس: ٢٤ تا ٣١)	[2] النحل: ٦٦

بھری رہتی ہے اسی کے قریب سے لطیف اور صاف دودھ نکلتا ہے، جس میں نہ خون کے رنگ کا کوئی شائبہ ہوتا ہے اور نہ غلیظ فضلے کی بدبو کا کوئی اثر، وہ پینے والوں کے لئے کیسا خوش گوار، خوش ذائقہ اور نفیس مشروب ہے۔ تم خود اس کو جانتے ہو، تو ذرا سوچو کہ یہ کس کی کاریگری ہے؟

جس گائے یا بھینس میں سے یہ دودھ نکلتا ہے، یہ اُس کا فعل ہے؟

کیا کسی انسانی عقل نے دودھ کی یہ عجیب وغریب زندہ مشین بنائی ہے؟

نہیں! ہرگز نہیں! یہ صرف اس ''الخالق و البارئ جل جلالہ'' کی ہستی کی قدرت کا کرشمہ ہے، جس نے اس ساری دُنیا کو اور تم کو بھی پیدا کیا ہے۔

ایک موقع پر سوالیہ انداز میں ''اللہ جل جلالہ'' کی ہستی ہی کے متعلق نہایت مختصر لفظوں میں کتنی بلیغ اور کیسی تشفی بخش بات کہی گئی ہے، ارشاد ہے:

﴿أَفِي اللَّهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ﴾[1]

تَرجَمَہ: ''کیا تمہیں اس اللہ کی ہستی میں شبہ ہے، جس نے آسمان وزمین بنائے۔''

اس مختصر سے سوالیہ جملے کے ذریعے قرآن پاک نے انسانوں کے غور وفکر کے لئے اُن کے سامنے زمین و آسمان کی ساری وُسعتیں رکھ دی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں

آنکھوں والا انسان آسمان کو دیکھتا ہے، چاند، سورج، ستاروں کو دیکھتا ہے، ان کی روشنی اور اُن کی گرمی یا خنکی کو محسوس کرتا ہے، زمین کو اپنے نیچے پاتا ہے، اس میں باغات دیکھتا ہے، کھیتیاں دیکھتا ہے، اس سے پیدا ہونے والا غلہ، میوے اور پھل کھاتا ہے، اُس کے خوش رنگ پھول دیکھتا ہے اور اُن کی خوشبو سونگھتا ہے، اس سے پیدا ہونے والی بے شمار چیزوں کو استعمال کرتا ہے اور اُن کے عجیب وغریب خواص اور منافع سے فائدہ اٹھاتا ہے۔

پھر جب تک کہ اس کی عقل بالکل مسخ نہ ہو جائے وہ یہ نہیں سوچ سکتا کہ یہ سب چیزیں خود اپنے ارادے اور فیصلے سے ایسی بن گئی ہیں۔ وہ یہ بھی نہیں سوچ سکتا کہ کسی فلسفی یا کاریگر انسان کی فلسفہ دانی یا کاریگری کے یہ سب کرشمے ہیں۔ اس کی سلیم عقل وبصیرت اس کے سوا کسی توجیہ کو قبول ہی نہیں کرسکتی کہ یہ سب کسی ''الخالق و البارئ جل جلالہ'' ہستی کی قدرت اور صنعت کا کرشمہ ہے۔

ارشاد ہے:

﴿وَفِي الْأَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ ۝ وَفِيْٓ أَنْفُسِكُمْ ۭ أَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝﴾[2]

---

[1] ابراھیم: ۱۰ [2] الذّٰریٰت: ۲۰، ۲۱

ترجمہ: ”اور یقین لانے والوں کے لئے زمین میں بہت سی نشانیاں موجود ہیں اور خود تمہاری ذات میں بھی موجود ہیں، پھر کیا تم دیکھتے نہیں ہو؟“ [1]

زمین میں جن آیاتِ قدرت کا ذکر فرمایا ہے، وہ بے شمار ہیں، زمین میں نباتات اور اشجار و باغات ہی کو دیکھو، ان کے اقسام وانواع ان کے رنگ و بو ایک ایک پتہ کی تخلیق میں کمالِ حسن، پھر ان میں سے ہر ایک کے خواص و آثار میں اختلاف کی ہزاروں قسمیں .... اسی طرح زمین میں نہریں .... کنویں اور پانی کے دوسرے مرکز اور اُن سے تیار ہونے والی لاکھوں انواع مخلوقات .... زمین کے پہاڑ اور غار .... زمین میں پیدا ہونے والے انسانوں کے حالات .... مختلف قبائل اور مختلف خطوں کے انسانوں میں رنگ اور زبان کا امتیاز .... اخلاق و عادات کا اختلاف وغیرہ وغیرہ جن میں آدمی غور کرے تو ایک ایک چیز میں اللہ تعالیٰ کی قدرت و حکمت کے اتنے مظاہر پائے گا کہ شمار کرنا بھی مشکل ہے۔

﴿وَفِيٓ أَنفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ﴾ [2] اس جگہ آیاتِ قدرت کے بیان میں آسمان اور فضائی مخلوقات کا ذکر چھوڑ کر صرف زمین کا ذکر فرمایا ہے جو انسان کے بہت قریب ہے، جس پر انسان بستا اور چلتا پھرتا ہے۔

اس آیت میں اس سے بھی زیادہ قریب یعنی خود انسان کی ذات کی طرف توجہ دلائی کہ زمین اور زمین کی مخلوقات کو بھی چھوڑو خود اپنے وجود، اپنے جسم اور اس کے اعضاء و جوارح ہی میں غور کرلو تو ایک ایک عضو کو حکمتِ حق تعالیٰ کا ایک دفتر پاؤ گے اور سمجھ لو گے کہ سارے عالم میں جو آیاتِ قدرت حق تعالیٰ کی ہیں انسان کے اپنے چھوٹے سے وجود میں وہ سب گویا سمٹ آئی ہیں، اسی لئے انسان کے وجود کو ”عَالَمِ اَصْغَر“ کہا جاتا ہے کہ سارے عالم کی مثالیں انسان کے وجود میں موجود ہیں۔

انسان اگر اپنی ابتدائے پیدائش سے لے کر موت تک کے پیش آنے والے حالات میں غور و تدبر کرنے لگے تو اس کو حق تعالیٰ گویا اپنے سامنے نظر آنے لگیں کہ کس طرح ایک انسانی نطفہ دنیا کے مختلف خطوں کی غذاؤں اور دنیا میں بکھرے ہوئے اجزائے لطیفہ کا خلاصہ بن کر رحمِ مادر میں قرار پایا، پھر کس طرح نطفے سے ایک منجمد خون عَلَقَةً (لوتھڑا) بنا، پھر عَلَقَةً سے مُضْغَةً (گوشت کا ٹکڑا) بنا، پھر کس طرح اس میں ہڈیاں بنائی گئیں، پھر ان پر گوشت چڑھایا گیا، پھر کس طرح اس بے جان پتلے میں جان ڈالی گئی اور اُس کی تخلیق کی تکمیل کر کے اِس دنیا میں لایا گیا۔

پھر کس طرح تدریجی ترقی کر کے ایک بے علم، بے شعور بچے سے ایک دانش مند فعال انسان بنایا گیا اور کس طرح ان کی صورتیں اور شکلیں مختلف بنائی گئیں کہ اربوں، پدموں انسانوں میں ایک چہرہ دوسرے چہرے سے بالکل ممتاز نظر آتا ہے، اس چند اِنچ کے رقبہ میں ایسے امتیازات رکھنا کس کے بس کی بات ہے؟

---

[1] قرآن آپ سے کیا کہتا ہے: ۲۲ [2] الذٰریٰت: ۲۱

پھر اُن کی طبائع اور مزاجوں میں اختلاف اور اس اختلاف کے باوجود وحدت، یہ سب اس قدرتِ کاملہ کی کرشمہ سازی ہے جو بے مثل و بے مثال ہے ﴿فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ﴾[1]

یہ وہ چیزیں ہیں جن کا ہر انسان کہیں باہر اور دور نہیں خود اپنے ہی وجود میں دن رات مشاہدہ کرتا ہے۔ اس کے باوجود بھی اگر وہ اللہ جل شانہٗ اور اس کی قدرتِ کاملہ کا اعتراف نہ کرے تو کوئی اندھا ہی ہوسکتا ہے جس کو کچھ نہ سُوجھے، اسی لئے آخر میں فرمایا ﴿اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ﴾ یعنی کیا تم دیکھتے نہیں؟

اشارہ اس طرف ہے کہ اس میں کچھ زیادہ عقل و سمجھ کا بھی کام نہیں، بینائی ہی درست ہو تو اس نتیجے پر پہنچ سکتا ہے۔[2]

یہاں انسانوں سے کہا گیا ہے کہ زمین و آسمان میں ہماری قدرت کی جو نشانیاں ہیں ان کے علاوہ خود تمہارے اندر ہماری نشانیاں موجود ہیں۔ تم اگر اپنی فطری بصیرت سے کام لو تو خود اپنے وجود اور اپنے نظامِ زندگی میں غور کر کے یقین حاصل کر سکتے ہو۔

انسان کو چاہئے اپنے وجود میں غور کرے

واقعہ یہ ہے کہ انسان اگر صرف اپنے وجود، اپنے اعضا اور اپنے نظامِ زندگی ہی پر غور کرے تو فاطرِ ہستی کے بارے میں اُسے ہرگز کوئی شک و شبہ نہ رہے۔ وہ اپنی ابتداء کو سوچے، رحمِ مادر میں میری یہ صورت کس نے بنائی؟...... میرے قالب میں یہ روح کہاں سے آئی......؟

میری زندگی کے یہ سامان کس نے پیدا کئے۔

میری آنکھ میں روشنی کس نے ڈالی......؟

میرے کان کے پردوں میں آوازیں سننے کی قابلیت کس نے رکھ دی......؟

میری ناک کے غدودوں کو خوشبو اور بدبو کا یہ احساس کس نے دیا......؟

میری زبان اور میرے تالو میں یہ چٹخارہ اور ذائقہ کس نے رکھ دیا؟ جس سے کھانے پینے کے سارے لطف ہیں ......اور مجھے یہ گویائی کی قوت کس نے دی......؟

کیا میرے ساتھ یہ مہربانیاں میری ماں نے کیں؟...... میرے باپ نے کیں......؟

کیا میرے ان کاموں کے لئے کسی ڈاکٹر کی خدمات حاصل کی گئیں......؟

کیا میں نے خود اپنے آپ کو ایسا بنا لیا......؟

ظاہر ہے کہ ان میں سے کوئی بات بھی نہیں ہے اور یہ سوچنا تو اور بھی زیادہ غلط ہوگا کہ میں اپنے یا کسی اور کے ارادے کے بغیر آپ ہی آپ ایسا بن گیا۔

---

[1] المؤمنون: ١٤ [2] معارف القرآن: ١٦٢/٨

پھر حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ ایک بڑی حکیم وخبیر اور بڑی کامل القدرت ہستی "الخالق جل جلالہٗ" نے مجھے پیدا کیا ہے اور یہ سب مہربانیاں میرے ساتھ اُسی نے اور صرف اُسی نے کی ہیں۔[1]

اللہ تعالیٰ کی نعمتیں بے شمار ہیں، اُن کا کوئی انسان احاطہ نہیں کرسکتا، جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

﴿وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا﴾[2]

ترجمہ: "یعنی اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو نہیں کر سکتے۔"

انسان اگر سارے عالم کو چھوڑ کر اپنے ہی وجود پر نظر ڈال لے تو معلوم ہوگا کہ اس کا وجود خود ایک عالمِ اصغر ہے، جس میں عالمِ اکبر کے سارے نمونے موجود ہیں، اس کا بدن زمین کی مثال ہے، اس پر اُگنے والے بال نباتات کی مثال ہیں، اُس کی ہڈیاں پہاڑوں کی شبیہ ہیں، اس کے بدن کی رگیں جس میں خون رواں ہے زمین کے نیچے بہنے والے چشموں اور نہروں کی مثال ہیں۔

بہرحال تم خود اپنی خلقت میں غور کرو تو حق تعالیٰ کی عجیب وغریب صنعت وقدرت کا سبق ملے گا۔ تمہاری اصل کیا تھی؟

ایک قطرہ بے جان، جس میں نہ حس وحرکت تھی نہ شعور وارادہ، نہ وہ بات کرنے کے قابل تھا کہ کسی معاملے میں جھگڑ کر اپنا حق منوادے یا دوسروں پر غالب آجائے۔ اب دیکھو حق تعالیٰ نے اسی قطرۂ ناچیز کو کیا سے کیا بنا دیا؟

کیسی عجیب صورت عطا کی ...... کیسی اعلیٰ قوتیں اور کمالات اسے عطا کئے ...... جو ایک حرف بولنے پر قادر نہ تھا وہ کیسے لیکچر دینے لگا ...... جس میں ادنیٰ حس وحرکت نہ تھی ...... اب کس طرح بات بات میں جھگڑے کرنے اور حجتیں نکالنے لگا، حتیٰ کہ بعض اوقات مخلوق سے گزر کر خالق سے مقابلہ میں خم ٹھونک کر کھڑا ہوگیا، یہ بھی یاد نہ رکھا کہ میری اصل کیا تھی اور کیسے یہ طاقت حاصل ہوئی؟

قدرتِ باری تعالیٰ کا عظیم سانچہ

مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اللہ ربُّ العزت نے انسان کو کیسے عمدہ سانچے میں بنایا ہے اگر انسان اپنی اصل بنیاد کو دیکھے کہ کس قدر ضعیف بل کہ عینِ ضعف ہے کہ ایک قطرۂ بے جان، بے شعور، ناپاک، گھناؤنی چیز ہے۔ اس میں غور کرے کہ کس کی قدرت وحکمت نے اس گھناؤنے قطرے کو ایک خونِ منجمد کی صورت میں ...... پھر خون کو گوشت کی صورت میں ...... پھر اس گوشت کے اندر ہڈیاں پیوست کرنے میں ...... تبدیلیاں کیں، پھر اس کے اعضاء وجوارح کی نازک نازک مشینیں بنائیں ...... کہ یہ ایک چھوٹا سا وجود ایک چلتی پھرتی فیکٹری بن گیا ...... جس میں سینکڑوں عجیب وغریب خودکار مشینیں لگی ہوئی ہیں ...... اور زیادہ غور کرنے سے کام لو تو یہ ایک فیکٹری نہیں،

---

[1] قرآن آپ سے کیا کہتا ہے: ۲۲تا۲۳　　[2] ابراھیم: ۳٤

بل کہ ایک عالم اصغر ہے کہ پورے جہاں کے نمونے اس کے وجود میں شامل ہیں۔ اس کی تخلیق وتکوین بھی کسی بڑے ورک شاپ میں نہیں، بل کہ بطنِ مادر کی تین اندھیریوں میں ہوئی اور نو مہینے اسی تنگ وتاریک جگہ میں بطنِ مادر کے خون اور آلائشوں سے غذا پاتے ہوئے حضرتِ انسان کا وجود تیار ہوا۔[1]

انسان دو جزو سے مرکب ہے: ایک "بدن" دوسرا "رُوح" اور یہ بھی ظاہر ہے کہ قدر وقیمت کے اعتبار سے روح اصل، اعلیٰ اور افضل ہے، بدن محض اس کے تابع اور ادنیٰ درجہ رکھتا ہے، اس ادنیٰ جزو کے متعلق بدنِ انسان کی تحقیق کرنے والے اطباء اور اہلِ تشریح نے بتلایا ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے تقریباً پانچ ہزار مصالح اور منافع رکھے ہیں، اس کے بدن میں تین سو سے زیادہ جوڑ ہیں، ہر جوڑ کو اللہ تعالیٰ ہی کی قدرتِ کاملہ نے ایسا مستحکم بنایا ہے کہ ہر وقت کی حرکت کے باوجود نہ وہ گھستا ہے، نہ اس کی مرمت کی ضرورت ہوتی ہے، عادۃً انسان کی عمر ساٹھ، ستر سال ہوتی ہے، پوری عمر اس کے یہ نرم ونازک اعضاء اور اُن کے سب جوڑ اکثر اوقات اس طرح حرکت میں رہتے ہیں کہ فولاد بھی ہوتا تو گھس جاتا، مگر حق تعالیٰ نے فرمایا:

﴿نَحْنُ خَلَقْنٰهُمْ وَشَدَدْنَآ اَسْرَهُمْ﴾[2]

ترجمہ: "یعنی ہم نے ہی انسان کو پیدا کیا اور ہم نے ہی اس کے جوڑ بند مضبوط کیے۔"

اسی قدرتی مضبوطی کا نتیجہ ہے کہ عام عادت کے مطابق یہ نرم ونازک جوڑ ستر برس اور اس سے بھی زیادہ عرصہ تک کام دیتے ہیں، انسانی اعضاء میں سے صرف ایک آنکھ ہی کو لے لیجیے، اس میں جو اللہ تعالیٰ کی حکمتِ بالغہ کے مظاہر موجود ہیں، انسان کو عمر بھر خرچ کر کے بھی اُن کا پورا ادراک آسان نہیں۔

پھر اس آنکھ کے صرف ایک مرتبہ کے عمل کو دیکھ کر یہ حساب لگایئے کہ اس ایک منٹ کے عمل میں حق تعالیٰ کی کتنی نعمتیں کام کر رہی ہیں تو حیرت ہوتی ہے، کیوں کہ آنکھ اُٹھی اور اس نے کِسی چیز کو دیکھا، اس میں جس طرح آنکھ کی اندرونی طاقتوں نے عمل کیا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کی بیرونی مخلوقات کا اس میں بڑا حصہ ہے، اگر آفتاب کی روشنی نہ ہو تو آنکھ کے اندر کی روشنی کام نہیں دے سکتی۔

پھر آفتاب کے لئے بھی ایک فضاء کی ضرورت ہوتی ہے، انسان کے دیکھنے اور آنکھ کو کام میں لانے کے لئے غذا، ہوا وغیرہ کی ضرورت ہوتی ہے، جس سے معلوم ہوا کہ ایک مرتبہ نظر اُٹھ کر جو کچھ دیکھتی ہے اس میں پورے عالم کی طاقتیں کام کرتی ہیں، یہ ایک مرتبہ کا عمل ہوا پھر آنکھ دن میں کتنی مرتبہ دیکھتی ہے......... اور سال میں کتنی مرتبہ......... عمر میں کتنی مرتبہ......... یہ ایسا سلسلہ ہے جس کے اعداد وشمار انسانی طاقت سے خارج ہیں۔

اسی طرح کان، ہاتھ، پاؤں، زبان کے کتنے کام ہیں اُن سب میں پورے عالم کی قوتیں شامل ہیں۔ اُس "البارئ"

---

[1] معارف القرآن: ۷۶۵/۶ [2] الدّھر: ۲۸

الخالق
البارئ

اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۙ وَّهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿٦٢﴾ (الزمر ٦٢)
"اللہ ہی ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور وہی ہر چیز پر نگہبان ہے"۔

جل جلالہٗ" کی طرف سے ملنے والی ان نعمتوں اور عنایتوں کے استحضار کے بعد بھی ایک قلبِ سلیم رکھنے والا، دل کو یہ سمجھائے بغیر نہیں رہ سکتا کہ جب میرا ہر ہر سانس جو آجا رہا ہے اور ہر لحظہ جو پلک اُٹھتی اور جھکتی ہے اُس کے پیچھے اس ذات باری اور منعم حقیقی کی کیا کیا کاریگریاں میرے فائدے کے لئے کوشاں ہیں تو میں ان نعمتوں کے اگر غلط استعمال سے اسی مالک کو ناراض کرلوں تو میرا کیا ٹھکانہ ہوگا؟

پھر اللہ تعالیٰ نے اُونٹ، گائے، بھیڑ، بکری تمہارے لئے پیدا کیے۔ ان میں سے بعض کے بال یا اُون وغیرہ سے کمبل، دُھسے، ڈیرے، خیمے اور سردی سے بچنے کے لئے مختلف قسم کے لباس تیار کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ کسی کا دودھ پیا جاتا ہے کسی کو ہل چلانے میں استعمال کیا جاتا ہے۔

گھی، مکھن وغیرہ کی ساری سہولتیں ان ہی جانوروں کی بدولت ہے۔ اُن کے چمڑے سے کیسے کیسے عمدہ اور بیش قیمت سامان تیار کیے جاتے ہیں، جن جانوروں کا گوشت کھانے میں کوئی شرعی ممانعت بھی نہیں ہے اور اس میں کوئی قابل ذکر بدنی یا اخلاقی مضرت بھی نہیں ہے اُن کا گوشت کھایا جاتا ہے، کتنے غریبوں کی شکم پروری اُس سے ہوتی ہے اور جو دوسری غذائیں ہم کھاتے ہیں اُن کی تیاری میں بھی اِن حیوانات کو کس قدر دخل ہے۔

تخلیق کی نسبت غیر اللہ کی طرف جائز نہیں

غیر اللہ کی طرف تخلیق کی صفت منسوب کرنا جائز نہیں، یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ "خَلْق" کے معنی پیدا کرنے کے ہیں، جس کا مطلب ہے کسی شے کو عدمِ محض سے قدرتِ ذاتی کے بل پر وجود میں لانا۔ اس لئے یہ صفت اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے، کسی اور کی طرف اس کی نسبت جائز نہیں۔

لہٰذا ہمارے زمانے میں جو رواج چل پڑا ہے کہ اہل قلم کے مضامین، شاعروں کے اشعار اور مصوروں کی تصویروں کو ان کی "تخلیقات" کہہ دیا جاتا ہے، وہ بالکل جائز نہیں اور نہ اہلِ قلم کو ان مضامین کا خالق کہنا درست ہے۔ خالق اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں ہوسکتا، اس لئے اُن کے رشحاتِ قلم کو "کاوش" یا "مضمون" وغیرہ کہنا چاہئے "تخلیق" نہیں۔ [1]

کائنات کا ایک ایک ذرّہ اپنے خالق کی گواہی دے رہا ہے

ہارون یحییٰ صاحب اپنی کتاب "اللہ کی نشانیاں" میں لکھتے ہیں:

یہ لوگ کہتے ہیں اس کی کوئی نشانی نہیں　　جو تتلیوں کے پروں پر بھی پھول کاڑھتا ہے

آپ جہاں کہیں بھی بیٹھے ہوں، اگر آپ اپنے گرد وپیش پر نگاہ ڈالیں تو آپ دیکھیں گے کہ کمرے کی ہر شے "بنائی گئی ہے" دیواریں، اسبابِ خانہ، چھت، کرسی جس پر آپ براجمان ہیں، کتاب جو آپ کے ہاتھ میں ہے، میز کا شیشہ اور

[1] معارف القرآن: ۴۷۴/۷

بے شمار دوسری چیزیں جو اس کمرے میں موجود ہیں۔ ان اشیاء میں سے کوئی ایک شے ایسی نہ ہوگی جو از خود بن گئی ہو۔ یہاں تک کہ کمرے میں بچھے ہوئے قالین کا دھاگہ بھی کسی نہ کسی نے ضرور بنایا ہوگا۔ نہ تو یہ سب از خود اچانک وجود میں آ گئے نہ محض اتفاق کے نتیجے میں بن گئے۔

اگر کسی روز ایک شخص آئے اور یہ اعلان کر دے کہ خام لوہے اور کوئلے نے اتفاقاً باہم مل کر فولاد بنا دیا ہے جس سے اتفاقاً ایفل ٹاور تعمیر ہو گیا ہے.......... تو وہ شخص اور جو اس شخص پر یقین کرنے لگے، کیا آپ انہیں دیوانہ اور معذور العقل تصور نہ کریں گے؟

اور نظریۂ اِرتقاء کا دعویٰ، جو اللہ تعالیٰ کی ذات سے انکار کا انوکھا طریقہ ہے اس سے مختلف تو نہیں ہے۔ یہ کائنات جس کا ایک ایک ذرہ، ایک ایک شے اپنے خالق کی گواہی دے رہی ہے، اس کے بارے میں کوئی یہ کہے کہ یہ از خود وجود میں آ گئی۔ چناں چہ کائنات کے اس اعتدال وتوازن کا جو ہمیں ہر جگہ نظر آتا ہے، ہمارے جسم سے لے کر وسعتِ نظر اور حدِ نگاہ سے بہت آگے تک کوئی نہ کوئی مالک ضرور ہونا چاہئے۔

وہ خالق جس نے اس کائنات کی ہر شے کو اس قدر نفاست ونزاکت کے ساتھ وجود میں آجانے کا حکم دیا۔ وہ عظیم خالق وہ ہے جس کی ذات کی اپنی نہ کوئی ابتداء ہے نہ انتہا۔

سچ تو یہ کہ اللہ کی ذات کو سمجھنے کے لئے کوئی طویل تحقیق ضروری نہیں ہے، اگر کوئی شخص پیدائش سے لے کر آخر تک ایک ہی کمرے میں اکیلا رہتا رہا ہو، اس کمرے کے اندر مختصر سی دنیا اس کے لئے یہ سمجھنے کو کافی ہوگی کہ اللہ تعالیٰ کی ذات موجود ہے۔

خود انسانی جسم کے اندر ثبوت اور شواہد اس قدر جمع ہیں کہ اتنے تو کئی جلدوں پر مشتمل کسی انسائیکلو پیڈیا میں بھی نہ ہوں گے۔ اگر کوئی اسے چند منٹ بھی غور اور فکر کے لئے دے سکے تو اسے یقین دلانے کو اتنا ہی کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ موجود ہے۔

موجودہ نظام اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں ہے اور وہی اسے قائم ودائم رکھے ہوئے ہے۔

صرف انسانی جسم ہی انسان کے لئے غور وفکر کے دریچے وا نہیں کرتا ہے، بل کہ زمین کے ہر مربع ملی میٹر میں زندگی بستی ہے۔

میری ہستی ہے خود شاہد وجودِ ذات باری کی　　　دلیل ایسی ہے یہ جو عمر بھر رد ہو نہیں سکتی

اس دنیا میں جان داروں کا ایک بحرِ بیکراں موجزن ہے، یک خلوی سالموں سے پودوں تک، کیڑے مکوڑوں سے سمندری جانوروں تک اور پرندوں سے انسانوں تک۔ اگر آپ مٹھی بھر مٹی لے لیں اور اسے بغور دیکھیں تو اس کے اندر بھی آپ کو قسم قسم کے جان دار نظر آئیں گے جو اپنی اپنی ذات میں مختلف صفات رکھتے ہوں گے۔ یہی بات اس ہوا پر بھی

صادق آتی ہے جس میں آپ سانس لیتے ہیں۔ یہاں تک کہ آپ کے جسم پر موجود جلد پر بھی بہت سے جان دار موجود ہوتے ہیں جن کے ناموں تک سے آپ واقف نہیں ہیں۔

تمام جان داروں کی انتڑیوں میں کئی ملین جرثومے یا یک خلوی سالمے ہوتے ہیں جو نظامِ ہضم میں مدد دیتے ہیں۔ دنیا میں انسانوں کی تعداد کی نسبت جانوروں کی تعداد کئی گنا زیادہ ہوتی ہے۔ جب ہم پودوں کی دنیا پر غور کرتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ اس کرۂ ارض پر کوئی ایک مقام بھی ایسا نہیں جس پر زندگی موجود نہ ہو۔ یہ ساری مخلوق جو کئی ملین مربع کلومیٹر رقبے پر پھیلی ہوئی ہے اس کے اجسام کے نظام جدا جدا ہیں، ان کی زندگیاں مختلف ہیں اور وہ ارضیاتی توازن کو برقرار رکھنے میں مختلف کردار ادا کرتے ہیں۔ یہ دعویٰ کرنا بعید از قیاس معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب کے سب اتفاقاً بغیر کسی مقصد و غایت کے وجود میں آ گئے ہیں یا دنیا کی کوئی بھی جان دار شے اپنے آپ یا اپنی کوشش سے وجود میں آئی ہے اور کوئی بھی انطباقی یا اتفاقی واقعہ ایسے پیچیدہ نظاموں کے اندر سامنے آ سکتا ہے۔ یہ ثبوت ہمیں اس نتیجے پر پہنچاتا ہے کہ یہ کائنات ایک خاص ''شعور و آگہی'' کے تحت تخلیق ہوئی۔

''الخالق جل جلالہ'' کی موجودگی اور عظمت و جلال کائنات کی بے شمار نشانیوں میں سے ٹپکتا ہے۔ دراصل اس روئے زمین پر ایک انسان بھی ایسا نہیں جو تہ دل سے اس عیاں حقیقت کو تسلیم نہ کرتا ہو۔ پھر بھی وہ اس سے انکار کرتے ہیں۔ چناں چہ ان کے بارے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَجَحَدُوا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا أَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَعُلُوًّا﴾[1]

ترجمہ: ''اور انہوں نے انکار کر دیا، حالاں کہ ان کے دل یقین کر چکے تھے صرف ظلم اور تکبر کی بنا پر۔''

بہت سے ایسے سائنس دان جو اپنے آپ کو بلا سوچے سمجھے کفر و الحاد کے اندر محدود نہیں رکھتے یہ تسلیم کرتے ہیں کہ اس کائنات کو تخلیق کرنے والا ایک خالق ضرور ہے۔ وہ خالق ایک ایسی ہستی ہو سکتا ہے جس نے مادہ اور وقت دونوں تخلیق کئے ہوں اور پھر ان دونوں سے آزاد اور ماوراء بھی ہو۔

ایک نامور ماہر فلکی طبیعات HughRoss اس حقیقت کا اظہار یوں کرتا ہے:

''اگر وقت کا آغاز کائنات کے آغاز کے ساتھ ساتھ ہوا جیسا کہ خلائی مسئلہ کہتا ہے تو پھر تو اس کائنات کے وجود میں آنے کا سبب ایک ایسی ہستی ہونی چاہئے جو مکمل آزادی کے ساتھ کسی وقت کے طول و عرض کے اندر کام کر رہی ہو اور جو وقت کائنات کے وقت کے طول و عرض سے آزاد بھی ہو اور پہلے سے موجود بھی ہو۔'' یہ نتیجہ بڑی قوت کے ساتھ ہماری اس سمجھ کے لئے اہم ہے کہ خدا کون ہے؟ اور وہ کون یا کیا نہیں ہے؟

یہ ہمیں بتاتا ہے کہ کائنات بذاتِ خود اللہ نہیں ہے، نہ ہی وہ کائنات کے اندر محدود ہے۔ مادہ اور وقت خالقِ عظیم و

---

[1] النمل: ۱۴

ذوالجلال نے تخلیق کیے ہیں جو ان تمام تصورات سے بالاتر ہے۔ یہ ''الخالق جل جلالہ'' ہے آسمانوں اور زمین کا مالک۔''

مشہور ماہرِ طبیعات پروفیسر سٹیفن ہاکنز اپنی کتاب ''مختصر تاریخ زماں'' (ABriefHistoryofTime) میں لکھتا ہے:

''یہ کائنات ان حساب کتاب کے مطابق طے شدہ جائزوں اور توازنوں پر قائم کی گئی ہے اور اسے اس قدر نفاست کے ساتھ ''نوک پلک درست'' کر کے رکھا گیا ہے کہ ہم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ وہ کائنات کے پھیلاؤ کی شرح کے حوالے سے کہتا ہے: ''کائنات پھیلاؤ کی اس نازک شرح کے ساتھ کیوں شروع ہوئی جو ایسے نمونوں (Models) کو جدا کرتی ہے جو ان سے منہدم ہو جائیں اور جو ہمیشہ کے لئے پھیلتے رہتے ہیں، تاکہ آج بھی، دس ملین برس گزرنے پر یہ تقریباً ایک نازک شرح کے ساتھ پھیل رہی ہو؟

اگر بگ بینگ کے ایک سیکنڈ بعد پھیلاؤ کی شرح سو ہزار ملین ملین کے ایک حصے سے بھی کم ہوتی تو یہ کائنات اپنے موجودہ حجم کو پہنچنے سے قبل تباہ ہو گئی ہوتی۔''

پال ڈیویز بھی اُس ناگزیر نتیجے کے بارے میں بتاتا ہے، جو ان ناقابلِ یقین حد تک نازک لطیف توازنوں اور حساب کتاب سے کیے گئے جائزوں سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔

''اس تاثر کی راہ میں رکاوٹ بننا مشکل نظر آتا ہے کہ کائنات کی موجودہ ساخت اس قدر حساس ہے کہ بظاہر تعداد میں معمولی سے ردوبدل کی بھی متحمل نہیں ہو سکتی، اسے بڑی احتیاط کے ساتھ سوچا گیا ہے ......عددی قیمتوں کی معجزانہ مطابقت جو ہمیں نظر آتی ہے قدرت نے اسے ایسی غیر متغیر صلاحیت دی ہے کہ وہ کائنات کی ساخت اور ڈیزائن کے ایک ایک عنصر کے لئے نہایت ٹھوس ثبوت بن جائے۔''

اسی حقیقت کے تسلسل میں ایک ماہرِ فلکیات پروفیسر جارج گرین سٹائن اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

''جب ہم پورے ثبوت کا جائزہ لیتے ہیں تو یہ خیال بڑی شد و مد کے ساتھ ہمارے ذہنوں میں ابھرتا ہے کہ کوئی مَافَوْقُ الْفِطْرَتْ طاقت یا واحد قوت اس میں ضرور شریک ہے۔'' [1]

تمام مادّی اشیاء ایٹموں کے جمع ہونے سے وجود میں آئیں ہوں گی۔ ہر ایٹم کا ایک مرکز ہوتا ہے جس میں مختلف تعداد میں پروٹون، نیوٹرون اور الیکٹرون ہوتے ہیں۔

یقیناً اس کائنات کا بے مثل منصوبہ اور ترتیب و نظم ایک ایسے خالق کی موجودگی کو ثابت کرتا ہے جو لامحدود علم، طاقت اور دانائی رکھتا ہے اور جس نے مادے کو عدم سے وجود بخشا ہے اور جو اسے کنٹرول کرتا اور مسلسل اس کا نظام چلاتا ہے۔ یہ خالق اللہ (جل شانہ) ہے جو آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان واقع ہے سب کا مالک ہے اور کائنات میں جو عظیم منصوبہ، ڈیزائن اور نظم و ترتیب جاری و ساری ہے اسے منظرِ عام پر لانے کے بعد جدید سائنس نے اس خالق کے

[1] "The SymbiotidUniverse"

وجود کو ثابت کر دیا ہے جس نے یہ کائنات تخلیق کی ہے، جو اس کا حکمران ہے یعنی اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ۔

اسی طرح ایک مقام پر اللہ تعالیٰ نے ہماری توجہ تخلیقِ انسان کی جانب مبذول کراتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:

﴿ یٰۤاَیُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِیْمِۙ۝۶ الَّذِیْ خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ فَعَدَلَكَۙ۝۷ فِیْۤ اَیِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَؕ۝۸ ﴾[1]

ترجمہ: ”اے انسان! تجھے اپنے ربِّ کریم سے کس چیز نے بہکایا؟ جس نے تجھے پیدا کیا پھر ٹھیک ٹھاک کیا پھر برابر بنایا جس صورت میں چاہا تجھے جوڑ دیا۔“

تجھے معتدل، کھرا اور حسنِ صورت والا بنایا، یا تیری دونوں آنکھوں، دونوں کانوں، دونوں ہاتھوں اور دونوں پیروں کو برابر برابر بنایا، اگر تیرے اعضاء میں یہ برابری اور مناسبت نہ ہوتی تو تیرے وجود میں حسن کے بجائے ٹیڑھا پن ہو جاتا۔

انسانی جسم کا ہر حصہ، ہر مقام نہایت بہترین طریقے سے اپنی جگہ پر بنایا گیا ہے۔ نک سک سے آراستہ یہ تخلیق ایک نوزائیدہ بچے اور بچپن کے ایام میں زیادہ نمایاں طور پر نظر آتی ہیں۔

مثال کے طور پر ایک نوزائیدہ بچے کی کھوپڑی کی ہڈیاں بہت نرم ہوتی ہیں اور کسی حد تک ایک دوسرے پر چڑھ سکتی ہیں۔ یہ لچک رحمِ مادر سے باہر آنے والے بچے کے سر کو نقصان سے محفوظ رکھتی ہے۔ اگر کھوپڑی کی یہ ہڈیاں سخت ہوتیں اور ان میں لچک نہ ہوتی تو بچے کی پیدائش کے وقت یہ ٹوٹ سکتی تھیں جس سے بچے کے دماغ کو شدید نقصان پہنچ سکتا تھا، ہر نقص سے پاک اسی حالت میں انسان کے جسم میں تمام اعضاء نشوونما کے دوران ایک دوسرے کے ساتھ ہم آہنگی برقرار رکھتے ہیں۔

مثال کے طور پر سر کی نشوونما کے دوران کھوپڑی جو دماغ کو ڈھانپ کر رکھتی ہے، اس کے ساتھ نشوونما پاتی ہے۔ اگر کوئی کھوپڑی نسبتاً کم رفتار سے نشوونما پا رہی ہو تو دماغ اس پر دباؤ ڈال کر اسے پچک دے گا جس سے انسان کی بہت جلد موت واقع ہو جائے گی۔ یہی توازن دوسرے اعضاء کے لئے موجود ہوتا ہے جن میں دِل، پھیپھڑے، سینہ، آنکھ اور آنکھ کا ساکٹ شامل ہیں۔ اگر ہم انسانی جسم کے نظاموں اور اعضاء کا مختصراً جائزہ لیں تو ہمیں یہ ایک بے نقص اور متوازن تخلیق نظر آئے گی۔[2]

”اَلْخَالِقُ جَلَّ جَلَالُہٗ“ سے صفت خلق کا واسطہ دے کر مانگئے

آپ ﷺ نے مغفرت و رحمت اور دوسری دعائیں اسمائے حسنیٰ کے ساتھ مانگی ہیں، اس میں سب سے پہلے صفتِ خلق کو ذکر فرما کر دعا مانگی ہے۔ ہمیں بھی چاہئے کہ اس دعا کو بار بار مانگیں، وہ دعا یہ ہے:

---

[1] الانفطار: ۶ تا ۸ [2] خلاصہ از ”اللہ کی نشانیاں“: ۷۷

"اَللّٰھُمَّ اَنْتَ الْخَلَّاقُ الْعَظِیْمُ..... اَللّٰھُمَّ اِنَّكَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ..... اَللّٰھُمَّ اِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ..... اَللّٰھُمَّ اِنَّكَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ."

"اَللّٰھُمَّ اِنَّكَ اَنْتَ الْجَوَادُ الْکَرِیْمُ فَاغْفِرْلِیْ وَارْحَمْنِیْ وَعَافِنِیْ وَارْزُقْنِیْ وَاسْتُرْنِیْ وَاجْبُرْنِیْ وَارْفَعْنِیْ وَاهْدِنِیْ وَلَا تُضِلَّنِیْ وَاَدْخِلْنِی الْجَنَّةَ بِرَحْمَتِكَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ"[1]

ترجمہ: "اے اللہ! تو سب کا پیدا کرنے والا، بڑی عظمت والا ہے، تو خوب سننے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے، بیشک تو بڑا بخشنے والا اور بڑا مہربان ہے، بیشک تو عظمت والے عرش کا مالک ہے۔"

"اے اللہ! تو ہی ہے، بڑا سخی اور کرم کرنے والا، مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم فرما اور مجھے عافیت دے اور مجھے رزق عطا فرما اور میرے عیب چھپالے اور میری اصلاح فرما اور مجھ کو بلند فرما اور مجھ کو ہدایت نصیب فرما دے اور گمراہ نہ کر اور اے ارحم الراحمین! اپنی رحمت سے مجھ کو جنت میں داخل فرما دے۔"

اس دعا کو خود بھی یاد کریں اور دوسروں کو بھی سکھائیں۔

فوائد ونصائح

❶ بندہ کو چاہئے کہ اس بات پر اپنے یقین کو بڑھائے کہ "الخالق جل جلالہٗ" ہی ہر چیز کے پیدا کرنے والے ہیں۔ باقی جتنی چیزیں ہیں وہ مخلوق ہیں، کوئی چیز اس ذات کے پیدا کئے بغیر دنیا میں آ نہیں سکتی۔

❷ بندہ کو چاہئے کہ اپنے آپ میں غور کرے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَفِیْٓ اَنْفُسِكُمْ ۚ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ﴾[2]

ترجمہ: "اور خود تمہاری ذات میں بھی (نشانیاں ہیں) تو کیا تم دیکھتے نہیں ہو۔"

یعنی کیسا زبردست نظام والا بنایا، ہاتھ، پاؤں، آنکھیں ہر چیز کیسی زبردست پیدا کی، دنیا کی ساری طاقتیں اگر مل جائیں تو کسی کو ایک ہاتھ یا پاؤں یا آنکھ نہیں پیدا کر کے دے سکتی۔[3]

❸ ہر مسلمان یہ عقیدہ رکھے کہ پیدا کرنے والا، اولاد دینے والا اور ہر جان دار میں روح ڈالنے والا وہی "الخالق البارئ جل جلالہٗ" ہے اُس کے علاوہ اور کوئی بھی نہیں۔ بیٹا، بیٹی سب "الخالق جل جلالہٗ" ہی دیتے ہیں کوئی پیر، فقیر، یا مزار پر جانے سے ہرگز ہرگز اولاد نہیں مل سکتی، لہٰذا صرف اللہ ہی سے اولاد مانگیں، اللہ ہی سے اولاد کے لئے اصلاح مانگیں، اللہ ہی سے اولاد کے لئے روزگار مانگیں، ایک مرتبہ نہیں بار بار مانگیں، اس کا نام "الخالق" ہے، دینے والا وہی ہے، پیدا کرنے والا وہی ہے، کوئی کتنے بھی جادو اور بندش کروالے کہ اولاد نہ ہو، لیکن اللہ پیدا کرنا چاہیں گے تو کوئی روک نہیں

---

[1] کنز العمال: ۲/۲۹۵، رقم: ۵۱۰۸　[2] الذاریات: ۲۱　[3] المنہج للامام الجوزی: ۳۰۱، ۳۰۴

سکتا، اس لئے جادو اور بندش کو تڑوانے کے لئے کسی قبر یا مزار یا غلط قسم کے پیر فقیر کے پاس جانے کے بجائے "الخالق جل جلالہ" سے مانگیں صرف اور صرف اُسی سے مانگیں، ساری بندشوں کو وہی ختم کرنے والا ہے۔

فرعون نے بڑی کوشش کی کہ موسیٰ علیہ السلام پیدا نہ ہوں، لیکن "الخالق جل جلالہ" کا فیصلہ تھا کہ پیدا ہو، تو پیدا ہوکر رہا، اسی لئے یہ نام "الخالق جل جلالہ" ہم سے مطالبہ کرتا ہے کہ اولاد صرف اور صرف اللہ سے مانگیں، کسی قسم کی بندش سے خوف نہ کھائیں، آپ نے بندش کا خوف دل سے نکال دیا تو گویا فوراً ہی بندش ختم ہوگئی۔

❻ ہم سب کو "الخالق جل جلالہ" نے اپنی عبادت و فرماں برداری کے لئے پیدا کیا، ہماری یہ ذمہ داری ہے کہ ہم ہر بھٹکے ہوئے، شرک میں مبتلا اور غیر اللہ کے دَر پر جانے والے مسلمان کو ایک اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کی طرف بلائیں دعوت دیں اور سمجھائیں کہ جب انسان صرف ایک پیدا کرنے والے سے اپنا تعلق جوڑتا ہے تو وہ ساری مخلوق سے ایسے شخص کو بے نیاز کر دیتا ہے۔

المصوّر جل جلالہٗ

(صورت بنانے والا)

اس اسم مبارک کے تحت ایک تعریف ذکر کی جاتی ہے:

❶ (اَلْمُصَوِّرُ): هُوَالَّذِيْ أَنْشَأَ خَلْقَهُ عَلٰى صُوَرٍ مُّخْتَلِفَةٍ لِيَتَعَارَفُوْا بِهَا فَقَالَ: ﴿وَصَوَّرَكُمْ فَأَحْسَنَ صُوَرَكُمْ﴾[1]

ترجمہ: علامہ خطابی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "المصوّر جل جلالہٗ" وہ ذات ہے جس نے اپنی مخلوق کو مختلف صورتوں پر پیدا کیا، تاکہ وہ اس کے ذریعے سے ایک دوسرے کو پہچان سکیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے جس کا ترجمہ ہے:
"اور تمہاری صورتیں بنائیں اور بہت اچھی بنائیں۔"[2]

مراد یہ ہے کہ ہر ہر مخلوق کو حق تعالیٰ نے خاص خاص شکل وصورت عطا فرمائی ہے، جس کی وجہ سے وہ دوسری چیزوں سے ممتاز اور پہچانی جاتی ہے، دنیا کی عام آسمانی وزمینی مخلوقات خاص خاص صورتوں ہی سے پہچانی جاتی ہیں، پھر ان میں انواع واصناف کی تقسیم اور ہر نوع وصنف کی جداگانہ ممتاز شکل وصورت اور ایک ہی نوعِ انسانی میں مرد وعورت کی شکل و صورت کا فرق، پھر سب مردوں اور سب عورتوں کی شکلوں میں باہم ایسے اختلاف کہ اربوں، کھربوں انسان دنیا میں پیدا ہوئے ایک کی صورت بالکلیہ دوسرے سے نہیں ملتی کہ امتیاز نہ ہو سکے۔

یہ کمالِ قدرت صرف ایک ہی ذات حق جل شانہٗ کا ہے جس میں اس کا کوئی شریک نہیں، جس طرح غیر اللہ کے لئے تکبر جائز نہیں کہ کبریائی صرف اللہ جل شانہ کی صفت ہے، اسی طرح (جان داروں کی) تصویر سازی بھی غیر اللہ کے لئے جائز نہیں، کیوں کہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کی مخصوص صفت میں شرکت کا عملی دعویٰ ہے۔[3]

اسی کو سورۂ آل عمران میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿هُوَ الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ فِي الْأَرْحَامِ كَيْفَ يَشَآءُ ۚ لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾[4]

ترجمہ: وہ ماں کے پیٹ میں تمہاری صورتیں جس طرح چاہتا ہے بناتا ہے، اس کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں، وہ غالب ہے، حکمت والا ہے۔"

[1] النهج الاسمٰى ١٦٨/١ [2] الغافر: ٦٤ [3] معارف القرآن: ٣٩٣/٨ [4] آل عمران: ٦

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ اور قادرِ مطلق ہونے کا بیان ہے کہ اس نے انسان کو بطنِ مادر کی تین اندھیریوں میں کس حکمتِ بالغہ کے ساتھ بنایا اور ان کی صورتوں اور رنگوں میں وہ صنعت کاری فرمائی کہ اربوں انسانوں میں ایک کی صورت دوسرے سے ایسی نہیں ملتی کہ امتیاز نہ رہے، اس علمِ محیط اور قدرتِ کاملہ کا عقلی تقاضہ یہ ہے کہ عبادت صرف اسی کی کی جائے۔ اور دعا صرف کسی سے مانگی جائے اس کے سوا سب کے سب علم و قدرت میں یہ مقام نہیں رکھتے، اس لئے وہ لائقِ عبادت نہیں۔[1]

اسی ''اَلْمُصَوِّرُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کی قدرت کو سورۂ زمر میں اس طرح فرمایا:

﴿يَخْلُقُكُمْ فِىْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْۢ بَعْدِ خَلْقٍ فِىْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ﴾[2]

تَرجَمۃ: ''وہ تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹوں میں ایک بناوٹ کے بعد دوسری بناوٹ پر بناتا ہے، تین تین اندھیریوں میں۔''

اللہ تعالیٰ نے اپنے علم و حکمت کے مطابق کمالِ قدرت سے جیسا اور جس طرح چاہا ماں کے پیٹ میں تمہارا نقشہ بنایا۔ مذکر، مؤنث، خوب صورت، بدصورت جیسا پیدا کرنا تھا کر دیا، ایک پانی کے قطرے کو کتنی پلٹیاں دے کر آدمی کی صورت عطا فرمائی، جس کی قدرت وصفت کا یہ حال ہے کیا اس کے علم میں کمی ہوسکتی ہے؟[3]

اس آیت میں قدرتِ خداوندی کے اُن رموز و اسرار کی کچھ نشان دہی کی گئی ہے جو انسان کی تخلیق میں کارفرما ہیں۔

اوّل: یہ کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت میں تو یہ بھی تھا کہ بچے کو شکمِ مادر میں بیک وقت پیدا کر دیتے، مگر بہ تقاضائے حکمت و مصلحت ایسا نہیں، بل کہ ﴿خَلْقًا مِّنْۢ بَعْدِ خَلْقٍ﴾ تدریج اختیار کی کہ جس عورت کے پیٹ میں عالمِ اصغر بن رہا ہے وہ آہستہ آہستہ اس کا بوجھ برداشت کرنے کی عادی ہوتی چلی جائے۔

دوم: اس بے نظیر، حسین ترین مخلوق کو جس میں سینکڑوں نازک مشینیں اور بال کے برابر رگیں، خون اور روح پہنچانے کے لئے لگائی گئی ہیں۔ یہ عام صنعت کاروں کی طرح کسی کھلی جگہ روشنیوں کی مدد سے نہیں، بل کہ تین اندھیروں میں ایسی جگہ پیدا کی گئی ہے جہاں کسی کی نظر تو کیا فکر کی بھی رسائی نہیں۔ ﴿فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ﴾[4]

پھر غور کریں کہ پیدا ہونے والے جان دار کے ماں باپ کے دل میں اس کی محبت ڈال دی، کوے کو اپنا کالا بچہ ہی بھلا لگتا ہے اور کبھی کبوتر کو اپنے رنگ کا بچہ اچھا لگتا ہے، اسے سفید رنگ والے اچھے نہیں لگتے۔

واقعۂ نمبر ⑲: کہتے ہیں کہ پیرس میں ایک مرتبہ حسین بچوں کا مقابلہ ہوا۔ دنیا کے بہت سے ماں باپ اپنے اپنے حسین بچوں کو لائے، اس میں ایک سیاہ فام عورت بھی اپنے بچے کو لے کر آئی، جب مقابلہ شروع ہوا تو اس حبشن ماں نے بھی اپنے بچے کو پیش کیا۔

---

[1] معارف القرآن: ۱۷/۲ [2] الزمر: ٦ [3] تفسیر عثمانی: ٦٣ حاشیہ ۷ [4] معارف القرآن: ۵۳۸/۷، المؤمنون: ١٤

جب جج صاحبان مقابلے کے اختتام پر نتیجہ پیش کرنے بیٹھے تو لوگوں کے تعجب کی انتہا نہ رہی کہ اوّل نمبر پر جیتنے والی یہی حبشن ماں تھی کہ پانچ ججوں نے متفق ہو کر یہ فیصلہ کیا کہ آج ان موجود بچوں میں سب سے زیادہ حسن میں پہلا نمبر پانے والا یہ سیاہ فام بچہ ہے، اس لئے کہ اس کی ماں اس کو دنیا کے حسین بچوں میں شمار کرتی ہے۔

اسم مبارک ''المصور جل جلالہ'' قرآن کریم میں ایک مرتبہ آیا ہے:

﴿هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ﴾[1]

انسان اَحسنِ تقویم میں پیدا کیا گیا ہے

حضرت انسان کو جواحسنِ تقویم میں پیدا کیا گیا اور اشرف المخلوقات اور مخدوم کائنات بنایا گیا، یہ سب انعامات صرف اُسی وقت ہیں جب وہ حق تعالیٰ کی اطاعت اور آخری نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے طریقوں پر چلے، اور جب یہ انسان حق بات کے سمجھنے اور ماننے سے اعراض کرتا ہے تو یہ سارے انعامات اس سے سلب ہو جاتے ہیں اور وہ جانوروں سے بھی بدتر ہو جاتا ہے۔

تفسیرِ روح البیان میں ہے کہ انسان اپنی اصل خلقت کے اعتبار سے سب جانوروں سے افضل واعلیٰ ہے اور فرشتوں سے کم درجہ رکھتا ہے، لیکن جب وہ اپنے سعی وعمل اور اطاعتِ حق میں جدوجہد کرتا ہے تو فرشتوں سے بھی اعلیٰ واشرف ہو جاتا ہے، اور اگر اس نے اطاعتِ حق میں روگردانی کی تو پھر وہ ''اَسْفَلَ سَافِلِیْنَ'' میں جاتا ہے اور جانوروں سے بھی زیادہ بدتر ہو جاتا ہے۔

انسان اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سب سے زیادہ حسین ہے۔ ظاہر کے اعتبار سے بھی اور باطن کے اعتبار سے بھی، حسن وجمال کے اعتبار سے بھی اور بدنی ساخت کے اعتبار سے بھی، اس کے سر میں اعضاء کیسے کیسے عجیب کام کر رہے ہیں کہ ایک مستقل فیکٹری معلوم ہوتی ہے جس میں بہت سی نازک باریک خودکار مشینیں کام کر رہی ہیں۔ یہی حال اس کے سینے اور پیٹ کا ہے، اسی طرح اس کے ہاتھ پاؤں کی ترکیب وہیئت ہزاروں حکمتوں پر مبنی ہے۔

اسی لئے فلاسفر نے کہا ہے کہ انسان ایک عالمِ اصغر یعنی پورے عالم کا ایک نمونہ ہے۔ سارے عالم میں جو چیزیں بکھری ہوئی ہیں وہ سب اس کے وجود میں جمع ہیں۔ صوفیائے کرام نے بھی اس کی تائید کی اور بعض حضرات نے انسان کے سر سے پیر تک کا سراپا لے کر اشیائے عالم کے نمونے اس میں دکھلائے ہیں۔[2]

المصور جل جلالہ کی کاری گری

پہاڑوں کے قدرتی مناظر .... آبشاریں .... اور جھیلیں .... کس قدر حسن ورعنائی سے بھری ہوئی ہیں

---

[1] الحشر: ۲۴ [2] معارف القرآن: ۷۷۶/۸

کیسے کیسے خوب صورت پھول......... اس کی مختلف پتیوں میں مختلف رنگ .... اس کی پنکھڑیوں کی عجیب مساویانہ طور سے کٹنگ، بعض جگہ پہاڑوں پر اس طرح کئی چھوٹے چھوٹے درخت لگے ہوئے ہیں گویا سبز رنگ کا قالین حدِ نظر تک بچھا ہوا ہے اور پہاڑوں کے شگافوں میں گویا سچی چاندی بھری ہوئی ہے، پھر پہاڑوں پر برف کی صاف شفاف چھتیں اس ''اَلْمُصَوِّرُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کی تصویرکشی کا ایک خوب صورت نمونہ پیش کرتی ہیں۔

پتھروں، پودوں، پھولوں، تتلیوں اور جانوروں پر طرح طرح کے نقش و نگار بنا دیئے ہیں اور بڑے مناسب رنگ بھرے ہیں۔ اس قادرِ مطلق کی حکمتِ عجیبہ کو غور سے دیکھئے اور کہئے: ﴿ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ﴾[1]

آڑو کو دیکھئے کہ رنگوں کی کیسی آمیزش ہے، جنگلی کبوتروں کو دیکھئے بظاہر کالے سے ہیں، مگر فیروزی رنگ بھی جھلکتا ہے، ہر جگہ کاری گری میں تناسب کا خیال ہے۔

غور کیجئے کہ اگر ہاتھی کی آنکھیں اس کے جسم کے مطابق ہوتیں تو کوئی بھی دیکھنے کی تاب نہ لاسکتا اور وہ کتنا برا اور ڈراؤنا دکھائی دیتا۔ اونٹ کی کوئی بھی کل سیدھی نہیں، مگر اس کے باوجود بھی وہ کتنا اچھا دِکھتا ہے۔

تتلیوں اور دیگر پرندوں کے پروں اور حیوانوں کی کھالوں پر بھی ''اَلْمُصَوِّرُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' نے اپنی قدرت دکھائی ہے۔ ایک ہی پر کہیں سے زرد، کہیں سے سرخ اور کہیں سے سبز ہے، پھر یہ سب مل کر ایک خوش نما نمونہ پیش کرتے ہیں، پھر ان رنگوں کی حفاظت کے لئے ان پر ایسا قدرتی وارنش یا کیمیکل لگا ہوا ہے جو ان کے رنگوں کی حفاظت کرتا ہے، لال بیگ یا دوسرے کیڑے مکوڑے گندگی، نمی اور گندے پانی میں پلتے بڑھتے ہیں، مگر ان کا رنگ خراب نہیں ہوتا۔[2]

جب ہم تتلیوں کے پروں پر ایک نگاہ ڈالتے ہیں تو ہمیں ان میں ایک نہایت خوب صورت تناسب دکھائی دیتا ہے۔ یہ پر جو گوٹے کناری کے بنے ہوئے لگتے ہیں انہیں دستِ قدرت نے دل کش نمونوں، نقطوں اور رنگوں سے اس طرح مزین کیا ہوا ہوتا ہے کہ ان میں سے ہر ایک فن کا نادر نمونہ نظر آتا ہے اور ایک بے نقص ترتیب و تناسب کا احساس ہوتا ہے۔

اسی طرح ایک اور قدرت کی کاری گری زرّافہ میں دیکھئے کہ دوسرے جانوروں کی مانند ایک نہایت جامع اور خوب صورت ڈیزائن کیا گیا جانور ہے اور اس کا دماغ اس کی لمبی گردن کے سب سے اوپر والے سرے پر ہوتا ہے۔ ذرا سا غور کرنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ خون کو اس قدر اونچائی تک پہنچانے اور پمپ کرنے میں کتنی دقت پیش آسکتی تھی، لیکن زرّافہ کی زندگی اپنی اس ساخت میں بھی آسانی سے گزر رہی ہے۔ مزید برآں یہ کہ جب وہ پانی پینے کے لئے جھکتا ہے تو ہونا یہ چاہئے تھا کہ دماغ کی طرف خون کا زیادہ بہاؤ ہو جاتا اور موت کا اندیشہ بھی ہو سکتا تھا، لیکن قدرت نے اس کی گردن میں ایسا جامع نظام ترتیب دیا ہے کہ جب یہ جھکتا ہے تو اس کی گردن کے صمام (Valves) بند ہو جاتے ہیں جس سے خون کا اضافی بہاؤ رک جاتا ہے۔[3]

---

[1] المؤمنون: ۱۴ [2] شرح اسماء الحسنیٰ للازھری: ۴۲۷ بتصرف [3] اللہ کی نشانیاں: ۴۵

خوب جان لیجئے کہ زرّافہ کے یہ تمام خدوخال تدریجی یا ارتقائی عمل کا نتیجہ نہیں، نہ اس کی کسی کوشش کا حصول ہے، بل کہ وہ خود بلا تردید یہ ثابت کرتا ہے کہ وہ نیت و ارادے کے ساتھ اسی ''المصور جل جلالہ'' کی کاری گری و تصویر کشی ہے۔

صورتوں کے خزانے

المصور جل جلالہ کی قدرت پر غور کیجئے آدم علیہ السلام سے لے کر اب تک جو انسان آئے ہیں ان کی شکلیں صورتیں مختلف، اس کے خزانوں میں کتنی صورتیں ہیں جو اب تک ختم نہیں ہوئیں۔ اسی بات کو اللہ تعالیٰ اس طرح بیان فرماتے ہیں:

﴿وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ﴾[1]

ترجمہ: ''اور جتنی بھی چیزیں ہیں ان سب کے خزانے ہمارے پاس ہیں اور ہم ہر چیز کو اس کے مقررہ اندازے سے اتارتے ہیں۔''

سب کی شکل و صورت مختلف، یہاں تک کہ انگلیاں اور ان کی لکیریں، انگوٹھا وغیرہ سب مختلف، اسی طرح آنکھ...... ابرو...... بھویں...... گال...... تل...... ناک...... اور اس کا ابھار، کان...... ہونٹ...... دانت...... ٹھوڑی...... ایک جیسی نہیں بنائی، بل کہ انواع و اقسام کی بنائی کہ المصور جل جلالہ کی کمالِ قدرت پر دلالت ہو اور ''کَیْفَ یَشَآءُ'' کا مظہر ہو کہ جس طرح المصور جل جلالہ چاہتا ہے اس طرح بنا دیتا ہے، مخلوق کی چاہت پر نہیں۔

بادشاہ یہ چاہے کہ میرے بیٹے کی ناک اس طرح ہو، آنکھیں اس طرح ہوں، رنگ اس طرح ہو، تو نہیں، بل کہ جس طرح المصور جل جلالہ چاہے گا اس طرح بنائے گا، اس لئے کہ وہ اپنے فیصلے پر غالب ہے اور اس میں حکمت یہ ہے کہ فرق و امتیاز رہے، ورنہ روز یہ جھگڑا رہتا کہ اگر ایک ماں کے سات بیٹے ہیں تو ساتوں کو پہچاننا مشکل ہوتا، ماں کوئی سبزی منگواتی تو ہر بیٹے سے پوچھتی رہتی تم سے کہا تھا؟ تم سے کہا تھا؟......

اور اگر کسی نے کسی بھائی کو قرض دیا تو وہ کیسے مانگ سکے گا، یا ایسا ہوتا کہ جس بھائی کو قرض دیا تھا، اس کے بارہ کان تھے، اب کوئی بھائی آئے گا تو پہلے کان گنے گا کہ کتنے کان والا یہ شخص ہے، پھر اس سے معاملہ ہوتا۔

تعلیمی اداروں میں بھی اگر کبھی کوئی دو ملازم یا دو طالب علم جڑواں بھائی، بہنیں داخل ہو جائیں تو وہاں کے بڑے سے بڑے پڑھے لکھے اور ذہین سے ذہین ہیڈ ماسٹر اور پرنسپل کو بھی اکثر شبہ لگ جاتا ہے کہ تم عدنان ہو یا فوزان، فیصل ہو یا سہیل، تم محمد ہو یا حماد، تم حفصہ ہو یا رُقیہ، ہر مدعی اپنا حق جتاتا اور دوسرا انکار کرتا، بالآخر لڑ جھگڑ کر ہر ایک اپنی اپنی ملکیت پر امتیازی نشانات لگاتا، مخصوص علامات مقرر کرتا، لیکن قربان جایئے کہ ''المصور جل جلالہ'' نے اپنے کارخانہ صورت

---

[1] الحجر: ۲۱

گری میں تصاویر پر علامتی نشانات بھی متعین کر دیئے کہ جنگ وجدل کا باب بند ہو جائے۔

شروع دنیا سے آج تک کتنے بے شمار آدمی پیدا ہوئے، مگر کوئی دو آدمی ایسے نہ ملیں گے کہ جن کا لب ولہجہ، تلفظ و طرزِ تکلم، شکل وصورت اور رنگت وغیرہ بالکل یکساں ہو۔ کوئی دو شخص ایسے بھی نہ ملیں گے جن کی آواز اور رنگ وروپ میں کوئی امتیاز نہ ہو۔ ابتدائے عالم سے آج تک برابر نئی نئی صورتیں اور بولنے کے نئے نئے طور نکلتے چلے آتے ہیں۔ اس خزانے میں کبھی ٹوٹا نہیں آیا، (نقصان اور کمی واقع نہیں ہوئی)۔ حقیقت میں یہ کتنی بڑی نشانی حق تعالیٰ کی قدرتِ عظیمہ کی ہے۔[1]

اسی کو حق تعالیٰ شانہ بیان فرماتے ہیں:

﴿وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ﴾[2]

تَرجَمَہ: ”اور اس کی (قدرت کی) نشانیوں میں سے آسمان اور زمین کی پیدائش اور تمہاری زبانوں اور رنگتوں کا اختلاف (بھی) ہے۔ دانش مندوں کے لئے اس میں یقیناً بڑی نشانیاں ہیں۔

یعنی آسمان وزمین کی تخلیق اور انسانوں کے مختلف طبقات کی زبانیں اور لب ولہجہ کا مختلف ہونا اور مختلف طبقات کے لوگوں کے رنگوں میں امتیاز ہونا کہ بعض سفید ہیں، بعض سیاہ، بعض سرخ، بعض زرد۔ اس میں آسمان وزمین کی تخلیق تو قدرت کا عظیم شاہکار ہے ہی، انسانوں کی زبانیں مختلف ہونا بھی ایک عجیب کرشمۂ قدرت ہے۔

زبانوں کے اختلاف میں لغات کا اختلاف بھی داخل ہے۔ عربی...... فارسی...... ہندی...... ترکی...... انگریزی...... وغیرہ کتنی مختلف زبانیں ہیں، جو مختلف خطوں میں رائج ہیں اور ایک دوسرے سے بعض تو ایسی مختلف ہیں کہ کوئی باہمی ربط و مناسبت بھی معلوم نہیں ہوتی اور ان زبانوں کے اختلاف میں لب ولہجہ کا اختلاف بھی شامل ہے کہ قدرتِ حق نے ہر فردِ انسان، مرد، عورت، بچے، بوڑھے کی آواز میں ایسا امتیاز پیدا فرمایا ہے کہ ایک فرد کی آواز کسی دوسرے فرد سے، ایک صنف کی آواز دوسری صنف سے پوری طرح نہیں ملتی، کچھ نہ کچھ امتیاز ضرور رہتا ہے، حالاں کہ اس آواز کے آلات زبان، ہونٹ، تالو اور حلق سب میں مشترک اور یکساں ہیں۔

اسی طرح رنگوں کا اختلاف ہے کہ ایک ہی ماں باپ سے ایک ہی قسم کے حالات میں دو بچے مختلف رنگ کے پیدا ہوتے ہیں۔[3]

اعتدالِ اعضاء میں المُصَوِّرُ جَلَّ جَلَالُہٗ کا حسنِ سلیقہ

”المُصَوِّرُ جَلَّ جَلَالُہٗ“ نے کس طرح اپنی مخلوق کو اعتدال، حکمت اور خوب صورتی سے پیدا کیا ہے چند مثالوں سے

---

[1] تفسیر عثمانی: ۵۴۱، آیت ۲۲، حاشیہ: ۲ [2] الروم: ۲۲ [3] معارف القرآن: ۶/۷۳۶

سمجھیے:

❶ جانور اپنے کان صاف نہیں کر سکتے، لہٰذا اس نے ان کے کانوں پر بے شمار بال اگا دیئے ہیں جو گرد و غبار کو اندر جانے نہیں دیتے اور کیڑے مکوڑوں کو داخل نہیں ہونے دیتے۔

❷ مرغیوں، بطخوں اور پرندوں کے کانوں کو بالکل ہی بند کر دیا ہے کہ گرد و غبار وغیرہ سے محفوظ رہیں، کانوں کے اندر ایسی رطوبت رکھ دی ہے کہ کیڑے اس کی تلخی سے اندر گھسنے سے باز رہتے ہیں، اس طرح اس نے سماعت کے عضو کی حفاظت کا پورا پورا سامان پیدا کر دیا ہے، ورنہ انسان اور حیوان بڑے جلدی بہرے ہو جایا کرتے۔

❸ اس نے سات پردوں سے آنکھوں کے نور کی حفاظت کی ہے۔ آنکھ جو جسم کا سب سے نازک عضو ہے، اسے ایک گڑھے میں جڑ دیا ہے، اس کے اوپر ایک قوس اور ناک کی ہڈی قائم کر دی ہے۔ پلکیں اور پپوٹے اتنے حساس بنائے ہیں کہ ذرا غیر چیز سامنے آئی اور وہ بند ہوئے۔ شکار کئے جانے والے جانور کی آنکھیں ذرا اور زیادہ گڑھے میں رکھی ہیں کہ شکاری انہیں گزند نہ پہنچا سکے، دماغ میں ایک بجلی گھر بنا دیا ہے جو ہر وقت بیٹری پیدا کرتا رہتا ہے۔

❹ ناک کے سوراخ کو کج مج بنایا ہے اور گرد و غبار سے حفاظت کے لئے اس کے اندر بال پیدا کر دیئے ہیں، تاکہ ہوا فلٹر ہو کر اندر جائے اور انسان وحیوان نزلہ وزکام سے محفوظ رہیں۔ پھر ایک ایسی رطوبت پیدا کر دی ہے کہ کیڑے مکوڑے اندر نہ جا سکیں۔

❺ اس طرح اس محسن "المصوّر جلّ جلالہٗ" نے قوتِ شامہ (سونگھنے کی حس) کی پوری پوری حفاظت کی ہے۔

❻ حلق میں کھڑکیاں لگا دی ہیں کہ کھانے پینے کی چیز اپنی راہ لے اور سانس اپنی راہ پر چلے۔

❼ حلق کے سوراخ کی طرح اس نے معدے کو بھی ٹیڑھا میڑھا بنایا ہے، تاکہ غذا اس میں محفوظ رہے اور آسانی سے باہر نہ نکل سکے۔[1]

اسی کو حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ بیان فرماتے ہیں: "آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک اللہ ربُّ العزت کی پیدا کردہ مخلوق میں ہر ایک کی دو آنکھیں، دو ابروئیں، ایک ناک، ایک پیشانی، ایک منہ اور دو رخسار ہیں اور ان میں سے کوئی ایک بھی دوسرے کے ساتھ مکمل طور پر مشابہ نہیں، بل کہ یہ لازمی ہے کہ ان میں سے ہر ایک دوسرے سے صفات میں یا انداز میں یا بات کرنے میں کچھ مختلف ہو۔ یہ اختلاف یا تو ظاہری ہوگا یا مخفی ہوگا جو غور کرنے سے معلوم ہوگا۔ ان میں سے ہر چہرے کا اپنا انداز اور ہیئت ہے جو دوسرے سے نہیں ملتا۔ اگر ان میں سے کچھ لوگ آپس میں ایک دوسرے سے مشابہہ پائے جائیں تو بھی اچھی طرح غور کرنے سے ان میں بھی آپس میں ضرور کوئی نہ کوئی فرق پایا جائے گا۔ کوئی جماعت کسی اچھی یا بری صفت میں آپس میں متفق ہو جائے تو یہ بات لازمی ہے کہ ان میں ایک دوسرے کے درمیان فرق

---

[1] شرح اسماء الحسنٰی للازهری: ٤٢٩

کرنے والی کوئی علامت ہوگی۔"[۱]

اَلْمُصَوِّرُ جَلَّ جَلَالُہٗ کی صفتِ مصوری

"اَلْمُصَوِّرُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کی قدرت کا ایک اور نمونہ دیکھئے کہ ہر مصور تصویر بنانے میں دیوار یا پردہ، لکڑی، کینوس، رنگ و روغن، برش یا قلم اور روشنی اور کیمرے کا محتاج ہے۔ کوئی مصور اندھیرے میں تصویر نہیں بنا سکتا یا پانی پر صورت گری اور نقش و نگار نہیں بنا سکتا۔

مگر مصورِ حقیقی نے تین اندھیریوں میں انسان کی صورت بنائی ہے اور کمال ہے کہ پانی پر بنائی ہے کہ وہاں دیوار ہے نہ پردہ، نہ لکڑی نہ کینوس، نہ رنگ و روغن، نہ برش نہ قلم، نہ روشنی نہ آج کل کے جدید کیمرے۔[۲]

اسی بات کو "سُوْرَةُ التَّغَابُنْ" کی آیت نمبر۳ میں فرمایا ہے جس کا ترجمہ ہے کہ:

(اس نے تمہاری صورت بنائی پھر تمہاری صورتوں کو بہتر بنایا) صورت گری درحقیقت خالقِ کائنات کی مخصوص صفت ہے، اسی لئے اسماءِ الٰہیہ میں اللہ تعالیٰ کا نام "اَلْمُصَوِّرُ جَلَّ جَلَالُہٗ" آیا ہے۔

غور کرو کہ کائنات میں کتنی اجناسِ مختلفہ ہیں اور ہر جنس میں کتنی انواعِ مختلفہ، ہر نوع میں اصنافِ مختلفہ اور ہر صنف میں لاکھوں کروڑوں افرادِ مختلفہ پائے جاتے ہیں۔ ایک کی صورت دوسرے سے نہیں ملتی، ایک نوعِ انسانی میں ملکوں اور خطوں کے اختلاف سے نسلوں اور قوموں کے اختلاف سے شکل و صورت میں کھلے ہوئے امتیازات، پھر ان میں ہر فرد کی شکل و صورت کا دوسرے سب سے ممتاز ہونا ایک ایسی حیرت انگیز صنعت و صورت گری ہے کہ عقل حیران رہ جاتی ہے۔ آیت مذکورہ میں ایک نعمت "صورت گری" ہے اس کا ذکر فرمایا اس کے بعد فرمایا ﴿فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ﴾ یعنی شکلِ انسانی کو ہم نے تمام کائنات و مخلوقات کی صورتوں سے زیادہ حسین اور بہتر بنایا ہے۔ کوئی انسان اپنی جماعت میں کتنا ہی بدصورت، بدشکل سمجھا جاتا ہو، مگر باقی تمام حیوانات وغیرہ کے اشکال کے اعتبار سے وہ بھی حسین ہے۔[۳]

حق تعالیٰ نے ایک انسان کو دوسرے انسان سے ممتاز کرنے کے لئے اُس کے سارے ہی بدن میں ایسی خصوصیات رکھی ہیں جن سے وہ پہچانا جاتا ہے اور ایک دوسرے سے ممتاز ہوتا ہے، خصوصاً انسانی چہرہ جو چند انچ مربع سے زائد نہیں، اس کے اندر قدرتِ حق نے ایسے امتیازات رکھے ہیں کہ اربوں انسانوں میں ایک کا چہرہ بالکل دوسرے کے ساتھ ایسا

---

[۱] "مُنْذُ خَلَقَ اللّٰهُ آدَمَ اِلٰى قِيَامِ السَّاعَةِ كُلٌّ لَهٗ عَيْنَانِ وَحَاجِبَانِ وَأَنْفٌ وَجَبِيْنٌ وَفَمٌ وَخَدَّانِ وَلَيْسَ يُشْبِهُ وَاحِدٌ مِنْهُمُ الْآخَرَ بَلْ لَا بُدَّ أَنْ يُفَارِقَهٗ شَيْءٌ مِنَ السَّمْتِ...... أَوِالْهَيْئَةِ...... أَوِالْكَلَامِ...... ظَاهِرًا كَانَ أَوْخَفِيًّا عِنْدَ التَّأَمُّلِ كُلُّ وَجْهٍ مِنْهُمْ أُسْلُوْبٌ بِذَاتِهٖ وَهَيْئَةٌ لَا تُشْبِهُ أُخْرٰى، وَلَوْ تَوَافَقَ جَمَاعَةٌ فِيْ صِفَةٍ مِنْ جَمَالٍ أَوْ قُبْحٍ لَابُدَّ مِنْ فَارِقٍ بَيْنَ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ وَ بَيْنَ الْآخَرِ."

(تفسیر ابن کثیر: ۵۱/۳، الروم: ۲۲)

[۲] شرح اسماء حسنیٰ للازھری: ۴۲۹ [۳] معارف القرآن: ۴۶۴/۸، التغابن: ۳

نہیں ملتا کہ امتیاز باقی نہ رہے۔

انسان کے جو انگوٹھے اور انگلیوں کے پورے ہیں اُن کے اوپر جو نقش ونگار، خطوط کے جال کی صورت میں قدرت نے بنائے ہیں وہ کبھی ایک انسان کے دوسرے انسان کے ساتھ نہیں ملتے۔ صرف آدھ انچ کی جگہ میں ایسے امتیازات کہ اربوں انسانوں میں یہ پورے مشترک ہونے کے باوجود ایک کے خطوط دوسرے سے نہیں ملتے اور قدیم وجدید ہر زمانے میں انگوٹھے کے نشان کو ایک امتیازی چیز قرار دے کر عدالتی فیصلے اُس پر ہوتے ہیں اور فنی تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ یہ بات صرف انگوٹھے ہی میں نہیں، بل کہ ہر انگلی کے پورے کے خطوط بھی اسی طرح ممتاز ہوتے ہیں۔[1]

ہمیں اپنی باطنی صورت کو درست کرنا ہوگا

انسان نے اپنے من کو چھوڑ کر اپنے تن کو محنت کا میدان بنالیا ہے۔ آج ہمیں جتنی فکر اپنے ظاہر کی ہے اس سے زیادہ اپنے باطن کو سنوارنے کی فکر ہونی چاہیے۔ ہمارے چہرے پر ذرا سی کوئی چیز لگی ہوئی ہو تو ہم لوگوں میں جانا پسند نہیں کرتے، لیکن دل پر میل چڑھی ہوئی ہوتی ہے اور ہم اسی حالت میں اللہ تعالیٰ کے حضور پہنچ جاتے ہیں۔ ہمیں پروا ہی نہیں ہوتی کہ وہ "جل جلالہ" ہمیں کیا کہے گا۔ جس چہرے کو دنیا دیکھتی ہے اس چہرے کو سنوارنے کے لئے ہم دن میں کئی مرتبہ آئینہ دیکھتے ہیں اور جس چہرے کو اس "جل جلالہ" نے دیکھنا ہوتا ہے اس کو آئینے میں ایک مرتبہ بھی نہیں دیکھتے۔ ؎

منہ دیکھ لیا آئینے میں داغ نہ دیکھے سینے میں
جی ایسا لگایا جینے میں مرنے کو مسلمان بھول گئے

ہمیں دل کے آئینے کو چمکانے کی ضرورت ہے، حدیث پاک میں آتا ہے: بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے جسموں کو اور شکل وصورت کو نہیں دیکھتے، بل کہ وہ تو تمہارے دلوں کو اور تمہارے اعمال کو دیکھتے ہیں۔[2] اس لئے وہ چہرہ جو دنیا دیکھتی ہے اس کو دن میں اگر کئی مرتبہ دیکھتے ہیں تو جس چہرے کو ہمارا پروردگار دیکھتا ہے۔ ہم اس چہرے کو بھی اپنے ضمیر کے آئینے میں تھوڑی دیر کے لئے بیٹھ کر دیکھا کریں کہ یہ انسانوں والا چہرہ ہے یا حیوانوں والا۔

اسلام میں جان دار کی تصویر بنانے اور استعمال کرنے کی ممانعت

پچھلی امتوں میں اس کا مشاہدہ ہوا کہ لوگوں کی تصاویر ان کی یادگار کے طور پر بنائی گئیں اور ان کو اپنے عبادت خانوں میں اس غرض کے لئے رکھا گیا کہ ان کو دیکھ کر ان کی عبادت گزاری کا نقشہ سامنے آئے تو خود ہمیں بھی عبادت کی توفیق ہوجائے گی، مگر رفتہ رفتہ ان لوگوں نے ان ہی تصویروں کو اپنا معبود بنالیا اور بت پرستی شروع ہوگئی۔

خلاصہ یہ ہوا کہ پچھلی اُمتوں میں جان داروں کی تصاویر بت پرستی کا ذریعہ بن گئیں۔ شریعتِ اسلام کے لئے چوں کہ قیامت تک قائم اور باقی رکھنا تقدیرِ الٰہی ہے، اس لئے اس میں اس کا خاص اہتمام کیا گیا ہے کہ جس طرح اصل حرام

---

[1] معارف القرآن: ۸/۶۲٤
[2] مسلم، کتاب البرّ، تحریم ظلم المسلم وخذله واحتقاره: ۲/۳۱۷

المصوّر

هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ (الحشر: ۲۳)

''وہی اللہ ہے پیدا کرنے والا، بنانے والا، صورت کھینچنے والا''
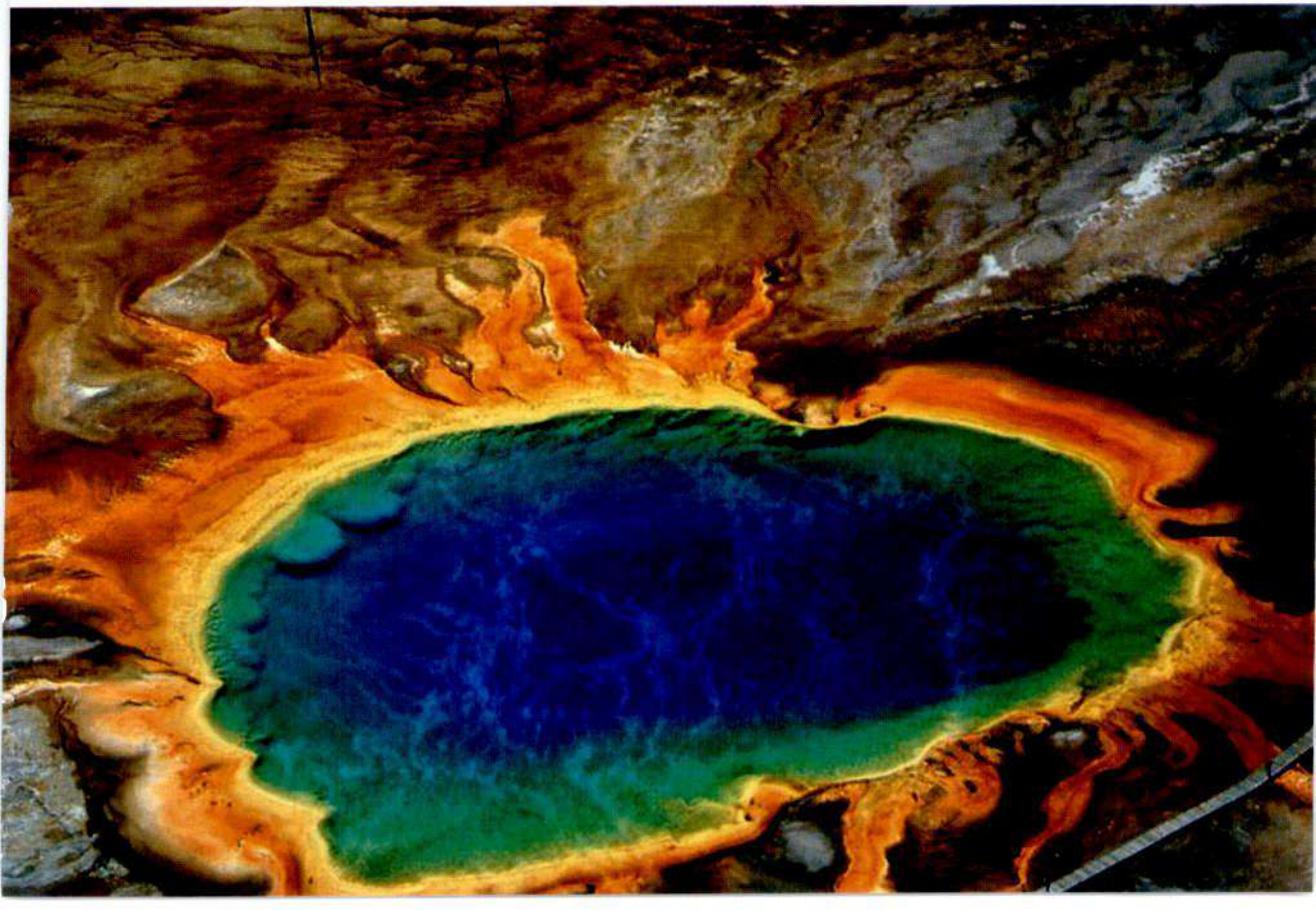
چیزوں اور معاصی کو حرام و ممنوع کیا گیا ہے، اسی طرح ان کے ذرائع اور اسبابِ قریبہ کو بھی اصل معاصی کے ساتھ ملحق کر کے حرام کر دیا گیا ہے۔ اصل جرم عظیم شرک و بت پرستی ہے، اس کی ممانعت ہوئی تو جن راستوں سے بت پرستی آسکتی تھی ان راستوں پر بھی شرعی پہرہ بٹھا دیا گیا اور بت پرستی کے ذرائع اور اسبابِ قریبہ کو بھی حرام کر دیا گیا۔

ذی روح کی تصاویر کا بنانا اور استعمال کرنا اسی اصول کی بناء پر حرام کیا گیا، رسول ﷺ کی صحیح احادیث سے اس کی حرمت ثابت ہے۔ اسی طرح شراب حرام کی گئی تو اس کی خرید و فروخت، اس کو لانے لے جانے کی مزدوری، اس کی صنعت سب حرام کر دی گئی جو شراب نوشی کے ذرائع ہیں۔ چوری حرام کی گئی تو کسی کے مکان میں بلا اجازت داخل ہونا، بل کہ باہر سے جھانکنا بھی ممنوع کر دیا گیا۔ زنا حرام کیا گیا تو غیر محرم کی طرف بالقصد نظر کرنے کو بھی حرام کر دیا گیا۔ شریعتِ اسلام میں اس کی بے شمار نظائر موجود ہیں۔

ایک سبب تصویر کی ممانعت کا احادیثِ صحیحہ میں یہ بھی آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرشتوں کو تصویر اور کتے سے نفرت ہے۔ جس گھر میں یہ چیزیں ہوتی ہیں اس میں رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے، جس کے سبب اس گھر کی برکت اور نورانیت مٹ جاتی ہے، گھر میں بسنے والوں کو عبادت و اطاعت کی توفیق گھٹ جاتی ہے اور ساتھ ہی یہ مشہور مقولہ بھی غلط نہیں کہ ''خانہ خالی را دیومی گیرد'' یعنی خالی گھر پر جن بھوت قبضہ کر لیتے ہیں۔ جب کوئی گھر رحمت کے فرشتوں سے خالی ہوگا تو شیاطین اس کو گھیر لیں گے اور ان کے بسنے والوں کے دلوں میں گناہوں کے وسوسے اور ارادے پیدا کرتے رہیں گے۔

ایک سبب بعض احادیث میں یہ بھی آیا ہے کہ تصویریں دنیا کی ضرورت سے زائد زینت ہیں۔ اس زمانے میں جس طرح تصاویر سے بہت سے فوائد حاصل کئے جاتے ہیں ہزاروں جرائم اور فحاشی بھی ان ہی تصاویر سے جنم لیتے ہیں۔ غرض شریعتِ اسلام نے صرف ایک وجہ سے نہیں، بہت سے اسباب پر نظر کر کے جان دار کی تصاویر بنانے اور اس کے استعمال کرنے کو حرام قرار دے دیا ہے۔ اب اگر کسی خاص فرد میں فرض کر لیں کہ وہ اسباب اتفاق سے موجود نہ ہوں تو اس اتفاقی واقعہ سے قانونِ شرعی نہیں بدل سکتا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''إِنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَذَابًا عِنْدَ اللّٰهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ الْمُصَوِّرُوْنَ۔''[1]

یعنی سب سے زیادہ سخت عذاب میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک قیامت کے روز تصویر بنانے والے ہوں گے۔

بعض روایاتِ حدیث میں تصویر بنانے والوں پر رسول اللہ ﷺ نے لعنت فرمائی ہے، اور مسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''كُلُّ مُصَوِّرٍ فِي النَّارِ۔''[2] ''ہر مصور جہنم میں

---

[1] مسلم: كتاب اللباس، باب تحريم تصوير صورة الحيوان: ٢٠١/٢

[2] مسلم، كتاب اللباس، باب تحريم تصوير صورة الحيوان: ٢٠٢/٢

جائے گا۔" [1]

فوائد و نصائح

❶ جس طرح حقیقی "المصور جل جلالہ" وہ ہے، اسی طرح اس نے انسانوں کو بھی تصویر بنانے کا اختیار دیا ہے، لیکن ہمارے امتحان کے لئے کچھ تصویروں (بے جان چیزوں کی) کے بنانے کی ہمیں اجازت دی ہے اور کچھ تصویروں (جان دار چیزوں کی) کے بنانے سے منع فرمایا ہے۔ ہمیں چاہئے کہ بغیر چوں وچرا کے ہم اس کی باتوں کو مان لیں اور سمجھ آئے یا نہ آئے ایک فرماں بردار غلام بندے کی طرح اس کا حکم ہمیں ماننا چاہئے۔ لہٰذا جان دار کی تصویر بنانے سے، ان کو گھروں میں رکھنے سے اور ایسی مجالس جہاں یہ تصویریں کھینچی جارہی ہوں وہاں جانے سے منع کیا ہے۔ اور یہ سب گناہ اور حرام ہیں اور ہمیں اس سے بچنا چاہئے۔ ؎

مزہ تصویر کا اس وقت آئے گا مصور کو کہے گا اُس سے جب خالق کہ اس میں جان پیدا کر

❷ عورتوں کے لئے یہ کتنی شرم اور غیرت کی بات ہے کہ وہ کسی بیاہ شادی میں جائیں اور وہاں ویڈیو بن رہی ہو یا فوٹو کھینچے جارہے ہوں۔ پھر وہ وہاں اس طرح رہتی ہیں جس طرح اپنے گھر میں رہتی ہیں۔ اب ان کی ساری حرکتیں یہ ویڈیو کیمرہ محفوظ کر رہا ہے، پھر یہ فلم چاہے کتنے ہی نامحرم مرد دیکھیں اور اس کی تصویر سے نامحرم مرد ناجائز لذت حاصل کرتے رہیں۔ یہاں تک کہ بعض اوقات کسی عورت کا انتقال بھی ہو جاتا ہے اور لوگ اس فلم میں محفوظ منظر سے ناجائز لذت اٹھاتے رہتے ہیں۔ اس بدنصیب کا گناہ اس کے مرنے کے بعد بھی زندہ رہتا ہے۔ "اَلْاَمَانُ وَالْحَفِیْظُ."

❸ ہر مسلمان بھائی، بہن کو ان گناہوں کی مجالس میں شرکت سے بچنا چاہئے، جہاں اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہوتا ہے۔ ہرگز وہاں نہیں جانا چاہئے اور رشتہ دار دوست احباب سے ہرگز ڈرنا نہیں چاہئے، بل کہ یہ کہہ دیں کہ اگر آپ میرے مالک کو ناراض کرو گے تو میں اس شادی میں یا تقریب میں نہیں آسکتی/نہیں آسکتا۔ میں آپ لوگوں کو راضی کرنے کی خاطر اللہ تعالیٰ کو ناراض نہیں کرسکتا/نہیں کرسکتی۔

اس پر بعض لوگ کہہ دیتے ہیں کہ خاندان والے یا وہ عزیز اور دوست روٹھ جائیں گے۔ حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"کبھی تم بھی تو روٹھو، تم بھی کہو کہ جب آپ کو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی کا خیال نہیں تو مجھے بھی آپ کی ناراضگی کا ڈر نہیں۔"

---

[1] اس مسئلے کے متعلق روایاتِ حدیث اور تعاملِ سلف کے شواہد تفصیل کے ساتھ مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسالہ "اَلتَّصْوِیْرُ لِاَحْکَامِ التَّصْوِیْرِ" میں جمع کر دیئے ہیں اور لوگوں کے شبہات کے جوابات بھی اس میں مفصل ہیں، ضرورت ہو تو اس کو دیکھا جاسکتا ہے۔ (معارف القرآن: ۷/۲۶۹)

④ جس بندہ کا تعلق ''المصور جل جلالہ'' سے ہو جائے تو وہ اس بات کو بھی سوچتا ہے کہ تمام چرند، پرند، حیوانات اور انسانوں کو کیسی خوب صورت صورتیں عطا کیں اور ہر ایک کی شکل دوسرے سے مختلف ہے یہ ایسی خصوصیت ہے جو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور میں نہیں پائی جاتی اس لئے کہ مخلوق نے جب بھی تصویریں بنائیں تو شیطان نے ان کو ان کی پوجا پر لگا دیا اور اس طرح لوگ شرک میں مبتلا ہو گئے لہٰذا ہمیں جان داروں کی تصویریں بنانے اور گھروں میں رکھنے سے بالکل بچنا چاہئے تاکہ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہو اور ناراضگی سے بچا جا سکے۔

الغفار جل جلالہ الغفور جل جلالہ

(گناہوں کا بہت زیادہ بخشنے والا)

ان دونوں اسموں کے تحت چار تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

❶ "فَالْغَفَّارُ: اَلسَّتَّارُ لِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ وَالْمُسْدِلُ عَلَيْهِمْ ثَوْبَ عِطْفِهٖ وَرَأْفَتِهٖ."[1]

ترجمہ: "امام خطابی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "الغفار جل جلالہ" وہ ذات ہے جو اپنے بندوں کے گناہوں کو چھپانے والی ہے اور ان پر مہربانی اور شفقت کا پردہ ڈالنے والی ہے۔"[2]

❷ اَلْغَفَّارُ الَّذِيْ يَسْتُرُ الْعُيُوْبَ وَالذُّنُوْبَ فِي الدُّنْيَا بِإِسْبَالِ السِّتْرِ عَلَيْهَا وَفِي الْعُقْبٰى بِتَرْكِ الْمُعَاتَبَةِ وَالْمُعَاقَبَةِ لَهَا.[3]

ترجمہ: "ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "الغفار جل جلالہ" وہ ذات ہے جو اپنے بندوں کی کمزوریوں اور گناہوں پر دنیا میں تو پردہ ڈالے رکھتی ہے اور آخرت میں ان کو سزا دینے سے بھی درگزر فرماتی ہے۔

❸ اَلْغَفُوْرُ: "وَهُوَ الَّذِيْ يَكْثُرُ مِنْهُ السِّتْرُ عَلَى الْمُذْنِبِيْنَ مِنْ عِبَادِهٖ، وَيَزِيْدُ عَفْوُهٗ عَلٰى مُؤَاخَذَتِهٖ."[4]

ترجمہ: "امام حلیمی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "الغفور جل جلالہ" وہ ذات ہے جو اپنے گناہ گار بندوں کی بہت زیادہ پردہ پوشی فرماتی ہے اور اس کی معافی اس کی پکڑ سے بھی زیادہ ہے۔"

❹ "اَلْغَفُوْرُ: أَيْ كَثِيْرُ الْمَغْفِرَةِ وَهِيَ صِيَانَةُ الْعَبْدِ عَمَّا يَسْتَحِقُّهٗ مِنَ الْعِقَابِ بِالتَّجَاوُزِ عَنْ ذُنُوْبِهٖ"[5]

ترجمہ: "الغفور جل جلالہ" وہ ذات ہے جو بہت زیادہ بخشنے والی ہے اور مغفرت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندہ کے گناہوں سے درگزر فرما کر اس کو اس عذاب سے بچالیں، جس کا وہ مستحق ہو چکا تھا۔"

"حضرت شیخ سعدی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "اَلْعَفُوُّ، اَلْغَفُوْرُ اور اَلْغَفَّارُ" وہ ذات ہے جو ہمیشہ سے معاف کرنے والی صفت سے جانی جاتی ہے اور وہ بخشنے اور اپنے بندوں سے درگزر کرنے کی صفت سے متصف ہے۔ ہر

---

[1] شان الدعاء: ۵۲

[2] "الغفار" کے لغوی معنیٰ "اَلتَّغْطِيَةُ وَالسِّتْرُ" ڈھانپنے اور پردہ ڈالنے کے ہیں۔" (النهج الأسمٰى: ۱/۱۷۵)

[3] مرقاة: باب شرح اسماء اللّٰه الحسنىٰ: ۵/۷۹ [4] المنهاج: ۱/۱۰۲ [5] مرقاة، كتاب اسماء اللّٰه الحسنىٰ: ۵/۸۴

کوئی اس کی معافی اور بخشش کا محتاج ہے جیسا کہ اس کی رحمت اور احسان کا محتاج ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے بخشش اور معافی کا اس شخص سے وعدہ کرلیا ہے جو بخشش کے اسباب پورے کرے" اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے جس کا ترجمہ ہے:

"بے شک میں انہیں بخش دینے والا ہوں جو توبہ کرے اور ایمان لائے اور نیک عمل کرے اور راہِ راست پر بھی رہے۔"[1]

ملا علی قاری رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ فرماتے ہیں:

"اس اسم میں آپ کے لئے سبق یہ ہے کہ: آپ اس بات کا یقین کرلیں کہ گناہوں کو بخشنے والی صرف ایک اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے اور اس کے ساتھ ساتھ آپ اللہ تعالیٰ کے بندوں کے عیوب پر پردہ ڈالیں، ان کی کوتاہیوں سے درگزر کریں اور اپنے گناہوں پر استغفار کریں، خصوصاً تہجد کے وقت میں۔"[2]

اللہ تعالیٰ کا نام "اَلْغَفَّارُ" اس لئے ہے کہ وہ اپنے بندوں کے گناہوں کو چھپا دیتا ہے۔ چھپا دینے کا مطلب یہ ہے کہ ہم لوگ گندی، قابلِ نفرت چیز پر مٹی ڈال دیتے ہیں اور اللہ پاک ہماری آلودگیوں کو اپنی بخشش و بخشائش سے دور فرما دیتے ہیں۔[3]

اللہ تعالیٰ اپنی اس صفت کو قرآنِ کریم میں اس طرح بیان فرماتے ہیں:

﴿وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴾[4]

تَرْجَمَۃ: "اور جو شخص کوئی برائی کرے یا اپنی جان پر ظلم کرے (یعنی گناہ کرے) پھر وہ اللہ سے استغفار کرے تو وہ اللہ کو بخشنے والا، مہربانی کرنے والا پائے گا۔"

علامہ قشیری رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: "اگر ایک شخص نے اپنی عمر گمراہیوں میں گزار دی اور اپنی زندگی اللہ تعالیٰ کی مخالفت میں گزار دی اور اپنی جوانی کو باطل چیزوں میں ضائع کر دیا، پھر موت سے قبل اسے اپنے کئے پر ندامت ہوگئی، تب بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے ان گناہوں کی معافی مل سکتی ہے۔"[5]

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ۹۱ مرتبہ اپنے لئے اسمِ مبارک "اَلْغَفُوْرُ" کا استعمال کیا ہے اور اسمِ مبارک "اَلْغَفَّارُ" قرآن کریم میں ۵ مرتبہ آیا ہے جن میں سے تین یہ ہیں:[6]

❶ ﴿اَلَا هُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ﴾[7]

---

[1] "اَلَّذِيْ لَمْ يَزَلْ وَلَايَزَالُ بِالْعَفْوِ مَعْرُوْفًا، وَبِالْغُفْرَانِ والصَّفْحِ عَنْ عِبَادِهٖ مَوْصُوْفًا، كُلُّ أَحَدٍ مُضْطَرٌّ إِلٰى عَفْوِهٖ وَمَغْفِرَتِهٖ، كَمَاهُوَ مُضْطَرٌّ إِلٰى رَحْمَتِهٖ وكَرَمِهٖ، وَقَدْ وَعَدَ بِالْمَغْفِرَةِ وَالْعَفْوِ لِمَنْ أَتٰى بِأَسْبَابِهَا، قَالَ تَعَالٰى "وَاِنِّيْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى" (طٰهٰ: ۸۲) (تيسير الكريم: ۳۰۰/۵)

[2] مرقاة، كتاب اسماء الله تعالٰى: ۷۹/۵ [3] شرح اسماء الحسنٰى للمنصورپورى: ٦٦ [4] النساء: ۱۱۰

[5] مرقاة، كتاب اسماء الله تعالٰى: ۷۹/۵ [6] النهج الأسمٰى: ۱۷۵/۱ [7] الزمر: ۵

❷ ﴿فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا﴾[1]
❸ ﴿غَافِرِ الذَّنْۢبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ ذِى الطَّوْلِ﴾[2]

بعض صالحین فرماتے ہیں: وہ "اَلْغَفَّارُ" ہے، اس معنی میں کہ وہ بندے کی سچی توبہ کے بعد ان کے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے اور اپنے دفتروں سے اُن کے نشانات مٹا دیتا ہے۔

اور وہ "اَلْغَفُوْرُ" ہے، اس معنی میں کہ وہ ملائکہ کو بھی تمہارے کئے ہوئے برے افعال بھلا دیتا ہے۔

اور "اَلْغَفَّارُ" ہے، اس معنی میں کہ تمہاری سچی توبہ کے بعد خود تم کو وہ گناہ بھلا دیتا ہے، گویا کہ تم نے وہ گناہ کیا ہی نہیں۔

غیبت کرنے والا، عیب جوئی کرنے والا، دل میں کینہ رکھنے والا اور برائی کا بدلہ برائی سے دینے والا یہ سب اس مبارک وصف سے محروم ہیں۔ اس وصف سے متصف صرف وہی شخص ہے جو مخلوقِ خدا کی خوبیوں کے سوا کوئی بات ظاہر نہ کرے۔ مخلوق میں کمال بھی ہے نقص بھی، خرابی بھی ہے خوبی بھی۔

جو شخص برائیوں سے چشم پوشی اور خوبیوں کا اظہار کرے، وہ اس اسم سے پورا بہرہ مند ہے، جیسا کہ روایت ہے: ایک بار حضرت عیسیٰ عَلَيْهِ السَّلَام اپنے حواریوں سمیت ایک مردہ کتے کے پاس سے گزرے جس کی بدبو پھیل رہی تھی، لوگوں نے کہا: یہ مردار کس قدر سڑا ہوا ہے۔ حضرت عیسیٰ عَلَيْهِ السَّلَام نے فرمایا: اس کے دانتوں کی سفیدی کیسی چمکیلی ہے، جس سے آپ کا مدعا یہ تھا کہ ہر چیز کے اچھے وصف کا ذکر کرنا چاہئے۔[3]

اللہ تعالیٰ یہ فرماتے ہیں: جب کوئی بندہ گڑگڑا کر معافی مانگتا ہے کہ اے اللہ! مجھ سے بڑے گناہ ہوگئے...... آپ مجھ کو معاف کر دیجئے...... قبر میں کیا منہ لے کر جاؤں گا...... قیامت کے دن آپ کو کیا منہ دکھاؤں گا...... تو اس کا یہ گڑگڑانا اللہ تعالیٰ کو اتنا پسند ہے کہ اُس کے گڑگڑانے کی اس آواز کو اللہ تعالیٰ لوگوں کی سُبْحَانَ اللّٰه، سُبْحَانَ اللّٰه کی تسبیحات سے زیادہ پسند کرتے ہیں۔ اب حدیث قدسی کے الفاظ بھی سن لیجئے۔ فرماتے ہیں:

"لَأَنِيْنُ الْمُذْنِبِيْنَ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ زَجَلِ الْمُسَبِّحِيْنَ."[4]

تَرجَمَہ: "گناہ گاروں کا رونا، آہ و بکاء کرنا، گڑگڑانا، مجھے تسبیح پڑھنے والوں کی سُبْحَانَ اللّٰه، سُبْحَانَ اللّٰه کی آوازوں سے زیادہ محبوب ہے۔"

اسی طرح اہلِ جنت کی صفات میں سے ایک صفت یہ بھی ہے کہ وہ دنیا میں اَوَّابٌ ہوتے ہیں۔ اَوَّابٌ کی تشریح کرتے ہوئے مفسرین کرام لکھتے ہیں:

اَوَّابٌ اس شخص کو کہتے ہیں جو تنہائی میں اپنے گناہوں کو یاد کرے تو اللہ تعالیٰ سے ان گناہوں کی معافی چاہے، اسی

[1] النوح: ۱۰ [2] الغافر: ۳ [3] مجموعہ رسائل: ۲۹۰ (امام غزالی رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی) [4] روح المعانی: ۱۵/۳۵۱ القدر

طرح بعض حضرات یہ فرماتے ہیں: اَوَّابْ وہ ہے کہ جس سے گناہ سرزد ہو جائے تو وہ توبہ کر لے، پھر گناہ ہو جائے پھر توبہ کر لے۔[1]

توحید کی وجہ سے سارے گناہوں کی معافی

''حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ''اے آدم کے بیٹے! اگر تو مجھ سے دنیا بھر کے گناہ ساتھ لے کر ملے، مگر تو نے میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرایا ہو، تو میں دنیا بھر کی بخشش کے ساتھ تجھ سے ملوں گا۔''[2]

حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''یعنی دنیا میں بڑے بڑے گناہ گار گزرے ہیں، جن میں فرعون وہامان وغیرہ تھے اور شیطان بھی اس دنیا میں ہے۔ ان تمام گناہ گاروں سے دنیا میں جس قدر گناہ ہوئے اور قیامت تک ہوں گے...... اگر بفرضِ محال ایک شخص کر گزرے، لیکن شرک سے پاک ہو...... تو جس قدر اس کے گناہ ہیں، اسی قدر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی رحمت ومغفرت اس پر نازل ہو جائے گی۔ معلوم ہوا کہ توحید کی برکت سے (توبہ کے بعد یا گناہوں کی سزا پانے کے بعد) سارے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں، جس طرح شرک کی نحوست سے سارے اچھے عمل غارت کر دیئے جاتے ہیں۔

حقیقت بھی یہی ہے کہ جب انسان شرک سے ہر طرح پاک وصاف ہوگا اور اس کا یہ عقیدہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی مالک نہیں...... اس کی حکومت سے بھاگ کر جانے کی جگہ کہیں نہیں...... اللہ تعالیٰ کے نافرمانوں کو کوئی پناہ دینے والا نہیں...... اس کے سامنے سب بے بس وبے اختیار ہیں...... اس کے حکم کو کوئی ٹال نہیں سکتا...... اس کے سامنے کسی کی حمایت نہیں آتی اور کسی کی سفارش اس کی اجازت کے بغیر کوئی نہ کر سکے گا۔

ان عقائد کے بعد اس سے جس قدر گناہ سرزد ہوں گے، بتقاضائے بشریت ہوں گے یا بھول چوک کر...... پھر ان گناہوں کے بوجھ میں وہ دبا جا رہا ہوگا اور سخت بے زار ہوگا۔ ندامت کے مارے سر نہ اُٹھا سکے گا...... بلا شبہ ایسے شخص پر رحمتِ الٰہی کا نزول ہوتا ہے۔ جیسے جیسے یہ گناہ بڑھتے جائیں گے، ویسے ویسے اس کی ندامت کی کیفیت بڑھتی جائے گی اور جوں جوں یہ کیفیت بڑھے گی، اللہ کی رحمت بڑھتی جائے گی۔''[3]

اسی کو علامہ ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

---

[1] الفوائد لابن القیم: ۱۹

[2] "عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: قَالَ اللّٰهُ: يَا ابْنَ آدَمَ! إِنَّكَ لَوْ أَتَيْتَنِي بِقُرَابِ الْأَرْضِ خَطَايَا، ثُمَّ لَقِيْتَنِي لَا تُشْرِكُ بِيْ شَيْئًا لَأَتَيْتُكَ بِقُرَابِهَا مَغْفِرَةً." (جامع الترمذی: ابواب الدعوات: ۲/۱۹۴)

[3] تقویۃ الایمان: ٤٥

"الغفور جل جلالہ" ایسا معاف فرمانے والا ہے کہ اگر بندہ اس کے دربار میں ساری دنیا کے گناہ لے کر پہنچے، بشرطیکہ شرک کے گناہ سے پاک ہو (کیوں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ ضابطہ ہے کہ شرک کی معافی نہیں ہوگی) اور "الغفار جل جلالہ" سے مغفرت کا طلب گار ہو تو "الغفار جل جلالہ" اس کی بھی مغفرت فرما دیتے ہیں، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی مغفرت بندوں کی نافرمانیوں کے مقابلے میں بہت وسیع ہے۔[۱]

قرآنِ مجید میں انسان کے لئے تین الفاظ استعمال ہوئے ہیں: "ظَالِم، ظَلُوْم، ظَلَّام" اگر اللہ تعالیٰ کے صفاتی ناموں پر غور کریں تو اللہ تعالیٰ کے تین نام "غَافِر، غَفُوْر، غَفَّار" ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ انسان کا ظلم کسی طرح کا بھی ہو، اس کے بالمقابل "الغفار جل جلالہ" کی مغفرت موجود ہے فقط مانگنے کی بات ہے۔ انسان اگر ظالم ہے تو اس کا ربّ غافر ہے، اگر انسان ظلوم ہو جائے تو اس کا رب غفور ہے، اگر گناہوں میں انسان اتنا بڑھ جائے کہ ظلام بن جائے تو اس کا رب غفار ہے۔[۲]

ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ تعالیٰ نے کیا ہی خوب دعائیہ اشعار کہے ہیں:

اِلٰهِيْ عَبْدُكَ الْعَاصِيْ أَتَاكَا ۔۔۔ مُقِرًّا بِالذُّنُوْبِ وَقَدْ دَعَاكَا
فَإِنْ تَغْفِرْ فَأَنْتَ لِذَاكَ أَهْلٌ ۔۔۔ وَ إِنْ تَطْرُدْ فَمَنْ يَّرْحَمْ سِوَاكَا

ترجمہ: "اے اللہ! آپ کا گناہ گار بندہ آپ کے در پر حاضر ہے، اپنے گناہوں کا اقرار کرتا ہے اور آپ سے دعائیں مانگتا ہے، اگر آپ مغفرت فرما دیں تو آپ کو یہ بات بڑی سجتی ہے اور اگر آپ ہی دھتکار دیں تو پھر کون ہے کوئی دوسرے در والا کہ میں وہاں چلا جاؤں؟"

"جب کبھی اس انسان کے گناہ بڑھ جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور رحمت ان گناہوں کے مقابلے میں جو بندے سے سرزد ہوئے، بڑھ جاتی ہے۔" اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے جس کا ترجمہ ہے: "تیرے رب کی مغفرت بہت وسیع ہے۔"[۳]

"اللہ تعالیٰ بندوں کی مغفرت، ان کے خوف کی وجہ سے نہیں فرماتے (بل کہ اپنی صفتِ غفاریت کی وجہ سے اپنے

---

[۱]
وَهُوَ الْغَفُوْرُ فَلَوْ أَتٰى بِقُرَابِهَا ۔۔۔ مِنْ غَيْرِ شِرْكٍ بَلْ مِنَ الْعِصْيَانِ
أَتَاهُ بِالْغُفْرَانِ مِلْءَ قُرَابِهَا ۔۔۔ سُبْحَانَهٗ هُوَ وَاسِعُ الْغُفْرَانِ

(النونية: ۲/۲۳۱)

[۲] ماخوذ از "دعائیں قبول نہ ہونے کی وجوہات": ۴۴

[۳] "فَمَهْمَا عَظُمَتْ ذُنُوْبُ هٰذَا الْإِنْسَانِ فَإِنَّ مَغْفِرَةَ اللّٰهِ وَ رَحْمَتَهٗ أَعْظَمُ مِنْ ذُنُوْبِهِ الَّتِيْ إِرْتَكَبَهَا قَالَ تَعَالٰى: ﴿إِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ﴾ (النجم: ۳۲) (النهج الأسمٰى: ۱/۱۷۸)

بندوں کی مغفرت فرماتے ہیں) اس لئے کہ اللہ تعالیٰ خود زبردست قوت والے ہیں ہر چیز پر غالب ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو کوئی بھی چیز عاجز نہیں کرسکتی، نہ ہی زمین میں اور نہ ہی آسمان میں اور اللہ تعالیٰ نے بندوں کو اس بات پر قرآن مجید میں کئی مرتبہ متنبہ بھی فرمایا ہے۔" اس طور پر کہ اپنے اس مبارک نام "الغفور" کو "العزیز" کے ساتھ ملایا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے جس کا ترجمہ ہے:

"واقعی اللہ زبردست، بڑا بخشنے والا ہے۔"[1]

اللہ تعالیٰ کی رحمت بہانہ تلاش کرتی ہے

اللہ ربُّ العزت نے جس طرح دنیا میں بندوں کے ساتھ بخشش کا وعدہ فرمایا ہے اسی طرح آخرت میں بھی اللہ تعالیٰ بندوں کے گناہوں کو معاف فرمائیں گے۔

روزِ قیامت اللہ ربُّ العزت اپنی مخلوقات پر اپنی صفتِ غفران کا اظہار فرمائیں گے اور بہانے بہانے کے ساتھ بخشش فرمائیں گے۔ قیامت کے دن اللہ ربُّ العزت کی رحمتوں کا اتنا ظہور ہوگا کہ حضرت قاری محمد طیب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ایک ایسا وقت آئے گا کہ شیطان کو بھی یہ اُمید لگ جائے گی کہ شاید آج میری غلطیوں کو بھی معاف کر دیا جائے، جب اللہ ربُّ العزت کی رحمت کا اتنا ظہور ہوگا تو اللہ تعالیٰ اپنے ایمان والے گناہ گار بندوں کی یقیناً بخشش فرما دیں گے۔[2]

کسی نے کیا خوب کہا ہے:

رحمتِ خدا بہا نمی جوید　　رحمتِ خدا بہانہ می جوید

یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمت قیمت نہیں چاہتی، بل کہ اللہ کی رحمت تو بہانہ تلاش کرتی ہے۔

سبحان اللہ! "الغفار جل جلالہ" کی رحمت و مغفرت کی کیا شان ہے کہ بندوں کی بہانہ بہانہ سے مغفرت فرماتے ہیں، سو ہمیں اللہ تعالیٰ کی شانِ غفاریت کی قدر کرنی چاہئے اور کوئی نیک عمل خواہ چھوٹا ہو یا بڑا چھوڑنا نہیں چاہئے کہ پتہ نہیں کون سے عمل پر اللہ ربُّ العزت کی جانب سے مغفرت کا فیصلہ ہو جائے۔

استغفار کی اہمیت

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے آخری نبی کو اپنے فرائض ادا کرنے کے بعد حکم دیا:

---

[1] "وَلَا يَغْفِرُ لَهُمْ خَوفًا مِّنْهُمْ أَيْضًا، لِأَنَّهُ قَوِيٌّ عَزِيزٌ، قَد قَهَرَ كُلَّ شَيْءٍ، وغَلَبَهُ وَلَا يُعْجِزُهُ شَيْءٌ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ، وَقَد نَبَّهَ اللّٰهُ عِبَادَهُ إِلٰى هٰذَا الْأَمْرِ فِي الْقُرْآنِ الْكَرِيمِ عِدَّةَ مَرَّاتٍ بِإِقْتِرَانِ اسْمِهِ "اَلْغَفُورُ" مَعَ (اَلْعَزِيزُ) كَقَوْلِهِ تَعَالٰى ﴿إِنَّ اللّٰهَ عَزِيزٌ غَفُورٌ﴾ (الفاطر:٢٨)(نقلا عن النهج الأسمٰى: ١/١٧٩)

[2] اصلاحی خطبات: ٤/١١٠

﴿فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ۚ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا﴾[1]

ترجمہ: ''سو آپ اپنے رب کی تسبیح اور تعریف بیان کریں اور اس سے مغفرت کی درخواست کریں، بے شک وہ بڑا توبہ قبول فرمانے والا ہے۔''

اسی طرح اپنے مخلص بندوں کی صفات میں فرمایا کہ وہ رات بھر عبادت کرنے کے باوجود آخیر میں رات کی عبادت پر فخر کرنے کے بجائے معافی مانگتے ہیں اور حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

''طُوْبٰى لِمَنْ وَجَدَ فِيْ صَحِيْفَتِهٖ اِسْتِغْفَارًا كَثِيْرًا''[2]

ترجمہ: ''خوش خبری ہے اس شخص کے لئے جس نے اپنے نامۂ اعمال میں (روز قیامت) بہت زیادہ استغفار پایا۔''

آپ ﷺ نے فرمایا: میرے دل پر میل آجاتا ہے اور بلا شبہ میں اللہ تعالیٰ سے روزانہ سو مرتبہ استغفار کرتا ہوں۔[3]

اسی طرح جب صدیقِ اکبر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے نماز جیسی عبادت مکمل کرنے کے بعد کوئی دعا مانگنے کے لئے پوچھا تو سرورِ دو عالم ﷺ نے ''رَبِّ إِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْلِيْ'' والی دعا بتلائی۔''

یعنی اے رب! میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا سو آپ میری مغفرت فرما دیجئے۔''

یہاں نماز پڑھی ہے صدیقِ اکبر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے، اقرار ہو رہا ہے جان پر ظلم کرنے کا، دونوں میں کتنا فرق ہے؟

یہ غور کرنے کی چیز ہے، بات یہ ہے کہ اللہ جل شانہ کی بارگاہِ عالی بہت بلند ہے، اس کے شایانِ شان کسی سے عبادت ہو ہی نہیں سکتی، عبادت میں جو کوتاہی رہ جائے استغفار سے اس کی تلافی ہو جاتی ہے۔ حضورِ اکرم ﷺ بھی نماز کے بعد استغفار کرتے تھے اور قرآن مجید میں حج جیسی عبادت کرنے کے بعد اور عرفات کے میدان میں خوب مانگ مانگ کر واپس ہونے کے بعد استغفار کا حکم ہے۔ صحیح طریقہ یہ ہے کہ عبادت کرتے رہیں اور استغفار کرتے رہیں۔

گناہ ہو جانے پر سب ہی استغفار کرتے ہیں، لیکن اللہ کے خاص بندے نیکی کرنے کے بعد بھی استغفار کرتے ہیں۔ مسلمان اچھی سے اچھی نیکی کرنے کے بعد بھی استغفار ضرور کرے کہ اس میں کوتاہی ضرور ہوگئی ہوگی اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ عالی کے لائق تو کوئی عبادت ہو ہی نہیں سکتی۔

''اَلْغَفَّارُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کے دربار میں بندوں کا معافی طلب کرنا، ''اَلْغَفَّارُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کے نزدیک بہت محبوب عمل ہے اور اس سے بڑھ کر ''اَلْغَفَّارُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کو بندہ کی جانب سے اعترافِ خطا پر عفو درگزر کرنا اور زیادہ محبوب ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

''قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَوْلَمْ تُذْنِبُوْا لَذَهَبَ اللّٰهُ بِكُمْ،

---

[1] النصر: ۳ [2] ابن ماجه، الادب، باب الاستغفار: ۲۷۱

[3] مسلم، الذكر والدعاء، باب استحباب الاستغفار ......رقم: ۲۷۰۲

وَلَجَاءَ بِقَوْمٍ يُذْنِبُوْنَ فَيَسْتَغْفِرُوْنَ فَيَغْفِرُ لَهُمْ.\"[1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: \"اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ (قبضہ) میں میری جان ہے، اگر تم بالکل گناہ نہ کرو تو اللہ تعالیٰ تمہارا وجود ختم کردیں گے اور ایسے لوگوں کو پیدا فرمائیں گے جو گناہ کریں اور پھر استغفار کریں اور پھر اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمادیں۔\"

فطرت کے اسی قانون کے تحت بندہ اپنے اللہ کے ہاں جب اپنے ہر جرم پر معافی کا بھکاری ہو اور اپنے جرم کو جرم سمجھے، صرف یہی نہیں، بل کہ اپنی نیکی کو بھی جرم ہی سمجھے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کرم ہوگا کہ میری نیکی کو قبول فرمالیں، ورنہ میں اور میری نیکی...... اگر اس نیکی پر پکڑ نہ ہو...... تو بھی ان کا کرم ہوگا، تو بندہ کا یوں معافی مانگنا اس \"الغفار جل جلالہ\" کو بہت ہی پسند ہے۔[2]

دشواری کے دور ہونے کا عمل

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: \"جو شخص استغفار میں لگا رہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے ہر دشواری سے نکلنے کے راستے پیدا فرمائیں گے اور ہر تنگی وفکر میں کشادگی دیں گے اور اس کو ایسی جگہ سے رزق دیں گے جہاں سے اس کو گمان بھی نہ ہوگا۔\"[3]

یعنی یہ تین فوائد ہوں گے:

① ہر دشواری کا دور ہو جانا۔

② ہر فکر کا کافور (ختم) ہو جانا۔

③ ایسی جگہ سے رزق ملنا جہاں سے گمان بھی نہ ہو۔

اسی طرح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجلس میں کچھ کہنے سے پہلے سو سو مرتبہ یہ کلمات پڑھتے تھے:

﴿رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَتُبْ عَلَیَّ.....اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ﴾[4]

ترجمہ: اے میرے رب! مجھے معاف فرمادیجئے اور میری توبہ قبول کر لیجئے۔ بلاشبہ آپ بہت توبہ قبول فرمانے والے اور نہایت ہی رحم فرمانے والے ہیں۔

استغفار کے مختلف الفاظ

ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان جائیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم استغفار کے لئے ایسے ایسے مختلف الفاظ امت کو سکھا گئے کہ

---

[1] مسلم: كتاب التوبة، سقوط الذنوب بالاستغفار والتوبة: ۲/۳۵۵ [2] استغفار کی ستر دعائیں: ۱۴

[3] ابن ماجه، الادب، باب الاستغفار: ۲۷۱ [4] عمل اليوم والليلة، رقم: ۴۶۷

اگر کوئی انسان اپنے ذہن سے سوچ کر ان الفاظ تک پہنچنے کی کوشش بھی کرتا تو نہیں پہنچ سکتا تھا۔ ان الفاظ کو ہر وقت ورد زبان رکھنے کا معمول بنانا چاہیے، جس طرح ہم سے خطائیں اور کوتاہیاں بے حد و بے حساب ہوتیں ہیں، اسی طرح ہمیں استغفار بھی بے حد و بے حساب کرتے رہنا چاہیے، خود بھی گناہوں سے معافی مانگیں اور دوسرے لوگوں کو بھی اس پر تیار کرتے رہیں، اگر چاہیں تو استغفار کے یہ مختصر الفاظ بھی یاد کریں:

"اَسْتَغْفِرُ اللهَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْهِ."

یا ان الفاظ سے استغفار کریں: "اَسْتَغْفِرُ اللهَ وَاَتُوْبُ اِلَیْهِ."

یا ان کلمات کے ذریعے مانگیں: "اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَتُبْ عَلَیْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ."

اور اگر یہ الفاظ یاد نہ ہوں تو صرف "اَسْتَغْفِرُ اللهَ" ہی پڑھ لیا کریں تو بھی ٹھیک ہے کم از کم "رَبِّ اغْفِرْ لِیْ" ضرور یاد کرلیں اس کا ورد ہر وقت زبان پر رہے، عورتوں کو بھی چاہیے کہ گھر کا کام کاج کرتے ہوئے بھی اس دعا کے ذریعے اپنے لئے اور تمام مسلمان بھائی بہنوں کے لئے مغفرت کی دعائیں مانگیں۔[1]

استغفار طلب کرنے کی پیاری دعا

"یَا مَنْ لَّا تَضُرُّهُ الذُّنُوْبُ وَلَا تَنْقُصُهُ الْمَغْفِرَةُ هَبْ لِیْ مَا لَا یَنْقُصُكَ وَاغْفِرْ لِیْ مَا لَا یَضُرُّكَ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ."[2]

ترجمہ: "اے وہ بے نیاز! بندوں کے گناہ جس کا کچھ بگاڑ نہیں سکتے اور ان کو بخش دینا جس کے یہاں کمی کا باعث نہیں ہوتا، جو بات تیرے یہاں کمی کا باعث نہیں ہوتی اور بندوں کو معاف کرنے سے اس کے خزانۂ مغفرت میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔" سرکار دو عالم ﷺ فرماتے ہیں: "یَا مَنْ لَّا تَضُرُّهُ الذُّنُوْبُ"

"اے وہ ذات! کہ ہمارے گناہوں سے جسے کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا" اللہ ربّ العزت بڑی شان والا ہے گناہوں سے اسے کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا، بل کہ گناہ گار کا اپنا ہی نقصان ہوتا ہے کہ وہ گناہوں کی وجہ سے اللہ ربّ العزت کی معرفت سے دور ہوتا چلا جاتا ہے اور گناہوں پر اصرار سے نیکی کی توفیق بھی مسلوب ہوتی جاتی ہے اور اگر ایسی حالت میں موت واقع ہو جائے تو کتنے ہی خسارے کی بات ہو کہ بندہ گناہوں سے لت پت ہو کر اللہ تعالیٰ کے حضور

---

[1] کتاب "استغفار کا بہترین مجموعہ بنام (ناشر بیت العلم ٹرسٹ)" اس میں درج شدہ دعاؤں کو اپنا معمول بنائیں۔
اس کتاب میں حضرت حسن بصری رَحِمَهُ اللهُ تَعَالیٰ نے ستر استغفار مع ستر درود شریف جمع کیے ہیں جو ملا علی قاری رَحِمَهُ اللهُ تَعَالیٰ نے اپنی کتاب "ارشاد الساری الی مناسك ملا علی القاری" کے آخر میں لکھے ہیں راقم (محمد حنیف عبدالمجید) نے اس کا اردو میں ترجمہ کیا ہے (اور انگریزی و سندھی زبان میں بھی ترجمہ ہو چکا ہے) اور یہ الگ بھی کتابی صورت میں ملتی ہے، تہجد کے وقت، رمضان المبارک کی راتوں اور حج کی راتوں میں ان کو پڑھ کر اپنے گناہوں کی معافی مانگنی چاہیے، استغفار کی بہت پیاری دعائیں ہیں۔

[2] الحزب الاعظم: ۱۱۳

حاضر ہو، اس لئے ہر وقت توبہ و استغفار اپنا وظیفۂ عمل ہونا چاہئے۔

لہٰذا سرور عالم محمد رسول اللہ ﷺ اپنی امت کو سکھلا رہے ہیں کہ یوں کہو "یَامَنْ لَّا تَضُرُّهُ الذُّنُوْبُ" اے وہ ذات! جسے ہمارے گناہوں سے کچھ نقصان نہیں پہنچتا۔ "وَلَا تَنْقُصُهُ الْمَغْفِرَةُ" اور بندوں کو معاف کرنے سے اس کی مغفرت کچھ کم نہیں ہوتی۔" اس کے خزانۂ مغفرت میں کوئی کمی نہیں آتی، "فَاغْفِرْلِیْ مَا لَا یَضُرُّكَ" تو میرے ان گناہوں کو آپ معاف کر دیجئے کہ ان سے آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ "وَهَبْ لِیْ مَا لَا یَنْقُصُكَ" اور جس چیز کے دینے سے آپ کے خزانہ میں کمی نہیں آتی وہ مغفرت کا خزانہ ہم کو دے دیجئے، ان الفاظِ مبارکہ کے ساتھ ہمیں دعا مانگنی چاہئے۔[۱]

ایک عابد تہجد کے وقت ان الفاظ سے دُعا مانگتے تھے۔

حضرت سعید بن ثعلبہ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالیٰ کہتے ہیں کہ ایک عابد کو ہم نے دیکھا تہجد کے وقت رو رو کر دعا مانگتے ہوئے اس طرح کہہ رہا تھا:

"جُرْمِیْ عَظِیْمٌ وَعَفْوُكَ كَبِیْرٌ...... فَاجْمَعْ بَیْنَ جُرْمِیْ وَعَفْوِكَ یَا كَرِیْمُ."[۲]

تَرجَمَۃ: "میرا گناہ بہت بڑا ہے اور تیری عفو کی چادر بہت بڑی ہے، میرے گناہ اور اپنے عفو کو جمع کر دیجئے اے کریم ذات! (یعنی میرے گناہ بخش دیجئے)۔"

اس اسم "اَلْغَفَّارُ" سے تعلق پیدا کرنے والوں کو لازم ہے کہ استغفار بکثرت پڑھا کریں۔ صحیح بخاری میں مندرجہ ذیل دعا کو "سَیِّدُ الْاِسْتِغْفَار" فرمایا گیا ہے۔ جس شخص نے یہ دعا صبح کے وقت کامل یقین کے ساتھ پڑھی اور وہ اسی دن مرگیا تو وہ اہلِ جنت میں سے ہوگا۔ جس شخص نے یہ دعا شام کے وقت کامل یقین کے ساتھ پڑھی اور وہ اسی رات مرگیا تو وہ اہلِ جنت میں سے ہوگا (ان شاء اللہ)۔

سَیِّدُ الْاِسْتِغْفَارُ

یہ سب سے افضل استغفار ہے، اس کو صبح و شام مانگنے کا اہتمام کریں:

"اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبِّیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ خَلَقْتَنِیْ وَاَنَا عَبْدُكَ وَاَنَا عَلٰی عَهْدِكَ وَوَعْدِكَ مَا اسْتَطَعْتُ اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ اَبُوْٓءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ عَلَیَّ وَاَبُوْٓءُ لَكَ بِذَنْبِیْ فَاغْفِرْلِیْ فَاِنَّهٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّآ اَنْتَ."[۳]

تَرجَمَۃ: "اے اللہ! تو میرا ربّ ہے۔ تیرے سوا میرا اور کوئی معبود نہیں۔ تو نے ہی مجھے پیدا کیا ہے۔ میں تیرا بندہ

---

[۱] امید مغفرت و رحمت: ۶ [۲] حسن الظن باللّٰه: ٥٤ بحواله سمير المؤمنين: ١٩٦

[۳] بخاری، الدعوات، باب افضل الاستغفار: ۹۳۳/۲

ہوں اور تیرے عہد اور وعدہ پر ہوں جتنا کہ مجھ سے ہوسکتا ہے، اپنے کرتوتوں کی برائی سے میں تیری پناہ کا خواہاں ہوں۔ تیری نعمتیں جو مجھ پر ہیں، مجھے ان کا اقرار ہے اور مجھے اپنے گناہوں کا بھی اقرار ہے تو مجھے بخش دے، اس لئے گناہوں کو تیرے سوا اور کوئی نہیں بخش سکتا۔''

اسی طرح ''یَاغَفَّارُ اِغْفِرْلِیْ'' وِردِ زبان رکھنا چاہئے، اسی طرح دو سجدوں کے درمیان لمبی دعا یاد نہ ہو تو کم از کم ''رَبِّ اغْفِرْلِیْ'' ضرور مانگ لینا چاہئے۔

حضرت ابوہریرہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ سے منقول ہے کہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سجدہ میں یہ دعا پڑھا کرتے تھے:

''اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ ذَنْبِیْ کُلَّہٗ دِقَّہٗ وَجِلَّہٗ وَاَوَّلَہٗ وَاٰخِرَہٗ وَعَلَانِیَتَہٗ وَسِرَّہٗ.''

تَرجَمَہ: اے اللہ! تو میرے تمام گناہ، چھوٹے بڑے، اگلے پچھلے، ظاہر اور پوشیدہ (سب) معاف فرمادے۔''[1]

فوائد و نصائح

❶ جب بندہ کا تعلق ''الغفّار، الغفور جلّ جلالہٗ'' سے قائم ہوجاتا ہے تو وہ یہ سمجھ جاتا ہے کہ معاف کرنے والا تو اللہ ہی ہے اور کوئی نہیں۔ جب بھی کوئی گناہ غلطی سے کر بیٹھتا ہے تو توبہ کے لئے فوراً ''الغفّار جلّ جلالہٗ'' کے دربار میں حاضر ہوتا ہے۔

❷ دنیا میں کوئی شخص ایسا نہیں جو بار بار غلطی پر معاف کرتا رہے، سوائے ''الغفّار، الغفور جلّ جلالہٗ'' کے، کیوں کہ حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: کہ بندہ جب گناہ کرتا ہے اور پھر یہ کہتا ہے:

''یَا رَبِّ اِنِّیْ اَذْنَبْتُ ذَنْبًا فَاغْفِرْلِیْ.''

یعنی اے میرے رب! مجھ سے گناہ ہوگیا ہے مجھے معاف فرمادیجئے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرا بندہ جانتا ہے کہ اس کا ایک رب ہے جو گناہ پر سزا بھی دیتا ہے اور معاف بھی کرتا ہے اور پھر اس کی مغفرت فرمادیتا ہے۔[2]

❸ ہر وقت استغفار کرتا رہے کم از کم تین بار ضرور روزانہ استغفار کرے بہتر یہ ہے کہ روزانہ ستر مرتبہ استغفار کرنے کی عادت بنائے اور یہ عقیدہ رکھے کہ ''الغفّار جلّ جلالہٗ'' کے علاوہ کوئی بھی ایسا نہیں جو گناہوں کو بخش سکے اور ہر وقت ''الغفّار، الغفور جلّ جلالہٗ'' سے سچے دل سے معافی مانگتا رہے۔

---

[1] مسلم: الصلوٰۃ، باب ما یقال فی الرکوع والسجود: ۱۹۱/۱

[2] السنن الکبری للبیھقی، کتاب الشھادات، جماع ابواب من تجوز شھادتہ..........: ۱۸٦/۱۰

القَهَّارُ جَلَّ جَلَالُہٗ

(سب کو اپنے قابو میں رکھنے والا)

اس اسم مبارک کے تحت تین تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

لفظ القَهَّارُ[1] کے معنی

باری تعالیٰ کے اسماء گرامی میں جو لفظ "القَهَّارُ جَلَّ جَلَالُہٗ" ہے وہ عربی زبان والا قہار ہے، اردو زبان کا نہیں ہے۔ عربی زبان میں "قہار" کے معنی ہیں "غلبہ پانے والا" جو ہر چیز پر غالب ہو اس کو "القَهَّارُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کہتے ہیں، یعنی وہ ذات جس کے سامنے ہر چیز مغلوب ہے اور وہ سب پر غالب ہے۔

❶ "هُوَ الَّذِيْ لَا مَوْجُوْدَ إِلَّا وَهُوَ مُسَخَّرٌ تَحْتَ قَهْرِهٖ وَقُدْرَتِهٖ، عَاجِزٌ فِيْ قَبْضَتِهٖ."[2]

تَرجَمہ: "القَهَّارُ جَلَّ جَلَالُہٗ" وہ ذات ہے کہ دنیا کی ہر چیز اس کے غلبہ اور قدرت کے تحت مسخر ہے، یعنی ہر موجود اس کے زیرِ تصرف اور زیرِ قدرت ہے اور اس کے قبضے میں ہونے کی وجہ سے بے بس اور بے اختیار ہے، جو "القَهَّارُ جَلَّ جَلَالُہٗ" اُس سے چاہے کروادے۔"

❷ امام ابنِ کثیر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی آیت "وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ" کی تفسیر میں فرماتے ہیں: اللہ ربُّ العزت اپنے بندوں پر غالب ہیں، یعنی اللہ ربُّ العزت وہ ذات ہے جس کے سامنے تمام گردنیں جھک جاتی ہیں اور بڑے بڑے جابر لوگ تابع دار اور مسخر ہو جاتے ہیں اور اس کے سامنے چہرے نیچے ہو جاتے ہیں، ہر چیز پر وہ غالب ہے اور تمام مخلوقات اس کی تابع فرمان ہیں اور اس کی عظمت، جلال، بڑائی، بلندی کی وجہ سے تمام مخلوق اس کے سامنے عاجز و بے بس ہے۔[3]

---

[1] القهار کے لغوی معنی "الرياضة والتذليل" القهر الغلبة والأخذ من فوق [2] سلاح المؤمن: ۲۵۹

[3] وَقَالَ ابْنُ كَثِيْرٍ: "وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ" أَيْ: هُوَالَّذِيْ خَضَعَتْ لَهُ الرِّقَابُ، وَذَلَّتْ لَهُ الْجَبَابِرَةُ، وَعَنَتْ لَهُ الْوُجُوْهُ وَقَهَرَ كُلَّ شَيْءٍ وَ دَانَتْ لَهُ الْخَلَائِقُ .... وَ تَوَاضَعَتْ لِعَظَمَةِ جَلَالِهٖ وَ كِبْرِيَائِهٖ .... وَعَظَمَتُهٗ وَعُلُوُّهٗ .... وَقُدْرَتُهٗ عَلَى الْأَشْيَاءِ، وَاسْتَكَانَتْ وَتَضَائَلَتْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَ تَحْتَ قَهْرِهٖ وَحُكْمِهٖ. (تفسیر ابن کثیر: ٤٦٨، الانعام: ١٨)

۳ وَمَا أَحْسَنَ قَوْلِ مَنْ قَالَ: اَلْقَهَّارُ الَّذِي طَاحَتْ عِنْدَ صَوْلَتِهٖ صَوْلَةُ الْمَخْلُوقِيْنَ، وَبَادَتْ عِنْدَ سَطْوَتِهٖ قُوَى الْخَلَائِقِ أَجْمَعِيْنَ.[1]

ترجمہ: کیا ہی پیاری تعریف کسی نے کی ہے کہ "اَلْقَهَّارُ جَلَّ جَلَالُہٗ" وہ ذات ہے جس کے دبدبے اور غلبے کے سامنے ساری مخلوق کے دبدبے ختم ہو جاتے ہیں، جس کے جلال اور عظمت وقوت کے سامنے ساری مخلوق کی قوتیں نیست ونابود ہو جاتی ہیں۔

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم فرماتے ہیں: باری تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں کوئی ایسا نام نہیں ہے جو عذاب پر دلالت کرتا ہو، سارے اسماء گرامی یا رحمت پر دلالت کرتے ہیں یا ربوبیت پر دلالت کرتے ہیں یا قدرت پر دلالت کرتے ہیں، لیکن جہاں تک مجھے یاد ہے، اسماء حسنیٰ میں سے کوئی نام ایسا نہیں ہے جو عذاب پر دلالت کرنے والا ہو اور یہ اس بات کی علامت ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی اصل صفت رحمت کی ہے، وہ اپنے بندوں پر رحیم ہے، وہ رحمٰن ہے، وہ کریم ہے۔

ہاں! جب بندے حد سے گزر جائیں تو پھر بے شک اس کا غضب بھی نازل ہوتا ہے، اس کا عذاب بھی برحق ہے، جیسا کہ قرآن کریم کی بہت سی آیات میں بیان ہوا ہے، لیکن باری تعالیٰ کی جو صفات بیان کی گئی ہیں اور جو اسماءِ حسنیٰ سے موسوم ہیں، ان میں عذاب کا ذکر صراحتاً موجود نہیں ہے۔[2]

"اَلْقَهَّارُ جَلَّ جَلَالُہٗ" (بہت غلبہ والا) یہ نام مبارک قرآن کریم میں چھ مقامات پر آیا ہے اور سمجھنے کی بات یہ ہے کہ سب جگہ "واحد" (ایک اللہ) کی صفت کے ساتھ آیا ہے۔

پہلا مقام: حضرت یوسف علیہ السلام نے جب قید خانے میں اپنے ساتھیوں کو توحید کی دعوت دی تو اس طرح سوال کیا:

﴿ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ﴾[3]

ترجمہ: "کیا متفرق کئی پروردگار بہتر ہیں؟ یا ایک اللہ زبردست طاقت ور۔"

ان قیدیوں سے سوال کیا کہ اچھا تم ہی بتلاؤ کہ انسان بہت سے پروردگاروں کا پرستار ہو یہ بہتر ہے یا یہ کہ صرف اللہ کا بندہ بنے، جس کا قہر وقوت سب پر غالب ہے، یعنی مختلف انواع واشکال کے چھوٹے بڑے دیوتا جن پر تم نے خدائی اختیارات تقسیم کر رکھے ہیں ان سے لو لگانا بہتر ہے، یا اُس اکیلے زبردست اللہ سے جس کو ساری مخلوق پر کلی اختیار اور کامل تصرف وقبضہ حاصل ہے اور جس کے آگے نہ کسی کا حکم چل سکتا ہے نہ اختیار، نہ اُسے کوئی بھاگ کر ہرا سکتا ہے، نہ مقابلہ کر کے مغلوب کر سکتا ہے، خود سوچو...... کہ سر بندگی ان میں سے کس کے سامنے جھکایا جائے۔[4]

عقلی طور پر انہیں فکر مند بنا دیا، تاکہ وہ غور کریں کہ ہم جو شرک میں لگے ہوئے ہیں یہ عقل کے بھی خلاف ہے، آپ

---

[1] النهج الاسمىٰ: ۱۸۳/۱ [2] اصلاحی خطبات: ۲۱۱/۱ [3] یوسف: ۳۹ [4] تفسیرِ عثمانی: ۳۱۸

نے ان سے فرمایا: اے میرے جیل کے دونوں ساتھیوں!............تم ہی بتاؤ کہ یہ جو تم نے بہت سے معبود الگ الگ تجویز کر رکھے ہیں ان سب کی عبادت کرنا ٹھیک ہے یا صرف معبودِ حقیقی وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ ہی کی عبادت میں مشغول رہنا ٹھیک ہے......؟

ایک ایک کے سامنے ماتھا ٹیکتے پھرو، سونے کے بت کو بھی سجدہ کرو اور چاندی کے بت کے سامنے بھی جھکو اور پیتل کے بت کے سامنے بھی ہاتھ باندھ کر عاجزانہ طور پر کھڑے ہو اور پتھر کے بت کے سامنے بھی ڈنڈوت کرو، یہ کیا سمجھ داری ہے؟ یہ نہ ضرر دے سکتے ہیں نہ نفع دے سکتے ہیں، پھر ان کی عبادت سراپا بے وقوفی نہیں تو کیا ہے؟ صرف اللہ واحد قہار کی عبادت کرنا لازم ہے، میں نے اپنی بات کہہ دی تم بھی سوچو اور غور کرو۔[1]

دوسرا مقام: اسی طرح ''سورۂ رعد'' کی آیت نمبر ۱۶ میں بھی ''القہار جل جلالہ'' کے ساتھ واحد کی صفت مذکور ہے۔

چناں چہ ارشاد ہے: ﴿قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ﴾

ترجمہ: ''آپ ہی کہہ دیجئے کہ اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے اور وہی (اپنی ذات وصفات کمال میں) اکیلا ہے (اور سب مخلوقات پر) غالب ہے۔''

وہ سب پر غالب ہے اور اس کے سوا جو ہے وہ مغلوب ہے اور مغلوب خدا اور معبود نہیں ہو سکتا۔

لہٰذا وہی سب کا معبود ہے اور وہی واحدِ حقیقی ہے اور وہ الوہیت میں اور ربوبیت میں متفرد اور متوحد ہے اور وہ سب پر غالب ہے، ساری مخلوق مقہور و مغلوب ہے اور جو مخلوق و مقہور ہو وہ خلاق وقہار جل جلالہ کا شریک کیسے ہو سکتی ہے؟[2]

اس آیت مبارکہ سے پہلے ''اللہ جل جلالہ'' نے تین مثالوں کے ذریعہ شرک و توحید کا فرق سمجھایا ہے۔

پہلی مثال: ﴿وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ بِشَيْءٍ اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ اِلَى الْمَاۗءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ﴾[3]

ترجمہ: اللہ کے سوا جن کو یہ لوگ (اپنے حوائج ومصائب میں) پکارتے ہیں وہ (بوجہ عدمِ قدرت کے) ان کی درخواست کو اس سے زیادہ منظور نہیں کر سکتے جتنا پانی اس شخص کی درخواست کو منظور کرتا ہے جو اپنے دونوں ہاتھ پانی کی طرف پھیلائے ہوتا ہو (اور اس کو اشارے سے اپنی طرف بلا رہا ہو) تاکہ وہ (پانی) اس کے منہ تک (اڑ کر) آجائے اور وہ از خود اس کے منہ تک کسی طرح آنے والا نہیں (جس طرح پانی ان کی درخواست قبول کرنے سے عاجز ہے اسی طرح ان کے معبود عاجز ہیں)۔''[4]

یعنی پکارنا اسی کو چاہئے جو ہر قسم کے نفع وضرر کا مالک ہے، عاجز کو پکارنے سے کیا حاصل؟

---

[1] انوار البیان: ۳۲/۵ [2] انوار البیان: ۱۰۷/۵ [3] الرّعد: ۱۴ [4] معارف القرآن: ۱۷۹/۵، الرّعد: ۱۴

اللہ کے سوا کون ہے جس کے قبضے میں اپنا یا دوسروں کا نفع یا ضرر ہے؟

غیر اللہ کو اپنی مدد کے لئے بلانا ایسا ہے جیسے کوئی پیاسا کنوئیں کی منڈیر پر کھڑا ہو کر پانی کی طرف ہاتھ پھیلائے اور خوشامد کرے کہ میرے منہ میں پہنچ جا، ظاہر ہے قیامت تک پانی اس کی فریاد کو پہنچنے والا نہیں، بل کہ اگر پانی اس کی مٹھی میں ہو تب بھی خود چل کر منہ تک نہیں جا سکتا۔[1]

دوسری مثال: ﴿قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ﴾[2]

ترجمہ: ”آپ کہہ دیجئے کیا برابر ہوتا ہے اندھا اور دیکھنے والا (یہ مثال ہے مشرک اور موحد کی)۔“

یعنی ایک اکیلے اللہ کو ماننے والے اور اللہ کے ساتھ دوسرے شریکوں کو بھی ماننے والے میں ایسا ہی فرق ہے جیسے بینا اور نابینا میں، اور توحید اور شرک کا مقابلہ، ایسے سمجھو جیسے نور کا ظلمت سے، تو کیا ایک اندھا جو شرک کی اندھیریوں میں پڑا بھٹک رہا ہو اس مقام پر پہنچ سکتا ہے جہاں ایک اللہ کو ماننے کو پہنچنا ہے جو فہم اور بصیرت اور ایمان و عرفان کی روشنی میں فطرتِ انسانی کے صاف راستے پر چل رہا ہے؟ ہرگز ہرگز دونوں ایک نتیجہ پر نہیں پہنچ سکتے۔

تیسری مثال: ﴿أَمْ هَلْ تَسْتَوِي الظُّلُمٰتُ وَالنُّوْرُ﴾[3]

ترجمہ: ”یا کیا اندھیریاں اور روشنی برابر ہو سکتی ہے۔“

یعنی جیسی مخلوقات اللہ جل جلالہ نے پیدا کی ہیں، کیا تمہارے دیوتاؤں نے کوئی ایسی چیز پیدا کی ہے جسے دیکھ کر ان پر خدائی کا شبہ ہونے لگے؟

وہ تو ایک مکھی کا پر اور مچھر کی ٹانگ بھی نہیں بنا سکتے، بل کہ تمام چیزوں کی طرح خود بھی اسی اکیلے زبردست خدا کی مخلوق ہیں، پھر ایسی عاجز و مجبور چیزوں کو خدائی کے تخت پر بٹھا دینا کس قدر گستاخی اور بے ادبی ہے؟[4]

اس کے بعد اخیر آیت میں اللہ تعالیٰ نے تین صفات بیان فرما کر بہت سی پھیلی ہوئی گمراہیوں اور تمام مذاہبِ شرک کی جڑ کاٹ دی:

پہلی صفت...... یہ کہ: ”خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ“ اللہ ہی چھوٹی بڑی، جسم غیر جسم والی، اچھی بری، خوش گوار اور ناخوش گوار سب کا خالق ہے۔

دوسری صفت......: ”اَلْوَاحِدُ“ کہ وہ عدداً بھی ایک ہی ہے، اپنی ذات کے لحاظ سے بھی اور اپنی صفاتِ کمالیہ کے لحاظ سے بھی، یہ نہیں کہ اس کی شخصیت تو ایک ہو، لیکن اس کے ”بروز“ اور اس کے ”اقنوم“ (اجزاء)[5] کئی کئی ہوں۔

تیسری صفت...... ”اَلْقَهَّارُ“ کہ وہ اپنی ساری مخلوقات پر غالب و حاکم ہے، خود اُس کے اوپر کوئی ہستی یا کوئی قانون حاکم و متصرف نہیں۔[6]

---

[1] تفسیر عثمانی: ۳۳۲ [2] الرعد: ۱۶ [3] الرعد: ۱۶ [4] تفسیر عثمانی: ۳۳۳

[5] دین مسیحی میں خدا کا ہر جزو...... روح القدس میں سے ہر ایک کو ”اقنوم“ کہتے ہیں (فیروز اللغات: ۱۰۵) [6] تفسیر ماجدی: ۵۱۵/۱

تیسرا مقام: فرمایا: ﴿ يَوْمَ تُبَدَّلُ الْأَرْضُ غَيْرَ الْأَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴾[1]

ترجمہ: ''قیامت کا دن ایسا ہوگا کہ اس میں موجود زمین بھی بدل دی جائے گی اور آسمان بھی اور سب کے سب اللہ واحد وقہار کے سامنے حاضر ہوں گے۔''

زمین وآسمان کے بدل دینے کے یہ معنی بھی ہوسکتے ہیں کہ ان کی صفات اور شکل وصورت بدل دی جائے، جیسا کہ قرآن کریم کی دوسری آیات اور روایاتِ حدیث میں ہے کہ پوری زمین ایک جیسی سطح والی بنادی جائے گی، جس میں نہ کسی مکان کی آڑ ہوگی، نہ درخت وغیرہ کی، نہ کوئی پہاڑ اور ٹیلہ رہے گا، نہ غار اور گہرائی۔[2]

چوتھا مقام: ﴿ لَوْ اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا لَّاصْطَفٰى مِمَّا يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ سُبْحٰنَهٗ هُوَ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴾[3]

ترجمہ: ''اگر اللہ تعالیٰ کا ارادہ اولاد ہی کا ہوتا تو اپنی مخلوق میں سے جسے چاہتا چن لیتا (لیکن) وہ پاک ہے، وہی اللہ تعالیٰ ہے یگانہ اور قوت والا۔''

یہاں سے اُن لوگوں پر رد ہے جو ''اَللّٰہُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کے لئے اولاد تجویز کرتے ہیں، جیسا کہ نصاریٰ حضرت مسیح علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا کہتے ہیں اور ساتھ ہی تین خداؤں میں سے ایک خدا مانتے ہیں یا عرب کے بعض قبائل فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں کہتے تھے۔

مطلب یہ ہے کہ اگر بفرضِ محال اللہ تعالیٰ یہ ارادہ کرتا کہ اس کی کوئی اولاد ہو تو ظاہر ہے وہ اپنی مخلوق ہی میں سے کسی کو اس کام کے لئے چنتا، کیوں کہ دلائل سے ثابت ہوچکا کہ ایک خدا کے سوا جو کوئی چیز ہے سب اُسی کی مخلوق ہے۔ اب ظاہر ہے کہ مخلوق اور خالق میں کسی درجہ میں بھی اشتراک نہیں، پھر ایک دوسرے کا باپ یا بیٹا کیسے بن سکتا ہے؟

جب مخلوق وخالق میں یہ رشتہ محال ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسا اِرادہ کرنا بھی محال ہوگا۔ علاوہ ازیں فرض کیجیے یہ چیز محال نہ ہوتی تب بھی فرشتوں کو بیٹیاں بنانا تو کسی طرح بھی سمجھ میں نہیں آسکتا تھا۔ جب مخلوق میں سے انتخاب کی نظر ٹھہرتی تو اس کا کیا مطلب کہ خدا اپنے لئے تو گھٹیا چیز انتخاب کرتا اور بڑھیا اولاد چن چن کر تمہیں دے دیتا، یعنی ہر چیز اُس کے سامنے دبی ہوئی ہے، اُس پر کسی کا دباؤ نہیں، نہ کسی چیز کی اُس کو حاجت، پھر اولاد بنانا آخر کس غرض سے ہوگا؟[4]

امام ابن کثیر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: وہ ''اَلْوَاحِدُ'' اکیلا، یکتا و بے نیاز ہے، سب کے سب اس کے بندے اور غلام ہیں، اس کے سامنے سب کے سب فقیر ہیں محتاج ہیں، وہ اکیلا ایسا غنی ہے کہ اپنی قدرت کے اعتبار سے سب پر غالب بھی ہے، سب اس کے سامنے حقیر اور جھکے ہوئے ہیں۔ یہ ظالم، ضدی اور انکار کرنے والے جو اللہ پر جو جھوٹ

---

[1] ابراهيم: ٤٨ [2] معارف القرآن: ٥/٢٧٣ [3] الزمر: ٤ [4] تفسير عثماني: ٦١٠

باندھتے ہیں اس بات سے اللہ تعالیٰ کی شان بہت اونچی ہے۔“ [۱]

پانچواں مقام: ﴿قُلْ اِنَّمَآ اَنَا مُنْذِرٌ ۖ وَّمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴾ [۲]

ترجمہ: ”آپ کہہ دیجئے کہ میں تو صرف خبردار کرنے والا ہوں اور بغیر اللہ واحد غالب کے اور کوئی لائقِ عبادت نہیں۔“ [۳]

قرآن مجید جن بنیادی عقائد کے ماننے کی طرف انسانوں کو دعوت دیتا ہے اس میں پہلا بنیادی عقیدہ تو یہ ہے کہ خدائے وحدہ لاشریک کی ہستی اور اس کی صفات کو اس طرح مانا جائے جس طرح کہ واقع میں وہ ہے۔

دوسرا بنیادی عقیدہ جس کی طرف قرآن کریم دعوت دیتا ہے اور اپنی دعوت کی اصل ٹھہراتا ہے، وہ یہ کہ رسالت اور پیغمبری کے پورے سلسلے کو مانا جائے چوں کہ یہ ”سورۂ ص“ کا اصل مقصد ہی آں حضرت ﷺ کی رسالت کا اثبات اور کفار کی تردید ہے، خاص طور پر اس آیت مبارکہ میں ”اِنَّمَآ اَنَا مُنْذِرٌ“ کہو کہ میرا کام تو اتنا ہی ہے کہ تم کو اُس آنے والی خوف ناک گھڑی سے ہوشیار کردوں اور جو بھیانک مستقبل آنے والا ہے اُس سے بے خبر نہ رہنے دوں، باقی تمہارا واسطہ جس حاکم سے پڑنے والا ہے وہ ”الواحد و القہّار“ ہے، جس کے سامنے کوئی چھوٹا بڑا دم نہیں مار سکتا، ہر چیز اُس کے آگے دبی ہوئی۔ ہے جو یکتا اور غالب ہے۔

آسمان و زمین اور ان کے درمیان کی کوئی چیز ایسی نہیں جو اس کے زیرِ تصرف نہ ہو، جب تک چاہے ان کو قائم رکھے جب چاہے توڑ پھوڑ کر برابر کردے۔ اس عزیز و غالب کا ہاتھ کون پکڑ سکتا ہے؟

اس کے زبردست قبضے سے کون نکل کر بھاگ سکتا ہے اور ساتھ ہی اس کی لامحدود رحمت و بخشش کو کس کی مجال ہے کہ محدود کردے؟ [۴]

اسم ”الواحد“ میں اشارہ ہے توحید ذاتی کی طرف اور ”القہّار“ میں توحید صفاتی کی طرف، مطلب یہ ہوا کہ وہ واقعتاً بھی ایک اور یکتا ہے اور چوں کہ کوئی اس جیسا غلبہ وقوت والا نہیں اس لئے کسی میں صلاحیت بھی اس کے شریک بننے کی نہیں۔ [۵]

چھٹا مقام: سورہ مؤمن کی آیت نمبر ۱۶ میں اللہ تعالیٰ اپنے اس اسم مبارک کا اس طرح تذکرہ فرماتے ہیں:

﴿لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۖ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ﴾ [۶]

---

[۱] فَإِنَّهُ الْوَاحِدُ الْأَحدُ الْفَرْدُ الصَّمَدُ، الَّذِيْ كُلُّ شَيْءٍ عَبْدٌ لَّدَيْهِ، فَقِيْرٌ إِلَيْهِ، وَهُوَ الغَنِيُّ عَمَّا سِوَاهُ الَّذِيْ قَدْ قَهَرَ الْأَشْيَاءَ فَدَانَتْ لَهُ وَ ذَلَّتْ وَ خَضَعَتْ تَبَارَكَ وَتَعَالَى عَمَّا يَقُوْلُ الظَّالِمُوْنَ وَالْجَاحِدُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا (تفسیر ابن كثير: ۲۱۲/۳، [۲] الزمر: ٤ [۳] ص: ٦٥

[٤] وَالْوَحْدَانِيَّةُ تُنَا فِيْ عَنِ الْمُمَاثَلَةِ فَضْلاً عَنِ التَّوَالُدِ، والقَهَّارِيَّةُ الْمُطْلَقَةُ تُنَا فِيْ قُبُوْلَ الزَّوَالِ الْمُحْوِجِ إِلَى الْوَلَدِ، وَ إِلَّا لَجَازَ اَنْ يَّكُوْنَ مَقْهُوْراً تَعَالَى اللّٰهُ عَنْ ذٰلِكَ. (الفتوحات الالهية: ٥٩٠/٣)

[٤] تفسيرِ عثماني: ٦٠٩ [٥] تفسير ماجدي: ٩١٨/٦ [٦] المؤمن: ١٦
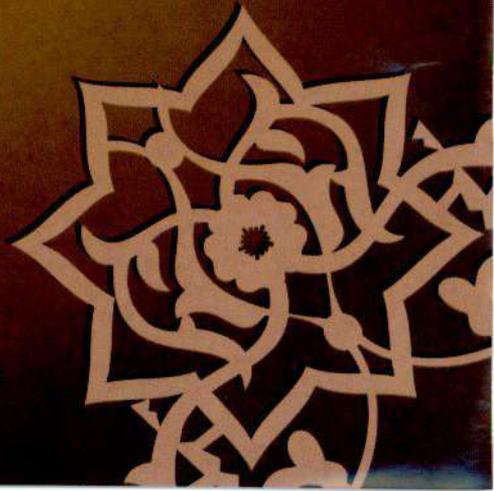
قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ ۝

(النعام: ١١)

آپ فرما دیجیے کے ذرا زمین میں چلو پھرو پھر دیکھو جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا۔
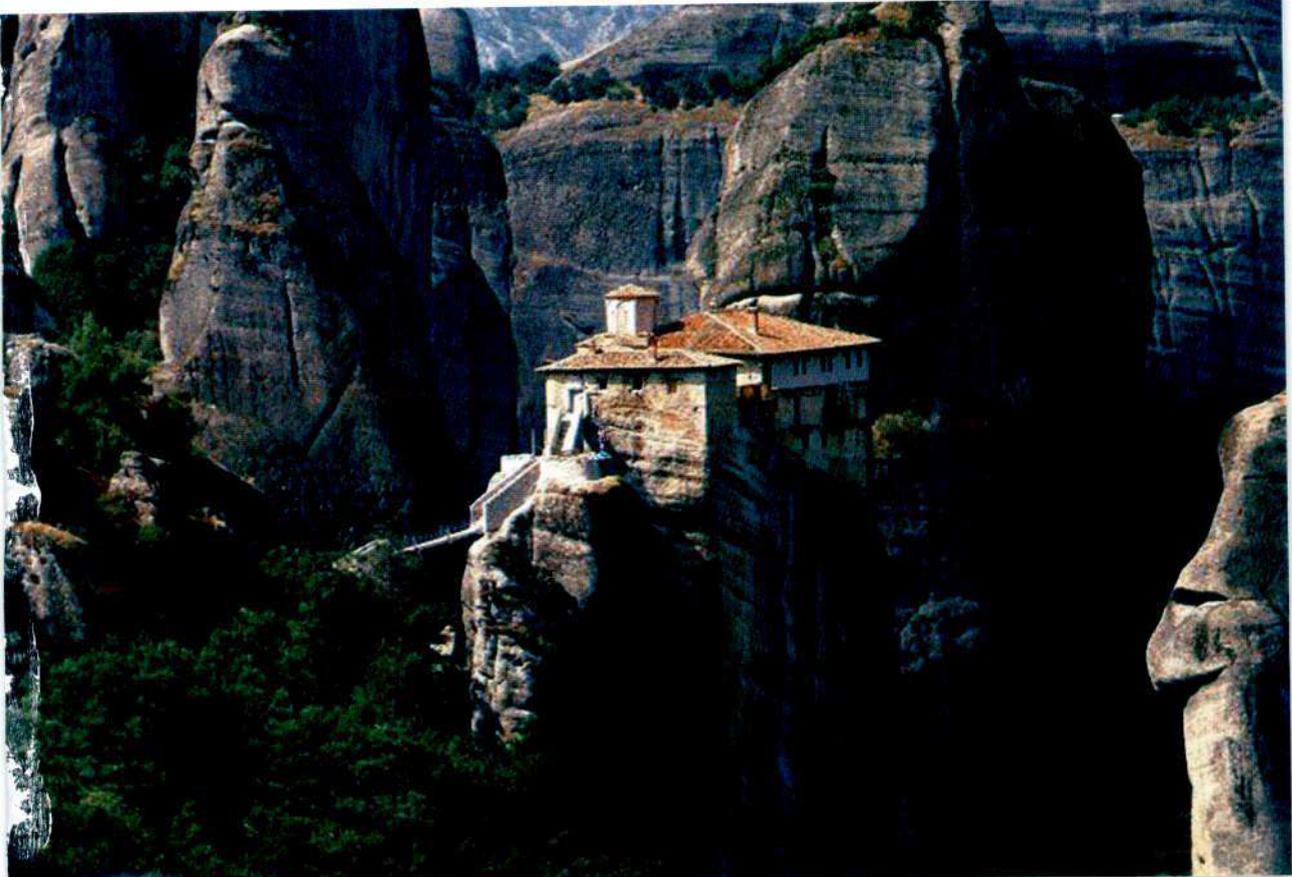
تَرْجَمَہ: ”آج کس کی بادشاہی ہے؟ صرف اللہ واحد وقہار کی۔“

حضرت عبداللہ بن مسعود رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے کہ تمام آدمی ایک صاف زمین پر جمع کئے جائیں گے، جس پر کسی نے کوئی گناہ نہیں کیا ہوگا۔ اس وقت ایک منادی کو حکم ہوگا جو یہ ندا کرے گا۔ ”لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ“ یعنی آج کے دن بادشاہی کس کی ہے؟[1]

اس پر تمام مخلوقات مؤمنین وکافرین یہ جواب دیں گے ”لِلّٰہِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ“ مؤمن تو اپنے اعتقاد کے مطابق خوشی وتلذذ کی صورت میں کہیں گے اور کافر مجبور وعاجز ہونے کی بنا پر رنج وغم کے ساتھ اس کا اقرار کریں گے اور حضرات مفسرین کرام رَحِمَہُمُ اللّٰہُ تَعَالٰی میں سے بعض کا قول یہ بھی ہے کہ یہ جواب بھی (کہ جب جواب دینے والا پہلی بار صور پھونکے جانے کے بعد کوئی نہ ہوگا) خود حق تعالیٰ شانہ ہی دیں گے۔[2]

صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ نے ظاہر کے خلاف اللہ کے حکم کو پورا کیا، ہر قسم کے گناہوں سے بچے، شرک سے بچے اور ناگواریاں اور سختیاں برداشت کیں، مادی اسباب کو چھوڑ کر روحانی اسباب کو مضبوطی سے تھامے رکھا اور حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی طرح صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ نے اقوامِ عالم کی ہدایت کا اور انہیں دعوت دینے کا فکر اپنا لیا تو کس طرح اللہ الْوَاحِدُ الْقَہَّارُ جَلَّ جَلَالُہٗ نے ان کی غیبی مدد فرمائی۔ اس سلسلہ میں ایک واقعہ حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ان ہی دو مبارک ناموں ”الْوَاحِدُ و الْقَہَّارُ جَلَّ جَلَالُہٗ“ کی صفت کے ساتھ دریائے نیل کو خط لکھ کر بھیجا تھا۔

اسم مبارک الْقَہَّارُ جَلَّ جَلَالُہٗ کی برکت

وَاقِعَہ نَمْبَر (۲۰): حضرت عمرو بن العاص رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے جب مصر فتح کر لیا تو عجمی مہینوں میں سے ”بونہ“ مہینے کے شروع ہونے پر مصر والے ان کے پاس آئے اور کہا: امیر صاحب! ہمارے اس دریائے نیل کی ایک عادت ہے جس کے بغیر یہ چلتا نہیں۔

حضرت عمرو بن العاص رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے ان سے پوچھا وہ عادت کیا ہے؟

انہوں نے کہا: جب اس مہینے کی بارہ راتیں گزر جاتی ہیں تو ہم ایسی کنواری لڑکی تلاش کرتے ہیں جو اپنے والدین کی اکلوتی لڑکی ہوتی ہے، اس کے والدین کو راضی کرتے ہیں اور اسے سب سے اچھے کپڑے اور زیور پہنا کر اس دریائے نیل میں ڈال دیتے ہیں۔

حضرت عمرو بن العاص رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا: یہ کام اسلام میں تو ہو نہیں سکتا، کیوں کہ اسلام اپنے سے پہلے کے تمام (غلط) طریقے ختم کر دیتا ہے، چناں چہ مصر والے ”بونہ، ابیب، اور مسری“ تین مہینے ٹھہرے رہے اور آہستہ آہستہ دریائے نیل کا پانی بالکل ختم ہو گیا، یہ دیکھ کر مصر والوں نے مصر چھوڑ کر کہیں اور چلے جانے کا ارادہ کر لیا۔

---

[1] قرطبی: ۲۱۹/۸، المؤمن: ۱۶ [2] معارف القرآن: ۵۹۰/۷

جب حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ دیکھا تو انہوں نے اس بارے میں امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خط لکھا، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب میں لکھا کہ آپ نے بالکل ٹھیک کیا، بے شک اسلام اپنے سے پہلے کے تمام غلط طریقے ختم کر دیتا ہے۔ میں آپ کو ایک پرچہ بھیج رہا ہوں جب آپ کو میرا خط ملے تو آپ میرا وہ پرچہ دریائے نیل میں ڈال دیں، جب خط حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پہنچا تو انہوں نے وہ پرچہ کھولا، اس میں یہ لکھا ہوا تھا:

"فَإِنْ كُنْتَ تَجْرِيْ مِنْ قِبَلِكَ فَلَا تَجْرِ، وَإِنْ كَانَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ يُجْرِيْكَ.
فَنَسْأَلُ اللّٰهَ الْوَاحِدَ الْقَهَّارَ أَنْ يُّجْرِيَكَ"

ترجمہ: "اللہ کے بندے امیر المؤمنین عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی طرف سے مصر کے دریائے نیل کے نام۔
اَمّا بَعد! اگر تم اپنے اختیار سے چلتے ہو تو مت چلو اور اگر تمہیں اَللّٰہُ الْوَاحِدُ الْقَھَّارُ چلاتے ہیں تو ہم اَللّٰہُ الْوَاحِدُ الْقَھَّارُ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ تجھے چلا دے۔"

چناں چہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صلیب کے دن سے ایک دن پہلے یہ پرچہ دریائے نیل میں ڈالا اور ادھر مصر والے مصر سے جانے کی تیاری کر چکے تھے، کیوں کہ ان کی ساری معیشت اور زراعت کا انحصار دریائے نیل کے پانی پر تھا۔ صلیب کے دن صبح لوگوں نے دیکھا کہ دریائے نیل میں سولہ ہاتھ پانی چل رہا ہے، اس طرح اللہ جل جلالہ نے مصر والوں کی اس بری رسم کو ختم کر دیا۔ (اس دن سے لے کر آج تک دریائے نیل مسلسل چل رہا ہے)۔[1]

معلوم ہوا جو اپنے دل میں ایک "وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ" کے "اَلْقَهَّارُ" اور غالب ہونے کا یقین بٹھائے گا اور اسی کی طرف عالم بھر کے لوگوں کو دعوت دیتا رہے گا تو اس کے لئے اللہ جل جلالہ سمندر جیسی مخلوقات کو بھی مسخر کر دیں گے۔

اس اسم "اَلْقَهَّارُ" سے تعلق پیدا کرنے والوں کو عبادت اور اطاعت اللہ تعالیٰ ہی کی کرنی واجب ہے۔[2]

نہ بصر کو ہے یہ قدرت کہ تجلی دیکھے تری — نہ خرد کو ہے یہ طاقت کہ تجھے پائے ذرا بھی
متحیر ہوں میں اس میں کہ صفت کیا کروں تیری — اَحَدٌ لَيْسَ كَمِثْلِيْ صَمَدٌ لَيْسَ كَفَضْلِيْ
لِمَنِ الْمُلْكُ تو گوئی تو سزاوار خدائی

يَامَنْ ذَلَّتْ لَهٗ رِقَابُ الْجَبَابِرَةِ — وَخَضَعَتْ لَهٗ مَقَالِيْدُ الْفَرَاعِنَةِ
"أَجِرْنِيْ مِنْ خِزْيِكَ وَعُقُوْبَتِكَ"

---

[1] حیاۃ الصحابہ (عربی): ۸۶۲/۳
[2] شرح اسماء الحسنیٰ للمنصورپوری: ۶۸

ترجمہ: ”اے وہ ذات جس کے سامنے بڑے بڑے جابروں اور فرعونوں کی گردنیں جھک جاتی ہیں۔ مجھے اپنی رسوائی اور سزا سے حفاظت عطا فرما۔“[1]

فوائد و نصائح

❶ اس اسم سے بندہ کا حصہ یہ ہے کہ سب سے زیادہ سرکش دشمن ”نفس“ کو قابو میں کرے۔ جب نفس پر قابو پالیا تو تمام چیزیں اس کے قابو میں آجائیں گی اور کسی کا داؤ اس پر نہ چلے گا۔

❷ یہ یقین رکھے کہ جب ”اَلْقَہَّارُ جَلَّ جَلَالُہٗ“ اپنے کسی بندے کو موت دینا چاہتا ہے تو وہ اسے ٹال نہیں سکتا کسی سے مدد نہیں لے سکتا، کوئی بادشاہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو کسی کام میں بھی اس ذات پر غالب نہیں آسکتا، نہ ہی کوئی ”اَلْقَہَّارُ جَلَّ جَلَالُہٗ“ کے غلبے کو ختم کرسکتا ہے، لہٰذا کسی کو بھی دنیا میں رہتے ہوئے دوسری مخلوق پر غلبہ، ظلم زیادتی نہیں کرنی چاہیے، ورنہ روزِ آخرت بدلہ دینا ہوگا۔[2]

❸ ہر مسلمان اپنے دل میں صرف اور صرف ”اَلْقَہَّارُ جَلَّ جَلَالُہٗ“ کا خوف رکھے، اُس ذات کے علاوہ کسی کا خوف دل میں نہ رکھے اور یہ دعا کثرت سے مانگتا رہے:

”اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ حُبَّكَ اَحَبَّ الْاَشْيَاءِ اِلَیَّ وَاجْعَلْ خَشْيَتَكَ اَخْوَفَ الْاَشْيَاءِ عِنْدِیْ وَاقْطَعْ عَنِّیْ حَاجَاتِ الدُّنْيَا بِالشَّوْقِ اِلٰی لِقَائِكَ وَاِذَا اَقْرَرْتَ اَعْيُنَ اَھْلِ الدُّنْيَا مِنْ دُنْيَاھُمْ فَاَقِرَّ عَيْنِیْ مِنْ عِبَادَتِكَ“[3]

ترجمہ: ”اے اللہ! مجھے اپنی محبت سب سے پیاری کردے اور اپنا خوف ہر چیز کے خوف سے زیادہ بڑھا دے اور اپنی ملاقات کی تڑپ عطا فرما کر دنیا کی سب حاجتیں میرے دِل سے نکال دے اور جب دنیا والوں کو دنیا دے کر ان کی آنکھیں ٹھنڈی کرے تو میری آنکھیں اپنی عبادت سے ٹھنڈی فرما۔“

---

[1] الغُنية لطالبي طريق الحق، قسم رابع، فصل فی الدعا لدفع الظلم: ۲/۲۵۱

[2] المنہج للامام الجوزی: ۳۱٤

[3] حلية الاولياء: ۸/۳۱۲

الوہاب جل جلالہ

(سب کچھ عطا کرنے والا)

اس اسم مبارک کے تحت تین تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

❶ اَلْوَهَّابُ: هُوَالَّذِيْ يَجُوْدُ بِالْعَطَاءِ عَنْ ظَهْرِ يَدٍ مِّنْ غَيْرِ اِسْتِثَابَةٍ."[1]

علامہ خطابی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: "الوہاب جل جلالہ" وہ ذات کہلاتی ہے جس کے عطایا قسم قسم کے، لمحہ بہ لمحہ، ہر شعبہ میں، ہر جگہ ہوتے ہیں۔

❷ "الوہاب" کے لغوی معنیٰ ہیں: "كَثِيْرُ الْهِبَةِ لِأَمْوَالِهٖ" "اپنا مال بہت زیادہ عطا کرنے والا۔"[2]

"وہاب" سب کچھ عطا کرنے والے کو کہتے ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے جس کا مفہوم اس آیت قرآنی سے واضح ہوتا ہے:

﴿ وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ﴾[3]

تَرْجَمَہ: "تم پر جو بھی نعمت ہوتی ہے، وہ اللہ ربُّ العزت کی جانب سے ہوتی ہے۔"

ہر چیز کے عطا کرنے والے ایک "الوہاب جل جلالہ" ہیں۔ جو بھی نعمت انسان کو حاصل ہوتی ہے وہ حقیقت میں اسی ذات کی طرف سے ہوتی ہے، بظاہر اگرچہ اسبابِ نعمت نظر آتے ہیں، لیکن دراصل حقیقی منعم (نعمت دینے والی) "الوہاب جل جلالہ" کی ذات ہے جو بہانے بہانے سے اپنے بندوں پر عطایا کی بارش برساتی ہے۔

ع رحمتِ حق بہانہ می جوید

خالق اور مخلوق کی صفات کے درمیان فرق کو بیان کرتے ہوئے علامہ خطابی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں:

ہر ایسا شخص جو اپنے کسی ساتھی، دوست کو دنیاوی چیزوں میں سے کوئی چیز ہدیۃً دیتا ہے، اسے "وَاهِبٌ" تو کہا جاسکتا ہے، لیکن اسے "وَهَّاب" نہیں کہا جاسکتا، کیوں کہ "وَهَّاب" وہ ذات کہلاتی ہے جس کے انعامات اور عطایا قسم قسم کے ہوں اور اتنے زیادہ ہوں کہ ان کا سلسلہ چلتا رہے، کسی لمحہ ختم نہ ہو۔

مخلوقات کی تو صرف اتنی ہی طاقت ہے کہ وہ کبھی کبھار کسی پر احسان کردیں۔ مخلوقات میں سے کوئی مخلوق کسی بیمار کو

---

[1] شان الدعاء: ۵۲ [2] النہایہ: ۱۳۶/۵ [3] النحل: ۵۳

بیماری سے شفاء نہیں دے سکتی اور نہ ہی کسی بے اولاد کو اولاد، نہ ہی کسی گمراہ کو ہدایت اور نہ ہی کسی مصیبت زدہ کو مصیبت سے چھٹکارا دلا سکتی ہے، لہٰذا مخلوقات پر ''وَهَّابُ'' کا اطلاق نہیں ہوسکتا۔

اللہ ربّ العزت ہی کی ذات ''اَلْوَهَّابُ'' ہے جو کہ تمام عیوب اور نقائص سے پاک ہے اور اسی کو ان تمام کاموں پر مکمل اختیار اور قدرت ہے۔ اس کی سخاوت اور رحمت تمام مخلوقات پر چھائی ہوئی ہے۔ اس کے احسانات اور مہربانیاں بغیر رکاوٹ کے مسلسل جاری ہیں۔[1]

۳ ''وَهُوَ الْمُتَفَضِّلُ بِالعَطَايَا اَلْمُنْعِمُ بِهَا لَا عَنِ اسْتِحْقَاقٍ عَلَيْهِ.''[2]

ترجمہ: ''علامہ حلیمی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: ''اَلْوَهَّابُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' وہ ذات ہے جو بہت زیادہ انعامات و احسانات کرنے والی ہو اور یہ احسانات اس پر کسی کا حق نہ ہوں (بل کہ اللہ ربّ العزت کی جانب سے محض بطور فضل ہوں)۔''

واقعہ نمبر ۲۱: حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ فرماتے ہیں:

والد محترم عام طور پر جو کوئی سائل آتا، آپ اسے کچھ نہ کچھ دیتے تھے، ایک مرتبہ احقر موٹر میں آپ کے ساتھ تھا، کسی جگہ گاڑی رکی اور یک سائل آدھمکا، آپ نے اپنی جیب میں سے کچھ نکال کر اسے دے دیا، احقر نے پوچھا کہ ''اباجی'' اس قسم کے سائل عام طور پر مستحق تو ہوتے نہیں ان کو دینا چاہئے یا نہیں؟

اس کا جو عجیب وغریب جواب آپ نے دیا وہ آج تک لوحِ دل پر نقش ہے، فرمایا: ہاں میاں! بات تو ٹھیک ہے، لیکن یہ سوچو کہ اگر ہمیں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ''ہمارے استحقاق ہی کی بنیاد پر ملنے لگے تو ہمارا کیا بنے گا؟''[3]

علامہ ابن قیم رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی اپنے قصیدہ نونیہ میں فرماتے ہیں:

''اَلْوَهَّابُ'' بھی اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ دیکھو اللہ تعالیٰ کے احسانات کو جو زمانوں سے چلے آرہے ہیں آسمان والے ہوں یا زمین والے، سب کے سب اس کے احسانات سے فائدہ اُٹھا رہے ہیں۔''[4]

---

[1] قَالَ الْخَطَّابِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى: فَكُلُّ مَنْ وَهَبَ شَيْئًا مِّنْ عَرَضِ الدُّنْيَا لِصَاحِبِهٖ فَهُوَ وَاهِبٌ وَلَا يَسْتَحِقُّ أَن يُّسَمّٰى وَهَّابًا إِلَّا مَنْ تَصَرَّفَتْ مَوَاهِبُهُ فِي أَنْوَاعِ الْعَطَايَا فَكَثُرَتْ نَوَافِلُهُ وَ دَامَتْ، وَالْمَخْلُوقُونَ إِنَّمَا يَمْلِكُوْنَ أَن يَّهَبُوْا مَالًا أَوْ نَوَالًا فِي حَالٍ دُوْنَ حَالٍ، وَلَا يَمْلِكُونَ أَنْ يَّهَبُوْا شِفَاءً لِسَقِيْمٍ، وَلَا وَلَدًا لِعَقِيْمٍ، ولا هُدًى لِضَالٍّ، وَلَا عَافِيَةً لِّذِي بَلَاءٍ، وَاللّٰهُ الْوَهَّابُ سُبْحٰنَهٗ يَمْلِكُ جَمِيْعَ ذٰلِكَ، وَسِعَ الْخَلْقَ جُوْدُهٗ، فَدَامَتْ مَوَاهِبُهٗ وَاتَّصَلَتْ مِنَنُهٗ وَعَوَائِدُهٗ. (شان الدعاء: ٥٣، نقلاً عن النهج الاسمٰى: ١٨٩/١)

[2] المنهاج: ٢٠٦/١ كلها نقلا عن النهج الأسمٰى: ١٨٨/١، ١٨٩ [3] میرے والد میرے شیخ اور ان کا مزاج و مذاق: ۱۵۷

[4]

وَكَذٰلِكَ الْوَهَّابُ مِنْ أَسْمَائِهٖ	فَانْظُرْ مَوَاهِبَهٗ مَدَى الْأَزْمَانِ
أَهْلُ السَّمٰوٰتِ الْعُلٰى وَالْأَرْضِ عَنْ	تِلْكَ الْمَوَاهِبِ لَيْسَ يَنْفَكَّانِ

(النونية: ٢٣٤/٢، نقلاً عن النهج الاسمٰى، ١٨٨/١)

شیخ ابوسلیمان رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: ہمارے بعض اسلاف رَحِمَہُمُ اللہُ تَعَالٰی کے بارے میں منقول ہے کہ انہیں بعض وزراء نے ہدایا بھیجے، جن کی مقدار اتنی تھی کہ سال بھر کا گزر اوقات ان ہدایا سے چل سکتا تھا۔

انہوں نے قاصد سے فرمایا کہ اپنے آقا کو جا کر کہہ دو کہ میں ایسے مولیٰ کی کفالت میں ہوں کہ اگر وہ مجھ سے ناراض بھی ہو جاتا ہے تب بھی مجھ سے اپنی کفالت نہیں ہٹاتا۔ (جب کہ یہ دنیاوی وزراء اگر ناراض ہو جائیں تو گزشتہ کئے ہوئے احسانات کی واپسی کے مطالبہ سے بھی نہیں چوکتے۔)

"كَثِيرُ النِّعْمَةِ دَائِمُ الْعَطِيَّةِ"[1]

تَرجَمَہ: "خوب نعمتوں سے نوازنے والا اور ہمیشہ عطاء فرمانے والا۔"

یہ "اسم مبارک" قرآن کریم میں تین مرتبہ آیا ہے:

۱ ﴿رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِن لَّدُنكَ رَحْمَةً ۚ إِنَّكَ أَنتَ الْوَهَّابُ﴾[2]

۲ ﴿قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِي وَهَبْ لِي مُلْكًا لَّا يَنبَغِي لِأَحَدٍ مِّنۢ بَعْدِي ۖ إِنَّكَ أَنتَ الْوَهَّابُ﴾[3]

۳ ﴿أَمْ عِندَهُمْ خَزَائِنُ رَحْمَةِ رَبِّكَ الْعَزِيزِ الْوَهَّابِ﴾[4]

الوَهَّابُ جَلَّ جَلَالُهٗ کی نعمتوں کی قدر کیجئے

نعمت کی قدر بسا اوقات نعمت کے چھین جانے کے بعد ہوتی ہے، علماء نے لکھا ہے:

"اَلنِّعْمَةُ إِذَا فُقِدَتْ عُرِفَتْ" بہت سی نعمتوں کا احساس نہیں ہے، حالاں کہ بغیر استحقاق کے الوَهَّابُ جَلَّ جَلَالُهٗ نے یہ نعمتیں عطا فرمائی ہیں۔ الوَهَّابُ جَلَّ جَلَالُهٗ کی نعمتوں کی قدر کیجئے۔[5]

وَاقِعَہ نمبر ۲۲: حضرت حاجی محمد شریف صاحب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی (خلیفہ حکیم الامت حضرت تھانوی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی) کا مہمان خانہ سڑک کے قریب تھا، آپ فرماتے: یہاں سڑک سے کسی ریڑھی والے یا جھاڑو والے کو گزرتے دیکھتا ہوں تو اپنے آپ کو مخاطب کر کے کہتا ہوں کہ یہ بھی تو ممکن تھا یہ ریڑھی یا جھاڑو تیرے ہاتھ میں ہوتا اور یہ تیری جگہ بیٹھا ہوتا تو تو کیا کر سکتا تھا؟ یہ تو اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ اس نے تجھے یہاں بٹھایا ہوا ہے۔ شکر سے اللہ تعالیٰ کے سامنے ہاتھ جڑ جاتے ہیں اور اس طرح خوب شکر کی توفیق ہوتی ہے۔

وَاقِعَہ نمبر ۲۳: حضرت حاجی محمد شریف صاحب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کے داماد تھے، ان کی ریڑھ کی ہڈی ٹوٹ گئی اور جسم کا نچلا حصہ مفلوج ہو گیا، حضرت والا کو کبھی چیونٹی کاٹتی تو کہتے "بڑی خوشی ہوتی ہے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اس میں حس ہے۔"

---

[1] مرقاة: كتاب اسماء الله تعالىٰ، ٨٠/٥ [2] آل عمران: ٨ [3] ص: ٣٥ [4] ص: ٩

[5] مظاهر حق: ٦٦٨/٤ بحوالہ رسول اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی نظر میں دنیا کی حقیقت

واقعہ نمبر ۲۴: ایک مرتبہ حضرت مولانا مسیح اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں حاضری ہوئی، ایک گریجویٹ صاحب حضرت کے پاس لائے گئے جن کا دماغ درست نہیں تھا۔ انہوں نے کچھ ایسی حرکتیں شروع کردیں جس کی وجہ سے حضرت کی طبیعت پر گرانی ہوئی، اس کے متعلقین اس کو واپس لے گئے، پھر حضرت انتہائی مؤثر انداز سے بار بار یہ فرما رہے تھے "دیکھا دماغ کا صحیح ہونا بہت بڑی نعمت ہے۔ آدمی جتنا بھی معزز ہو اگر دماغ کا معمولی پیچ بھی ڈھیلا ہوجائے تو ساری عزت جاتی رہتی ہے، یہاں تک کہ پاگل خانہ بھجوا دیا جاتا ہے۔" واقعی دماغ کا صحیح ہونا بہت بڑی نعمت ہے۔

واقعہ نمبر ۲۵: نشتر ہسپتال میں ایک مریض کو دیکھا، اس کے دونوں پاؤں کے ساتھ وزن باندھا ہوا تھا جس سے وہ بالکل حرکت نہیں کرسکتا تھا، جب ایک پاؤں کو کھولا گیا تو بہت خوش ہوا جیسے عید کا دن ہو، حالاں کہ اس سے اب وہ صرف معمولی حرکت کرسکتا تھا، لیکن اس پر بھی اس کی خوشی کی انتہا نہ تھی۔

واقعہ نمبر ۲۶: ہمارے ایک بزرگ ہیں ایک مرتبہ ان کا بچہ گم ہوگیا۔ ایک صاحب نے پوچھا کہ جناب بچہ مل گیا ہے؟

فرمایا: جی ہاں مل گیا ہے، اور پھر فرمایا: بھئی! اب معلوم ہوا کہ بچوں کا گم نہ ہونا بھی کتنی بڑی نعمت ہے۔

واقعہ نمبر ۲۷: ایک بزرگ نے ایک بادشاہ سے پوچھا: اگر تمہیں پیاس لگی ہوئی ہو اور پانی نہ ملے تو کیا کروگے؟ بادشاہ نے کہا: آدھی بادشاہی دے دوں گا۔ بزرگ نے پھر پوچھا: اگر پیشاب نہ آئے تو پھر کیا کروگے؟ اس نے کہا: آدھی بادشاہی دے دوں گا۔ تو بزرگ نے فرمایا: تمہاری بادشاہی کی صرف یہی قیمت ہے۔[1]

"ہاتھ" الوہاب جل جلالہ کی نعمت

ہمارے ہاتھ، جو ہمیں بہت چھوٹے چھوٹے اور عام سے کام کرنے کے قابل بناتے ہیں، مثلاً: چائے کی پیالی کو ہلانا، اخبار کے صفحات الٹنا، لکھنا وغیرہ، صناعی کا عجوبہ ہیں۔

ہاتھ کی سب سے نمایاں صفت یہ ہے کہ یہ مختلف قسم کی سرگرمیوں میں بڑی عمدگی سے کام کرتے ہیں، حالاں کہ ساخت میں یہ کوئی زیادہ بڑا بھی نہیں ہوتا۔ اسے بہت سے پٹھے اور رگیں عطا کی گئی ہیں۔ مختلف حالات میں مختلف چیزوں کو مضبوطی یا نرمی سے تھامنے کے لئے ہمارے بازو ہمارے ہاتھوں کی مدد کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر انسانی ہاتھ جب مٹھی کی شکل میں نہ ہو تو تھپڑ مار سکتا ہے اور کسی شے پر اس کی ضرب ۴۵ کلوگرام وزنی ہوتی ہے۔ تاہم ہمارا ہاتھ، انگوٹھے اور انگشت شہادت کے درمیان کاغذ کی شیٹ پکڑ سکتا ہے جو ایک ملی لیٹر کا ۱/۱۰ حصہ موٹی ہوتی ہے۔ ظاہراً تو یہ دونوں کام ایک دوسرے سے بالکل مختلف نوعیت کے ہیں۔ ایک میں حساسیت درکار ہے تو دوسرے میں کافی طاقت۔

---

[1] اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی بارش: ۷، ۸، ۲۳

ہمیں ایک سیکنڈ کے لئے بھی یہ سوچنا نہیں پڑتا کہ ہمیں کیا کرنا ہے؟

جب کاغذ کی شیٹ کو ہم انگلیوں کے درمیان پکڑتے ہیں یا مکا مارتے ہیں، نہ ہی ہمیں یہ سوچنے کی ضرورت پیش آتی ہے کہ ان دو کاموں کے لئے کیا تیاری کرنی ہے؟ ہم یہ کبھی نہیں کہتے: ''اب میں کاغذ اٹھاؤں گا، اس کے لئے مجھے ۵۰۰ گرام قوت استعمال کرنی ہوگی۔ اب میں پانی کی بھری ہوئی اس بالٹی کو اٹھاؤں گا، اس کے لئے مجھے ۴۰ کلوگرام طاقت استعمال کرنی ہوگی۔'' ہمیں ان باتوں کو سوچنے کی ضرورت ہی نہیں پڑتی۔ اس کا سبب یہ ہے کہ انسانی ہاتھ تو ایسے کام بیک وقت کرنے کے لئے ہی بنایا گیا ہے۔ ہاتھ کو اس کے تمام کاموں سمیت بنایا گیا ہے اور بیک وقت اس کی متعلقہ ترکیبیں بھی اسے دے دی گئی ہیں۔ ہاتھ کی تمام انگلیوں کی مناسب لمبائی اور جگہ ہے اور ان میں ایک تناسب رکھا گیا ہے۔ مثال کے طور پر اس مکے کی قوت زیادہ ہوگی جس میں عام انگوٹھا شامل ہوگا اور جس میں انگوٹھا چھوٹا ہوگا اس کی قوت نسبتاً کم ہوگی۔ اس لئے کہ انگوٹھا دوسری انگلیوں کو ڈھانپتا ہے اور ان کی مدد کرتے ہوئے ان کی قوت میں اضافہ کرتا ہے۔

ہاتھ کی ساخت میں بہت سی چھوٹی چھوٹی جزئیات پائی جاتی ہیں۔ مثال کے طور پر اس میں پٹھوں اور وریدوں کے علاوہ چھوٹے خلیاتی حصے ہوتے ہیں۔ انگلیوں کے سروں پر موجود ناخن کسی طرح بھی ہاتھ کے غیر اہم معاون حصے نہیں ہوتے۔ جب ہم فرش پر سے ایک سوئی اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں تو ہم اپنی انگلیاں اور ناخن دونوں استعمال کرتے ہیں۔ ہماری انگلیوں کے سروں پر موجود کھردری سطح (ناخنوں سمیت) چھوٹی چھوٹی سی چیزوں کو اُٹھانے میں ہماری مدد کرتی ہے۔ انگلیاں جن چیزوں کو تھامتی ہیں، اس کے لئے جو زور اور دباؤ ڈالنا پڑتا ہے، اس میں باقاعدگی پیدا کرنے کے لئے ناخن ایک اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

ہاتھ کی ایک اور صفت یہ ہے کہ یہ تھکتا نہیں ہے۔ ہاتھ عموماً آنکھ کے ساتھ ہم آہنگ ہو کر کام کرتا ہے۔ وہ اشارات جو آنکھ تک پہنچ رہے ہوتے ہیں، انہیں دماغ کو منتقل کر دیا جاتا ہے اور پھر جو حکم دماغ دیتا ہے، ہاتھ اس پر عمل کرتے ہوئے حرکت کرتا ہے۔ یہ بہت مختصر وقت میں مکمل کر لئے جاتے ہیں اور انہیں کرنے کے لئے ہمیں خاص کوشش نہیں کرنی پڑتی۔ مزید یہ کہ جب آپ یہ سوچتے ہیں کہ دو ہاتھ ایک دوسرے کی مکمل ہم آہنگی سے مدد کرتے ہیں تو ہاتھ کی بناوٹ کا بے نقص ہونا زیادہ واضح ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہاتھ کو انسانوں کے لئے بطورِ خاص ڈیزائن کیا تھا۔ ان تمام پہلوؤں پر غور کیا جائے تو اللہ تعالیٰ کی تخلیق اور صناعی، بے نقص اور بے مثال نظر آتی ہے۔

نتیجہ: یہ بہترین میکانکی عمل جو ہمارے جسم میں کام کر رہے ہیں، ان کا ہمیں علم ہی نہیں ہوتا کہ وہ ہماری بے خبری میں کیا کیا کام سر انجام دے رہے ہیں۔ دل کی دھڑکن، جگر کا کام اور جلد کی تر و تازگی یہ سب کچھ براہ راست ہمارے علم میں نہیں ہیں۔ یہی بات ان سینکڑوں اعضاء کے بارے میں کہی جا سکتی ہے جو یہاں مذکور نہیں۔ ہم تو اس حقیقت سے بھی آگاہ نہیں ہیں کہ ہمارے گردے خون کو چھانتے ہیں، ہمارا معدہ اس خوراک کو ہضم کرتا ہے جو ہم کھاتے ہیں، ہماری

انتڑیوں کی حرکات یا ہمارے پھیپھڑوں کی جامع و بے نقص کارکردگی جو ہمیں سانس لینے میں مدد دیتی ہے، سبھی کچھ ہمارے علم وآگہی سے باہر ہے۔

انسان کو اپنے جسم کی قدر و قیمت کا اندازہ صرف اس وقت ہوتا ہے جب وہ بیمار پڑ جاتا ہے اور اس کے اعضاء اپنا کام کرنا چھوڑ دیتے ہیں، تو پھر یہ اس قدر جامع اور بے نقص میکانکی عمل وجود میں کیسے آیا؟ ایک عقل و دانش رکھنے والے انسان کے لئے یہ بات سمجھنا مشکل نہیں ہے۔ وہ یہ محسوس کرسکتا ہے کہ انسانی جسم "تخلیق" کیا گیا ہے۔[1]

ہر چھوٹی بڑی ضرورت اَلْوَهَّابُ جَلَّ جَلَالُہٗ ہی سے مانگئے

انبیاء عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ نے ہمیں ہر حاجت اسی "اَلْوَهَّابُ جَلَّ جَلَالُہٗ" سے مانگنا سکھائی ہے۔

حاجت چھوٹی ہو یا بڑی، انوکھی ہو یا عمومی، ہر حاجت خود بھی اللہ تعالیٰ سے مانگی اور اللہ تعالیٰ کے بندوں کو بھی یہی سکھایا کہ اسی "اَلْوَهَّابُ جَلَّ جَلَالُہٗ" (جو سب کچھ عطا کرنے والا ہے) سے مانگیں۔

ہم ہر پڑھنے والے سے گزارش کرتے ہیں کہ ان آیاتِ قرآنیہ پر خوب غور کریں کہ ان مقدس ہستیوں نے کس طرح گڑگڑا کر اظہارِ عجز کے ساتھ اپنی حاجتیں، ضرورتیں اسی "اَلْوَهَّابُ جَلَّ جَلَالُہٗ" سے مانگیں۔ لہٰذا ہمیں بھی چاہئے کہ ہم اپنی ہر حاجت اسی "اَلْوَهَّابُ جَلَّ جَلَالُہٗ" سے مانگیں۔ ہرگز ہرگز کسی حاجت وضرورت میں اس کے غیر کا خیال تک بھی نہ لائیں۔ کوئی کتنا ہی دینی و دنیاوی اعتبار سے بڑا ہو، ہرگز ہرگز اس کے پاس اپنی حاجت لے کر نہ جائیں۔

جب حضرت زکریا عَلَیْہِ السَّلَامُ نے مریم عَلَیْہَا السَّلَامُ کے پاس بے موسم کے پھل دیکھے تو فرمایا "اَنّٰى لَكِ هٰذَا"[2] یہ (پھل) کہاں سے تمہارے پاس آئے ہیں؟

(سردیوں کے پھل گرمیوں میں اور گرمیوں کے پھل سردیوں میں) تو مریم عَلَیْہَا السَّلَامُ نے کہا:

﴿قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاۗءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾[3]

تَرْجَمَہ: "(مریم) کہنے لگی: یہ اللہ کے پاس سے آتا ہے۔ اللہ جس کو چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے۔"

حضرت زکریا عَلَیْہِ السَّلَامُ کے دل میں اس وقت اللہ تعالیٰ کی قدرت کا دھیان عجیب طریقے سے پیدا ہوا اور دل میں اولاد کی طلب کا خیال آیا کہ جو اللہ مریم (عَلَیْہَا السَّلَامُ) کو بے موسم پھل پہنچا سکتا ہے، وہ میری بیوی کے بانجھ پن کو دور کر کے اس سے مجھے اولاد بھی دے سکتا ہے۔

اولاد حاصل کرنے کے لئے زکریا عَلَیْہِ السَّلَامُ کی دعا

اس وقت زکریا عَلَیْہِ السَّلَامُ نے غسل کر کے خوب گڑگڑا کر دُعا مانگی اور کہا:

---

[1] اللہ کی نشانیاں عقل والوں کے لئے: ۱۰۱ تا ۱۰۳ [2] آل عمران: ۳۷ [3] معارف القرآن: ۵۸/۲، آلِ عمران: ۳۷

"یَارَازِقَ مَرْیَمَ ثِمَارَ الصَّیْفِ فِی الشِّتَآءِ وَثِمَارَ الشِّتَآءِ فِی الصَّیْفِ......هَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّیَّةً طَیِّبَةً"[1]

ترجمہ: "اے مریم کو روزی دینے والے! سردیوں کے پھل گرمیوں میں اور گرمیوں کے پھل سردیوں میں پہنچانے والے! مجھ کو اپنی بارگاہ سے پاکیزہ اولاد عنایت فرما، بے شک تو دُعا کو سننے والا ہے۔"

کہتے ہیں کہ زکریا علیہ السلام نے یہ دُعا رات کی تاریکی اور خلوت میں پست آواز سے مانگی جیسا کہ دُعا کرنے کا اصل قاعدہ ہے۔ ایسی دُعا دِکھلاوے سے دور اور کمالِ اخلاص سے معمور ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے فرماتے ہیں:

﴿اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْیَةً﴾[2]

ترجمہ: "تم لوگ اپنے رب سے دعا کیا کرو گڑگڑا کر اور چپکے چپکے بھی۔"

ہر مسلمان کو چاہئے کہ اپنی دنیا و آخرت کی ضرورتوں میں صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی سے مدد مانگے۔ اللہ تعالیٰ کے مقرب و برگزیدہ بندوں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بھی جب کوئی ضرورت پیش آئی تو انہوں نے بھی صرف اللہ تعالیٰ ہی سے مانگا اور دعا کی۔

قرآنِ کریم کی آیات قیامت تک کے لئے ہمیں یہ سکھاتی ہیں کہ کیسا بھی مشکل اور بظاہر ناممکن کام نظر آئے، لیکن اللہ تعالیٰ کے لئے وہ کوئی مشکل اور ناممکن نہیں، لہٰذا ہر ضرورت صرف ایک اللہ ہی سے مانگنا چاہئے جو "الوھّاب جل جلالہ" ہے، یعنی سب کچھ دینے والا ہے۔ جس کو جو کچھ ملا ہے اسی اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔ کسی کے پاس اپنا کچھ بھی نہیں، سب کچھ اسی کا دیا ہوا ہے۔

قرآنِ کریم نے حضرت زکریا علیہ السلام کی دُعا اس طرح ذکر فرمائی ہے:

﴿رَبِّ اِنِّیْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّیْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَیْبًا وَّلَمْ اَكُنْۢ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِیًّا﴾[3]

ترجمہ: "اے میرے پروردگار! میری ہڈیاں بھی کمزور ہوگئی ہیں اور سر بڑھاپے کی وجہ سے بھڑک اٹھا ہے، لیکن میں کبھی بھی تجھ سے دعا کر کے محروم نہیں رہا۔"

حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا کا مطلب یہ ہے کہ یعنی:

1. میں بوڑھا ہوں۔
2. بیوی بانجھ ہے۔
3. ظاہری سامان اولاد ملنے کا کچھ نہیں، لیکن آپ اپنی لامحدود قدرت و رحمت سے اولاد عطا فرمائیے، جو دینی خدمات کو سنبھالے اور تیری مقدس امانت کا بوجھ اُٹھا سکے۔ میں اس ضعف اور بڑھاپے میں کیا کر سکتا ہوں؟

---

[1] الدرّ المنثور: ۲/۲۷، آل عمران: ۳۸ [2] الاعراف: ۵۵ [3] مریم: ۴

جی یہ چاہتا ہے کہ کوئی بیٹا اس لائق ہو جو اپنے باپ دادوں کی پاک گدی پر بیٹھ سکے۔ اُن کے علم وحکمت کے خزانوں کا مالک اور کمالاتِ نبوت کا وارث بنے۔

دُعا کے آخری جملے میں فرمایا: یعنی آپ نے اپنے فضل و رحمت سے میری ہمیشہ دُعائیں قبول کیں اور مخصوص مہربانیوں کا خوگر بنائے رکھا۔ اب اس آخری وقت اور ضعف و پیرانہ سالی میں کیسے گمان کروں کہ میری دُعا رد کر کے مہربانی سے محروم رکھیں گے۔[1]

پھر حضرت زکریا عَلَیْہِ السَّلَامُ نے جو اولاد کی دُعا مانگی وہ سورۂ آلِ عمران کی آیت نمبر ۳۸ میں ان الفاظ مبارکہ کے ساتھ مذکور ہے:

﴿رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ﴾

تَرجَمَہ: ''اے میرے پروردگار! مجھے اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد عطا فرما، بے شک تو دعا کا سننے والا ہے۔''

''مِنْ لَّدُنْكَ'' یہ خبر صاف ظاہر کر رہی ہے کہ دعا کرنے والے کی نظر اس عالمِ اسباب میں بھی اسباب سے کہیں زیادہ مسبب الاسباب (اسباب پیدا کرنے والا) پر ہے۔[2]

اسی طرح حضرت ابرہیم عَلَیْہِ السَّلَامُ کو جب اپنی قوم کی طرف سے مایوسی ہوئی اور باپ نے بھی سختی شروع کی تو حضرت ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَامُ نے ہجرت کا ارادہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو شام کا راستہ دکھلایا تو کنبہ اور وطن بھی چھوٹ گیا۔ پھر ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَامُ نے دعا مانگی: ﴿رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ﴾[3]

تَرجَمَہ: ''اے میرے رب! مجھ کو کوئی نیک بیٹا بخش دیجیے۔''

یعنی اے اللہ! نیک اولاد عطا فرما جو دینی کاموں میں میری مدد کرے اور اس سلسلے کو باقی رکھے۔''[4]

چناں چہ آپ کی دُعا قبول ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک فرزند کی پیدائش کی خوش خبری سنائی: ﴿فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ﴾[5]

تَرجَمَہ: ''پس ہم نے ان کو ایک حلیم المزاج فرزند کی بشارت دی۔''

''حَلِيْمٍ'' فرما کر اشارہ کر دیا گیا کہ یہ نومولود اپنی زندگی میں ایسے صبر وضبط اور بردباری کا مظاہرہ کرے گا کہ دنیا اس کی مثال پیش نہیں کر سکتی۔

اس فرزند کی ولادت کا واقعہ یہ ہوا کہ جب حضرت سارہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا نے یہ دیکھا کہ مجھ سے کوئی اولاد نہیں ہو رہی تو وہ سمجھیں کہ میں بانجھ ہو چکی ہوں۔ اُدھر فرعونِ مصر نے حضرت سارہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا کو اپنی بیٹی جن کا نام ہاجرہ تھا، خدمت گزاری کے لئے دے دی تھی۔ حضرت سارہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا نے یہی ہاجرہ، حضرت ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَامُ کو عطا کر

---

[1] تفسیر عثمانی: ۴۰۷، مریم: ۴ تا ۸ [2] تفسیر ماجدی: ۱۳۱/۱، آل عمران: ۳۸ [3] الصّٰفّٰت: ۱۰۰
[4] تفسیر عثمانی: ۵۹۹، الصّٰفّٰت: ۱۰۰ [5] الصّٰفّٰت: ۱۰۱

دیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان سے نکاح کر لیا۔ ان ہی ہاجرہ کے بطن سے یہ صاحب زادے پیدا ہوئے اور ان کا نام (حضرت) ''اسماعیل'' (علیہ السلام) رکھا گیا۔[1]

اولاد کی اصلاح کے لئے الوھاب جل جلالہٗ سے دعا

اولاد کی تربیت و اصلاح کے لئے حضرت زکریا علیہ السلام نے مختصر اور جامع دُعا ان الفاظ سے فرمائی:

﴿وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا﴾

ترجمہ: ''اور میرے رب! تو اسے مقبول بندہ بنالے۔''

یعنی ایسا لڑکا دیجئے جو اپنے اخلاق و اعمال کے لحاظ سے میری اور تیری اور اچھے لوگوں کی پسند کا ہو۔[2]

اللہ تعالیٰ نے یہ دُعا ایسی قبول فرمائی کہ اس بچے کو اللہ تعالیٰ نے ذوق وشوق، رحمت و شفقت، رقت و نرم دلی اور محبت و محبوبیت عنایت فرمائی تھی اور صاف ستھرا، پاکیزہ خو، مبارک وسعید اور متقی و پرہیزگار بنایا تھا۔ حدیث میں ہے کہ یحییٰ علیہ السلام نے نہ کبھی گناہ کیا، نہ گناہ کا ارادہ کیا، اللہ تعالیٰ کے خوف سے روتے روتے رخساروں پر آنسوؤں کی نالیاں سی بن گئی تھیں۔

اس سے ایک بات یہ بھی پتہ چلی کہ والدین کو اولاد کی اصلاح کے لئے دعا مانگنے کا خوب اہتمام کرنا چاہئے۔

اسی طرح مریم علیہا السلام کی والدہ نے شیطان سے اولاد کی حفاظت کے لئے اس طرح دُعا مانگی تھی:

﴿وَاِنِّیْٓ اُعِیْذُھَا بِكَ وَذُرِّیَّتَھَا مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ﴾[3]

ترجمہ: ''میں اسے اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔''

حق تعالیٰ نے یہ دُعا قبول فرمائی۔ حدیث میں ہے کہ بچہ ولادت کے وقت جب ماں سے جدا ہو کر زمین پر آتا ہے، تو شیطان اسے مس کرتا ہے، مگر عیسیٰ علیہ السلام اور مریم علیہا السلام مستثنیٰ ہیں۔[4]

دُعا تو ہر انسان مانگتا ہے، مگر مانگنے کا سلیقہ ہر ایک کو نہیں آتا۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی دُعائیں سبق آموز ہوتی ہیں، ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ کیا چیز مانگنے کی ہے۔ یہاں پر ہم انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی مانگی ہوئی دعائیں یا قرآن کریم میں موجود دُعائیں جو اولاد کی تربیت کے لئے مانگی گئی ہیں اور اللہ جل جلالہٗ نے حکایتاً ذکر فرمائی ہیں، وہ ذکر کرتے ہیں، تاکہ ہم میں سے ہر شخص اپنی اولاد کے لئے وہی دُعائیں مانگے۔

اس لئے کہ وہ دُعائیں جو احکم الحاکمین خود بتا دیں کہ میرے دربار میں اس طرح ان الفاظ سے مانگو، وہ دُعائیں قبولیت کے زیادہ قریب ہیں۔ بیت العلم ٹرسٹ کی کتاب ''مستند مجموعہ وظائف[5]'' میں بھی ان دُعاؤں کو جمع کر دیا

---

[1] معارف القرآن: ۷/۴۵۷، الصّٰفّٰت: ۱۰۱ [2] تفسیر عثمانی: ۴۰۷، مریم: ۶ [3] آل عمران: ۳۶

[4] تفسیر عثمانی: ۶۹ [5] یہ کتاب کسی بھی معیاری دینی کتب خانے سے یا براہِ راست مکتبہ بیت العلم ٹرسٹ سے منگوائی جاسکتی ہے۔

گیا ہے جو قرآن و حدیث میں اولاد، گھر والوں اپنی اور ان سب کی سعادت مندی کے لئے مانگی گئی ہیں، لہٰذا والدین کو چاہئے کہ وہ بھی اپنے بچوں کی شیطان مردود سے حفاظت کے لئے حضرت مریم علیہا السلام کی والدہ کی دعا مانگتے رہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد کو شرک و بت پرستی سے محفوظ رکھنے کے لئے یہ خاص دُعا مانگی ہے:

﴿وَاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ﴾

ترجمہ: ''اور مجھ کو اور میری اولاد کو بت پرستی سے پناہ دے۔''

اس دُعا میں بڑی جامعیت ہے، کیوں کہ وہ گناہ جس کی معافی کا امکان نہیں، وہ شرک و بت پرستی ہے۔ اس سے محفوظ رہنے کی دُعا فرمادی۔

اس کے بعد اگر کوئی گناہ سرزد بھی ہو جائے تو اس کا کفارہ دوسرے اعمال سے بھی ہو سکتا ہے اور کسی کی شفاعت سے بھی معاف کئے جاسکتے ہیں۔ اگر عبادتِ اصنام کا لفظ صوفیائے کرام کے اقوال کے مطابق اپنے وسیع مفہوم میں لیا جائے کہ ہر وہ چیز جو انسان کو اللہ تعالیٰ سے غافل کرے، وہ اس کا بت ہے اور اس کی محبت سے مغلوب ہو کر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر اِقدام کر لینا ایک طرح سے اس کی عبادت ہے، تو اس دعاء یعنی عبادتِ اصنام سے محفوظ رہنے میں تمام گناہوں سے حفاظت کا مضمون آجاتا ہے۔[1]

کسی اللہ والے کی مجلس میں حاضرین سے پوچھا گیا کہ اس دور میں سب سے زیادہ مشکل کام کیا ہے؟

مختلف لوگوں نے اپنی اپنی سوچ اور علم کے مطابق جواب دیا۔ اکثر لوگوں کی رائے تھی کہ ''حلال کمانا'' یا ''سچ بولنا'' اس دور کا مشکل ترین کام ہے۔

مگر سوال کرنے والے نے خود اس سوال کا جواب یہ دیا کہ اس دور کا مشکل ترین کام:

''اپنے بچوں کی صحیح اسلامی خطوط پر تربیت کرنا'' ہے۔

ظاہر ہے کہ بچے کھانے پینے کی چیز نہیں جنہیں خراب ہونے سے بچانے کے لئے فریج یا دیگر انتظامات کیے جائیں۔ بچے سونے چاندی کی طرح بھی نہیں کہ انہیں تجوری میں بند کر کے خطرات سے محفوظ کر لیا جائے۔

یہ از حد ضروری ہے کہ بچوں کو تحصیلِ علم اور تجربے کی خاطر گھروں سے باہر نکال کر درس گاہوں میں بھیجا جائے۔ ان کی جسمانی نشوونما کے لیے انہیں باغات اور میدانوں میں بھیجا جائے۔ سماجی ضرورت کی خاطر ان کا رشتہ داروں اور احباب سے ملنا جلنا ابتدا ہی سے ہوتا رہے۔ ان کی ذہنی ترقی کے لئے ان کے ذاتی دوستوں کا وجود ضروری ہے، مگر یہ ضرورتیں ایسی ہیں جن کو پورا کرنے کے دوران بچوں کے بگڑ جانے کا پورا پورا اندیشہ باقی رہتا ہے۔

کیوں کہ درس گاہوں ...... باغات اور سماجی تقریبات میں ...... یہ بچے اپنے ہم عمر بچوں کے ساتھ گھلتے ملتے ہی ہیں

---

[1] معارف القرآن: ۲۶۲/۵، ابراھیم: ۳۵

اور برائی وبا کی مانند پھیلتی ہے۔ اس پر اضافہ یہ کہ اپنی کم عمری اور ناسمجھی کے باعث یہ بچے ''اچھوں'' اور ''بروں'' میں تمیز بھی نہیں کر سکتے۔

لہٰذا والدین کی ساری تربیتی کوششوں پر پانی پھر جانے کا امکان بہرحال موجود رہتا ہے۔ اسی ساری صورتِ حال کے باعث سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہم کیا کریں؟ اس سوال کا آسان اور قابلِ عمل جواب یہ ہے کہ اپنے بچوں کے حق میں ''الوھاب جل جلالہ'' کے حضور الحاح وزاری کے ساتھ دعا کریں۔

ان کی صلاح وفلاح کے لئے ...... ان کے دین دار و داعی بننے کے لئے ...... ان کے اچھے نصیبوں کے لئے ...... عافیت کے لئے ...... اچھے رشتوں کے لئے ...... ان کی اصلاح وتربیت کے لئے ان دعاؤں کو وقتاً فوقتاً مانگتے رہنا چاہئے۔ اس میں غور طلب بات یہ ہے کہ قرآنِ کریم کی یہ آیتیں اور دُعائیں ہمیں سکھا رہی ہیں کہ مانگنا صرف ۔ اللہ تعالیٰ ہی سے چاہئے۔ ''الوھاب'' اللہ تعالیٰ ہے، بخشش دینے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ گزشتہ تینوں دُعاؤں میں ھَبْ (امر) کا صیغہ استعمال کیا ہے کہ اے رب! نیک اولاد عطا کر، انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کو جب بھی کوئی ضرورت پیش آتی تو اللہ تعالیٰ ہی سے مانگتے اور مخلوقِ خدا کو بھی یہی سکھاتے کہ کوئی بھی چھوٹی یا بڑی حاجت ہو، اللہ تعالیٰ ہی سے مانگی جائے۔ جس ''الوھاب جل جلالہ'' سے اولاد مانگی جائے اُسی ''الوھاب جل جلالہ'' سے اولاد کی اصلاح وتربیت بھی مانگی جائے۔

اولاد دین دار ہو تو دنیا وآخرت میں آنکھوں کی ٹھنڈک ہے

ان دُعاؤں سے سیکھنے کی دوسری بات یہ ہے کہ حضراتِ انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام نے اولاد کی دُعا بھی مانگی تو دین کی خدمت ہی کے لئے مانگی۔ اللہ تعالیٰ کے دین کا بول بالا کرنے اور کلمۂ حق کو چاردانگ عالم میں پھیلانے کے لئے مانگی کہ اے اللہ! مخلوقِ خدا تک آپ کی توحید اور معرفت کا پیغام پہنچانا، جو ہمارے ذمے ہے، وہ کام بعد میں بھی چلتا رہے۔ لہٰذا ہمیں بھی چاہئے کہ انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کے نائب ہوتے ہوئے ہمارا بھی مقصدِ زندگی، دین بن جائے۔ چوبیس گھنٹوں کی زندگی میں جو بھی کام کریں، اس میں مقصود محض اللہ جل جلالہ کو راضی کرنا اور اس کے دین کو بلند کرنا ہو۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دعوت کے کام کی قدر اور اس کی معرفت نصیب فرمادے۔ آمین یا ربَّ العالَمِین.

علماء کرام فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ بھی اس نیت سے نہ کیا جائے کہ زیادہ ملے گا ...... یہ تو دینار خرچ کر کے بھی عبدالدینار (روپے پیسے کا غلام) ہی رہے گا۔ عبداللہ وہ رہے گا جو خرچ کر کے محض رضاءِ الٰہی کا طالب ہو۔ اسی طرح اذکار واوراد اس نیت سے پڑھنا کہ رزق میں وسعت ہوگی، یہ کمزور نیت ہے کہ ان اذکار سے صرف اس فانی دنیا کے فوائد حاصل کرنا مقصود ہو، بل کہ نیت یہ رکھیں کہ ان اذکار اور ان اعمال پر جو وعدے ہیں وہ تو ضرور پورے ہوں گے، لیکن ہماری نیت تو ان سے اللہ جل جلالہ کو راضی کرنا ہو۔

جو ان خیروں پر وعدے ہیں، وہ موعود ہیں، اور جو موعود ہو، وہ مقصود ومطلوب نہ بن جائے۔ مقصود ومطلوب تو ہر کام

میں رضاءِ الٰہی اور مخلوقِ خدا تک دین پہنچانا ہو جو کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا مقصود تھا کہ اللہ تعالیٰ کا ہر بندہ اللہ جل جلالہٗ کو پہچان کر اس کی ماننے والا بن جائے اور جہنم کے راستے سے ہٹ کر جنت میں جانے والا بن جائے۔

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام، اولاد کی پیدائش سے پہلے بھی دُعائیں مانگتے ہیں اور اولاد پیدا ہونے کے بعد بھی مانگتے رہتے ہیں۔ ہر مسلمان کو چاہیے کہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ان دُعاؤں کو یاد کرلے اور اپنی اولاد، والدین، بھائی، بہنوں کے لئے دُعا مانگتا رہے۔

خصوصاً جب زوجہ کے حمل ٹھہر جائے، تب سے اہتمام سے دُعا مانگے کہ اے اللہ! اس بچے، بچی کو دِین دار بنا...... دین کا خادم بنا...... نیک بنا...... دین کا داعی بنا...... ماں باپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک بنا...... اس کے نصیب اچھے فرما...... اس کے لئے عافیت کا فیصلہ فرما...... اس کے لئے سعادت کو مقدر فرما...... سعید و نیک بختوں کے ساتھ اس کا حشر فرما...... روزی حلال طیب عافیت کے ساتھ نصیب فرما...... ہمیں اولاد کا کوئی غم نہ دکھا، اس طرح مانگتے رہنا چاہیے۔

الوھاب جل جلالہٗ سے آنکھوں کی ٹھنڈک مانگئے

ایک دوسری آیت میں اللہ جل جلالہٗ نے ایسے لوگوں کی تعریف کی ہے جو اولاد اور بیوی کے حصول اور ان کے نیک صالح ہونے کے لئے اللہ تعالیٰ سے دُعائیں کرتے ہیں، چناں چہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا﴾[1]

ترجمہ: ''اے ہمارے پروردگار! تو ہمیں ہماری بیویوں اور اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہمیں پرہیزگاروں کا پیشوا بنا۔''

بیوی بچوں کے نیک بننے اور اولاد کے والدین کی آنکھوں کی ٹھنڈک بن جانے اور اس بات کے لئے کہ پورا گھرانہ الوھاب جل جلالہٗ کو راضی کرنے والا بن جائے اور آگے دوسروں کے لئے بھی ہدایت کا ذریعہ بن جائے تو اس کے لئے ''الوھاب جل جلالہٗ'' کے نیک بندوں کی دُعا بھی مانگی جائے۔ منگنی اور شادی کے بعد یہ دُعا خوب مانگی جائے۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''یہاں آنکھوں کی ٹھنڈک سے مراد یہ ہے کہ اپنے بیوی بچوں کو اللہ جل جلالہٗ کی اطاعت میں مشغول دیکھے۔''[2]

فوائد و نصائح

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اُم سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے درخواست کی کہ آپ اپنے خادم ''انس'' کے لئے کوئی دُعا فرمائیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے لئے یہ دُعا فرمائی:

---

[1] الفرقان: ۷۴ [2] معارف القرآن: ۵۰۹/۶، الفرقان: ۷۴

❶ "اَللّٰهُمَّ اَكْثِرْ مَالَهٗ وَوَلَدَهٗ"[1]

ترجمہ: "اے اللہ! اس (انس) کے مال اور اولاد میں کثرت عطا فرما۔"

اپنے لئے اور اپنی اولاد کی نماز کی پابندی کے لئے یہ دُعا مانگی جائے جو ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام نے مانگی تھی:

❷ ﴿رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ ۖ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ﴾[2]

ترجمہ: "اے میرے پالنے والے! مجھے نماز کا پابند رکھ اور میری اولاد سے بھی، اے ہمارے رب! میری دعا قبول فرما۔"

❸ "اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ وَّلَدٍ يَّكُوْنُ عَلَيَّ وَبَالًا وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ مَّالٍ يَّكُوْنُ عَلَيَّ عَذَابًا"[3]

ترجمہ: "اے اللہ! میں آپ کی پناہ لیتا ہوں ایسے مال سے جو میرے لئے فتنہ بن جائے اور آپ کی پناہ لیتا ہوں ایسی اولاد سے جو میرے لئے وبالِ جان بن جائے۔"

مسئلہ: وہ تمام دُعائیں جو قرآن وحدیث میں وارد ہیں، ان کو نفل نماز کے سجدے میں مانگ سکتے ہیں، چوں کہ بندہ سجدے میں اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ سے زیادہ قریب ہوتا ہے، اس لئے لمبے لمبے سجدے کریں اور ان میں دُعا کئی بار مانگیں۔ اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کو آدمی کی ساری حالتوں میں سب سے زیادہ پسند یہ ہے کہ اس کو سجدے میں پڑا ہوا دیکھے کہ پیشانی زمین سے رگڑ رہا ہو۔ اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کے ساتھ آدمی کو سب سے زیادہ قرب حالتِ سجدہ میں ہوتا ہے۔[4] جو دعائیں پیچھے ذکر کی گئی ہیں، ان دعاؤں کو تہجد کے نوافل کے سجدے میں، اسی طرح دوسرے عام نوافل کے سجدوں میں اور التحیات، درود شریف کے بعد مانگنا چاہئے۔

وصیت: یہ دعائیں مانگنے کے ساتھ ساتھ گھر کی خوش حالی اور گھر والوں کی سعادت مندی کے لئے میاں بیوی کو چاہئے کہ وہ چند کتابوں کا مطالعہ کریں۔ امید ہے ان کتابوں میں درج شدہ ہدایات پر عمل کرنے سے گھروں میں لڑائی جھگڑے، گلے شکوے اور اختلافات وفسادات ان شاء اللہ ختم ہو جائیں گے۔

شوہر کو چاہئے کہ وہ اپنے مطالعے میں یہ کتابیں رکھے:

اصلاحی خطبات	....	شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ العالی
تحفۂ زوجین	....	حضرت حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی
بیوی کے حقوق	....	حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ العالی
مسلمان خاوند	....	حضرت مولانا محمد ادریس انصاری صاحب رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی
تحفۂ دولہا	....	محمد حنیف عبدالمجید غَفَرَ اللّٰہُ لَہٗ وَلِوَالِدَیْہِ

[1] ترمذی: ابواب مناقب، مناقب أنس رضی اللہ عنہ: ۲۲۳/۲ [2] ابراھیم: ۴۰

[3] مجمع الزوائد، الادعیة، دعاء داؤد علیه السلام: ۲۱۴/۱۰، رقم: ۱۷۴۲۹ [4] مسند احمد: ۴۲۱/۲، رقم: ۹۱۶۵

مثالی باپ .... محمد حنیف عبدالجید غَفَرَاللّٰہُ لَہٗ وَلِوَالِدَیْہِ (اردو/انگریزی)

The Ideal Father

اصلاحی خطبات .... حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ العالی

کسی کو تکلیف نہ دیجئے .... محمد حنیف عبدالجید غَفَرَاللّٰہُ لَہٗ وَلِوَالِدَیْہِ

بیوی کو چاہئے کہ وہ اپنے مطالعے میں یہ کتابیں رکھے:

بہشتی زیور .... حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی

شوہر کے حقوق .... حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ العالی

اصلاح خواتین .... حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی

تحفۂ خواتین .... حضرت مفتی محمد عاشق الٰہی صاحب رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی (اردو/انگریزی)

مسلمان بیوی .... حضرت مولانا محمد ادریس انصاری صاحب رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی

تحفۂ دلہن .... محمد حنیف عبدالجید غَفَرَاللّٰہُ لَہٗ وَلِوَالِدَیْہِ (اردو/انگریزی)

A Gift To The Bride

مثالی ماں .... محمد حنیف عبدالجید غَفَرَاللّٰہُ لَہٗ وَلِوَالِدَیْہِ (اردو/انگریزی)

The Ideal Mother

دعا شروع کرنے سے پہلے ایک اہم اور پیاری تسبیح

❷ ”سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى الْعَلِيِّ الْوَهَّابِ“

یہ بہت ہی پیاری تسبیح ہے۔ ”اَلْوَهَّابُ جَلَّ جَلَالُہٗ“ کی صفت اس میں مذکور ہے۔ دعا کی ابتداء میں درود شریف اور اس تسبیح کو پڑھ کر دعا مانگنا دعا کے قبول ہونے کے زیادہ قریب ہے۔

جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے:

”حضرت سلمہ بن اکوع اسلمی رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ فرماتے ہیں: ”میں نے رسول اللہ ﷺ کو کوئی ایسی دعا کرتے ہوئے نہیں سُنا جس دعا کو آپ ﷺ ان کلمات سے شروع نہ فرماتے ہوں۔ (یعنی ہر دعا کے شروع میں آپ ﷺ یہ کلمات فرماتے تھے۔)

”سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى الْعَلِيِّ الْوَهَّابِ“[1]

تَرْجَمَہ: ”میرا رب سب عیبوں سے پاک، سب سے برتر، سب سے زیادہ بلند اور سب سے زیادہ دینے والا ہے۔“

---

[1] مسند احمد: ٤/٥٤، رقم: ١٦١١٣

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک بہت اہم اور پیاری دعا

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایمان اور اخلاص و عافیت کے لئے یہ دعا مانگا کرتے تھے:

۵ "اَللّٰهُمَّ هَبْ لِیْ اِیْمَانًا وَّیَقِیْنًا وَّمُعَافَاةً وَّنِیَّةً"[1]

ترجمہ: "اے اللہ! مجھے ایمان، یقین اور اخلاص نیت کی دولت اور عافیت نصیب فرما۔"

صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کتنے سمجھ دار تھے کہ "الوہاب جل جلالہ" سے مانگا تو ایمان، یقین اور عافیت مانگی۔ ایمان اور یقین بہت بڑی دولت ہے، اس کے ساتھ ساتھ عافیت بھی بہت بڑی نعمت ہے، حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ دعا ہم میں سے ہر ایک کو خوب مانگنی چاہئے۔

اس اسم سے تعلق پیدا کرنے والوں کو چاہئے کہ اس بات کا یقین رکھیں کہ بندہ کے پاس اس کے گھر کی کوئی شئے نہیں۔ جو کچھ ہے "الوہاب جل جلالہ" کا دیا ہوا ہے۔[2]

اسی طرح ہمیں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم عطا کئے جو دونوں جہانوں کے سردار ہیں اور ہمیں اسلام و ایمان کی دولت دی، دعوت و تبلیغ کا عظیم عمل عطا کیا جس کے ذریعے لاکھوں انسان کفر و شرک کے اندھیروں سے ایمان کی روشنی کی طرف آ رہے ہیں اور گمراہی سے سیدھی راہ کی طرف چل پڑے ہیں۔[3]

---

[1] کنز العمال، الاول، الاذکار، الادعیة المطلقة: ۲/۲۸۵، رقم: ۵۰۲۸

[2] شرح اسماء الحسنیٰ للمنصورپوری: ۷۰

[3] المنهج للامام الجوزی: ۳۱۸

الرَّزَّاقُ جَلَّ جَلَالُہٗ

(بہت روزی دینے والا)

اس اسم مبارک کے تحت تین تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

رزق لغت میں ہر اس چیز کو کہا جاتا ہے، جس سے کسی بھی نوعیت کا فائدہ حاصل کیا جائے۔

❶ علامہ خطابی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ فرماتے ہیں: ''الرَّزَّاقُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' وہ ذات ہے جس نے رزق کی ذمہ داری لی ہے اور ہر جان دار کے لئے اس کے رزق کا بندوبست کیا ہے۔ اس کا رزق اور اس کی رحمت تمام مخلوقات کو کافی ہے اور اس رزق میں اللہ تعالیٰ نے مؤمن اور کافر کی کوئی تخصیص نہیں فرمائی اور نہ ہی دوست و دشمن میں کوئی فرق فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کم زور شخص کو (اور چھوٹے بچے کو) بھی روزی پہنچاتے ہیں جو نہ کمانے کی طاقت رکھتا ہے اور نہ اُس کے پاس کوئی ذریعۂ معاش ہے۔ جیسا کہ اس شخص کو روزی دیتے ہیں جو مضبوط، توانا اور تندرست ہے۔''[1]

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا ارشاد ہے جس کا ترجمہ ہے:

''اور بہت سے جانور ہیں جو اپنی روزی اٹھائے نہیں پھرتے ان سب کو اور تمہیں بھی اللہ تعالیٰ ہی روزی دیتا ہے۔''

❷ (اَلرَّزَّاقُ): وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ الْأَرْزَاقَ وَأَعْطَى الْخَلَائِقَ أَرْزَاقَهَا وَأَوْصَلَهَا إِلَيْهِمْ.[2]

تَرجَمۃ: ''الرَّزَّاقُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' وہ ذات ہے جس نے تمام روزیوں کو پیدا کیا اور پھر ہر ہر مخلوق کو اس کی روزی عطا فرمائی اور اپنے فضل و کرم سے ہر ہر مخلوق تک اس کی روزی پہنچائی۔

❸ شیخ سعدی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ ''الرَّزَّاقُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' ہیں۔ اپنی تمام مخلوقات کو رزق دینے والے ہیں، زمین پر کوئی چیز ایسی نہیں جس کو اللہ تعالیٰ رزق نہ دیتے ہوں۔''

اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے بندوں کے لئے رزق دو طرح کا ہے:

---

[1] الرَّزَّاقُ: هُوَ الْمُتَكَفِّلُ بِالرِّزْقِ، وَالْقَائِمُ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍ بِمَا يُقِيمُهَا مِنْ قُوتِهَا، وَسِعَ الْخَلْقَ كُلَّهُمْ رِزْقُهٗ وَرَحْمَتُهٗ، فَلَمْ يَخْتَصَّ بِذَالِكَ مُؤْمِنًا دُوْنَ كَافِرٍ، وَلَا وَلِيًّا دُوْنَ عَدُوٍّ، يَسُوْقُهٗ إِلَى الضَّعِيفِ الَّذِي لَاحِيَلَ لَهٗ وَلَا مُتَكَسَّبَ فِيهِ كَمَا يَسُوْقُهٗ إِلَى الْجَلْدِ الْقَوِيِّ ذِي الْمِرَّةِ السَّوِيِّ قَالَ سُبْحَانَهٗ: ﴿وَكَأَيِّن مِّن دَابَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا اللَّهُ يَرْزُقُهَا وَإِيَّاكُمْ﴾ (عنكبوت: ٦٠) (النهج الأسمٰى: ١/١٩٣، ١٩٤)

[2] النهاية: ٢/٢١٩

① رزقِ عام، جو نیک و بد، اگلوں و پچھلوں سب کو شامل ہے، یہ رزقِ بدنی کہلاتا ہے۔
② رزقِ خاص، یہ دلوں کا توشہ ہے اور دلوں کی غذا علم اور ایمان سے حاصل ہوتی ہے۔
اور رزقِ حلال جو دین کے مطابق عمل کرنے پر مدد دیتا ہے، یہ رزق اللہ ربُّ العزت کی طرف سے مؤمنین کے ساتھ ان کے مراتبِ ایمانیہ کے اعتبار سے خاص ہے، جس کا اللہ ربُّ العزت کی حکمت و رحمت تقاضہ کرتی ہے[1] اور اس سے قریب تر بات وہ ہے جو ابنِ قیم رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے اپنی کتاب ''اَلنُّوْنِیَہ'' میں تحریر فرمائی ہے، فرماتے ہیں:

''اَلرَّزَّاقُ'' بھی اللہ پاک کے ناموں میں سے ایک نام ہے اور اُس کی طرف سے عطا کردہ رزق کی دو قسمیں ہیں:

❶ ایک رزق وہ ہے جو اللہ پاک کی طرف سے اُن کے بندے اور رسول کے ذریعے دنیا والوں کو عطا کیا گیا ہے۔ اس کو دلوں کی غذا کہا جاتا ہے اور اس کی بھی دو قسمیں معروف ہیں: ایک علم اور دوسرا ایمان اور دوسری قسم اجسام و ابدان کا رزق شمار کی جاتی ہے۔ یہی وہ رزقِ حلال ہے جس کا عطا کرنے والا ہمارا رب ہے اور بزرگی ساری احسان کرنے والے (اللہ تعالیٰ) ہی کے لئے ہے۔

❷ دوسری قسم یعنی رزقِ بدنی اِس کو اعضاء تک پہنچانے کے لئے جسم کی نالیوں میں کامل حکمت اور علم کے ساتھ بمقدارِ ضرورت چلایا جاتا ہے۔ اب یہ رزق حلال بھی ہوتا ہے اور حرام بھی اور دونوں کو رزق ہی کہا جاتا ہے اور رزق عطا کرنے والے اللہ پاک ہی ہیں اور ایک چیز (حرام) کو چھوڑ کر صرف دوسری چیز (حلال) پر رزق کا اطلاق کرنا صحیح نہیں۔[2]

اللہ تعالیٰ کے ان ہی پیارے ناموں کو پڑھتے ہوئے ایک عارف نے بے ساختہ کہا تھا:

---

[1] قَالَ السَّعْدِيُّ (الرَّزَّاقُ) لِجَمِيْعِ عِبَادِهٖ فَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا. وَرِزْقُهٗ لِعِبَادِهٖ نَوْعَانِ. ① رِزْقٌ عَامٌّ شَمَلَ الْبَرَّ وَالْفَاجِرَ، وَالْأَوَّلِيْنَ وَالْآخِرِيْنَ وَهُوَ رِزْقُ الْأَبْدَانِ. ② وَرِزْقٌ خَاصٌّ وَهُوَ (رِزْقُ) اَلْقُلُوْبِ، وَتَغْذِيَتُهَا بِالْعِلْمِ وَالْإِيْمَانِ. وَالرِّزْقُ الْحَلَالُ الَّذِيْ يُعِيْنُ عَلٰى صَلَاحِ الدِّيْنِ، هٰذَا خَاصٌّ بِالْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَرَاتِبِهِمْ مِنْهُ بِحَسْبِ مَاتَقْتَضِيْهِ حِكْمَتُهٗ وَرَحْمَتُهٗ. (تیسیر الکریم: ۳۰۲/۵، کلھما نقلاً عن النھج الاسمٰی: ۱۹۴/۱، ۱۹۵)

[2]

وَكَذٰلِكَ الرَّزَّاقُ مِنْ أَسْمَائِهٖ	وَالرِّزْقُ مِنْ أَفْعَالِهٖ نَوْعَانِ
رِزْقٌ عَلٰى يَدِ عَبْدِهٖ وَرَسُوْلِهٖ	نَوْعَانِ أَيْضًا ذَانِ مَعْرُوْفَانِ
رِزْقُ الْقُلُوْبِ الْعِلْمُ وَالْإِيْمَانُ	وَالرِّزْقُ الْمُعَدُّ لِهٰذِهِ الْأَبْدَانِ
هٰذَا هُوَ الرِّزْقُ الْحَلَالُ وَرَبُّنَا	رَزَّاقُهٗ وَالْفَضْلُ لِلْمَنَّانِ
وَالثَّانِيْ سَوْقُ الْقُوْتِ لِلْأَعْضَاءِ فِيْ	تِلْكَ الْمَجَارِيْ سَوْقُهٗ بِوِزَانِ
هٰذَا يَكُوْنُ مِنَ الْحَلَالِ كَمَا يَكُـ	وْنُ مِنَ الْحَرَامِ كِلَا هُمَا رِزْقَانِ
وَاللّٰهُ رَازِقُهٗ بِهٰذَا الْإِعْتِبَارِ	وَلَيْسَ بِالْإِطْلَاقِ دُوْنَ بَيَانِ

(''النونیة'' ۲۳۴/۲، نقلاً عن النھج الاسمٰی: ۱۹۵/۱)

"مُنْذُ عَرَفْتُ خَالِقِيْ مَاشَكَكْتُ فِيْ رِزْقِيْ."

تَرْجَمَہ: "جب سے میں نے اپنے خالق کو پہچانا ہے میں نے اپنی روزی کے بارے میں کبھی شک یا فکر نہیں کی۔"

"الرَّزَّاقُ جَلَّ جَلَالُہٗ" نے ہر جان دار کی روزی اپنے ذمے لی ہوئی ہے

روئے زمین پر چلنے والے جتنے انسان وحیوان ہیں، چاہے جنگل کے درندے، پرندے اور حشرات الارض ہیں یا دریا میں رہنے والا جانور ہیں، سب کو رزق پہنچانے کا ذمہ "الرَّزَّاقُ جَلَّ جَلَالُہٗ" نے خود لیا ہوا ہے۔

جیسا کہ اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ فرماتے ہیں:

﴿وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ۚ كُلٌّ فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ﴾[1]

تَرْجَمَہ: اور کوئی جان دار روئے زمین پر چلنے والا ایسا نہیں کہ اس کی روزی اللہ تعالیٰ کے ذمہ نہ ہو (اور رزق رسانی کے لئے علم کی ضرورت ہوتی ہے) ہر ایک کی مستقل رہنے کی جگہ اور عارضی رہنے کی جگہ کو جانتا ہے (اور ہر ایک کو وہاں ہی رزق پہنچاتا ہے اور گو سب چیزیں علم الٰہی میں ہیں ہی مگر اس کے ساتھ) سب چیزیں کتاب مبین (یعنی لوح محفوظ) میں بھی (منضبط اور درج) ہیں۔

الرَّزَّاقُ جَلَّ جَلَالُہٗ کا رزق کا وعدہ

وَاقِعَہ نمبر ۲۸: امام قرطبی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے اس مذکورہ سورۂ ہود کی آیت نمبر ۶ کے تحت ابوموسیٰ اور ابومالک وغیرہ قبیلہ اشعریین کا ایک واقعہ ذکر کیا ہے کہ یہ لوگ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ پہنچے تو جو کچھ توشہ اور کھانے پینے کا سامان ان کے پاس تھا، وہ ختم ہوگیا۔ انہوں نے اپنا ایک آدمی آں حضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی خدمت میں اس غرض سے بھیجا کہ ان کے کھانے وغیرہ کا کچھ انتظام فرما دیں۔ یہ شخص جب رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے دروازے پر پہنچا تو اندر سے تلاوت کی آواز آئی۔ رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یہ آیت پڑھ رہے تھے: ﴿وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا﴾ اس شخص کو یہ آیت سُن کر خیال آیا کہ جب اللہ تعالیٰ نے سب جان داروں کا رزق اپنے ذمہ لے لیا ہے تو پھر اشعری بھی اللہ تعالیٰ کے نزدیک دوسرے جانوروں سے گئے گزرے نہیں۔ وہ ضرور ہمیں بھی رزق دے گا۔ یہ خیال کر کے وہیں سے واپس ہوگیا، آں حضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کو اپنا کچھ حال نہیں بتلایا۔

واپس جا کر اپنے ساتھیوں سے کہا: خوش ہو جاؤ! تمہارے لئے اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کی مدد آرہی ہے، اس کے اشعری ساتھیوں نے اس کا یہ مطلب سمجھا کہ ان کے قاصد نے حسبِ مشورہ رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سے اپنی حاجت کا ذکر کیا ہے

---

[1] ہود: ۶

اور آپ ﷺ نے انتظام کرنے کا وعدہ فرما لیا ہے، وہ یہ سمجھ کر مطمئن بیٹھ گئے۔ وہ ابھی بیٹھے ہی تھے کہ انہوں نے دیکھا کہ دو آدمی ایک قصعہ (پیالہ) گوشت اور روٹیوں سے بھرا ہوا اُٹھائے لا رہے ہیں (قصعہ ایک بڑا برتن ہوتا ہے جیسے تسلہ یا سینی) لانے والوں نے یہ کھانا اشعریین کو دے دیا۔ انہوں نے خوب شکم سیر ہو کر کھایا، پھر بھی بچا رہا تو ان لوگوں نے یہ مناسب سمجھا کہ باقی کھانا آں حضرت ﷺ کے پاس بھیج دیں، تا کہ اس کو آپ اپنی ضرورت میں صرف فرما دیں۔ اپنے دو آدمیوں کو یہ کھانا دے کر آں حضرت ﷺ کے پاس بھیج دیا۔

اس کے بعد یہ سب حضرات آں حضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ کا بھیجا ہوا کھانا بہت زیادہ اور بہت نفیس ولذیذ تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے تو کوئی کھانا نہیں بھیجا۔

تب انہوں نے پورا واقعہ عرض کیا کہ ہم نے اپنے فلاں آدمی کو آپ کے پاس بھیجا تھا، اس نے واپس آکر یہ جواب دیا جس سے ہم نے سمجھا کہ آپ نے کھانا بھیجا ہے۔ یہ سن کر آں حضرت ﷺ نے فرمایا:

"ذٰلِكَ شَيْءٌ رَزَقَكُمُوْهُ اللّٰهُ." یہ رزق اللہ پاک نے تمہیں عطا فرمایا تھا۔[1]

الرَّزَّاقُ جَلَّ جَلَالُہٗ کی شانِ رزّاقیت

وَاقِعَۃٌ نَمْبَر ۲۹: بعض روایات میں آتا ہے کہ جس وقت حضرت موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَامُ آگ کی تلاش میں کوہِ طور پر پہنچے اور وہاں آگ کے بجائے تجلیاتِ الٰہی سامنے آئیں اور ان کو نبوت ورسالت عطا ہو کر فرعون اور اس کی قوم کی ہدایت کے لئے مصر جانے کا حکم ملا تو (طبعی طور پر) خیال آیا (جو کہ منصب اور کمالاتِ نبوت کے بالکل خلاف بھی نہیں) کہ میں اپنی زوجہ کو جنگل میں تنہا چھوڑ کر آیا ہوں، اس کی کفالت کرنے والا کون ہوگا؟ اس بنا پر ان کے دل کی تسلّی کے لئے حق تعالیٰ نے موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَامُ کو حکم دیا کہ سامنے پڑی ہوئی پتھر کی چٹان پر لاٹھی ماریں۔ انہوں نے تعمیلِ حکم کی تو یہ چٹان پھٹ کر اس کے اندر سے ایک دوسرا پتھر برآمد ہوا۔ حکم ہوا اس پر بھی لاٹھی ماریں۔ ایسا کیا تو وہ پتھر پھٹا اور اندر سے تیسرا پتھر برآمد ہوا۔ اس پر بھی لاٹھی مارنے کا حکم ہوا تو یہ شق ہوا اور اندر سے ایک جانور برآمد ہوا، جس کے منہ میں ہرا پتہ تھا۔

حق تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کا کامل اور مکمل یقین تو موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَامُ کو پہلے بھی تھا، مگر یقینی مدد اور نصرت کی جھلک اور مشاہدہ کا اثر کچھ اور ہی ہوتا ہے۔[2]

قصہ ایک پتھر کا

وَاقِعَۃٌ نَمْبَر ۳۰: ایک ڈاکٹر صاحب تھے وہ اپنے بچوں کے ساتھ پہاڑی علاقے میں گھومنے پھرنے گئے، ایک پہاڑ پر گول خوب صورت سا پتھر تھا، اس پر جب ان کی نظر پڑی تو ان کی بیٹی نے کہا:

---

[1] تفسیر قرطبی: ۷/۵، ہود: ٦ [2] معارف القرآن: ٥٩١/٤، ٥٩٢، ہود: ١١

امی! وہ پتھر دیکھو جیسے ہمارے ڈرائنگ روم کا کلر ہے بالکل اس سے میچ کرتا ہے۔

ماں نے کہا: بیٹی اٹھالو، وہ گول سا پتھر تھا چھوٹا سا، انہوں نے اٹھالیا، ان کی بیوی نے کہا: ہم سفر کی یادگار کے طور پر اس کو ڈرائنگ روم (مہمان خانے) میں رکھیں گے، دو سال وہ پتھر ان کے ڈرائنگ روم میں رہا، ایک دن ان کی بیوی صفائی کر رہی تھی، خود اس نے جو پتھر اٹھایا تو وہ پتھر اس کے ہاتھ سے پھسلا اور فرش پر گر کے دو ٹکڑے ہوگیا، اس نے دیکھا کہ اس پتھر کے اندر ایک سوراخ ہے اس میں سے ایک کیڑا نکل کر زمین پر چل رہا ہے، حیران ہوئی کہ دو سال سے یہ پتھر ہمارے گھر پر ہے، اے مالک! تو کتنا بڑا ہے کہ بند پتھروں میں بھی تو کیڑوں کو غذا پہنچا دیتا ہے، لہٰذا یہ حقیقت ہے کہ رزق جس کا ہو اس کو مل کر رہتا ہے۔[1]

اَلرَّزَّاقُ جَلَّ جَلَالُہٗ کا عجیب وغریب نظامِ قدرت

اس آیت میں حق تعالیٰ نے صرف اتنا بتانے پر اکتفاء نہیں فرمایا کہ ہر جان دار کا رزق اپنے ذمہ ہونے کا اعلان فرما دیا، بل کہ انسان کے مزید اطمینان کے لئے فرمایا: ”وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا“ اس آیت میں ”مُسْتَقَرّ“ اور ”مُسْتَوْدَع“ کی مختلف تفسیریں منقول ہیں کہ ”مُسْتَقَرّ“ اُس جگہ کو کہا جاتا ہے، جہاں کوئی شخص مستقل طور پر جائے قیام یا وطن بنالے اور ”مُسْتَوْدَع“ اُس جگہ کو کہا جاتا ہے جہاں کوئی عارضی طور پر کسی ضرورت کے لئے ٹھہرے۔

مطلب یہ ہوا کہ ”اَلرَّزَّاقُ جَلَّ جَلَالُہٗ“ کی ذمہ داری کو دنیا کے لوگوں اور حکومتوں کی ذمہ داری پر قیاس نہ کرو۔ دنیا میں اگر کوئی شخص یا کوئی اِدارہ آپ کے رزق کی ذمہ داری لے لے تو اتنا کام بہر حال آپ کو کرنا پڑے گا کہ اگر اپنی مقررہ جگہ کو چھوڑ کر کسی دوسری جگہ جانا ہو تو اس فرد یا ادارے کو اطلاع دیں کہ میں فلاں تاریخ سے فلاں تک فلاں شہر یا گاؤں میں رہوں گا، رزق کے وہاں پہنچنے پہنچانے کا انتظام کیا جائے، مگر ”اَلرَّزَّاقُ جَلَّ جَلَالُہٗ“ کی ذمہ داری میں آپ پر اس کا بھی کوئی بار نہیں، کیوں کہ وہ آپ کی ہر نقل وحرکت سے باخبر ہے۔ آپ کے مستقل جائے قیام کو بھی جانتا ہے اور عارضی اقامت کی جگہ سے بھی واقف ہے۔ بغیر کسی درخواست اور نشان دہی کے آپ کا راشن وہاں منتقل کر دیا جاتا ہے۔

اَللّٰہُ جَلَّ جَلَالُہٗ کے علمِ محیط اور قدرتِ مطلقہ کے پیشِ نظر صرف اس کا ارادہ فرما لینا، تمام کاموں کے سرانجام ہونے کے لئے کافی تھا۔ کسی کتاب یا رجسٹر میں لکھنے لکھانے کی کوئی ضرورت نہ تھی، مگر مسکین انسان جس نظام کا خوگر ہوتا ہے اس کو اس نظام پر قیاس کر کے بھول چوک کا کھٹکا ہو سکتا ہے۔ اس لئے اس کے مزید اطمینان کے لئے فرمایا ”كُلٌّ فِي كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ“ یعنی یہ سب کچھ ایک واضح کتاب میں لکھا ہوا ہے۔

اس واضح کتاب سے مراد لوحِ محفوظ ہے جس میں تمام کائنات کی روزی، عمر، عمل وغیرہ کی پوری تفصیلات لکھی ہوئی ہیں، جو حسبِ موقع وضرورت متعلقہ فرشتوں کے سپرد کر دی جاتی ہیں۔[2]

---

[1] عمل سے زندگی بنتی ہے: ۱۹۵

[2] معارف القرآن: ۵۹۲/٤، ۵۹۳، هود: ۱۱

الرَّزَّاقُ جل جلالہٗ ایسی جگہ سے رزق دیتے ہیں، جہاں سے وہم وگمان بھی نہیں ہوتا

اللہ جل جلالہٗ ''الرَّزَّاقُ'' ہیں، وہ روزی دینے والے ہیں، کبھی روزی اسباب کے موافق دیتے ہیں اور کبھی روزی ایسی جگہ سے دیتے ہیں جہاں سے روزی ملنے کا گمان بھی نہیں ہوتا۔ اللہ جل جلالہٗ قرآن کریم میں فرماتے ہیں:

﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۝ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ﴾[1]

تَرجَمَہ: ''جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اُس کے لئے (مضرتوں سے) نجات کی شکل نکال دیتا ہے اور اس کو ایسی جگہ سے رزق پہنچاتا ہے جہاں سے اس کا گمان بھی نہیں ہوتا۔''

تقویٰ یعنی گناہوں سے ڈرنے اور بچنے کا اہتمام کرنے اور گناہ ہو جائے تو فوراً سچی توبہ واستغفار کر لینے سے الرَّزَّاقُ جل جلالہٗ ایسی جگہ سے روزی دیتے ہیں کہ انسان کو وہم وگمان بھی نہیں ہوتا۔

اب تقویٰ کے تین درجات ہیں:

پہلا درجہ: دل اور دیگر اعضاء کو حرام کاموں سے بچایا جائے۔

دوسرا درجہ: مکروہات سے پرہیز کیا جائے۔

تیسرا درجہ: فضول اور بے مقصد باتوں سے بھی پرہیز کیا جائے۔

تقویٰ کا پہلا درجہ بندہ کی رُوح کو زندگی اور جلا بخشتا ہے۔

دوسرا درجہ رُوح کو صحت اور قوت بخشتا ہے۔

اور تیسرا درجہ روح کو فرحت، سرور اور تازگی بخشتا ہے۔[2]

لہٰذا دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو تقویٰ کے تینوں درجات پر عمل کی توفیق نصیب فرمائے، آمین

چھوٹے پہاڑ جتنی اونچی ایک مچھلی

واقعۂ مُبِیْن (۳۱): حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم تین سو صحابہ کا ایک لشکر ساحلِ سمندر کی طرف بھیجا اور ابوعبیدہ بن جراح (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو ہمارا امیر بنایا۔ چناں چہ ہم مدینہ سے چلے۔ راستے میں توشہ ختم ہو گیا تو ابوعبیدہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے حکم دیا کہ لشکر کے تمام توشے جمع کئے جائیں، چناں چہ تمام توشے جمع کئے گئے تو کھجور کے دو توشے دان بن گئے۔ ابوعبیدہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ہمیں ان میں سے تھوڑا تھوڑا روز دیتے رہے، پھر یہ توشے دان بھی ختم ہو گئے اور ہمیں روزانہ صرف ایک کھجور ملنے لگی۔ راوی نے (حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شاگرد

---

[1] الطلاق: ۲ [2] الفوائد لابن قیم الجوزیۃ: ۳۷

نے) کہا کہ ایک کھجور پر کیسے گزارہ ہوتا ہوگا؟

حضرت جابر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا: اس کی قدر اس وقت معلوم ہوئی جب وہ ایک کھجور بھی ملنی بند ہوگئی۔ پھر ہم جب ساحلِ سمندر پر پہنچے تو وہاں چھوٹے پہاڑ جتنی اونچی ایک مچھلی ملی، جس کے گوشت کو سارا لشکر ۱۸ دن تک کھاتا رہا۔ (دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض صحابہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ ایک ماہ تک کھاتے رہے) پھر ابوعبیدہ (رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ) کے فرمانے پر اس مچھلی کے دو کانٹے کھڑے کیے گئے اور ایک اونٹنی پر کجاوہ رکھا گیا، پھر وہ اونٹنی ان کانٹوں کے نیچے سے گزری اور اس کا سریا کوہان کانٹوں کو نہ لگا۔[1]

بے موسم پھل

واقعہ نمبر ۳۲: حضرت ماریہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْھَا جو کہ بعد میں مسلمان ہوگئی تھیں، وہ فرماتی ہیں: خبیب (رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ) کو میرے گھر میں قید کیا گیا تھا۔ ایک روز میں نے دروازے کے جھروکے سے جھانکا تو ان کے ہاتھ میں انسان کے سر کے برابر انگور کا ایک خوشہ تھا، جس میں سے وہ کھا رہے تھے۔ میرے علم میں اس وقت روئے زمین پر کہیں بھی کھانے کے لئے انگور نہیں تھے لیکن اَلرَّزَّاقُ جَلَّ جَلَالُہٗ چاہیں تو بے موسم پھل کھلا سکتے ہیں۔[2]

کسی سائل کو خالی ہاتھ نہ لوٹاتے تھے

واقعہ نمبر ۳۳: حضرت عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کہتے ہیں: ابواُمامہ (رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ) کی ایک باندی (جو کہ پہلے عیسائی تھیں اُنہوں) نے مجھے یہ واقعہ بیان کیا کہ ابواُمامہ (رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ) کو دوسروں پر خرچ کرنا بہت پسند تھا اور وہ اس کے لئے مال جمع کیا کرتے تھے اور کسی سائل کو خالی ہاتھ واپس نہیں کرتے تھے، اور کچھ نہ ہوتا تو ایک پیاز یا ایک کھجور یا کھانے کی کوئی چیز ہی دے دیتے۔

ایک دن ایک سائل ان کے پاس آیا۔ اُس وقت ان کے پاس ان میں سے کوئی چیز نہیں تھی، صرف تین دینار تھے۔ اس سائل نے مانگا تو ایک دینار اُسے دے دیا، پھر دوسرا آیا تو ایک دینار اُسے دے دیا، پھر تیسرا آیا تو ایک دینار اُسے دے دیا۔ جب تینوں دے دیئے تو مجھے غصہ آگیا، میں نے کہا: آپ نے ہمارے لئے کچھ بھی نہیں چھوڑا۔ پھر وہ دوپہر کو آرام کرنے لیٹ گئے، جب ظہر کی اذان ہوئی تو میں نے انہیں اٹھایا اور وہ وضو کر کے مسجد چلے گئے۔ چوں کہ ان کا روزہ تھا، اس لئے مجھے ان پر ترس آگیا اور میرا غصہ اُتر گیا۔ پھر میں نے قرض لے کر ان کے لئے رات کا کھانا تیار کیا اور شام کو ان کے لئے چراغ بھی جلایا۔ پھر میں چراغ ٹھیک کرنے کے لئے ان کے بستر کے پاس گئی اور بستر اُٹھایا تو اس کے نیچے سونے کے دینار رکھے ہوئے تھے۔ میں نے انہیں گنا تو وہ پورے تین سو تھے۔ میں نے کہا: چوں کہ اتنے دینار رکھے

[1] مسلم، الصید والذبائح، باب إباحة صید البحر: ۱۴۷/۲
[2] حلیة الأولیاء: ۱۵۹/۱، رقم: ۳۵۵

ہوئے تھے، اس وجہ سے انہوں نے تین دینار کی سخاوت کی ہے۔

پھر وہ عشاء کے بعد گھر واپس آئے تو دستر خوان اور چراغ دیکھ کر مسکرائے اور کہنے لگے: معلوم ہوتا ہے یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے ہاں سے آیا ہے (کیوں کہ ان کا خیال یہ تھا کہ گھر میں کچھ بھی نہیں تھا اس لئے نہ کھانا ہوگا نہ چراغ)۔ میں نے کھڑے ہو کر ان کا استقبال کیا، انہیں کھانا کھلایا، پھر میں نے کہا: اللہ آپ پر رحم فرمائے! آپ اتنے سارے دیناریوں ہی چھوڑ گئے جہاں سے ان کے گم ہونے کا خطرہ تھا۔ مجھے بتایا بھی نہیں کہ اٹھا کر رکھ لیتی۔ کہنے لگے: کون سے دینار، میں تو کچھ بھی نہیں چھوڑ کر گیا؟

پھر میں نے بستر اٹھا کر انہیں وہ دینار دکھائے۔ دیکھ کر وہ خوش بھی ہوئے اور بہت حیران بھی ہوئے۔ (کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے غیبی خزانے سے عطا فرمائے ہیں۔) یہ دیکھ کر میں بھی بہت متاثر ہوئی اور میں نے کھڑے ہو کر زنار کاٹ ڈالا (زنار اس دھاگے یا زنجیر کو کہتے ہیں جسے عیسائی کمر میں باندھتے تھے) اور مسلمان ہوگئی۔

حضرت ابن جابر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کہتے ہیں: میں نے اس باندی کو حمص کی مسجد میں دیکھا کہ وہ عورتوں کو قرآن، فرائض اور سنتیں سکھا رہی تھی اور دین کی باتیں سمجھا رہی تھی۔[1]

چوہے کے بل سے غیبی رزق

وَاقِعَہ نمبر ۳۴: حضرت مقداد رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی بیوی، حضرت ضباعہ بنت زبیر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا فرماتی ہیں: لوگ دو یا تین دن کے بعد قضائے حاجت کے لئے جاتے تھے، (کیوں کہ کھانے کو ملتا نہیں تھا) اور اونٹ کی طرح مینگنی کیا کرتے تھے۔ ایک دن مقداد (رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ) قضائے حاجت کے لئے گئے اور "بَقِيْعُ الْغَرْقَد" میں "حَجْبَہ" مقام میں ایک بے آباد جگہ قضائے حاجت کے لئے بیٹھ گئے۔ اتنے میں ایک بڑا سا چوہا ایک دینار اپنے بل میں سے باہر لایا اور ان کے سامنے رکھ کر اپنے بل میں چلا گیا اور پھر ایک ایک دینار لاتا رہا یہاں تک کہ سترہ دینار ہوگئے۔

مقداد (رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ) وہ سترہ دینار لے کر حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا واقعہ عرض کیا۔ حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے پوچھا: کیا تم نے اپنا ہاتھ بل میں داخل کیا تھا؟

مقداد نے کہا: نہیں! اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا۔ حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: (چوں کہ یہ دینار تم نے اپنی محنت سے حاصل نہیں کئے، بل کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے غیبی خزانے سے دیئے ہیں اس لئے) ان دیناروں میں خمس دینا تم پر لازم نہیں آتا۔ اللہ تعالیٰ تمہیں ان دیناروں میں برکت عطا فرمائے۔

حضرت ضباعہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا کہتی ہیں: اللہ تعالیٰ نے ان دیناروں میں بہت برکت عطا فرمائی اور وہ اس وقت ختم

---

[1] حلية الأولياء: ۱۰/۱۳۳ رقم: ۱٤۷۷۲، (في أحوال محمد بن عمر المغربي)

ہوئے جب میں نے مقداد (رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْهُ) کے گھر میں چاندی کے درہموں کی بوریاں دیکھیں۔[1]

پتھر سے چشمے پھوٹ پڑے

واقعہ نمبر ۳۵: "الرَّزَّاقُ جَلَّ جَلَالُهُ" نے حضرت موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کی دعا سے بنی اسرائیل کو میدانِ تیہ میں (جب ان کو بھوک کا تقاضہ ہوا تو) "مَنْ وَسَلْوٰی" نازل فرمادیا۔ یعنی درختوں پر ترنجبین (جوایک شیریں چیز ہے) بکثرت پیدا کردی اور بٹیریں ان کے پاس جمع ہوجاتیں، اُن سے بھاگتی نہ تھیں۔ یہ اُن کو پکڑ لیتے اور ذبح کر کے کھاتے رہتے تھے۔ اُن کو پانی کی ضرورت پیش آئی تو ایک پتھر پر لاٹھی مارنے کا حکم دیا گیا، اس پتھر سے چشمے پھوٹ پڑے۔ ان لوگوں نے رات کی اندھیری کا شکوہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے غیب سے ایک روشنی عمودی شکل میں ان کے محلے کے درمیان قائم فرمادی، کپڑے میلے ہوئے اور پھٹنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے بطورِ اعجاز یہ صورت کردی کہ اُن کے کپڑے نہ میلے ہوں نہ پھٹیں اور بچوں کے بدن پر جو کپڑے ہیں وہ ان کے بدن کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ اسی مقدار سے بڑھتے رہیں۔[2]

سونے کا مٹکا

واقعہ نمبر ۳۶: حضرت ابوہریرۃ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْهُ سے روایت ہے کہ حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: ایک آدمی نے دوسرے آدمی سے ایک زمین خریدی، جب زمین کو کھودا تو اُس میں ایک مٹکا مدفون پایا، جس میں سونا بھرا ہوا تھا۔ خریدار نے بیچنے والے سے کہا:

"خُذْ ذَهَبَكَ مِنِّي، إِنَّمَا اشْتَرَيْتُ مِنْكَ الْأَرْضَ، وَلَمْ أَبْتَعْ مِنْكَ الذَّهَبَ"

اپنا سونا مجھ سے لے لو (کہ یہ تمہاری امانت میرے پاس رہ گئی ہے) اس لئے کہ میں نے تو تم سے زمین خریدی تھی، زمین کے اندر (مدفون) سونا تو نہیں خریدا (جو بغیر کسی عوض کے لے لوں)۔

بیچنے والے نے کہا: "إِنَّمَا بِعْتُكَ الْأَرْضَ وَمَا فِيهَا" میں نے تو تمہارے ہاتھ زمین ہی نہیں بیچی، بل کہ اس میں جو کچھ ہے وہ بھی تمہارے ہاتھ فروخت کردیا (دونوں میں اختلاف ہوا، کوئی بھی وہ سونا لینے کے لئے تیار نہ تھا۔) لہٰذا دونوں اپنا مقدمہ ایک دوسرے شخص کے پاس لے گئے اور اسے ثالث بنایا، اس نے کہا: کیا تم میں سے کسی کی اولاد ہے؟ ایک نے کہا: ہاں، میرا ایک لڑکا ہے۔ دوسرے نے کہا: ہاں، میری ایک لڑکی ہے۔ ثالث نے کہا: اُس لڑکے کا نکاح لڑکی سے کردو اور اس سونے میں سے ان دونوں پر خرچ کرو اور صدقہ دو۔[3]

---

[1] حياة الصحابة: ٤٣٤/٤ (عربي) المال من حيث لا تحتسب

[2] تفسير قرطبي: ٣٣١/١، البقرة: ٥٧

[3] البخاري، حديث الانبياء، باب ما ذكر عن بني اسرائيل: ٤٩٤/١

فَائِدَہ: ان واقعات کو کتاب بند کر کے سوچیں، پھر ان کو یاد کر کے اپنے بچوں، بھائی بہنوں اور دوستوں کو سنائیں، تاکہ بار بار کہنے، سننے اور سوچنے سے ہمیں الرَّزَّاقُ جَلَّ جَلَالُہٗ پر ایسا سچا یقین نصیب ہو جائے کہ رزق کمانے کے دوران ہم حرام کاموں کے ارتکاب سے بچ جائیں۔

الرَّزَّاقُ جَلَّ جَلَالُہٗ کی طرف سے اندھے سانپ کی روزی کا سامان

وَاقِعَہ نمبر ۴۷: کرد ایک قبیلے کا نام ہے۔ اس میں ایک شخص مشہور ڈاکو تھا، وہ اپنا قصہ بیان کرتا ہے کہ: میں اپنے ساتھیوں کی ایک جماعت کے ساتھ ڈاکہ ڈالنے کے لئے جا رہا تھا، راستے میں ہم ایک جگہ بیٹھے تھے، وہاں ہم نے دیکھا کہ کھجور کے تین درخت ہیں، دو پر تو خوب پھل آ رہا ہے اور ایک بالکل خشک ہے اور ایک چڑیا بار بار آتی ہے اور پھل دار درختوں پر سے تر و تازہ کھجور اپنی چونچ میں لے کر اس خشک درخت پر جاتی ہے۔ ہمیں یہ دیکھ کر تعجب ہوا، میں نے دس مرتبہ اس چڑیا کو کھجور لے جاتے دیکھا تو مجھے یہ خیال ہوا کہ اس پر چڑھ کر دیکھوں کہ یہ چڑیا اس کھجور کا کیا کرتی ہے۔

میں نے اس درخت کے قریب کی ایک چوٹی پر جا کر دیکھا کہ وہاں ایک اندھا سانپ منہ کھولے پڑا ہے اور یہ چڑیا تر و تازہ کھجور اس کے مُنہ میں ڈال دیتی ہے۔ مجھے یہ دیکھ کر اس قدر عبرت ہوئی کہ میں رونے لگا، میں نے کہا: میرے مولیٰ! یہ سانپ جس کے مارنے کا حکم تیرے نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے دیا جب یہ اندھا ہو گیا تو اس کو روزی پہنچانے کے لئے تو نے چڑیا کو مقرر کر دیا، اور میں تیرا بندہ تیری توحید کا اقرار کرنے والا تو نے مجھے لوگوں کے لوٹنے پر لگا دیا۔ اس کہنے پر میرے دل میں یہ ڈالا گیا کہ میرے لئے توبہ کا دروازہ کھلا ہے۔ میں نے اُسی وقت اپنی تلوار توڑ ڈالی، جو لوگوں کو لوٹنے میں کام دیتی تھی اور اپنے سر پر خاک ڈالتا ہوا ''إِقَالَه إِقَالَه'' (درگزر درگزر) چلانے لگا۔

مجھے غیب سے آواز آئی کہ ہم نے درگزر کر دیا، درگزر کر دیا۔ میں اپنے ساتھیوں کے پاس آیا۔ وہ کہنے لگے: تجھے کیا ہو گیا۔ میں نے کہا: میں مہجور (ناطہ توڑے ہوئے) تھا، اب میں نے صلح کر لی، یہ کہہ کر میں نے سارا قصہ اُن کو سنایا۔ وہ کہنے لگے: ہم بھی صلح کرتے ہیں، یہ کہہ کر سب نے اپنی اپنی تلواریں توڑ دیں اور سب لوٹ کا سامان چھوڑ کر ہم احرام باندھ کر مکہ کے ارادے سے چل دیئے۔ تین دن چل کر ایک گاؤں میں پہنچے تو ایک اندھی بڑھیا ملی۔ اُس نے ہم میں سے میرا نام لے کر پوچھا کہ تم میں اس نام کا کوئی کُردی ہے۔ لوگوں نے کہا: یہ ہے، اُس نے کچھ کپڑے نکالے اور یہ کہا کہ تین دن ہوئے میرے لڑکے کا انتقال ہو گیا۔ اُس نے یہ کپڑے چھوڑے، میں تین دن سے روزانہ حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کو خواب میں دیکھ رہی ہوں۔ حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فرماتے ہیں کہ اس کے کپڑے فلاں کُردی کو دے دو۔ وہ کُردی کہتے ہیں کہ وہ کپڑے میں نے لے لئے اور ہم سب نے اُن کو پہنا۔[1]

---

[1] نزهة البساتين: ۲۵۷، ۲۵۸، حکایت نمبر: ۲۶۲

اسبابِ رزق بھی اَلرَّزَّاقُ جَلَّ جَلَالُہٗ ہی کے پیدا کردہ ہیں

اگر اللہ تعالیٰ کسی شخص کی مدد کرنا چاہے تو اس کے لئے اسباب پیدا کرنا کیا مشکل ہے، سارے اسبابِ غنا اور فقر کے وہی پیدا کرتا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ''جو شخص بھوکا ہو یا حاجت مند ہو اور وہ لوگوں سے اپنی حاجت کو پوشیدہ رکھے تو اللہ تعالیٰ پر (بوجہ اُس کے لطف وکرم کے) یہ حق ہے کہ اُس کو ایک سال کی روزی حلال مال سے عطا فرمائے۔''[1]

ہم اپنے گھر میں سو مہمانوں کی ضیافت کرتے ہیں تو احتیاطاً ایک سو دس مہمانوں کے کھانے کا انتظام کرتے ہیں۔ ''نَعُوْذُ بِاللّٰہِ'' قدرت کے نظام کو اتنا کم زور کیوں سمجھتے ہیں کہ وہ اگر زمین میں ایک دن میں لاکھ نومولود کے آنے کا انتظام کرتا ہے، تو ان کے کھانے کا اس سے زیادہ ہی کرے گا۔ اس نے بھوک کو پیدا کیا، وہی بھوک کے دور کرنے کا انتظام کرتا ہے۔ ابھی بچہ ماں کے پیٹ میں آتا بھی نہیں ہے کہ پہلے سے غذا کے لئے خون موجود ہوتا ہے، اور جب بڑا ہو گیا تو رزق کے لئے رونے کی خوب (عادت) عطا کر دی۔

اَلرَّزَّاقُ جَلَّ جَلَالُہٗ کی ذات نے شیر خوار بچوں کو نرم وعارضی دانت عنایت فرمائے، مگر جوں ہی بچہ بڑا ہونے لگتا ہے تو یہ عارضی دانت گرنے لگتے ہیں اور بتدریج مستقل دانت ان کی جگہ لے لیتے ہیں۔ چناں چہ دودھ کے دانت تعداد میں ۲۰ ہوتے ہیں، ہر جانب اوپر نیچے پانچ پانچ، یہ ۶ سال تک ساتھ دیتے ہیں۔ اسی دوران ایک ایک ڈاڑھ مستقل آجاتی ہے اور اس طرح کل دانت ۲۴ ہو گئے، پھر سامنے والے گرتے ہیں اور نئے آجاتے ہیں، پھر بتدریج ۲۸ ہو جاتے ہیں۔ ۱۷، ۱۸ سال کی عمر میں ایک ایک عقل داڑھ آجاتی ہے۔ اس طرح کل دانت ۳۲ ہو جاتے ہیں۔

اور غذا جب معدہ میں داخل ہوتی ہے تو وہاں نمک کا تیزاب خوراک میں موجود مختلف قسم کے جراثیموں کو مار دیتا ہے اور معدہ کے نمک کا یہ تیزاب اس قدر تیز ہوتا ہے کہ وہ خوراک میں لی گئیں تمام اشیاء پر اثر انداز ہوتا ہے، مگر معدہ اس کے اثر سے محفوظ رہتا ہے، اس لئے کہ معدہ کی دیواروں پر ایک مخصوص قسم کی چکنی اور لیس دار تہہ ''غشائے مخاطی'' موجود ہوتی ہے جس کی موجودگی معدے پر تیزاب کو اثر ڈالنے نہیں دیتی۔ معدہ کے اندر ساڑھے تین کروڑ کے قریب غدود ہوتے ہیں جن سے خاص کیمیائی مادوں کا اخراج ہوتا ہے۔[2]

فضا میں فضا کے پرندوں کے لئے رزق مہیا کیا اور پانی میں پانی کے جانوروں کے لئے۔ اونٹ ایک ایسے مقام کا جانور ہے، جہاں پانی اور سبزے کی افراط نہیں تو اس کے جسم میں پانی اور چربی کا ذخیرہ کر دیا کہ بوقتِ ضرورت کام آئے۔ بل کہ ہر جانور کے جسم میں چربی پیدا کر دی، تاکہ کسی وقت غذا نہ ملے تو وہ پگھل پگھل کر غذا کا کام دے اور تن کا گوشت

[1] شعب الایمان للبیھقی: ۱۲ / ۳۸۰، رقم الحدیث: ۹۵۸۱
[2] اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی حیرت انگیز بارش: ۵۴ تا ۵۷

محفوظ رہے۔[1]

الرّزّاق جلّ جلالہٗ کو ہی پالنے والا سمجھئے

حضرت مولانا یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اصل چیز سیکھنے کی ہے ایمان، اور یہ انسان ایمان سیکھنے کو تیار نہیں۔ ایک تو کمانے والے ہیں (جن کا) پورا یقین اپنی کمائی پر ہے۔ دوسرا طبقہ وہ ہے جو کماتا نہیں۔ زبان سے کہیں کہ اللہ دیدیں۔ کسی نہ کسی پر یقین رکھیں کہ فلاں کر دے گا۔ تبلیغ تو خوب ہو رہی ہے، اندر سے ٹٹولو تو اس کے دل کے اندر گوبر بھرا ہوا ہوگا۔ ایمان کے لئے علم، ایمان ہی کے لئے ہے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ۔

آخر میں یہ ہے کہ جو آدمی ایمان پر مرے گا وہ جائے گا جنت میں۔ آخری دعا بھی یہ ہے کہ "جسے زندہ رکھے عملوں پر زندہ رکھ، اور مارے تو ایمان پر مار۔" قبر میں جاتے ہی یہ سوال ہوگا کہ تیرا پالنے والا کون ہے؟

آدمی اپنے ذہن میں جس سے پلا ہو اس کی ہر وقت رعایت کرے۔ زمین دار کے ذہن میں یہ بیٹھا ہوا ہے کہ میں زمین داری سے پلوں گا۔ چاہے کتنا ہی سمجھالو، بارش ہوگئی۔ بغیر کھیتی کے پلتے نہیں۔ کھیتی بغیر بیل کے نہیں، بیل بغیر پیسہ کے نہیں۔ سود پر قرضہ لیا، بیل خرید لیا، زمین داروں کی اکثریت آج ایسی ہی ملے گی۔ کھیتی سے نہیں پلتا، اللہ تعالیٰ پالتے ہیں۔ جس کا یقین ہوگا اللہ تعالیٰ سے ملنے کا، قرضہ نہ ملا تو وہ بیل خریدنے کا ارادہ نکال دے گا۔ بٹائی پر دے دے گا یا وہ کام کرے گا جس سے بیل کے بغیر کام چل جائے۔ جس کا یقین یہ ہے کہ زمین داری سے پل رہا ہوں وہ سود بھی لے لے گا، رشوت بھی دے گا، جھوٹا بیان بھی دے گا۔ مرا یہ آدمی، مرتے ہی پہلا سوال (ہوگا) کہ تیرا پالنے والا کون ہے؟

کمانے والے یا نہ کمانے والے بھی، کوئی ضرورت آکر اڑے گی (یوں کہیں گے) پیر صاحب یوں کر دیں گے، منشی جی یوں کر دیں گے۔ مرتے ہی پوری زندگی کا خلاصہ پوچھ لیا کہ بتا تیرا پالنے والا کون ہے؟

اگر یہ یقین لے کر گیا کہ اللہ تعالیٰ پالتا ہے، نہ کمائی سے نہ کسی شکل وصورت سے پلنے کا تعلق۔ اگر ساری دنیا میں کوئی نہ ہو تو بھی اللہ تعالیٰ مجھے پالیں گے۔ تو جھٹ کہہ دے گا کہ میرے پالنے والے اللہ تعالیٰ ہیں۔ اگر دل میں نہیں تو زبان سے کیسے نکلے گا؟ مشق کر کے دل میں یہ بات لے گیا کہ بالکل کہیں سے نہیں پلتا، نہ دکان سے نہ کھیتیوں سے۔ اس کے لئے تیاریاں بھی کیں، کمائی کی پروا نہ کی، آدمیوں پر نگاہ نہ ڈالی، جان پر تکلیفیں اٹھائیں، اور محنت کرتے کرتے وقت گزار دیا۔ ہر حکم کو پورا کیا، کمایا تو جھوٹ نہیں بولا، سود نہیں دیا، رشوتیں نہیں دی، آبروریزی نہیں کی، اللہ کا حکم پورا کروں گا، اللہ پالیں گے۔ بوائی کے وقت آوازیں لگا دی تو اسی وقت دوڑ گیا۔ کوئی صورت نہیں بنی پلنے کی۔ جہاں گیا سب نے جھنڈی دکھا دی، مولوی نے، پیر نے، منشی جی نے ہری جھنڈی دکھا دی۔ اللہ تعالیٰ پالنے والے ہیں۔ سب کو چھوڑ کر چل دیا، اللہ تعالیٰ زمین پھاڑ کر دے دے گا۔ جس کا اپنے پلنے کے بارے میں غیر اللہ سے یقین ٹوٹ جائے، اللہ

---

[1] شرح اسماء الحسنیٰ للازھری: ۱۷۷

تعالیٰ سے یقین جڑ جائے تو یہ ایمان والا بنے گا۔ جب یہ تیاری کر کے جائے گا تو کہہ دے گا کہ اللہ تعالیٰ ہی پالنے والے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اچھی طرح بتا گئے صاف صاف۔ جاتے ہی پوچھیں گے تیرا رب کون ہے؟

دیکھ لے رٹنے سے جواب نہیں دے سکے گا۔ دل میں رکھنے سے جواب دے سکے گا۔ جب کہہ دیا کہ اللہ تعالیٰ پالنے والے ہیں۔ اچھا یہ بتلاؤ جب اللہ تعالیٰ پالنے والے تھے تو تم نے اللہ تعالیٰ سے پلنے کے واسطے کیا طریقہ اختیار کیا؟ برادری کا طریقہ اختیار کیا تھا۔ ہاہا کرے گا۔[1] ''اَللّٰھُمَّ احْفَظْنَا.''

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی نے پوچھا تھا کہ اگر کسی کو ایسی کوٹھڑی میں بند کر دیں کہ وہ چاروں طرف سے بند ہو تو رزق کہاں سے آئے گا؟ فرمایا: جہاں سے موت آئے گی۔ یعنی اللہ تعالیٰ موت کی طرح رزق کو بھی اندر پیدا کر دیتا ہے۔

سُبْحَانَ اللّٰہِ! کیا جواب دیا ہے۔ اس رزق کے آنے کو ایسی حالت میں کوئی ناممکن نہ سمجھے۔

انسان سرکش ہو جاتا ہے اور اس بات کو بالکل فراموش کر دیتا ہے کہ رزّاقِ حقیقی تو کوئی اور ہے۔ وہ رزّاق اگر رزق روک لے تو کوئی دوسرا ایسا رزّاق نہیں ہے جو رزق عطا کر سکے۔ اسی لئے انسان کو اس سے ڈرایا گیا کہ اللہ تعالیٰ کا جو رزق تم کو آسمان سے پانی برسنے اور زمین سے نباتات اگانے کے ذریعے مل رہا ہے یہ کوئی تمہاری ذاتی جاگیر نہیں، بل کہ اللہ تعالیٰ کی عطا و بخشش ہے وہ اس کو روک بھی سکتا ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اَمَّنْ هٰذَا الَّذِیْ یَرْزُقُكُمْ اِنْ اَمْسَكَ رِزْقَهٗ ۚ بَلْ لَّجُّوْا فِیْ عُتُوٍّ وَّنُفُوْرٍ﴾[2]

تَرجَمہ: ''اگر وہ اپنا رزق روک لے تو کون ہے جو تمہیں رزق دے سکے؟ (کوئی نہیں) بل کہ یہ سرکشی اور حق سے بھاگنے کے لئے لگے ہوئے ہیں۔''

یعنی وہ رزّاقِ حقیقی ہے جس کے لئے چاہتا ہے رزق میں وسعت پیدا کر دیتا ہے اور جس کے لئے چاہتا ہے رزق کی تنگی پیدا کر دیتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اَوَلَمْ یَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَقْدِرُ﴾[3]

تَرجَمہ: ''کیا انہیں یہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ جس کے لئے چاہتا ہے روزی فراخ کر دیتا ہے اور جس کے لئے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے۔''

اس رزّاقِ حقیقی پر بھروسہ نہ ہونے کی وجہ سے انسان کبھی تو یہ سمجھتا ہے کہ مجھے دکان پالتی ہے، کبھی سمجھتا ہے کہ مجھے

---

[1] ''بیان'' حضرت مولانا یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ　[2] الملک: ۲۱　[3] الزمر: ۵۲

ملازمت پالتی ہے، کبھی سمجھتا ہے کہ میری زمین اور تجارت مجھے پالتی ہے، کبھی سمجھتا ہے کہ اپنے کو اور اپنے خاندان کو میں خود پالتا ہوں اور یوں اپنی ناقص عقل کی بناء پر ان چیزوں کو بڑا سمجھ کر ان کی پرستش (عبادت) میں لگا رہتا ہے۔

اذان میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف بُلاتے ہوئے "اَللّٰہُ اَکْبَرُ" کہہ کر سب سے پہلے ان فاسد خیالات کی جڑ کاٹ دی جاتی ہے اور بتا دیا جاتا ہے کہ یہ سب چیزیں چھوٹی ہیں اور اللہ تعالیٰ سب سے بڑا ہے۔ وہ ہر بلندی سے بلند اور ہر بڑائی سے بڑا ہے اور وہ ایک بڑا (اَلرَّزَّاقُ جَلَّ جَلَالُہٗ) ہی سب کو پالتا ہے۔ نہ دکان تمھیں پال سکتی ہے نہ ملازمت، تجارت اور زمین تمھیں پال سکتی ہے اور نہ تم خود اپنے آپ کو پال سکتے ہو۔ پالنا صرف اس کی شان ہے اور وہ انسانوں کو بھی پالتا ہے اور حیوانوں کو بھی پالتا ہے۔ وہ پرندوں کو بھی پالتا ہے اور کیڑے مکوڑوں کو بھی پالتا ہے۔

جن اسباب و وسائل پر تمھیں اعتماد ہے وہ سب فانی ہیں، دکان فانی ...... ملازمت فانی ...... تجارت فانی ...... دولت فانی ...... تم خود فانی ...... ان فانی چیزوں پر اعتماد نہ کرو، بل کہ اُس ذات پر اعتماد کرو جو خود باقی ...... اور اس کی ہر صفت بھی باقی ...... مالکیت باقی ...... خالقیت باقی ...... رزّاقیت باقی ...... قدرت باقی ...... علم باقی ...... غرض یہ کہ اس کی کوئی صفت فنا سے آشنا نہیں ہوسکتی۔

تنبیہ: اس وصف رزّاقیت سے بندہ کا اصلی حصہ دو چیزیں ہیں:

❶ یہ کہ اس وصف کی حقیقت سمجھے اور یقین کرے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی اس وصف کا مستحق نہیں ہے۔ لہٰذا ہمیشہ اللہ تعالیٰ ہی کو روزی رساں سمجھے اور اس کے متعلق اللہ تعالیٰ ہی پر توکل کرے۔

اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ نے زمین و آسمان پیدا فرما کر جہاں انسانوں کے لئے معاش کے دروازے کھول دیئے، وہاں جانوروں کے لئے بھی معاش کے دروازے کھولے ہیں۔ گھر کے پالتو جانور، مثلاً: بکری، گائے، بیل، گھوڑا اور گدھا وغیرہ بھی اگرچہ حقیقت کے اعتبار سے اپنی روزی اور ضروریاتِ معاش اَلرَّزَّاقُ جَلَّ جَلَالُہٗ ہی کی طرف سے پاتے ہیں، مگر ظاہری طور پر ان کی خور و نوش اور رہائش کا انتظام انسانوں کے ہاتھوں میں ہوتا ہے۔

ان کے علاوہ تمام دنیا کے برّی و بحری جانور، پرندے اور درندے ایسے ہیں، جن کے سامانِ معاش میں کسی انسانی ارادے اور عمل کا کوئی دخل اور شائبہ بھی نہیں پایا جاتا اور یہ جانور اتنے زیادہ اور بے شمار ہیں کہ انسان نہ اُن سب کو پہچان سکتا ہے نہ شمار کرسکتا ہے۔

تم کہاں سے کھاتے ہو؟ کا خوب صورت جواب

واقعہ نمبر ۳۸: حضرت حاتم اصم رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کی نسبت روایت ہے کہ کسی نے اُن سے پوچھا: تم کہاں سے کھاتے ہو؟

حاتم: اُس کے خزانے سے۔

سائل: کیا وہ آسمان سے تمہاری طرف روٹی پھینک دیتا ہے؟

حاتم: اگر زمین اُس کی اپنی نہ ہوتی، تو بے شک اس کو آسمان ہی سے روٹی پھینکنی پڑتی۔

سائل: تم کلام کی تاویل کر لیتے ہو۔

حاتم: اس لئے کہ اُس نے آسمان سے کلام ہی نازل فرمایا ہے۔

سائل: معاف کیجئے، میں آپ سے بحث کرنے کی تاب نہیں رکھتا۔

حاتم: اس لئے کہ حق کے آگے باطل ٹھہر نہیں سکتا۔

❷ بندہ کے حصے میں دوسری چیز یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو نیک ہدایت کرنے والا علم اور نیکی کا راستہ دکھانے والی زبان، اور صدقہ وخیرات دینے والا ہاتھ عطا کرے اور وہ اپنے نیک اقوال واعمال کی بدولت لوگوں کے دلوں میں سب سے زیادہ قابلِ عزت ہو اور اُن تک رزق پہنچنے کا موجب ہو۔ اللہ تعالیٰ جب اپنے بندے پر محبت کی نظر کرتا ہے تو اُس کی طرف لوگوں کی توجہ بڑھا دیتا ہے اور جب وہ اللہ اور اللہ کے بندوں کے درمیان وصولِ رزق کا ذریعہ بن جاتا ہے تو اس وصف سے خوب حصہ پالیتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اَلْخَازِنُ الْأَمِيْنُ الَّذِيْ يُنْفِقُ -وَرُبَّمَا قَالَ: الَّذِيْ يُعْطِيْ- مَا أُمِرَ بِهٖ كَامِلاً مُوَفَّراً، طَيِّباً نَفْسُهٗ إِلَى الَّذِيْ أُمِرَ بِهٖ أَحَدُ الْمُتَصَدِّقِيْنَ."[1]

ترجمہ: "یعنی دیانت دار خزانچی جو اپنے مالک کے حکم کے موافق دل کی خوشی کے ساتھ صدقہ پورا پورا ادا کرے، وہ خود بھی صدقہ دینے والا شمار ہوتا ہے۔"

بندوں کے ہاتھ اللہ تعالیٰ کے خزانے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے جس شخص کے ہاتھوں کو بدنوں کے رزق کا خزانہ اور اُس کی زبان کو دلوں کے رزق کا خزانہ بنایا ہو اس نے اس وصف سے بہت بڑا حصہ حاصل کیا ہے۔[2]

"بے شک رزق دینے والی ذات ایک اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور وہ رزق دینے میں یکتا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، جیسا کہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے جس کا ترجمہ ہے: اے لوگو! تم پر جو انعام اللہ نے کئے ہیں انہیں یاد کرو۔ کیا اللہ کے سوا کوئی اور بھی خالق ہے، جو تمہیں آسمان وزمین سے روزی پہنچائے؟ اُس کے سوا کوئی معبود نہیں تو پھر کہاں اُلٹے جاتے ہو؟[3]

---

[1] البخاري: الوكالة، باب وكالة الأمين: ۱/۳۱۱

[2] رسائل امام غزالی: ۱/۲۹۵

[3] إِنَّ الْمُتَفَرِّدَ بِالرِّزْقِ هُوَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ: ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ۭ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ڮ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ﴾ (فاطر: ۳) (النهج الاسمىٰ: ۱/۱۹۶)

''اس آیتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ اپنی توحید، اور اکیلے لائقِ عبادت ہونے پر اپنے بندوں کو تنبیہ فرما رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اکیلے سب کو پیدا کرنے والے ہیں اور اکیلے ہی سب کو رزق دینے والے ہیں۔ اس صفت میں ان کا کوئی شریک نہیں اور جب بات ایسی ہی ہے تو عبادت ایک اللہ ربُّ العزت ہی کی ہونی چاہئے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ عبادت میں اور دعا مانگنے میں کسی بت یا اور کسی چیز کو شریک نہیں ٹھرانا چاہئے۔'' اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے آخر میں فرمایا ﴿ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴾[1] ''یعنی اتنے واضح بیان کے بعد اب تم اللہ تعالیٰ کی توحید اور عبادت سے کہاں پھرے جارہے ہو؟''

رزق کا معاملہ

وَاقِعَہٗ نَمْبَر (۳۹): یاد رکھئے! جب بندہ اس رزق کو نیکی کے کام میں استعمال کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس رزق میں برکت دے دیتے ہیں۔

یہ اس وقت کی بات ہے جب ڈالر آٹھ روپے کا ہوتا تھا ہم[2] لوگ کراچی میں تھے کہ ہمیں ایک ریڑھی کے اوپر ایک آدمی دال سوئیاں بیچنے والا ملا، میرے ساتھی کہنے لگے: یہاں سے کچھ لے لیتے ہیں اور جہاں جارہے ہیں ان کے پاس کھائیں گے طالب علمی کا زمانہ تھا ہم نے کہا بہت اچھا لے لو، اس نے کچھ دال سوئیاں لے لیں، میں نے اس آدمی سے پوچھا:

بھئی آپ یہ دال سوئیاں بیچتے ہیں تو ایک دن میں آپ کی کتنی بک جاتی ہیں۔ وہ مجھے کہنے لگا: جی اللہ کا بڑا کرم ہے، یہ وہ وقت تھا کہ جب انجینئر کی تنخواہ ایک مہینہ کی ایک سو پچاس روپے ہوتی تھی، اڑھائی سو روپے ہوگئی، پھر تین سو روپے ہوگئی، ہم بڑے حیران ہوتے تھے، اتنی تنخواہ انجینئر کی بڑھ گئی تین سو روپے ہوگئے، تو جب اس سے پوچھا کہنے لگا: جی اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ روزانہ اس ریڑھی سے چھ ہزار روپے کی دال سوئیاں بیچتا ہوں، جب انجینئر کی مہینہ کی تنخواہ ایک ہزار سے کم تھی اس وقت دال سوئیاں بیچنے والا ریڑھی کے ذریعے سے چھ ہزار کی روز بیچا کرتا تھا، کیوں کہ رزق کی کنجیاں اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔

وَاقِعَہٗ نَمْبَر (۴۰): ہماری جماعت کے ایک دوست ہیں، انہوں نے ایک خط لکھا کہ حضرت جب سے میں نے نیکی اختیار کی، اللہ نے رزق میں بہت برکت دے دی، پھر عجیب بات تو یہ لکھتا ہے کہ میرا چائے کا کھوکھا ہے، حضرت چائے کے اس کھوکھے میں روزانہ بارہ ہزار روپے کما کر اٹھتا ہوں بارہ ہزار، آج کسی اسکول کے ٹیچر کی تنخواہ نہیں ہے، وہ ان پڑھ بندہ ہے اور روزانہ چائے کے کھوکھے سے بارہ ہزار روپے لے کر اٹھتا ہے۔[3]

---

[1] فاطر: ۳ [2] یعنی پیر ذوالفقار احمد نقشبندی صاحب [3] عمل سے زندگی بنتی ہے: ۲۰۲

فوائد ونصائح

ہر مولود (پیدا ہونے والا نفس) اپنے ساتھ رزق لاتا ہے، کیوں کہ رزق کا ذمہ دار اَلرَّزَّاقُ جَلَّ جَلَالُہٗ ہے۔ رزق مقسوم (تقسیم شدہ) ہے، کم یا زیادہ نہیں ہوسکتا، ہر شخص اسی قدر کھا کر مرے گا، جتنا کہ اس کے مقدر میں لکھ دیا گیا، مگر کچھ باتیں ملحوظِ خاطر رہنی چاہئیں:

❶ اس کے یہ معنیٰ نہیں ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے پیدا کیے ہوئے اسباب وآلات کو چھوڑ دے، بل کہ راز یہ ہے کہ اسباب ضرور اختیار کرے، مگر بھروسہ اسباب پر کرنے کے بجائے اللہ تعالیٰ پر کرے کہ جب تک اس کی مشیت وارادہ نہ ہوجائے کوئی کام نہیں ہوسکتا، بل کہ یہ بھی توکل ہی کی ایک اعلیٰ قسم ہے کہ اسباب ہوتے ہوئے بھی نظر اللہ تعالیٰ کے خزانوں ہی پر رہے۔

❷ رزق حاصل کرنے کے حرام اسباب سے بچے۔ اگر کوئی حرام آمدنی کا ذریعہ ہے تو جید علماء ومفتیانِ کرام سے پوچھ کر اس کو چھوڑنے اور بدلنے کی کوشش کرے۔ اکیلے بیٹھ کر یہ سوچے کہ جب رزق پہنچانا اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے اور رزق مل کر رہے گا تو حرام سبب کیوں اختیار کروں؟

❸ فجر کی نماز کے بعد تین مرتبہ یہ دُعا مانگے:

"اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ عِلْمًا نَّافِعًا وَّرِزْقًا طَيِّبًا وَّعَمَلًا مُّتَقَبَّلًا"[1]

تَرجَمَہ: "اے اللہ! میں آپ سے ایسا علم جو نفع بخش ہو اور ایسا عمل جو تیرے دربار میں مقبول ہو اور حلال صاف روزی مانگتا ہوں۔"

❹ جو شخص فجر کی نماز کے بعد ستر ۷۰ مرتبہ اس آیت کو پڑھ کر دُعا مانگے گا، وہ رزق کی تنگی سے محفوظ رہے گا۔

﴿اَللّٰهُ لَطِيْفٌ ۢبِعِبَادِهٖ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَهُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ﴾[2]

تَرجَمَہ: "اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر نرمی رکھتا ہے، جس کو چاہے روزی دیتا ہے اور وہی زور آور زبردست ہے۔"[3]

❺ رزق کی آسانی میں گناہوں سے بچنے اور استغفار کی کثرت کو بہت دخل ہے، لہٰذا تاجر ہو تو ان باتوں کا خیال رکھے:

① جھوٹ و دھوکہ دہی سے بچے۔ فجر کے بعد نہ سوئے، اوقاتِ نماز میں دکان، کاروبار بند رکھے اور اطمینان سے نماز پڑھے۔

② زکوٰۃ پوری پوری نکالے اور والد کے انتقال کے بعد بھائی بہنوں کا حق فوراً ان کو دے دے ورنہ بھائی بہنوں کی

---

[1] مسند احمد: ۳۲۲/۶، رقم: ۲۶۱۹۱ [2] الشوریٰ: ۱۹ [3] معارف القرآن: ۶۸۴/۷

بددعاؤں سے اور ان کا مال اپنے مال میں ملانے سے نفع تو خیر ایک طرف، بعض اوقات اصل پونجی بھی ضائع ہو جاتی ہے اور آدمی اپنی زندگی میں ہی مال دار ہوتے ہوئے بھی آفات پڑنے پر قلاش (خالی ہاتھ) ہو کر فٹ پاتھ پر آجاتا ہے، یا اخیر عمر میں ایسی ایسی بُری بیماریوں میں پھنس جاتا ہے کہ وہ سارا پیسہ علاج میں ضائع ہو جاتا ہے، یا موت کے بعد اولاد آپس میں جھگڑتی رہتی ہے اور وہ مال پھر عدالتوں میں ضائع ہوتا ہے۔

اس لئے جو شخص چاہتا ہے کہ روزی آسانی سے ملے اور پاکیزہ اور برکت والی ہو تو تقویٰ اختیار کرے، یعنی گناہوں سے بچے......، کسی کا دل نہ دکھائے......، کسی کی آہ نہ لے......۔

اسی طرح ملازم ہوتے ہوئے پوری پوری ڈیوٹی ادا کرے، امانت میں خیانت نہ کرے، اوقات میں ڈنڈی نہ مارے، پھر جتنی بھی تنخواہ ہوگی اِن شاء اللہ اس میں ایسی برکت ہوگی کہ تنگی نہیں رہے گی۔

اللہ تعالیٰ کی صفتِ رزّاقیت پر جس کو جتنا یقین ہوگا اتنا ہی اس کے اعمال میں اس کا ظہور ہوگا۔ دل میں اگر یہ ہے کہ واقعی ہر حال میں ہم اس رزّاق کے حکم سے پلتے ہیں تو ایسا شخص کہ ''خیال رزق کا ہے، رازق کا کچھ خیال نہیں'' والی خرابی سے بچ کر چلے گا۔ کمائی میں حد سے زیادہ انہماک، کمائی کے ذریعوں میں احکامات کو توڑنا (جس میں حقوق اللہ، حقوق العباد اور آدابِ معاشرت میں کوتاہی جیسی ساری خرابیاں شامل ہیں)، ان سب سے بچے گا۔ نیز جب حلال طریقے پر حلال مال کمائے گا تو اس کی لاج رکھتے ہوئے حلال مصارف ہی پر استعمال بھی کرے گا۔ اللہ تعالیٰ کے حکموں کو پورا کر کے حاصل کیا جانے والا مال اسی مالک کی کرم نگاہی کی وجہ سے مالک کے حکم کے مطابق استعمال ہوتا ہے اصل یہ ہے کہ دل میں رازق کی رزّاقیت پر کامل ایمان جم جائے۔

اس اسم مبارک سے تعلق حاصل کرنے والوں پر لازم ہے کہ اس صفتِ رزّاقیت کا استحضار رکھتے ہوئے اپنا اپنا جائزہ لیں کہ ہم میں کیا تبدیلی آئی اور صفتِ رزّاقیت پر ایمان کے ذریعے ہماری کیا ایمانی کیفیت بنی؟

جھوٹ بول کر لاکھوں روپے ملتے ہوئے نظر آئیں تو چھوڑ دیں۔ ہرگز جھوٹ بول کر سودا نہ بیچیں۔ ''رزّاق'' یہ روپے نہیں ہیں، بل کہ ''رزّاق'' اللہ تعالیٰ ہیں۔ اُس رزّاق نے میرے مقدر میں اگر لاکھ روپے لکھے ہوں گے تو ضرور ملیں گے۔

رزق میں برکت کی دعائیں اور تدبیریں

جس طرح رزقِ حلال، طیب و پاکیزہ کے حصول کی دعا مانگنی چاہئے، اسی طرح رزق کے حاصل ہونے کے بعد اس کو صحیح جگہ خرچ کرنے......، بخل سے بچنے......اور فضول و اسراف کے گناہ سے بچنے......کی بھی دعا کرنی چاہئے، اسی طرح حدیث میں بڑی عمر میں رزق کی وسعت کے لئے ایک بہت پیاری دعا سکھلائی گئی ہے:

❶ ''اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ اَوْسَعَ رِزْقِكَ عَلَيَّ عِنْدَ كِبَرِ سِنِّيْ وَانْقِطَاعِ عُمُرِيْ'' [1]

---

[1] مستدرك حاكم، كتاب الدعاء: ۱/۷۳۵، رقم: ۲۰۳۹

الرَّزَّاقُ

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۝٢ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ

(الطلاق ۲، ۳)

"جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے نجات کی شکل نکال دیتا ہے
اور اس کو ایسی جگہ سے رزق پہنچاتا ہے جہاں سے اس کا گمان بھی نہیں ہوتا۔"

تَرْجَمَۃ: اے اللہ! عمر بڑھ جانے پر اور بڑھاپے کے وقت اپنا رزق مجھ پر اور زیادہ فرما۔

اسی طرح رزق میں برکت کے لئے یہ دو دُعائیں مانگنی چاہئیں:

① ''اَللّٰھُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيمَا رَزَقْتَنَا وَاجْعَلْ غِنَاءَنَا فِیْ اَنْفُسِنَا.''[1]

تَرْجَمَۃ: ''اے اللہ! آپ نے جو ہمیں رزق عطا کیا، اس میں ہمارے لئے برکت فرما اور ہمارے دلوں کو مستغنی و بے پروا کردے۔''

② ''اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا مِنْ فَضْلِكَ وَلَا تَحْرِمْنَا رِزْقَكَ''[2]

تَرْجَمَۃ: ''اے اللہ! ہمیں اپنے فضل سے رزق عطا فرما اور اپنے رزق سے ہمیں محروم مت فرما۔''

جب ''اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا'' کہے تو دو چیزوں کی دل میں نیت رکھے:

❶ علم، ہدایت، معرفت اور ایمان۔

❷ حلال عافیت والا رزق۔

یہ بھی یقین رکھے کہ اَلرَّزَّاقُ جَلّ جَلَالُہٗ مخلوق کو بغیر کسی تکلیف کے رزق دیتے ہیں، سب کو روزی پہنچانا اس ذات کے لئے ایسے ہی آسان ہے جیسے ایک آدمی کو پہنچانا، لہٰذا رزق اور رزق میں برکت اَلرَّزَّاقُ جَلّ جَلَالُہٗ سے مانگے۔ حالات کیسے بھی برے ہوں، مایوس نہ ہو، ہاں اسباب پورے کے پورے اختیار کرے۔ ؎

گنہ و جرم پہ بھی کرتا ہے تو رزق رسانی — تری الطاف سے محروم نہ میخوار نہ زانی
کہ تو ستار ہے اور واقفِ اسرار پنہانی — ہمہ راعیب تو پوشی ہمہ راغیب تو دانی
ہمہ را رزق رسانی کہ تو باجود و عطائی

---

[1] کنز العمال، الاوّل: ۹۳/۲، رقم الحدیث: ۳۷۹۸

[2] حلیۃ الاولیاء: ۷۷/۵، رقم: ۶۳۸۷

الفَتَّاحُ جَلَّ جَلَالُہٗ

(سب کے لئے رحمت کے دروازے کھولنے والا)

اس اسم مبارک کے تحت چار تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

❶ قَالَ الْخَطَّابِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ: (اَلْفَتَّاحُ): هُوَالْحَاكِمُ بَيْنَ عِبَادِهٖ.[1]

ترجمہ: ''الفَتَّاحُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' وہ ذات ہے جو اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ کرنے والا ہے۔

❷ اَلَّذِيْ يَفْتَحُ أَبْوَابَ الرِّزْقِ وَالرَّحْمَةِ لِعِبَادِهٖ، وَيَفْتَحُ الْمُنْغَلَقَ عَلَيْهِمْ مِنْ أُمُوْرِهِمْ، وَأَسْبَابِهِمْ، وَيَفْتَحُ قُلُوْبَهُمْ وَعُيُوْنَ بَصَائِرِهِمْ، لِيَبْصُرُوا الْحَقَّ.[2]

ترجمہ: ''الفَتَّاحُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' وہ ذات ہے جو اپنے بندوں کے لئے رزق اور رحمت کے دروازے کو کشادہ فرماتا ہے...... اور ان کے پے چیدہ معاملات کو حل فرماتا ہے...... اور ان کے اسباب کی راہیں کھولتا ہے...... ان کے دلوں کو کھولتا ہے اور ان کی بصیرت کی آنکھوں کو کھولتا ہے تاکہ یہ لوگ حق کو پہچان سکیں۔

❸ ''اَلْفَتَّاحُ: اَلَّذِي لَايُغْلِقُ وُجُوْهَ النِّعْمَةِ بِالْعِصْيَانِ وَلَا يَتْرُكُ إِيْصَالَ الرَّحْمَةِ إِلَيْهِمْ بِاللِّسَانِ.''[3]

ترجمہ: ''الفَتَّاحُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' وہ ذات ہے جو بندوں کے گناہوں کی وجہ سے نعمت کے دروازوں کو بند نہیں کرتا اور نہ ہی زبان کی وجہ سے (یعنی اسے نہ ماننے سے) بندوں پر اپنی رحمت کو ترک کرتا ہے۔''

❹ ''اَلَّذِیْ فَتَحَ قُلُوْبَ الْمُؤْمِنِيْنَ بِمَعْرِفَتِهٖ، وَفَتَحَ عَلَى الْعَاصِيْنَ أَبْوَابَ مَغْفِرَتِهٖ''[4]

ترجمہ: ''الفَتَّاحُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' وہ ذات ہے جس نے مؤمنین کے دلوں کو اپنی معرفت و پہچان کے لئے کھول دیا اور گناہ گاروں پر اپنی مغفرت کے دروازے کھول دیئے۔''

امام ابن قیم رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی قصیدہ نونیہ میں فرماتے ہیں: ''الفَتَّاحُ'' اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے اور ''فتح'' اللہ تعالیٰ کے اوصاف میں دو طرح کی ہیں۔

---

[1] النهج الأسمى: ۲۰۶/۱ [2] النهج الأسمى: ۲۰۶/۱ [3] شرح طيبي: الدعوات، باب اسماء اللّٰه تعالىٰ: ۲۸/۵

[4] شرح طيبي: الدعوات، باب اسماء اللّٰه تعالىٰ: ۲۸/۵

(الف) فتح حکمی، جس کا مطلب شریعت ہے یعنی جو احکامات اللہ تعالیٰ ہمیں عطا فرماتے ہیں۔
(ب) فَتح بِالاَقْدار، یعنی تقدیر کے معاملے کو اللہ تعالیٰ کھولتے ہیں اور اللہ تعالیٰ دونوں میں عدل و فضل و احسان کے ساتھ "الفتاح جل جلالہٗ" ہیں۔[۱]

قرآن کریم میں یہ "اسمِ مبارک" سورۂ سبا کی آیت نمبر ۲۶ میں آیا ہے اور سورۂ فاطر کی آیت نمبر ۲ میں اس کا معنی اس طرح بیان ہوا ہے، اللہ ربُّ العزت کا ارشاد مبارک ہے:

❶ ﴿قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ ۗ وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِيمُ﴾[۲]

ترجمہ: "انہیں خبر کر دیجئے کہ ہم سب کو ہمارا رب جمع کر کے پھر ہم میں سچے فیصلے کر دے گا وہ فیصلہ چکانے والا ہے اور دانا۔"

❷ ﴿مَا يَفْتَحِ اللَّهُ لِلنَّاسِ مِن رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۖ وَمَا يُمْسِكْ فَلَا مُرْسِلَ لَهُ مِن بَعْدِهِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾[۳]

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ جو رحمت لوگوں کے لئے کھول دے تو اس کا کوئی بند کرنے والا نہیں اور جس کو بند کر دے سو اس کے (بند کرنے کے) بعد اس کا کوئی جاری کرنے والا نہیں اور وہی غالب، حکمت والا ہے۔"

یہاں لفظ "رَحْمَة" عام ہے۔ اس میں دنیا اور آخرت کی نعمتیں داخل ہیں۔ جیسے ایمان، علم، عملِ صالح، نبوت و ولایت وغیرہ اور دنیوی نعمتیں، جیسے رزق، اسباب، آرام، راحت، صحت، تندرستی اور مال و عزت وغیرہ۔ آیت کے معنی ظاہر ہیں کہ:

"اللہ تعالیٰ جس شخص کے لئے اپنی رحمت کھولنے کا ارادہ کرے تو اس کو کوئی روک نہیں سکتا۔"

اسی طرح دوسرا جملہ "وَمَا يُمْسِكْ" عام ہے کہ جس چیز کو اللہ تعالیٰ روکتا ہے، اس کو کوئی کھول نہیں سکتا۔ اس میں دنیا کے مصائب و آلام بھی داخل ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ ان کو اپنے کسی بندے سے روکنا چاہیں تو کسی کی مجال نہیں کہ ان کو کوئی گزند و مصیبت پہنچا سکے اور اس میں رحمت بھی داخل ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ اپنی کسی حکمت سے کسی شخص کو رحمت سے محروم کرنا چاہیں تو کسی کی مجال نہیں کہ اس کو دے سکے۔[۴]

---

[۱]
وَكَذٰلِكَ الْفَتَّاحُ مِنْ أَسْمَائِهِ ۔۔۔ وَالْفَتْحُ فِيْ أَوْصَافِهِ أَمْرَانِ
فَتْحٌ بِحُكْمٍ وَهُوَ شَرْعُ إِلٰهِنَا ۔۔۔ وَالْفَتْحُ بِالْأَقْدَارِ فَتْحٌ ثَانِ
وَالرَّبُّ فَتَّاحٌ بِذَيْنِ كِلَيْهِمَا ۔۔۔ عَدْلًا وَ إِحْسَانًا مِنَ الرَّحْمٰنِ

(النہج الاسمیٰ: ۱/۲۰۷)

[۲] سبأ: ۲۶ [۳] فاطر: ۲ [۴] البحر المحیط ابوحیان: ۷/۲۹۶، فاطر: ۲

اسی آیت کے مضمون کے متعلق ایک حدیث اس طرح آئی ہے کہ حضرت معاویہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے اپنے عامل (گورنر) کوفہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو خط لکھا کہ مجھے کوئی حدیث لکھ کر بھیجو، جو تم نے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سے سُنی ہو۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے اپنے میر منشی ورّاد کو بلا کر لکھوایا کہ میں نے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سے اُس وقت جب کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نماز سے فارغ ہوئے یہ دعا مانگتے ہوئے سُنا:

سکون پہنچانے والی دعا

"اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَآ اَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ"[1]

تَرجَمَہ: یا اللہ! جو چیز آپ کسی کو عطا فرما دیں اس کا کوئی روکنے والا نہیں اور جس کو آپ روکیں اس کو کوئی دینے والا نہیں اور آپ کے ارادے کے خلاف کسی کوشش کرنے والے کی کوشش اسے فائدہ نہیں دے سکتی۔

فَائِدَہ: اس دعا کا معنیٰ ذہن، دل و دماغ کو سکون پہنچاتا ہے، انسانوں سے گلا شکوہ ختم کر دیتا ہے، دشمنیاں ختم ہو جاتی ہیں۔ رشتہ ناطے نہیں ٹوٹتے، جس شخص کو اس نام مبارک کی معرفت حاصل ہوگی اور اس دعا کا مفہوم دل نشین ہوگا تو اس کا دل کسی سے میلا نہیں ہوگا...... بغض، کینہ، حسد، عجب نہیں ہوگا، اور اس کا دل ان خطرناک بری بیماریوں میں مبتلا نہیں ہوگا، اس لئے کہ وہ کسی نعمت کے ختم ہونے پر مخلوق کی طرف اس کی نگاہ نہیں جائے گی، مخلوق کو ملامت نہیں کرے گا اور نعمت کے مل جانے پر مخلوق کی خوشامد نہیں کرے گا کہ شاہ صاحب نے دیا، یا فلاں قبر والے نے دیا، جو کچھ ملا ہے فلاں گدی نشین کا وسیلہ ہے...... "نعوذ باللّٰہ من ذٰلك"...... بل کہ وہ کہے گا اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے دیا اللہ تعالیٰ نے والد کو، شوہر کو فلاں کا ذریعہ بنایا۔

حضرت ابو سعید خدری رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی روایت ہے کہ یہ کلمات آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے رکوع سے سر اُٹھانے کے وقت فرمائے اور ان کلمات سے پہلے فرمایا:

"أَحَقُّ مَا قَالَ الْعَبْدُ وَكُلُّنَا لَكَ" یعنی یہ کلمات (ان تمام کلمات میں جو کوئی بندہ کہہ سکتا ہے) سب سے زیادہ حق دار، مقدم و اعلیٰ ہیں اور ہم سب (اے اللہ!) تیرے ہی ہیں۔[2]

"بے شک اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ (قبضہ) میں زمین اور آسمان کے خزانے ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے جس کا ترجمہ ہے: "آسمانوں اور زمین کی کنجیاں اسی کی ہیں۔ جس کی چاہے روزی کشادہ کر دے اور تنگ کر دے۔ یقیناً وہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔" تو وہ بھلائیاں جن کو اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے لئے کھولا ہے، کسی کو اس پر قدرت نہیں کہ ان کو بند کر

---

[1] مسند احمد: ٤/٢٤٥، رقم: ١٧٦٧١ [2] ابن کثیر: ٣/٨٣، الفاطر: ٢

دیں اور جن بھلائیوں کو وہ روک دیں تو کسی کی طاقت نہیں کہ ان کو کھول دیں۔‘‘ [۱]

’’کبھی کبھی اللہ تعالیٰ لوگوں کو ڈھیل دینے کے لئے ان پر قسم قسم کی نعمتوں کے دروازے کھول دیتے ہیں اور عموماً یہ اس وقت ہوتا ہے جب وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے احکامات کو چھوڑ بیٹھتے ہیں اور منع کردہ چیزوں میں پڑ جاتے ہیں، جیسا کہ اللہ ربُّ العزت کا فرمان ہے جس کا ترجمہ ہے: ’’پھر جب وہ لوگ ان چیزوں کو بھولے رہے جن کی ان کو نصیحت کی جاتی تھی تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کشادہ کر دیئے، یہاں تک کہ جب ان چیزوں پر جو کہ ان کو ملتی تھیں، وہ خوب اترا گئے تو ہم نے دفعتہً ان کو پکڑ لیا، پھر تو وہ بالکل مایوس ہو گئے۔‘‘ [۲]

﴿ اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ فِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴾ [۳]

تَرْجَمَہ: ’’کیا وہ شخص جس کا سینہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لئے کھول دیا ہے پس وہ اپنے پروردگار کی طرف سے ایک نور پر ہے اور ہلاکت ہے ان پر جن کے دل یادِ الٰہی سے (اثر نہیں لیتے بل کہ) سخت ہو گئے ہیں۔ یہ لوگ صریح گمراہی میں (مبتلا) ہیں۔‘‘

یعنی جس کو قبولِ حق اور خیر کا راستہ اپنانے کی توفیق اللہ تعالیٰ کی طرف سے مل جائے پس وہ اس شرحِ صدور کی وجہ سے رب کی روشنی پر ہوا، کیا یہ اس جیسا ہو سکتا ہے جس کا دل اسلام کے لئے سخت اور اس کا سینہ تنگ ہو اور وہ گمراہی کی تاریکیوں میں بھٹک رہا ہو۔

امام قرطبی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: اس آیت میں جو شرحِ صدر (سینے کے کھولنے) کا ذکر فرمایا گیا ہے، اس کی کوئی حد نہیں، ہر مؤمن کو اس میں سے کچھ نہ کچھ حصہ ملا ہے۔ پھر اس شرحِ صدر میں مراتب ہیں۔ انبیاء عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام اعلیٰ قسم پر فائز ہیں، پھر ان کے بعد اولیاء ہیں، پھر علماء ہیں، پھر عام مؤمنین ہیں۔ اللہ تعالیٰ کافروں کے علاوہ کسی اور کو اس شرحِ صدر سے محروم نہیں فرماتے۔ [۴]

’’اور ان نعمتوں اور بھلائیوں میں سے جو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر کھولتے ہیں، حکمت و دانائی، علم اور دین کی سمجھ بھی ہے اور یہ نعمتیں تقویٰ، اخلاص اور سچائی کی بناء پر حاصل ہوتی ہیں۔ اسی وجہ سے آپ دیکھیں گے کہ سلفِ صالحین کی دانائی و سمجھ داری زیادہ گہری تھی اور ان کا علم زیادہ وسیع تھا بہ نسبت ان لوگوں کے جو بعد میں آئے۔

---

[۱] کنز العمال، الغزوات والوفود: قسم الافعال: ۲۰۶/۱۰ رقم الحدیث ۳۰۰۸۷

[۲] وَقَدْ يَفْتَحُ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ أَنْوَاعَ النِّعَمِ وَالْخَيْرَاتِ عَلَى النَّاسِ إِسْتِدْرَاجًا لَّهُمْ، إِذَا تَرَكُوْا مَا أُمِرُوْا بِهٖ، وَوَقَعُوْا فِيْمَا نُهُوْا عَنْهُ كَمَا قَالَ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى: ﴿ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ أَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ؕ حَتّٰٓى إِذَا فَرِحُوْا بِمَآ أُوْتُوْٓا أَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَإِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ ﴾ (انعام: ٤٤) (النهج الاسمٰى: ۲۱۱/۱ تا ۲۱۲)

[۳] الزمر: ۲۲

[۴] تفسیر القرطبی: ۱۸۰/۸، الزمر: ۲

الفتّاح جلّ جلالہٗ سے رحمت کے دروازے کھلوایئے

نبی کریم ﷺ اپنے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے فرماتے تھے: ”جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو تو اول نبی (کریم ﷺ) پر درود پڑھے پھر یہ دعا پڑھے:

”اَللّٰھُمَّ افْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ“[1] ”اے اللہ! میرے لئے آپ اپنی رحمت کے دروازے کھول دیجئے۔“

ہزاروں غموں اور فکروں سے نجات دلانے والا نسخہ

سورۂ فاطر کی آیت نمبر۲ (جو پہلے ذکر کی جا چکی ہے) میں انسان کو جو سبق دیا گیا ہے کہ:

اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نفع ونقصان کی امید وخوف نہ رکھے، صرف اللہ تعالیٰ کی طرف نظر رکھے (یہ) دین ودنیا کی درستی اور ہمیشہ کی راحت کا نسخۂ اکسیر ہے اور انسان کو ہزاروں غموں اور فکروں سے نجات دینے والا ہے۔[2]

حضرت عامر بن عبد قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: جب میں صبح کو چار آیتیں قرآنِ کریم کی پڑھ لوں تو مجھے یہ فکر نہیں رہتی کہ صبح کو کیا ہوگا اور شام کو کیا، وہ آیتیں یہ ہیں:

۱ ﴿مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۚ وَمَا يُمْسِكْ ۙ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾[3]

۲ ﴿وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ۚ وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ﴾[4]

۳ ﴿سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا﴾[5]

۴ ﴿وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِى الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا﴾[6]

ہر مسلمان کو چاہئے کہ پریشانیوں اور الجھنوں میں اِن آیات کو پڑھے، اس کے معانی پر خوب غور وفکر کرے، ان شاء اللہ تعالیٰ ساری پریشانیاں دور ہو جائیں گی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب بارش ہوتے دیکھتے تو فرمایا کرتے تھے:

”مُطِرْنَا بِنَوْءِ الْفَتْحِ“

تَرجَمَہ: ”ہمیں بارش فتح والی آیت کی برکت سے ملی۔“ اور پھر یہ آیت مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ ...... پڑھتے تھے۔[7]

---

[1] مسلم، صلوٰة المسافرین، باب ما یقول إذا دخل المسجد: ۲۴۸/۱

[2] "وَمَا ادَّعٰی هٰذِهِ الْاٰيَةُ اِلَی الْاِنْقِطَاعِ اِلَی اللّٰهِ تَعَالٰی وَالْاِعْرَاضِ عَمَّا سِوَاهُ عَزَّوَجَلَّ وَ اِرَاحَةِ الْبَالِ عَنِ التَّخَيُّلَاتِ الْمُوْجِبَةِ لِلتَّهْوِيْشِ وَسَهْرِ اللَّيَالِ" (روح المعانی: ۱۶۵/۲۲، الفاطر: ۲)

[3] فاطر: ۲ [4] یونس: ۱۰۷ [5] الطلاق: ۷

[6] روح المعانی: ۱۶۵/۱۲، هود: ۶ [7] مؤطا امام مالك: كتاب الاستسقاء، باب الاستمطار بالنجوم: ۱۸۰

یہ عرب کے باطل خیالات کی تردید ہے جو بارش کو خاص خاص ستاروں کی طرف منسوب کر کے کہا کرتے تھے: ہمیں یہ بارش فلاں ستارے کی وجہ سے ملی ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ فرماتے ہیں: ہمیں یہ بارش آیتِ فتح سے ملی ہے، مراد آیتِ فتح سے یہی مذکورہ آیت ہے، جس کو وہ ایسے وقت تلاوت فرمایا کرتے تھے۔[1]

جب بھی یہ خیال آئے کہ میرا کاروبار اس لئے نہیں چل رہا ہے کہ مجھ پر کسی نے کچھ کروا دیا ہے، یا رشتہ اس لئے نہیں آتا کہ فلاں نے جادو کروا دیا ہے یا گھر میں مسلسل بیماری اس لئے ہے کہ کسی نے بندش کروا دی ہے......... اس وقت قرآنِ کریم کی ان چار آیتوں کے ترجمہ پر خوب غور کرنا چاہئے۔

الفتّاح جلّ جلالہٗ کی قدرت کے کرشمے

واقعہ نمبر ۴۱: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"(بنی اسرائیل کے) تین افراد کسی سفر میں چل رہے تھے کہ اچانک انہیں بارش نے آگھیرا۔ انہوں نے ایک پہاڑ کے غار میں پناہ لے لی۔ غار کے منہ پر پہاڑ کی ایک چٹان گر پڑی اور اس کا دہانہ (منہ) بند ہوگیا۔

ان میں سے ایک نے کہا: اپنے اپنے نیک اعمال کو دیکھو، وہ اعمالِ صالحہ جو تم نے خالص اللہ ربُّ العزت کی رضا کے لئے کئے ہوں (اور نیک عمل بھی ہو جانا اُسی کی رحمت ہے، لہٰذا اُس رحمت) کے وسیلے سے اللہ تعالیٰ سے دُعا کرو، شاید اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے تمہارے لئے غار کا دہانہ کھول دے۔

چناں چہ ان میں سے ایک نے کہا: اے اللہ! بلاشبہ میرے ساتھ میرے ضعیف العمر والدین تھے، میری بیوی تھی اور میرے چھوٹے چھوٹے بچے تھے۔ ان کے لئے میں بکریاں چراتا تھا، جب شام ہوتی تو میں دودھ دوہتا اور اپنے والدین سے ابتداء کرتے ہوئے اپنے بچوں سے پہلے انہیں پلاتا تھا۔

ایک روز میں درخت کی طلب میں دور نکل گیا اور شام گئے واپس آیا تو میں نے اپنے والدین کو سوتا ہوا پایا۔ میں نے حسبِ معمول دودھ دوہا، پھر دودھ کا برتن لایا اور والدین کے سرہانے کھڑا ہوگیا۔ میں اس بات کو پسند نہیں کرتا تھا کہ والدین کو نیند سے جگاؤں اور یہ بھی مجھ کو گوارا نہ تھا کہ والدین سے پہلے اپنے بچوں کو پلاؤں، حالاں کہ بچے بھوک سے میرے قدموں میں بلک رہے تھے، لیکن میں اسی حال میں رہا اور بچے بھی اسی حال میں (بھوک سے بلکتے) رہے۔ (تحقیقی قول کے موافق بچے ضروری کھانا کھا چکے تھے اضافی طلب کی وجہ سے رو رہے تھے)۔

یہاں تک کہ فجر کا وقت ہوگیا۔ اے اللہ! اگر آپ کے علم میں میرا یہ عمل آپ کی رضا کے لئے تھا تو (اس کی برکت سے) ہمارے واسطے اس غار کا منہ کھول دے کہ ہم آسمان دیکھ سکیں۔

اللہ تعالیٰ نے اتنی کشادگی پیدا کر دی کہ وہ آسمان کو دیکھنے لگے۔

---

[1] معارف القرآن: ۳۱۸/۷، فاطر: ۲

دوسرے نے کہا: اے اللہ! میری ایک چچازاد (بہن) تھی۔ میں اس سے اتنی محبت کرتا تھا جتنی کہ مرد عورتوں سے کر سکتے ہیں۔ میں نے اس کو (اپنی خواہش پوری کرنے کے لئے) طلب کیا تو اس نے انکار کر دیا۔ یہاں تک کہ اس کو شدید تنگی کی وجہ سے ایک بار سو دینار کی ضرورت پڑی۔ میں نے سو دینار جمع کئے اور پھر اس کے پاس اپنی خواہش لئے ہوئے گیا۔ وہ سو دینار کی وصولی کی خاطر شدید مجبور ہو گئی۔

جب میں نے اُس پر پورا قابو پا لیا تو وہ کہنے لگی: اے اللہ کے بندے! اللہ سے ڈر اور مہر کو ناحق طریقہ سے نہ کھول۔ میں یہ سن کر کھڑا ہو گیا۔ اے اللہ! اگر میں نے آپ کے علم کے مطابق یہ عمل آپ کی رضا کے لئے کیا تھا تو ہمارے لئے (اس کی برکت سے) کشادگی فرما۔ اللہ تعالیٰ نے مزید کشادگی فرمادی۔

تیسرے نے کہا: اے اللہ! میں نے ایک مزدور کو تین صاع (۲۳۴ تولے کا ایک وزن) چاول پر ملازم رکھا۔ جب اس کا کام ختم ہو گیا تو اس نے کہا کہ میرا حق دو۔ میں نے اس کی مقررہ مقدار اسے پیش کر دی۔ اس نے اس سے منہ موڑ لیا۔ (اور وہ لئے بغیر چلا گیا) میں نے اس کے چاولوں کے ذریعے زراعت (کھیتی باڑی) شروع کر دی۔ (اور اس میں برکت ہوئی) یہاں تک کہ میں نے اس سے گائیں اور مویشی جمع کر لئے۔

پھر وہ میرے پاس آیا اور کہنے لگا: اللہ سے ڈر اور مجھ پر میرے حق کے معاملے میں ظلم نہ کر (اور مجھے میری مزدوری واپس کر دو۔) میں نے کہا: جاؤ وہ ساری گائیں اور مویشی تم لے لو۔ وہ کہنے لگا: اللہ سے ڈر اور مجھ سے مذاق مت کر۔ میں نے کہا: میں تم سے مذاق نہیں کر رہا۔ جاؤ وہ ساری گائیں اور مویشی لے لو۔ اس نے وہ سب لے لیں اور چلا گیا۔ اے اللہ! میں نے یہ کام اگر آپ کی رضا کے لئے کیا ہے تو ہمارے لئے (جو کچھ رکاوٹ باقی رہ گئی ہے اس میں بھی) کشادگی فرما۔ چناں چہ اللہ تعالیٰ نے باقی رکاوٹ کو بھی کھول دیا۔" [1]

اس واقعے سے معلوم ہوا کہ "الفتّاح جلّ جلالہٗ" دنیا و آخرت کے خزانوں کے دہانے اور اپنی رحمت کے خزانے ان پر کھولتا ہے، جو اسی کے ہو رہیں، اس کی مرضیات پر عمل کریں اور ہر خوشی اور غم میں اُسی سے لو لگائیں اور ان اعمال میں لگیں کہ جن سے خوش ہو کر وہ برکت اور عافیت کے خزانوں کے دروازے کھول دے۔

"الفتّاح" وہی ہے جو مشکلات و مہمات کو کھول دیتا ہے۔

"الفتّاح" وہی ہے جو دل کو حق کے لئے کھول دیتا ہے۔

"الفتّاح" وہی ہے جو زبان پر علوم کو جاری فرما دیتا ہے۔

"الفتّاح" وہی ہے جو علوم کے ذریعے سے آنکھوں پر پڑے پردے ہٹا دیتا ہے۔

"الفتّاح" وہی ہے جو اہلِ حق و باطل کے درمیان فیصلہ فرماتا ہے۔

---

[1] البخاری، کتاب الانبیاء، باب حدیث الغار: ۴۹۳/۱

"الفتاح" وہی ہے جو صادقین سے صدق کو ظاہر کرتا ہے، کاذبین کی اصلیت کو سب پر کھول دیتا ہے۔[1]

فائدہ: اس واقعے سے یہ سبق بھی ملا کہ بندش رکاوٹ، آڑ، مسائل کا حل نہ ہونا، ان سب پریشانیوں کا حل، اور سب سے بہترین تعویذ اپنے معاملات کو درست کرنا ہے، ان تین ساتھیوں پر جو رکاوٹ آئی تو انہوں نے جن نیک اعمال کا وسیلہ دیا وہ معاملات کے صحیح ہونے والے اعمال تھے۔ پہلے نے والدین کے ساتھ معاملہ صحیح رکھا، دوسرے نے رشتہ دار کے ساتھ، تیسرے نے ملازم کے ساتھ۔

اس سے یہ اصول معلوم ہوا کہ ہمیں اپنے معاملات صحیح رکھنے چاہئے کہ آئی ہوئی بلاؤں اور مصیبتوں کو دور کروانے کا بڑا ذریعہ معاملات کی درستگی ہے۔ سب سے کارآمد تعویذ کسی کو تکلیف نہ دینا ہے۔

امی! امی!...... مجھے بچالو

واقعہ نمبر ۴۲: شیخ علی طنطاوی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ اپنی کتاب "اَلْبَابُ الَّذِي لَا يُغْلَقُ فِي وَجْهِ سَائِلٍ" میں لکھتے ہیں:

میں آپ کو ایک امریکی گھرانے کا واقعہ سناتا ہوں، جس گھر میں چھ بچے تھے، ان کا والد ایک مضبوط و توانا جسم کا مالک پر عزم کسان تھا اور ان کی والدہ عقل مند اور تجربہ کار عورت تھی، اس نے اپنی اولاد کی تربیت ایسی کی تھی کہ انہیں صبر و برداشت کا عادی بنا دیا تھا، حتیٰ کہ وہ بچے جوان ہوگئے۔

ان بچوں میں سے چھوٹا لڑکا، جس کی عمر تیرہ سال تھی، ایک دن کھیل کی غرض سے گھر سے نکلا، اسی کھیل کے دوران ایک بلند چٹان سے پتھر لڑھکتا ہوا اس کے گھٹنے پر آ لگا۔ تکلیف کی شدت اس قدر تھی کہ اس جیسے بچے کے لئے ناقابلِ برداشت تھی، لیکن اس کے باوجود بچے نے اس تکلیف کو برداشت کیا اور صبر سے سہہ گیا اور سب کو اس واقعے سے بے خبر رکھا۔ دوسرے دن اسکول جانے کے لئے جب نکلا تو اس کے پیر کی تکلیف بڑھ چکی تھی، لیکن تکلیف کو برداشت کرتے ہوئے اس پیر سے چل کر اسکول پہنچا اور تکلیف کی شدت کو برداشت کرتا رہا، حتیٰ کہ دو دن گزر گئے اور پیر سوجنا شروع ہو گیا اور نیلا پڑ گیا، یہاں تک کہ وہ لڑکا اس پیر پر ایک قدم چلنے سے بھی عاجز ہوگیا۔ اب ماں باپ پریشان ہوگئے اور واقعے کے بارے میں تحقیق کی تو بچے نے سارا واقعہ سنایا۔

ڈاکٹر کو بلایا گیا، ڈاکٹر معائنہ کرتے ہی سمجھ گیا کہ وقت گزر چکا ہے اب علاج ممکن نہیں۔ اگر فی الفور ٹانگ کو نہ کاٹا گیا تو زہر پھیل جانے کا اندیشہ ہے۔ ڈاکٹر نے بچے کے والد کو ایک کنارے میں لے جا کر یہ بات آہستگی سے بتائی تا کہ بچے کو خبر نہ ہوسکے، لیکن بچے نے ڈاکٹر کی بات کو سن لیا اور سمجھ لیا کہ اس کی ٹانگ کو کاٹ دیا جائے گا۔ بس بچے نے چلانا شروع کر دیا کہ میری ٹانگ مت کاٹو ...... ابو مجھے بچالو ...... بچے نے ایک ٹانگ سے لنگڑا کر بھاگنے کی

---

[1] شرح اسماء الحسنیٰ للمنصورپوری: ۷۱

کوشش کی، لیکن والد نے اسے پکڑ لیا اور دوبارہ بستر پر لٹا دیا۔ پھر اس بچے نے ماں کو انتہائی دل خراش پکار کے ساتھ آواز دی: امی! امی!......... مجھے بچالو......... یہ لوگ میرا پیر نہ کاٹنے پائیں۔ ماں بے چاری کھڑی دیکھ رہی تھی، اس کا کلیجہ پھٹا جا رہا تھا، اس کا دل مادرانہ شفقت و محبت کی وجہ سے بچے کی فریادرسی پر برانگیختہ ہو رہا تھا، جب کہ اس کی عقل اسے اس بات سے روک رہی تھی کہ بچے کی زندگی کو ایک ٹانگ کی وجہ سے قربانی کی بھینٹ نہ چڑھنے دے۔

اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے، وہ کھڑی سوچ رہی تھی۔ اس کا دل پھٹا جا رہا تھا اور آنکھوں سے آنسو رواں تھے اور بچہ اسے ایسی نظروں سے دیکھ رہا تھا جیسے ڈوبتا شخص اپنے نجات دہندہ کو پرامید نظروں سے دیکھ رہا ہوتا ہے۔ جب بچے نے ماں کو بے حس وحرکت و بے بس پایا تو ماں سے بھی ناامید ہو گیا جیسا کہ اس سے پہلے باپ سے ناامید ہو چکا تھا، پھر اپنے بھائی (ادغار) کو پکارنے لگا۔ روتا جا رہا تھا اور پکارتا جا رہا تھا: ادغار! ادغار! تم کہاں ہو؟ جلدی کرو مجھے بچالو .... یہ لوگ میری ٹانگ کاٹ دینا چاہتے ہیں۔ جب ادغار نے اس کی چیخ و پکار سنی (یہ اس سے چند سال بڑا تھا) تو اس کی جانب تیزی سے بڑھا اور اس کے سامنے سینہ تان کر کھڑا ہو گیا تو وہ لڑکا بھی اب نڈر ہو گیا۔ اس کی آنکھوں میں ایک ایسا عزم جھلکتا تھا جو ٹلنے والا نہیں تھا۔ اس کے بھائی نے اعلان کر دیا کہ کوئی اس کے قریب نہ آئے۔ باپ نے سمجھانے کی کوشش کی، ماں نے بھی نصیحت کی، لیکن اس لڑکے کی مزاحمت مسلسل بڑھتی جا رہی تھی اور اس کا چھوٹا بھائی اس کے پیچھے چھپنے کی کوشش کر رہا تھا اور اپنے بھائی کو پکڑ رہا تھا۔ باپ نے چاہا کہ طاقت کے ذریعے اس کی مزاحمت کو روکے، لیکن اس لڑکے نے باپ اور ڈاکٹر پر حملہ کر دیا۔ اب یہ لڑکا شیر بن چکا تھا اور ناامید ہو چکا تھا اور ناامیدی میں انسان عجیب وغریب حرکتیں کرنے لگتا ہے۔

ادغار بھی مضبوط مرد تھا، وہ ثابت قدم رہا۔ دیوار اپنی جگہ سے ہل سکتی تھی، لیکن ادغار اپنی جگہ سے نہ ہلا۔ سب لوگوں نے اس لڑکے کو اس امید پر چھوڑ دیا کہ یہ یا تو تھک جائے گا یا ناامید ہو جائے گا، لیکن ادغار اپنے بھائی کی چوکی داری میں دو دن تک کھڑا رہا۔ اُس لڑکے نے دو دن تک چند لقموں کے علاوہ کچھ نہ کھایا اور صرف چند لمحے سویا۔ ڈاکٹر آتا اور چلا جاتا۔ لڑکے کی ٹانگ مزید سوجتی ہی جا رہی تھی اور نیلی پڑ رہی تھی۔

ڈاکٹر نے جب یہ صورت حال دیکھی تو اس بات کا اعلان کر دیا کہ علاج ممکن نہیں اور بچہ عن قریب موت کے منہ میں چلا جائے گا۔ سب کے سب پیشِ نظر خطرے کے انتظار میں پڑ گئے۔ ایسی پرخطر گھڑی میں لوگ کیا کرتے ہیں؟

ہر انسان خواہ مؤمن ہو یا کافر، ایسے خطرے کی گھڑی میں اللہ تعالیٰ ہی کی جانب رجوع کرتا ہے۔ اس لئے کہ ایمان ہر نفس میں ہوتا ہے، حتیٰ کہ نفوسِ کفار میں بھی ایمان اپنی اصل کے اعتبار سے موجود ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کافر کو کافر کہا جاتا ہے، کیوں کہ لغتِ عرب میں کافر ''ساتر'' یعنی چھپانے والے کو کہا جاتا ہے اور کافر کے اندر بھی ایمان کی استعداد پوشیدہ ہوتی ہے، البتہ اس پر پردہ پڑا ہوتا ہے، حتیٰ کہ خود کافر کو بھی یہ محسوس نہیں ہوتا اور وہ اپنے آپ کو اس دولت سے محروم

سمجھتا ہے۔ پھر جب زمانے کی اونچ نیچ اس ایمان میں تحریک پیدا کرتی ہے تو پردے چھٹ جاتے ہیں اور مصیبت کے وقت کافر بھی اللہ ربُّ العزت ہی کو پکارتا ہے۔

دوبارہ واقعے کی طرف لوٹتے ہیں۔ ڈاکٹر ان سب کو ناامیدی کی حالت میں چھوڑ کر چلا گیا۔ سب کے دل بھر آئے اور سب اپنی عاجزی محسوس کررہے تھے اور ان کے پاس کوئی چارہ نہ تھا۔ اب وہ ''مُضطَر'' کی حالت تک پہنچ چکے تھے، (مُضطَر اس بے قرار شخص کو کہا جاتا ہے جو انتہائی بے کسی اور بے بسی کی حالت میں ہو، کوئی نجات کا حیلہ اور راستہ اس کے ہاتھ میں نہ ہو۔) انہوں نے اپنے ہاتھ بارگاہِ الٰہی میں اُٹھا دیئے اور اللہ جل جلالہ سے شفاء طلب کرنے لگے، یہ طلب کسی ایسے جذبے کے تحت تھی، جسے وہ خود بھی نہیں جانتے تھے۔ تمام اسباب دھرے کے دھرے رہ گئے۔ اللہ ربُّ العزت ہی دوا اور علاج کے ذریعے شفاء دیتے ہیں اور وہ اس بات پر بھی قادر ہیں کہ بلا علاج و دوا کے شفاء عطا فرمادیں۔

ان سب نے اپنے ہاتھ بلند کرکے دعا کرنی شروع کی کہ: اے اللہ! اے اللہ! اور اللہ تعالیٰ مُضطَر کی دعا کو قبول فرماتے ہیں خواہ وہ فاسق ہی کیوں نہ ہو اور خواہ کافر ہی کیوں نہ ہو جب تک کہ وہ اللہ تعالیٰ سے التجا کرتا رہے، اسی پر اعتماد کرتا رہے، اسی کے در پر پڑا رہے، اسی سے اپنی امیدوں کو وابستہ کرلے۔ اللہ تعالیٰ اس کی دعا کو طلبِ دنیا کے معاملے میں تو قبول فرماتے ہیں، لیکن آخرت کے معاملے میں کافر کی دعا قبول نہیں کی جاتی، کیوں کہ وہ آخرت پر ایمان نہیں رکھتا۔

محترم قارئین! جب وہ دعا مانگ چکے تو کیا دیکھتے ہیں کہ سوجن کم ہونا شروع ہوگئی ہے، نیلاہٹ ہٹتی جارہی ہے، درد میں کمی واقع ہوچکی ہے۔ پھر دو دن ہی گزرے تھے کہ پورا پیر شفایاب ہوگیا۔ ڈاکٹر آیا تو اسے یہ صورتِ حال دیکھ کر اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آیا۔

آپ حضرات سوچ رہے ہوں گے کہ یہ کوئی خیالی قصہ ہے جسے میں نے اپنے طور پر گھڑ لیا ہے، لیکن اگر میں صاحبِ واقعہ کی ذات کی نشاندہی کردوں تو آپ کا کیا خیال ہے؟ جی ہاں! یہ لڑکا دنیا کی مشہور و معروف شخصیت بن کر ابھرا اور اپنے واقعے کو اپنی زبان سے نقل کرتا تھا۔ اس لڑکے کا نام ''آئزن ہاور'' تھا، جو کہ ''جنگِ عظیم دوم'' میں اتحادی افواج کا قائد تھا اور بعد میں اپنے ملک کا صدر بنا۔[1]

کھلا در چھوڑ کر بند دروازے کا رُخ کیوں کیا جائے

واقعہ نمبر ۴۳: احمد بن ابی غالب رحمہ اللہ تعالیٰ چھٹی صدی ہجری کے بزرگ ہیں، لوگ ان کے پاس دعا کے لئے عموماً حاضر ہوتے تھے۔ ایک مرتبہ کوئی صاحب ان کی خدمت میں آئے اور کسی چیز کے متعلق کہا: ''آپ فلاں صاحب

---

[1] اللّٰہ ...... اهل الغناء والمجد: ٣٦٨ (الباب الذي لايغلق في وجه سائل)

سے میرے لئے وہ چیز مانگ لیجئے۔" احمد رحمہ اللہ تعالیٰ فرمانے لگے: "میرے بھائی! میرے ساتھ کھڑے ہو جائیے۔ دونوں دو رکعت نماز پڑھ کر اللہ تعالیٰ ہی سے کیوں نہ مانگ لیں، کھلا در چھوڑ کر بند دروازے کا رُخ کیوں کیا جائے۔" [1]

یقیناً "الفتاح جل جلالہ" کا در ہر وقت کھلا ہے۔ یہ یقین اور ایمان کی کمزوری ہوتی ہے کہ اسے چھوڑ کر مخلوق کے بند دروازوں پر کھڑے ہو کر ذلت اُٹھائی جائے۔ اس کھلے در کی طرف رجوع کی عادت تو ڈالیئے، آزما کر تو دیکھئے۔ [2]

واقعہ نمبر ۴۴: مشہور و معروف تابعی حضرت عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ایک مرتبہ حضرت طاؤس رحمہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک حکمران کے پاس جاتے ہوئے دیکھ لیا تو آپ نے مجھے ارشاد فرمایا:

"يَا عَطَاءُ! إِيَّاكَ أَنْ تَرْفَعَ حَوَائِجَكَ إِلٰى مَنْ أَغْلَقَ فِيْ وَجْهِكَ بَابَهُ ......
وَأَقَامَ دُوْنَكَ حُجَّابَهُ.
وَ إِنَّمَا اطْلُبْهَا مِمَّنْ أَشْرَعَ لَكَ أَبْوَابَهُ.
وَطَالَبَكَ بِأَنْ تَدْعُوَهُ ...... وَوَعَدَكَ بِالإِجَابَةِ." [3]

اے عطاء! میری بات غور سے سنو، اپنی کوئی ضرورت ایسے شخص کے سامنے پیش نہ کرو جس نے اپنے دروازے بند کر رکھے ہوں اور اپنے دروازوں پر دربانوں کو بٹھا رکھا ہو، بل کہ اپنی ہر ضرورت اس کے سامنے پیش کرو جس نے ہر دم اپنے دروازے اپنے بندوں کے لئے کھلے رکھے ہوئے ہیں۔ وہ تم سے مطالبہ کرتا ہے کہ مجھ سے مانگو اور یہ وعدہ کر رکھا ہے کہ میں اپنے بندوں کی دعا کو قبول کروں گا۔

لہٰذا بار بار اس کی مشق کریں کہ ہر حاجت و ضرورت صرف اور صرف "الفتاح جل جلالہ" کے دربار میں پیش کریں۔ کم از کم بیس منٹ گھڑی دیکھ کر دعا مانگنے کی عادت ڈالیے۔ آج ہماری عادت نہیں ہے اس لئے دعا مانگنا مشکل معلوم ہوتا ہے۔ جس کا دروازہ سائلین کے لئے کبھی بھی بند نہیں ہوتا، اس سے مانگنا مشکل لگتا ہے اور جس نے اپنے دروازوں پر چوکی دار بٹھائے ہوئے ہیں، ان سے مانگنا آسان معلوم ہوتا ہے۔ لہٰذا آج سے ہم سب توبہ کریں اور اپنی ہر حاجت و ضرورت کے لئے صلوٰۃ الحاجت (دو رکعت حاجت کی نیت سے نماز) پڑھیں اور بار بار صلوٰۃ الحاجت پڑھیں اور اللہ تعالیٰ ہی سے مانگیں۔

نیک اعمال کی ابتدا اور اس کی انتہا

اس اسم کے تحت یہ دو دعائیں یاد رکھنی چاہئیں:

1. ایک یہ دعا جو امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ سے منقول ہے:

---

[1] ذیل طبقات الحنابلة: ۲۲٤/۱ [2] کتابوں کی درسگاہ میں: ۴۵

[3] صور من حياة التابعين: ۲۹٦

"اَللّٰهُمَّ كَمَا صُنْتَ وَجْهِيْ عَنِ السُّجُوْدِ لِغَيْرِكَ فَصُنْ وَجْهِيْ عَنِ الْمَسْئَلَةِ لِغَيْرِكَ"[1]

تَرجَمَہ: اے اللہ! جس طرح آپ نے اپنے غیر سے میری پیشانی کی حفاظت فرمائی ہے، اسی طرح میری زبان کی بھی حفاظت فرمایئے۔

۲ "اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْأَلُكَ فَوَاتِحَ الْخَيْرِ وَخَوَاتِمَهٗ وَجَوَامِعَهٗ وَاَوَّلَهٗ وَظَاهِرَهٗ وَبَاطِنَهٗ وَالدَّرَجَاتِ الْعُلٰى مِنَ الْجَنَّةِ"[2]

تَرجَمَہ: "اے اللہ! میں تجھ سے نیک اعمال کی ابتدا اور اس کی انتہا اس کے خلاصے اور اس کا اوّل اس کا ظاہر اور اس کا باطن اور جنت کے اونچے اونچے درجات کا سوال کرتا ہوں (تو مجھے یہ سب عطا فرما، آمین)۔"

فوائد و نصائح

۱ اس اسم کی معرفت پیدا کرنے والے بندہ کو چاہئے کہ وہ یہ سوچے کہ ہر قسم کی راحت، آسانی، فتح و مدد الفتّاح جلّ جلالہٗ ہی کرتے ہیں، اسی طرح علم، عمل، عبادت، تقویٰ اور اخلاص سب اسی ذات کی عطا کردہ ہے۔

۲ بندوں کے لئے اپنی رحمت کے دروازے کھولے رکھتا ہے اور جو اس سے مانگتا ہے تو اس سے برائی کو ہٹا کر اچھائی دیتا ہے نقصان کو ختم فرما کر نفع بنا دیتا ہے۔

۳ ہر مسلمان یہ عقیدہ رکھے کہ ہر کام میں آسانی، ہر مسئلے کا حل صرف اور صرف الفتّاح جلّ جلالہٗ کے پاس ہے۔ اُس ذات کے علاوہ کوئی بھی مسائل کو حل کرنے والا اور آسانیاں پیدا کرنے والا نہیں، نہ آسمانوں میں اور نہ ہی زمین میں۔

---

[1] حلية الأولياء: ٢٤٤/٩، رقم: ١٣٧٨٣

[2] مستدرك حاكم، كتاب الدعاء: ٧٠٩/١، رقم: ١٩٦٣

العلیم جل جلالہ

(سب کچھ جاننے والا)

اس اسم مبارک کے تحت چار تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

❶ قَالَ ابنُ مَنظُورٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ: "لَمْ يَزَلْ عَالِمًا وَلَا يَزَالُ عَالِمًا بِمَا كَانَ وَمَا يَكُونُ، وَلَا يَخْفٰى عَلَيْهِ خَافِيَةٌ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ، أَحَاطَ عِلْمُهُ بِجَمِيعِ الْأَشْيَاءِ، بَاطِنِهَا وَ ظَاهِرِهَا، دَقِيقِهَا وَجَلِيلِهَا، عَلٰى أَتَمِّ الْإِمْكَانِ."[1]

ترجمہ: "اللہ ربّ العزت ہمیشہ سے جانتے ہیں اور ہمیشہ جانتے رہیں گے ہر اس چیز کو جو پہلے سے تھی یا بعد میں آئے گی، اور اللہ ربّ العزت سے زمین و آسمان میں کوئی مخفی چیز بھی پوشیدہ نہیں اور اس کا علم تمام اشیاء کے ظاہر و باطن اور ہر چیز کی باریکیوں کو گھیرے ہوئے ہے۔"

❷ شیخ سعدی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ فرماتے ہیں: "العلیم" وہ ذات ہے، جس کا علم تمام ظاہری، باطنی، پوشیدہ، اعلانیہ، ضروری، ممکن، ناممکن، آسمان و زمین، ماضی، حال، مستقبل، تمام کو شامل ہے۔ اللہ ربّ العزت سے کوئی بھی چیز مخفی نہیں۔[2]"

❸ قَالَ ابنُ جَرِيرٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ: "إِنَّ اللّٰهَ ذُوْ عِلْمٍ بِكُلِّ مَا أَخْفَتْهُ صُدُورُ خَلْقِهٖ مِنْ إِيْمَانٍ وَّ كُفْرٍ، وَحَقٍّ وَّبَاطِلٍ، وَخَيْرٍ وَشَرٍّ، وَمَا تَسْتَجِنُّهٗ مِمَّا لَمْ تَجُنَّهٗ بَعْدُ."[3]

ترجمہ: "مخلوقات کے سینوں میں جو کچھ پوشیدہ ہے، خواہ ایمان ہو یا کفر......... حق ہو یا باطل......... خیر ہو یا شر......... سب کچھ اللہ ربّ العزت جانتے ہیں اور مخلوق میں سے کوئی اگر کچھ اپنے سینے میں چھپانا بھی چاہے تو نہیں چھپا سکتا۔"

---

[1] اللسان: ۳۰۸۲/۴، ۳۰۸۳

[2] وَقَالَ السَّعْدِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ: "اَلْعَلِيمُ وَهُوَ الَّذِيْ أَحَاطَ عِلْمُهُ بِالظَّوَاهِرِ وَالْبَوَاطِنِ وَالْأَسْرَارِ وَالْأَعْلَانِ وَبِالْوَاجِبَاتِ وَالْمُسْتَحِيلَاتِ وَالْمُمْكِنَاتِ، وَبِالْعَالَمِ الْعَلْوِيِّ وَالسُّفْلِيِّ، وَبِالْمَاضِيْ وَالْحَاضِرِ وَالْمُسْتَقْبَلِ، فَلَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ مِنَ الْأَشْيَاءِ." (تيسير الكريم: ۲۹۹/۵)

[3] الطبری: ۱۷۵/۱، كلها نقلاً عن النهج الاسمٰى: ۲۱۵/۱
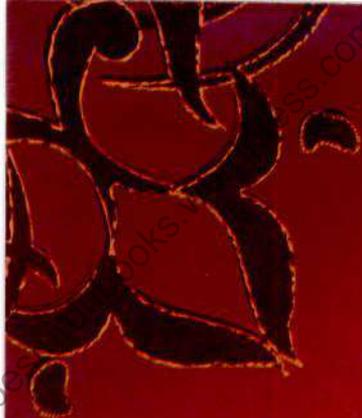
العليم

هُوَ يَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۚ وَمَا تَسْقُطُ مِن وَرَقَةٍ إِلَّا يَعْلَمُهَا

(الانعام: ۵۹)

''اور وہ تمام چیزوں کو جانتا ہے جو کچھ خشکی میں ہے اور جو کچھ دریاؤں میں ہیں اور کوئی پتہ نہیں گرتا مگر وہ اس کو بھی جانتا ہے۔''
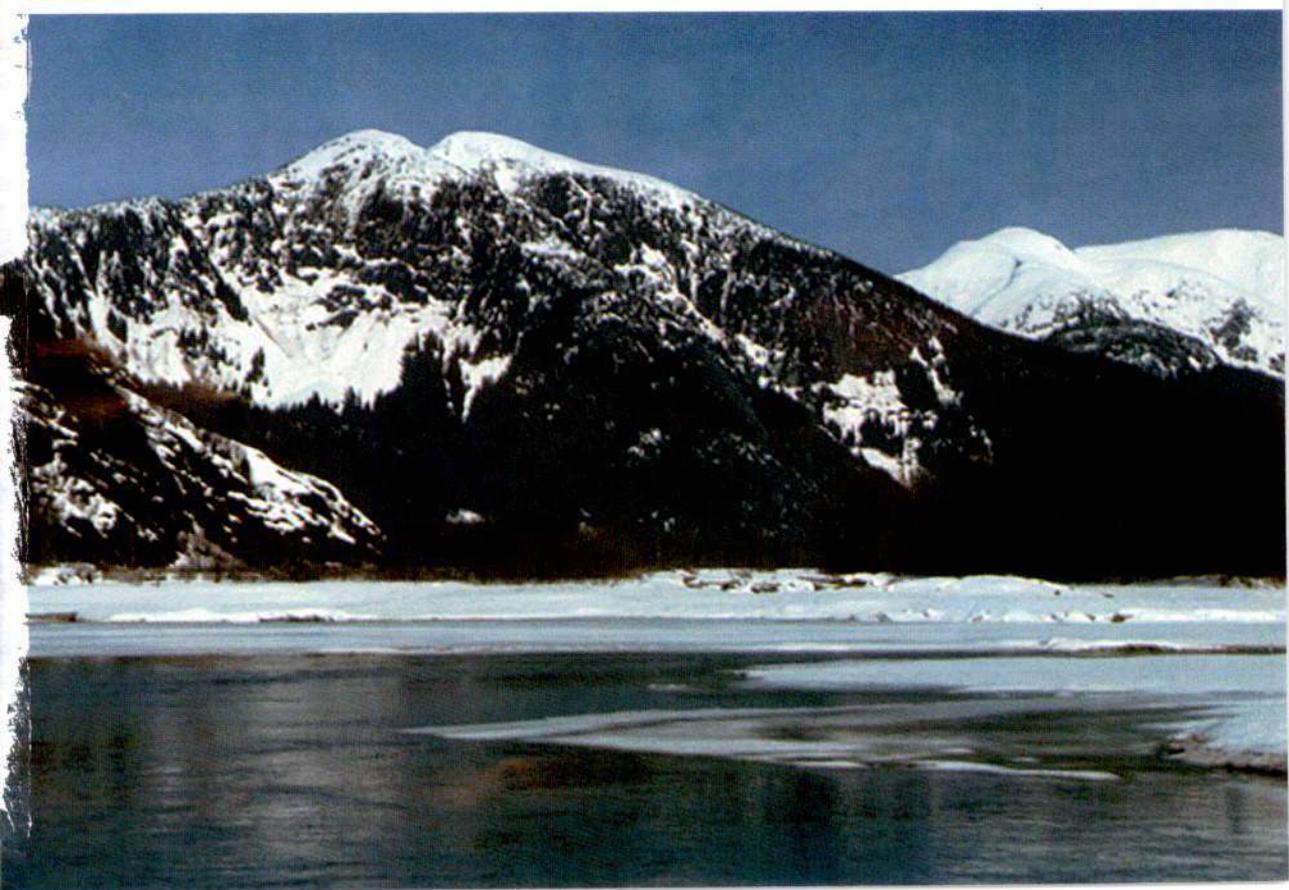
❹ ''علامہ ابن قیم رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: اللہ ربُّ العزت ''اَلْعَلِيْمُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' ہیں، اللہ ربُّ العزت کا علم کائنات کی ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے، یعنی ہر ہر چیز کا علم ''اَلْعَلِيْمُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کو ہے اور اس میں بھول چوک کا کوئی شائبہ نہیں۔''[1]

یہ ''اسم مبارک'' قرآن کریم میں ۱۵۷ مرتبہ آیا ہے، جن میں سے تین یہ ہیں:

❶ ﴿اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ﴾[2]

❷ ﴿وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ﴾[3]

❸ ﴿وَاَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ﴾[4]

اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا ہے، علیم کل ہے، کوئی چیز اُس کے علم سے باہر نہیں، عالَم کی کوئی چھوٹی بڑی چیز ایک لمحہ کے لئے اس سے غائب نہیں۔ قرآنِ کریم بتلاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ہر چھوٹی بڑی اور کھلی چھپی چیز کا علم ہے۔ وہ سب کو دیکھتا اور سنتا ہے۔ وہ ہر ایک کے قریب اور ہر ایک کے ساتھ ہے، کوئی چیز اور کسی کا کوئی عمل اور کوئی حال اس سے پوشیدہ نہیں ہے۔

قرآنِ کریم میں ارشاد ہے جس میں اللہ تعالیٰ اپنی اسی صفت کو بیان فرما رہے ہیں:

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاۗءِ﴾[5]

ترجمہ: ''یقیناً اللہ سے زمین وآسمان کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے۔''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے علمِ محیط کا بیان ہے جس سے کسی جہاں کا کوئی ذرہ چھپا ہوا نہیں۔

ایک اور جگہ یہی بات کچھ اور اضافے کے ساتھ یوں بیان فرمائی ہے:

﴿وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْاَرْضِ ۭ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ﴾[6]

ترجمہ: ''اور وہی ہے اللہ آسمانوں میں اور زمین میں (یعنی زمین وآسمان کی ساری کائنات کا وہی خالق ہے، وہی مالک اور رب ہے) وہ تمہاری چھپی اور کھلی سب باتوں کو جانتا ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اُس کو (اس کا بھی) پورا علم ہے۔''

جب تمام زمین وآسمان میں اس کی حکومت ہے اور وہ بلا واسطہ ہر کھلی چھپی چیز اور انسان کے ظاہر و باطن اور چھوٹے

---

[1] وَهُوَ الْعَلِيْمُ أَحَاطَ عِلْمًا بِالَّذِيْ ... فِي الْكَوْنِ مِنْ سِرٍّ وَمِنْ إِعْلَانِ
وَبِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمُهُ سُبْحَانَهُ ... فَهُوَ الْمُحِيْطُ وَلَيْسَ ذَا نِسْيَانِ

''النونية'' ۲/۲۱۵، (نقلاً عن النهج الاسمٰى، ۱/۲۱۵)

[2] البقرة: ۳۲ [3] آل عمران: ۱۵٤ [4] المائدة: ۹۷ [5] آل عمران: ٥ [6] الانعام: ۳

بڑے عمل پر مطلع ہے، تو عابد کو اپنی عبادت اور مدد طلب کرنے میں کسی غیر اللہ کو شریک ٹھہرانے کی ضرورت نہیں رہتی۔

مشرکین کہا کرتے تھے: ﴿ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ﴾[1]

''ہم تو ان بتوں کی پرستش صرف اس لئے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ تعالیٰ کا مقرب بنا دیں۔''

یہ ان کا اور ان کے ہمنواؤں کا جواب ہوا۔ ان کی یہ بات اس غلط فہمی یا ضد پر مبنی تھی کہ اس اصل خالق نے لوگوں کی حاجت روائی سے متعلق کچھ اختیارات (حالات جاننا، پریشانیاں دور کرنا وغیرہ) اپنے بعض مقربین بندوں کے حوالے کئے ہوئے ہیں، لہٰذا ہم کیوں نہ ان ہی کے سامنے اپنی حاجات پیش کریں۔[2]

اسی طرح قرآن مجید یہ بھی بتلاتا ہے کہ یہ شان صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ہے کہ وہ ہر چیز کو جانتا ہے اور غیب و حاضر سب یکساں طور پر اس کے سامنے ہے، کسی کی کوئی بات اس سے پوشیدہ نہیں، ارشاد ہے:

﴿ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ ﴾[3]

ترجمہ: ''اللہ وہ سب کچھ جانتا ہے جو بندوں کے سامنے حاضر ہے۔ اور اُس سب کو بھی جانتا ہے جو ان کے پیچھے اور ان سے غائب ہے اور مخلوقات اور بندوں کا حال یہ ہے کہ وہ اس کے علم میں سے ایک چیز کو بھی پوری طرح نہیں جان سکتے، مگر یہ کہ کسی چیز کا علم وہ خود ہی اُن کو دینا چاہے۔''

آگے اور پیچھے کا یہ بھی مفہوم ہو سکتا ہے کہ اُن کے پیدا ہونے سے پہلے اور پیدا ہونے کے بعد کے تمام حالات و واقعات حق تعالیٰ کے علم میں ہیں۔ یہ مفہوم بھی ہو سکتا ہے کہ آگے سے مراد وہ حالات ہیں جو انسان کے لئے کھلے ہوئے ہیں اور پیچھے سے مراد اس سے مخفی واقعات و حالات ہیں تو معنی یہ ہوں گے کہ انسان کا علم تو بعض چیزوں پر ہے اور بعض پر نہیں۔ کچھ چیزیں اس کے سامنے کھلی ہوئی ہیں اور کچھ چھپی ہوئی، مگر اللہ جل شانہٗ کے سامنے یہ سب چیزیں برابر ہیں، اس کا علم ان سب چیزوں کو یکساں محیط ہے۔

﴿ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ ﴾[4] ''یعنی انسان اور تمام مخلوقات اللہ تعالیٰ کے علم سے کسی حصے کا بھی احاطہ نہیں کر سکتے، مگر اللہ تعالیٰ خود ہی جس کو جتنا حصہ علم کا عطا کرنا چاہیں صرف اتنا ہی اس کو علم حاصل ہو سکتا ہے۔''

اس میں بتلا دیا گیا کہ تمام کائنات کے ذرّے ذرّے کا علمِ محیط صرف اللہ جل شانہٗ کی خصوصی صفت ہے، انسان یا کوئی مخلوق اس میں شریک نہیں ہو سکتی۔[5]

ایک جگہ ارشاد ہے:

﴿ لَهٗ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَبْصِرْ بِهٖ وَاَسْمِعْ ﴾[6]

---

[1] الزمر:۳ [2] تفسیر عثمانی:۱۷۰، الزمر:۳ [3] البقرۃ:۲۵۵ [4] البقرۃ:۲۵۵

[5] معارف القرآن:۶۱۴/۱، البقرہ:۲۵۵ [6] الکہف:۲۶

ترجمہ: ”آسمان وزمین کے چھپے بھیدوں کا اُسی کو علم ہے، کیسا عجیب دیکھنے والا اور سننے والا ہے۔“

یہ دُعا جو آگے بیان کی جارہی ہے اس میں اللہ تعالیٰ کی صفت ”اَلْعَلِيْمُ“ کا اظہار ہے، ہم سب کو بار بار مانگتے رہنا چاہیے اور خوب غور سے اس کا ترجمہ پڑھتے رہنا چاہیے کہ:

”اے وہ ذات! جس کو آنکھیں نہیں دیکھ پاتیں...... اور جس کو خیالات نہیں پا سکتے...... اور نہ بیان کرنے والے اس کی حمد وثنا بیان کر سکتے ہیں...... اور نہ زمانے کے حوادث اس کو متأثر کر سکتے ہیں...... اور نہ وہ گردش زمانہ سے ڈرتی ہے۔

پہاڑوں کے وزن...... دریاؤں کے پیمانے...... بارشوں کے قطرے اور درختوں کے پتے سب اس کے علم میں ہیں۔ جو ان سب چیزوں کو جانتا ہے جن پر رات کی تاریکی چھاتی ہے اور دن روشنی ڈالتا ہے...... جس سے ایک آسمان دوسرے آسمان کو چھپا نہیں سکتا اور نہ ایک زمین دوسری زمین کو اور نہ سمندر اُن چیزوں کو چھپا سکتے ہیں...... جو اُن کی تہوں میں ہیں اور نہ پہاڑ ان چیزوں کو جو ان کے پتھریلے جگر میں ہیں۔ (پس اے ان تمام صفات کی حامل ذات!) میری عمر کا بہترین حصہ آخری عمر کا ہو...... اور میرے سب سے اچھے عمل خاتمے کے وقت مقدر فرما دے...... اور میرے دنوں میں سب سے بھلا دن وہ بنادے جس میں تجھ سے ملوں (یعنی قیامت)۔ اے اسلام اور اہل اسلام کے مالک (اور دوست)! مجھے اسلام پر قائم رکھنا، یہاں تک کہ میں تجھ سے ملوں (یعنی موت تک)۔[1]

”اَلْعَلِيْمُ جَلَّ جَلَالُہٗ“ کے علمِ محیط سے کائنات کا کوئی ذرّہ خارج نہیں

قرآنِ کریم میں ارشاد ہے:

﴿ وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰى ﴾[2]

ترجمہ: ”اگر تو اونچی بات کہے تو وہ تو ہر ایک پوشیدہ، بل کہ پوشیدہ سے پوشیدہ تر چیز کو بھی بخوبی جانتا ہے۔“

یعنی اللہ کا ذکر یا اس سے دُعا اونچی آواز میں کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اس لئے وہ تو پوشیدہ سے پوشیدہ تر بات کو بھی جانتا ہے یا اَخْفٰی کے معنیٰ ہیں کہ اللہ تو ان باتوں کو بھی جانتا ہے جن کو اس نے تقدیر میں لکھ دیا اور ابھی تک لوگوں سے اس کو مخفی رکھا ہے، یعنی قیامت تک وقوع پذیر ہونے والے واقعات کا اسے علم ہے۔

---

[1] ”يَا مَنْ لَا تَرَاهُ الْعُيُوْنُ، وَلَا تُخَالِطُهُ الظُّنُوْنُ، وَلَا يَصِفُهُ الْوَاصِفُوْنَ، وَلَا تُغَيِّرُهُ الْحَوَادِثُ، وَلَا يَخْشَى الدَّوَائِرَ، يَعْلَمُ مَثَاقِيْلَ الْجِبَالِ، وَمَكَائِيْلَ الْبِحَارِ، وَعَدَدَ قَطْرِ الْأَمْطَارِ، وَعَدَدَ وَرَقِ الْأَشْجَارِ، وَعَدَدَ مَا أَظْلَمَ عَلَيْهِ اللَّيْلُ، وَأَشْرَقَ عَلَيْهِ النَّهَارُ، وَلَا تُوَارِيْ مِنْهُ سَمَاءٌ سَمَاءً، وَلَا أَرْضٌ أَرْضًا، وَلَا بَحْرٌ مَا فِيْ قَعْرِهٖ، وَلَا جَبَلٌ مَا فِيْ وَعْرِهٖ، اِجْعَلْ خَيْرَ عُمُرِيْ آخِرَهٗ وَخَيْرَ عَمَلِيْ خَوَاتِيْمَهٗ وَخَيْرَ أَيَّامِيْ يَوْمَ أَلْقَاكَ فِيْهِ، يَا وَلِيَّ الْإِسْلَامِ وَأَهْلِهٖ ثَبِّتْنِيْ بِهٖ حَتّٰى أَلْقَاكَ“ (المعجم الأوسط للطبراني، الأدعية، باب حسن الثناء على الله: ۳/۲۳۶)

[2] طٰہٰ: ۷

جب کہ بنی آدم کی معلومات کثرت کے باوجود اللہ ربُّ العزت کے وسیع علم کے مقابلے میں بہت تھوڑی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا﴾ [1]

ترجمہ: ”اور تم کو علم دیا تھوڑا سا۔“

اللہ تعالیٰ نے ہمیں اور باقی ساری مخلوق کو بہت تھوڑا علم عطا کیا ہے، جس سے وہ اپنی ضروریات پوری کرسکیں۔ انسان کو سب سے زیادہ حصہ ملا ہے، حیوانات کو ان سے کم اور نباتات کو ان سے کم۔ مرغی کا بچہ انڈے سے نکلتے ہی زمین پر ٹھونگ مارتا ہے۔ بقائے نفس کے لئے اسے اس کی ضرورت بھی تھی، لہٰذا پیدا ہوتے ہی اسے اتنا علم دے دیا گیا کہ زمین پر ٹھونگیں مارے اور اپنا پیٹ بھرے۔

علمِ غیب ”اَلْعَلِیْمُ جلّ جلالہٗ“ کی صفتِ خاصّہ ہے

سورۂ رعد کی آیت نمبر۹ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے علمِ غیب کو عجیب طریقے سے بیان کیا ہے:

﴿عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ﴾

ترجمہ: ”ظاہر و پوشیدہ کا وہ جاننے والا ہے۔ سب سے بڑا اور (سب سے) بلند و بالا۔“

”اَلْغَيْبِ“ سے مُراد وہ چیز ہے جو انسانی حواس سے غائب ہو، یعنی نہ آنکھوں سے اس کو دیکھا جاسکے، نہ کانوں سے سُنا جاسکے، نہ ناک سے سونگھا جاسکے، نہ زبان سے چکھا جاسکے اور نہ ہاتھوں سے چھوکر معلوم کیا جاسکے۔

”اَلشَّهَادَةِ“ اس کے بالمقابل وہ چیزیں ہیں، جن کو انسانی حواسِ مذکورہ کے ذریعے معلوم کیا جاسکے۔ معنی یہ ہیں کہ ”اَلْعَلِیْمُ جلّ جلالہٗ“ ہی کی خاص صفتِ کمال یہ ہے کہ وہ ہر غیب کو اسی طرح جانتا ہے جس طرح حاضر اور موجود کو جانتا ہے۔

”اَلْكَبِيْرُ“ کے معنی بہت بڑا اور ”اَلْمُتَعَالِ“ کے معنی بلند و بالا، ان دونوں لفظوں سے مُراد یہ ہے کہ وہ مخلوقات کی صفات سے بلند و بالا اور بڑا ہے۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا:

﴿سَوَآءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهٖ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍ بِالَّيْلِ وَسَارِبٌ بِالنَّهَارِ﴾ [2]

آیت کا مفہوم یہ ہے: اللہ جل شانہٗ کے علمِ محیط کی وجہ سے اس کے نزدیک خفیہ کلام کرنے والا اور بلند آواز سے کلام کرنے والا دونوں برابر ہیں۔ وہ دونوں کے کلام کو یکساں طور پر سنتا اور جانتا ہے۔ اسی طرح جو شخص رات کی اندھیری میں چھپا ہوا ہے اور جو دن کے اُجالے میں کھلے راستے پر چل رہا ہے، یہ دونوں اس کے علم اور قدرت کے اعتبار سے برابر

[1] الاسراء: ۸۵ [2] الرعد: ۱۰

ہیں کہ دونوں کے اندرونی اور ظاہری سب حالات اس کو یکساں معلوم ہیں اور دونوں پر اس کی قدرت یکساں حاوی ہے، کوئی اس کے دستِ قدرت سے باہر نہیں۔[1]

اس لئے انسان کو چاہئے کہ وہ اس عطا کئے ہوئے علم پر غرور وتکبر نہ کرے، بل کہ وہ اس علم کو "اَلْعَلِیْمُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کی فرماں برداری میں صرف کرے، ورنہ جب قہر خداوندی نازل ہوتا ہے تو انسان کا یہ علم اور اس کی ترقی دھری کی دھری رہ جاتی ہے جس کی ایک مثال پیش خدمت ہے:

بے بس انسان!

وَاقِعَۃٌ نَمْبَر ۴۵: ۱۹۸۹ء میں آنے والے زلزلے سے ایک دن پہلے ہی سان فرانسسکو کی جھاڑیوں اور آس پاس واقع جنگلات سے تمام چھچھوندر، نیولے، بچھو، سانپ اور دیگر کیڑے مکوڑے دوسرے علاقوں کی طرف کوچ کر رہے تھے، مگر انسان جسے سائنسی آلات، جدید ٹیکنالوجی اور اپنے انتظامات پر بڑا ناز ہے، بڑا اعتماد ہے، وہ بے خبر تھا، غافل تھا اور اپنی عیاشی، فحاشی، شراب نوشی میں مست تھا۔ اسے یہ بھی پتہ نہ چل سکا کہ چند گھنٹوں بعد یہ خوب صورت شہر اجڑنے والا ہے۔ زمین پھٹ جائے گی اور ہر طرف تباہی پھیل جائے گی اور پھر وہی ہوا، جس کا حیوانوں کو اندازہ ہوگیا تھا۔

وَاقِعَۃٌ نَمْبَر ۴۶: یہ ۱۷ اکتوبر ۱۹۸۹ء کی بات ہے جب کہ سان فرانسسکو کے شہری زندگی کے مزے لوٹ رہے تھے۔ بازار آباد تھے اور کلبوں کی جوانی اپنے عروج پر تھی، شراب کے جام ٹکرا رہے تھے اور انسان موت سے قطعاً بے خبر زندگی کے ہنگاموں سے لطف اندوز ہو رہا تھا کہ اچانک فطرت کا پہیہ گھوما اور زلزلے کی شدت سے پورا شہر دیمک خوردہ درخت کی طرح لرزنے لگا، گاڑیاں لڑھکنے لگیں، موٹر سائیکلوں پر سوار جوان ہوا میں اچھل گئے، فلک بوس عمارتیں لمحوں میں زمین پر آرہیں اور اب زندگی کے بجائے موت کا بازار گرم تھا...... ہر طرف چیخ و پکار کی صدائیں تھیں اور سینہ تان کر، غرور سے سر اٹھا کر چلنے والے نوجوان مرد وزن کوڑے کا ڈھیر تھے، خاک کا پیوند تھے یا بدبودار لاشے تھے۔

اخبارات وجرائد نے حکومت پر سخت تنقید کی کہ سائنس اور ٹیکنالوجی کے اس ترقی یافتہ دور میں تباہی و بربادی کا قبل از وقت پتا کیوں نہیں چلا، مگر بے چارے کم خبر نقاد (تنقید کرنے والے) کیا جانیں کہ جب قانونِ فطرت کا پہیہ گھومتا ہے تو انسان کی تمام تدبیریں دھری کی دھری رہ جاتی ہیں۔ ہائے رے کمزور، انسان! سائنس کے اس دور میں بھی تو کتنا بے بس ہے...... کتنا بے علم ہے...... کاش! تو اسے رب مان لے...... جو علیم وخبیر ہے۔

ایک دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ﴾[2]

تَرْجَمَۃ: "(اے پیغمبر!) آپ ان لوگوں سے کہہ دیجئے اور بتا دیجئے کہ آسمان وزمین میں جو مخلوقات ہیں، وہ غیب کا

---

[1] معارف القرآن: ۵/۱۸۱، الرعد: ۱۰ [2] نمل: ۶۵

علم نہیں رکھتے بجز اللہ تعالیٰ کے۔ بس صرف وہی عالم الغیب ہے۔"

ایک موقع پر فرمایا:

﴿وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ لَا یَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ﴾[1]

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہیں غیب کی کنجیاں، اس کے سوا کوئی اُن کو نہیں جانتا۔"

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے پاس کوئی ایسا آلہ اور ذریعہ نہیں، جس سے غیب کے مخفی بھیدوں کا علم حاصل ہو سکے۔[2]

"العلیم جل جلالہ" کے سامنے سائنس کی بے بسی

سائنس کی ترقی کے اس دور میں اس کی بے بسی کا عالم صرف ان چند مہینوں میں اس قدر شدید تھا کہ دنیا بھر کے سائنس دان حیران ہوکر رہ گئے، ان کے لئے سونامی ایک ایسا سائنس کا کرشمہ اور عجوبہ تھا کہ ان کی حیرت کی انتہا نہیں رہی کہ کیسے اللہ تعالیٰ کئی سو میل دور سے ایک عذاب بھیجتا ہے اور پھر اسے جس منزل پر تباہی پھیلانی ہوتی ہے، وہاں پہنچاتا ہے اور یہ عذاب راستے میں کسی کو کچھ نہیں کہتا۔ ایک سمندر کے علاقے سے ایک لہر اٹھتی ہے اور ایک خاص رفتار کے ساتھ ساحل کی طرف بڑھتی ہے۔ اس رفتار کو اور لہر کی اونچائی کو سمندر کی گہرائی کے تناسب سے ناپا جا سکتا ہے۔

یعنی کسی لہر کے تیزی کو زمین کی کشش ثقل سے تناسب دے کر یہ بتایا جا سکتا ہے کہ کس جگہ پر لہر کی کتنی اسپیڈ اور کتنی اونچائی ہوگی؟ یہ لہر ساحل تک پہنچ کر سست ہو جاتی ہے، لیکن سائنس اس بات پر حیران رہ گئی کہ جب یہ لہریں اپنی منزل مقصود یعنی جہاں یہ آفت نازل ہونا تھی وہاں پہنچیں تو ان کی رفتار کم نہ ہوئی بل کہ مزید بڑھتی گئی، جس سے ساحل پر آباد شہر ۵۰ سے ۶۰ فٹ کی بلندی تک ڈوب گئے۔ نہ سانس لینے کا وقت ملا اور نہ بھاگنے کا موقع۔ یہ تباہ کن لہریں راستے میں گزرتے ہوئے اس ترتیب سے آئیں کہ نہ جہاز ڈوبے، نہ کشتیاں غرق ہوئیں، بس جن شہروں پر عذاب آنا تھا آگیا۔ وہ لوگ تو غرق ہوگئے، لیکن سائنس دان سوچ میں پڑ گئے کہ اس کائنات کے اس مروجہ طبعی قوانین کو اس ترتیب اور انداز سے بھی استعمال کیا جا سکتا ہے! یقیناً یہ وہی کر سکتا ہے جس نے اس کائنات کو پیدا کیا۔

یہ سائنسی بے بسی ہے جو کترینا اور ریٹا کے ہواؤں سے بھرے طوفان میں نظر آتی ہے۔ میلوں سفر کرتی ہے، ایک منزل پر آکر شہر برباد کر دیتی ہیں اور یہی حکمت زلزلوں میں کہ جس زمین کے نیچے یہ سب کچھ ہو رہا ہوتا ہے، وہاں کچھ نہیں ہوتا، بل کہ اس حرکت کی رفتار ایک خاص شہر تک پہنچنے کے قابل بن جاتی ہے جو میرے رب کی آفت کا ٹارگٹ ہوتا ہے۔

نہ سائنس وقت بتا سکتی ہے؟ نہ یہ بتا سکتی ہے کہ زمین ہلی تو کون سا شہر تباہ ہوگا؟ نہ یہ خبر دے سکتی ہے کہ یہ سمندری لہریں کس شہر تک پہنچ کر آفت بنیں گی؟ نہ ہوا پر اختیار، نہ سمندر پر اور نہ ہی زمین پر، سارے قانون پڑھ لئے، لیکن یہ علم

---

[1] الانعام: ۵۹
[2] قرآن آپ سے کیا کہتا ہے: ۶۲

حاصل نہ ہوسکا کہ کائنات تباہ کرنے، آفت لانے، عذاب نازل کرنے کی گھڑی کب، کس وقت اور کیسے آئے گی؟ سورۂ ملک کی یہ آیت کہ ”کافر ازراہِ مذاق پوچھتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو وہ وعدہ کب پورا ہوگا؟ تو ان سے کہہ دو کہ علم تو اللہ کے پاس ہے، میں تو واضح طور پر ڈرانے والا ہوں۔“ [1]

محترم قارئین! سائنس دان تو پوری دنیا میں اپنی بے بسی کا اظہار کر رہے ہیں، لیکن شاید لوگ ڈرانے والے کی باتوں پر یقین نہیں کر رہے ہے کہ لوٹ آئیں، اس رب کی طرف جو لوٹ آنے پر عذابوں کو ٹالتا ہے۔ مصیبتوں کو روکتا ہے اور آفتوں سے بچاتا ہے۔ [2]

چناں چہ اللہ تعالیٰ کے خزانوں کو بجز اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا، اس میں کسی شبہ یا استثناء کی گنجائش نہیں۔

ارشاد فرمایا: وہی جانتا ہے ہر اس چیز کو جو خشکی میں ہے اور اس چیز کو جو دریا میں ہے۔ اور کوئی پتہ کسی درخت کا نہیں گرتا جس کا علم اس کو نہ ہو۔ اسی طرح کوئی دانہ جو زمین کے تاریک حصہ میں مستور (چھپا ہوا) ہے، وہ بھی اس کے علم میں ہے اور ہر تر و خشک، یعنی کل کائنات کا ذرّہ ذرّہ اس کے علم میں ہے اور لوحِ محفوظ میں لکھا ہوا ہے۔ [3]

خلاصہ یہ ہے کہ علم کے متعلق دو چیزیں حق تعالیٰ کی خصوصیات میں سے ہیں، جن میں کوئی فرشتہ یا رسول یا کوئی دوسری مخلوق شریک نہیں۔

ایک علم غیب۔

دوسرے موجودات کا علم محیط، جس سے کوئی ذرّہ مخفی نہیں۔

”عِلْمُ اللّٰهِ -جَلَّ ثَنَاؤُهٗ- لَا يَعْتَرِيْهِ نَقْصٌ أَبَدًا مِنْ نِسْيَانٍ أَوْ جَهْلٍ، أَوْ عِلْمٍ بِبَعْضِ أُمُوْرِ الْخَلْقِ وَجَهْلٍ بِغَيْرِهَا. قَالَ تَعَالٰی ﴿وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا﴾“ [4]

ترجمہ: ”اللہ ربُّ العزت کے علم میں کبھی بھی کمی نہیں آتی، نہ ہی بھول چوک، عدمِ واقفیت اور مخلوق کے بعض معاملات کو جاننا اور بعض کو نہ جاننا، جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے: ”اور تیرا رب بھولنے والا نہیں ہے۔“

”اَلْعَلِیْمُ جَلَّ جَلَالُہٗ“ ہی جانتا ہے ہر اس چیز کو جو خشکی میں ہے اور جو دریا میں ہے۔ مراد اس سے کل کائنات و موجودات ہے، جیسے صبح و شام کا لفظ بول کر پورا زمانہ، مشرق و مغرب کا لفظ بول کر پوری زمین مراد لی جاتی ہے۔ اسی طرح بر و بحر یعنی خشکی اور دریا بول کر مراد اس سے پورے عالم کی چیزیں ہیں۔

آگے اس کی مزید تشریح و تفصیل اس طرح بیان فرمائی کہ ”اَلْعَلِیْمُ جَلَّ جَلَالُہٗ“ کا تمام کائنات پر احاطۂ علمی صرف یہی نہیں کہ بڑی بڑی چیزوں کا اس کو علم ہو، بل کہ ہر چھوٹی سے چھوٹی، مخفی سے مخفی چیز بھی اس کے علم میں ہے۔ فرمایا: ﴿وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا﴾ [5] یعنی سارے جہاں میں کسی درخت کا کوئی پتہ نہیں گرتا جو اس کے علم میں نہ

[1] الملك: ٢٥ [2] بشکریہ روزنامہ اسلام [3] الانعام: ٥٩ [4] مریم: ٦٤ [5] الانعام: ٥٩

ہو۔ مراد یہ ہے کہ ہر درخت کا ہر پتہ گرنے سے پہلے......اور گرنے کے وقت......اور گرنے کے بعد......اس کے علم میں ہے۔ وہ جانتا ہے کہ ہر پتہ درخت پر لگا ہوا کتنی مرتبہ اُلٹ پلٹ ہوگا اور کب اور کہاں گرے گا اور پھر وہ کس کس حال سے گزرے گا۔ گرنے کا ذکر شاید اسی لئے کیا گیا ہے کہ اس کے تمام حالات کی طرف اشارہ ہو جائے، کیوں کہ پتہ کا درخت سے گرنا، اس کے نشو ونما اور نباتاتی زندگی کا آخری حال ہے، آخری حال کا ذکر کر کے تمام حالات کی طرف اشارہ کر دیا گیا۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا: ﴿وَلَا حَبَّةٍ فِي ظُلُمٰتِ الْأَرْضِ﴾[1]

یعنی ہر وہ دانہ جو زمین کی گہرائی اور اندھیری میں کہیں پڑا ہے، وہ بھی اس کے علم میں ہے۔ پہلے درخت کے پتے کا ذکر کیا، جو عام نظروں کے سامنے گرتا ہے، اس کے بعد دانہ کا ذکر کیا، جو کاشت کار زمین میں ڈالتا ہے یا خود بخود کہیں زمین کی گہرائی اور اندھیری میں چھپ جاتا ہے۔ اس کے بعد پھر تمام کائنات پر علمِ باری تعالیٰ کا حاوی ہونا، ''تر اور خشک'' کے عنوان سے ذکر فرمایا اور آگے فرمایا کہ یہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک کتابِ مبین میں لکھی ہوئی ہیں۔

قرآن مجید کی بہت سی آیات اس پر شاہد ہیں کہ اس طرح کا علمِ محیط، جس سے کائنات کا کوئی ذرّہ اور اس کا کوئی حال خارج نہ ہو، یہ صرف ''اَلْعَلِیْمُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کے ساتھ مخصوص ہے۔

سورۂ لقمان کی آیت نمبر ۱۶......سورۂ یونس کی آیت ۶۱......اور سورۂ طلاق کی آیت نمبر ۱۲......میں اور اسی طرح بے شمار آیات میں یہ مضمون مختلف عنوانات سے آیا ہوا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ان آیات میں بڑی وضاحت اور صراحت کے ساتھ یہ بیان فرما دیا گیا ہے کہ غیب کا علم (جس کو قرآن میں غیب کہا گیا ہے اور اس کی تفسیر اوپر گزر چکی ہے) یا تمام کائنات کا علمِ محیط، صرف ''اَلْعَلِیْمُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کی مخصوص صفت ہے......اسی طرح کسی فرشتہ یا رسول کے علم کو ہر ذرّہ کائنات پر محیط سمجھنا، عیسائیوں کی طرح رسول کو خدا کا درجہ دے دینا ہے اور اللہ تعالیٰ کے برابر قرار دے دینا ہے جس کو قرآن کریم میں شرک کہا گیا ہے۔ سورۃ الشعراء کی آیت نمبر ۹۷، ۹۸ میں شرک کی یہی حقیقت بیان فرمائی گئی ہے:

﴿تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ اِذْ نُسَوِّيْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝﴾[2]

''یعنی قیامت کے روز مشرکین کہیں گے کہ اللہ کی قسم! ہم سخت گمراہی میں تھے کہ تم کو یعنی بتوں کو ربُّ العٰلمین کے برابر کرتے تھے۔''

بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اور بالخصوص حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو غیب کی ہزاروں لاکھوں چیزوں کا علم عطا فرمایا ہے اور سب فرشتوں اور انبیاء سے زیادہ عطا فرمایا ہے، لیکن یہ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے برابر کسی کا علم نہیں اور نہ ہوسکتا ہے، اور نہ پھر یہ رسول کی تعظیم میں زیادتی ہوگی، جو عیسائیوں نے اختیار کی ہے۔ اسی کا نام

---
[1] الانعام: ۵۹ [2] الشعراء: ۹۷، ۹۸

شرک ہے، نعوذ باللہ منہ[1]

''اَلْعَلِیْمُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کے سوا کوئی غیب دان نہیں

دلیل نمبر ①: ایک شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ! چند اصحاب (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کو میرے ساتھ کر دیں کہ وہ اسلام کی تبلیغ کریں۔ میری قوم مسلمان ہوگئی تو میں بھی ہو جاؤں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ستر بڑے جلیل القدر قراءِ قرآن اس کے ہمراہ کر دیئے۔ ان سب (صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کو بڑی بے دردی اور دھوکہ سے شہید کر دیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قدر رنج وصدمہ تھا کہ ایک ماہ تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم قاتلین پر بددعا فرماتے رہے۔[2]

تنبیہ: علمِ غیب جس کو قرآن پاک نے واقعی علمِ غیب کہا ہے اور جو سورۂ یونس کی آیت ۶۱ سے معلوم ہوا ہے۔ وہ صفت چوں کہ خاص اللہ پاک کی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نہیں ہے، اسی وجہ سے جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم دھوکہ بازوں کے حوالے ہو گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس شخص کے ظاہری دعوے اور طلب کی (کہ دین سکھانا ہے یا کیا مقصد ہے) حقیقت کھل نہ سکی۔

دلیل نمبر ②: بخاری شریف میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف فرما دیا تھا جس کا خلاصہ یہ ہے:

''تم لوگ میرے پاس مقدمے لاتے ہو۔ اگر کسی کو چرب زبانی سے بولنا اچھا آتا ہے اور وہ ایسی بات کرے کہ فیصلہ اس کے حق میں ہو جائے تو وہ مطمئن مت ہو کہ اللہ کے رسول نے حصہ دلا دیا۔ وہ شخص آگ کا ٹکڑا لئے جا رہا ہے۔''[3]

تنبیہ: یہ الفاظ بھی صاف بتا رہے ہیں کہ ''عَالِمٌ'' اور ''عَلِیْمٌ'' ذات صرف اللہ ربُّ العزت ہی کی ہے۔

دلیل نمبر ③: ایک یہودی عورت نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو کھانے میں زہر دیدیا۔ ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید بھی ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہی لقمہ کھایا تھا اور فرمایا: ''اِرْفَعُوْا أَيْدِيَكُمْ'' چھوڑ دو اس گوشت کو، اپنے ہاتھ اُٹھا لو اور اس عورت کو بلوایا اور پوچھا: تم نے اس میں زہر ملایا ہے؟

اس عورت نے کہا: آپ کو کس نے خبر دی؟

فرمایا: ''أَخْبَرَتْنِي هٰذِهٖ فِي يَدِي الذِّرَاعُ'' مجھے اس گوشت کے ٹکڑے نے اطلاع دی جو میرے ہاتھ میں ہے۔

اس عورت نے کہا: میں نے یہ سوچا تھا کہ اگر یہ نبی ہے تو ان کو نقصان نہیں پہنچے گا اور اگر یہ نبی نہیں ہے تو ہم سب کی جان چھوٹ جائے گی۔[4]

تنبیہ: جب تک اُس عالم الغیب ذات کو منظور نہ ہو، کائنات کے سردار کو بھی معلوم نہیں ہو سکتا کہ کیا معاملہ ہے۔ کاش!

---

[1] معارف القرآن: ۳۴۸/۳ تا ۳۵۰ [2] بخاری، الدعوات، باب الدعاء علی المشرکین: ۹۴۶/۲

[3] بخاری، الاحکام، باب القضاء فی قلیل المال و کثیرہ سواء: ۱۰۶۵/۲

[4] ابوداود: الدیات، باب فی من سقی رجلاً سما......: ۲۶۴/۲

مسلمان کو معرفت حاصل ہو کہ ہر ڈھکی چھپی بات کا جاننے والا صرف اور صرف اللہ رب العزت ہے۔

دلیل نمبر ④: آپ ﷺ نے ایک مرتبہ نعلین مبارک کے ساتھ نماز میں امامت شروع فرمائی اور نماز شروع ہوتے ہی فوراً چپل مبارک اتار دیئے۔ پہلی صف والے سمجھے کہ شاید کوئی نیا حکم نماز کے دوران چپل اتارنے کا آگیا ہے تو ان سب نے بھی (جو چپل پہنے ہوئے تھے) چپل اتار دیئے۔ نماز کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: تم سب کو جوتے اتارنے کی حاجت نہیں تھی۔ مجھے تو نیت باندھتے ہی جبرئیل علیہ السلام نے اطلاع دی کہ آپ کی جوتیوں کو نجاست لگی ہے، آپ نعلین اتار دیں۔[1]

دلیل نمبر ⑤: غزوۂ حدیبیہ کے موقع پر آپ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ احرام باندھ کر عمرے کا ارادہ کر کے حدودِ حرم تک پہنچ گئے، مگر حرم میں داخلہ اور عمرے کی ادائیگی اس وقت نہ ہوسکی اور سب کو احرام کھول کر واپس ہونا پڑا۔[2]

دلیل نمبر ⑥: اسی طرح غزوۂ اُحد میں رسول اللہ ﷺ کو زخم پہنچا اور مسلمانوں کو عارضی شکست ہوئی۔[3] اسی طرح کے اور بہت سے واقعات ہیں جو آں حضرت ﷺ کی زندگی میں معروف و مشہور ہیں۔

شاید ایسے واقعات کے ظاہر کرنے کا مقصد ہی یہ ہو کہ لوگوں پر عملاً یہ بات واضح کر دی جائے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اگرچہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ مقبول اور افضل الخلائق ہیں، مگر پھر بھی وہ خدائی علم و قدرت کے مالک نہیں، تاکہ لوگ اس غلط فہمی کا شکار نہ ہو جائیں جس میں عیسائی اور نصرانی مبتلا ہو گئے کہ اپنے رسول کو خدائی صفات کا مالک سمجھ بیٹھے اور اس طرح شرک میں مبتلا ہو گئے۔[4]

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام غیب دان نہیں

سورۂ اعراف کی آیت نمبر ۱۸۸ میں اللہ تعالیٰ واضح طور پر ارشاد فرماتے ہیں:

﴿قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۚ وَمَا مَسَّنِیَ السُّوْٓءُ ۚ﴾

ترجمہ: ”آپ فرما دیجئے کہ میں خود اپنی ذاتِ خاص کے لئے کسی نفع کا اختیار نہیں رکھتا اور نہ کسی ضرر کا، مگر اتنا ہی جتنا اللہ نے چاہا ہو اور اگر میں غیب کی باتیں جانتا تو میں بہت سے منافع حاصل کر لیتا اور کوئی نقصان مجھ کو نہ پہنچتا۔“

---

[1] ابوداود، الصلوة، باب الصلوٰة فی النعل: ۹۵/۱

[2] بخاری: المغازی، باب عزوة الحديبية: ۲۰۶/۲

[3] بخاری: المغازی، باب ما اصاب النبیّ صلی اللّٰہ علیہ وسلم من الجراح یوم احد: ۵۸۳/۲

[4] معارف القرآن: ۱۴۷/۴

مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ فرماتے ہیں: اس آیت میں مشرکین اور عوام کے اس غلط عقیدے کی تردید ہے، جو ان لوگوں نے انبیاء عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کے بارے میں قائم کر رکھا تھا کہ وہ غیب دان ہوتے ہیں، ان کا علم اللہ تعالیٰ کے علم کی طرح تمام کائنات کے ذرّے ذرّے پر حاوی ہوتا ہے۔ نیز یہ کہ وہ ہر نفع اور نقصان کے مالک ہوتے ہیں، جس کو جو چاہیں نفع یا نقصان پہنچا سکتے ہیں اور اسی عقیدے کے سبب وہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سے قیامت کی معین تاریخ بتلانے کا مطالبہ کرتے تھے۔

اس آیت نے ان کے اس مشرکانہ عقیدے کی تردید کرتے ہوئے بتلا دیا کہ علمِ غیب.......... اور تمام کائنات کے ذرّے ذرّے کا علمِ محیط ہونا.......... صرف ''اَلْعَلِیْمُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کی مخصوص صفت ہے۔ اس میں کسی مخلوق کو شریک ٹھہرانا خواہ وہ فرشتہ ہو یا نبی و رسول، شرک اور ظلمِ عظیم ہے۔ اسی طرح ہر نفع ونقصان کا مالک ہونا صرف ''اَلْعَلِیْمُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' ہی کی صفت خاص ہے۔ اِس میں کسی کو شریک ٹھہرانا بھی شرک ہے، جس کے مٹانے ہی کے لئے قرآن نازل ہوا اور رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مبعوث ہوئے۔[1]

اس آیت سے اس قول کی بھی تردید ہوگئی کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا علمِ غیب عطائی تھا۔ اگر بالفرض ایسا ہی ہوتا، تب بھی آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اپنے لئے بہت خیر جمع فرما لیتے اور ہر شر اور گزند سے بچ جاتے۔ آیتِ مبارکہ میں بڑی وضاحت سے اس کی نفی کی گئی ہے۔

اسی طرح یہ بھی اعلان کر دیں کہ میں عالم الغیب نہیں ہوں کہ ہر چیز کا علم ہونا میرے لئے ضروری ہو اور اگر مجھے علمِ غیب ہوتا تو میں ہر نفع کی چیز کو ضرور حاصل کر لیتا اور کوئی نفع میرے ہاتھ سے فوت نہ ہوتا اور ہر نقصان کی چیز سے ہمیشہ محفوظ ہی رہتا اور کبھی کوئی نقصان مجھے نہ پہنچتا، حالاں کہ یہ دونوں باتیں نہیں ہیں۔ بہت سے کام ایسے ہیں کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ان کو حاصل کرنا چاہا، مگر حاصل نہیں ہوئے اور بہت سی تکلیفیں اور مضرتیں ایسی ہیں جن سے آں حضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے بچنے کا ارادہ کیا، مگر وہ مضرت وتکلیف پہنچ گئی۔

اس آیت نے یہ بھی واضح کر دیا کہ انبیاء عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ نہ قادرِ مطلق ہوتے ہیں نہ عالم الغیب، بل کہ ان کو علم و قدرت کا اتنا ہی حصہ حاصل ہوتا ہے جتنا اللہ کی طرف سے ان کو دیا جائے۔

ہاں! اس میں شک و شبہ نہیں کہ جو حصہ علم کا ان کو عطا ہوتا ہے، وہ ساری مخلوقات سے بڑھا ہوا ہوتا ہے، خصوصاً ہمارے رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کو اوّلین و آخرین کا علم عطا فرمایا گیا تھا یعنی تمام انبیاء عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کو جتنا علم دیا گیا تھا وہ سب بل کہ اس سے بھی بہت زیادہ علم آپ کو عطا فرمایا گیا تھا اور اسی عطا شدہ علم کے مطابق آپ نے ہزاروں ایسی غیب کی باتوں کی لوگوں کو خبریں دیں جو آپ عَلَیْہِ السَّلَامُ کو اللہ تعالیٰ نے بتلائی تھیں اور جن کی سچائی کا ہر عام و خاص نے

---

[1] معارف القرآن: ۱۴۷/۴، الاعراف: ۱۸۸

مشاہدہ کیا۔ اس کی وجہ سے یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو ہزاروں، لاکھوں غیب کی چیزوں کا علم عطا کیا گیا تھا، مگر اس کو اصطلاحِ قرآن میں علم الغیب نہیں کہہ سکتے اور اس کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کو عالم الغیب نہیں کہا جاسکتا۔[1] نیز قرآن کریم میں اس عطا کیے جانے والے علم کو سورۂ آل عمران کی آیت نمبر۴۴ میں نباءِ غیب (یعنی غیب کی خبریں) اور اسی سورت کی آیت نمبر۱۷۹ میں اطلاعِ غیب اور سورۂ جن کی آیت نمبر۲۶ میں اظہارِ غیب بتلایا ہے۔

محض اس اظہار کیے جانے اور اطلاع دیے جانے اور خبر دینے کی وجہ سے نبی عَلَیْہِ السَّلَامُ عالم الغیب کیسے ہوگئے؟

لہٰذا ہمارے ایمان کی سلامتی اسی میں ہے کہ عقائد صحیح رکھے جائیں اور ظاہراً بھی ایسے الفاظ کہنے سے بچا جائے جو قرآن وحدیث کی نصوص کے خلاف ہوں۔

اسی لئے اکابر رَحِمَہُمُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے بھی جابجا صراحت سے وضاحت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ جتنا چاہیں، حضرات انبیاء عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کو علم دیتے ہیں، مگر خوب واضح ہو کہ انبیاء عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ غیب کی چیزوں کا علم نہیں رکھتے۔ چناں چہ حضرت ملا علی قاری رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں:

"اچھی طرح سے یہ بات سمجھ لو کہ انبیاء عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ غیب کی باتوں کا ذرّہ برابر بھی علم نہیں رکھتے ہیں، سوائے ان باتوں کے جو اللہ تعالیٰ انبیاء عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کو کبھی کبھار بتادیتے تھے حنفی مسلک میں اس بات کی تصریح موجود ہے کہ جو انبیاء عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کے بارے میں عالم الغیب کا اعتقاد رکھے، وہ ایمان سے خارج ہے۔"[2]

صحیح بخاری شریف کی حدیث ہے کہ حضرت خضر عَلَیْہِ السَّلَامُ نے ایک چڑیا کو دریا کے کنارے پانی پیتے ہوئے دیکھ کر حضرت موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَامُ سے فرمایا تھا:

"مَاعِلْمِيْ وَعِلْمُكَ مِنْ عِلْمِ اللّٰهِ إِلَّا مِثْلَ مَانَقَصَ هٰذَا الْعُصْفُوْرُ مِنْ هٰذَا الْبَحْرِ."[3]

تَرْجَمَہ: "اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابلے میں میرے اور آپ کے علم کی مثال اس قطرے کی سی ہے، جو اس چڑیا نے دریا سے کم کیا ہے۔"

یہ مثال بھی محض سمجھانے کے لئے ہے، ورنہ مخلوق کے محدود علم کو اَلْعَلِیْمُ جَلَّ جَلَالُہٗ کے غیر محدود علم کے ساتھ کیا نسبت؟

اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا کا ارشاد ہے:

---

[1] معارف القرآن: ۴/۱۴۸، الاعراف: ۱۸۸

[2] "ثُمَّ اعْلَمْ إِذَا الْأَنْبِيَاءُ -عَلَيْهِمُ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ- لَمْ يَعْلَمُوا الْمَغِيبَاتِ مِنَ الْأَشْيَاءِ إِلَّا مَا أَعْلَمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى أَحْيَانًا وَصَرَّحَ الْحَنَفِيَّةُ تَصْرِيحًا بِالتَّكْفِيرِ بِإِعْتِقَادِ أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ يَعْلَمُ الْغَيْبَ ...." ("شرح فقه اکبر: ۱۸۵، بحواله رساله مسئله علم غیب: ۳۰)

[3] البخاری: باب قوله تعالٰی وَإِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰهُ: ۲/۶۸۸

"مَنْ زَعَمَ اَنَّهٗ يُخْبِرُ بِمَا يَكُوْنُ فِي غَدٍ فَقَدْ اَعْظَمَ عَلَى اللّٰهِ الْفِرْيَةَ."[1]

"یعنی جو شخص یہ کہے کہ آں حضرت ﷺ غیب جانتے تھے، اس نے اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ پر بہتان باندھا ہے۔"

اللہ ربُّ العزت کی ذات کامل اور اکمل علم والی ذات ہے۔ ہر ہر مرحلے پر سارے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام بھی اللہ ربُّ العزت ہی کے محتاج رہتے تھے۔ کئی مشکل مواقع اور مراحل ایسے آتے تھے کہ جب تک وہ ذات کہ جو "اَلْعَلِیْمُ" ہے اور صرف وہی ﴿عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ﴾ ہے، وحی کے ذریعے آپ ﷺ کو صحیح بات سے آگاہ نہیں فرماتی تھی، تو آپ ﷺ بھی اُس کی طرف سے رہبری کے محتاج رہتے تھے۔

اسی عنوان کے تحت آپ ﷺ کے ساتھ پیش آنے والے ایسے بے شمار واقعات میں سے چھ ہم ذکر کر چکے ہیں، تاکہ مسلمان صحیح بات سمجھیں اور عقیدت کے نام پر عقیدہ خراب نہ کریں۔

اگر کوئی خواب وغیرہ دیکھیں یا کوئی اور دیکھے تو یاد رکھئے! قصے، کہانیاں خواب احکام اور عقائد کے ثابت کرنے کے لئے دلیل نہیں بن سکتے، چاہے وقت کا کتنا ہی بڑا بزرگ اس کو نقل کرے، بزرگوں سے بھی غلطیاں ہوسکتی ہیں، وہ معصوم نہیں ہوتے۔ اس لئے کہ ہمارے یا بزرگوں کے دیکھے ہوئے خوابوں کو اللہ تعالیٰ نے شرعی دلیل نہیں بنایا، بل کہ جو ارشادات حضور ﷺ سے قابلِ اعتماد واسطوں سے ہم تک پہنچے ہیں وہ صحیح اور پکی دلیل ہیں۔ ان پر عمل کرنا ضروری ہے، خواب کی بات پر عمل کرنا ضروری نہیں۔ خوابوں کی حقیقت کا اندازہ اس واقعے سے لگایئے کہ:

واقعہ نمبر ۴۷: شریک ابن عبداللہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی جو خلیفہ مہدی کے زمانے میں قاضی تھے، ایک مرتبہ وہ خلیفہ مہدی کے پاس پہنچے تو اس نے انہیں قتل کروانے کا ارادہ ظاہر کیا، قاضی صاحب نے پوچھا: "امیر المومنین کیوں؟"

خلیفہ مہدی نے کہا: میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ تم میرا بستر روند رہے ہو اور مجھ سے منہ موڑ رہے ہو۔ میں نے یہ خواب ایک تعبیر بتلانے والے کے سامنے ذکر کیا تو اس نے کہا: قاضی شریک ظاہر میں آپ کا فرماں بردار ہے، لیکن اندر اندر آپ کا نافرمان ہے۔

قاضی شریک نے جواب دیا: امیر المؤمنین! نہ آپ کا خواب ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام کا خواب ہے اور نہ آپ کا تعبیر دینے والا یوسف عَلَیْہِ السَّلَام ہے تو کیا آپ جھوٹے خوابوں کے بل پر مسلمانوں کی گردنیں اڑانا چاہتے ہیں؟

مہدی یہ سن کر اپنے ارادے سے رک گیا۔[2]

ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام کا خواب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ تو نبی تھے اور ان کا خواب بھی پکا اور سچا تھا، کیوں کہ نبی کا خواب بھی وحی کی ایک قسم ہوتا ہے، اور تعبیر دینے والا حضرت یوسف عَلَیْہِ السَّلَام نہیں ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ بھی اللہ کے پیغمبر و رسول تھے۔ اور صحیح تعبیر بتلانا بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو حاصل تھا جب کہ پیغمبر کے علاوہ تو کوئی بھی

---

[1] مسلم، الایمان، باب قول عزّوجلّ ولقد راٰہ نزلۃ اُخریٰ: ۹۸/۱

[2] الاعتصام: ۲۵۳/۱۰

بالکل صحیح تعبیر نہیں بتلا سکتا۔ کوئی کاہن، ساحر، کوئی بھی ہو ضرور خواب کی تعبیر بتلانے میں غلطی ہو سکتی ہے، اس لئے نہ تو ہر ایک سے تعبیر پوچھی جائے نہ ہی اس پر عمل کیا جائے۔

لہٰذا اللہ تعالیٰ کی مخصوص صفات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور ولیوں میں نہ بانٹیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اللہ تعالیٰ کے عالم الغیب ہونے کی صفت کا استحضار رکھتے ہوئے ہر طرح، ہر جگہ گناہوں سے بچیں۔ خوشی اور غم دونوں حالتوں میں اسی ذات کو پکاریں جو سب کی ساری ضرورتوں کو اور دل کے چھپے حالات تک کو جاننے والا ہے اور ان ضرورتوں اور حاجتوں کو پورا کرنے پر بھی قادر ہے۔ اور ایسا "عَالِمٌ" اور "عَلِيْمٌ" ہے کہ ہماری فریاد سے قبل ہی اس کو معلوم ہے کہ ہم کیا مانگیں گے۔

فوائد و نصائح

❶ جس بندہ کو العلیم جل جلالہ کا یقین حاصل ہو جائے تو وہ یہ بات جان لیتا ہے کہ آسمان و زمین اور ان کے درمیان جو کچھ ہے سب کو وہ جانتا ہے، سمندروں کی گہرائیوں میں، جنگلوں میں، ساری دنیا کی کنکریوں اور ذرات کو جانتا ہے اور پہاڑوں کے چھپے ہوئے خزانوں کو جانتا ہے۔

❷ ہمارے اعمال کو بھی جانتا ہے، ہماری باتوں کو، ہر ہر سانس اور لمحے کو جانتا ہے، اس لئے ہمیں کوئی وقت بھی اللہ کی یاد سے غفلت میں نہیں گزارنا چاہئے، اپنے علم کو تھوڑا جاننا چاہئے اور عاجزی کو اپنی عادت بنانا چاہئے۔

❸ اور ڈرتا رہے کہ العلیم جل جلالہ جب بھی چاہیں علم کی دی ہوئی دولت واپس لے سکتے ہیں۔

اس اسم کے تحت علم نافع کے حصول کے لئے یہ دعا یاد رکھنی چاہئے:

"اَللّٰهُمَّ انْفَعْنِيْ بِمَا عَلَّمْتَنِيْ وَعَلِّمْنِيْ مَا يَنْفَعُنِيْ وَزِدْنِيْ عِلْمًا، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى كُلِّ حَالٍ وَّاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ حَالِ اَهْلِ النَّارِ."[1]

ترجمہ: "اے اللہ! جو علم آپ نے مجھے سکھلایا ہے، اسے میرے لئے نافع بنائیے۔ اور مجھے وہ چیز سکھلا دیجئے، جو میرے لئے نفع بخش ہو اور میرے علم میں اضافہ فرمائیے۔ ہر حال میں تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں، اور میں پناہ مانگتا ہوں اللہ تعالیٰ کی اہل جہنم کی حالت سے۔"

---

[1] مشکوٰۃ: باب جامع الدعا: ۲۱۹

اَلْقَابِضُ جَلَّ جَلَالُہٗ اَلْبَاسِطُ جَلَّ جَلَالُہٗ

(تنگی کرنے والا، فراخی کرنے والا)

ان دونوں اسموں کے تحت تین تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

❶ "وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَيَبْسُطُ: أَيْ فِيْ كُلِّ شَيْءٍ مِّنَ الْأَخْلَاقِ وَالْأَرْزَاقِ وَالْأَشْبَاحِ وَالْأَرْوَاحِ. إِذَا قَبَضَ فَلَا طَاقَةَ وَ إِذَا بَسَطَ فَلَا فَاقَةَ."[1]

"ملا علی قاری رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ ہر چیز میں قبض اور بسط (یعنی تنگی اور کشادگی) فرماتے ہیں۔ خواہ وہ اخلاق ہوں، رزق ہو، اجسام یا ارواح ہوں۔ جب اللہ تعالیٰ ان چیزوں میں تنگی فرما دیں تو کوئی طاقت اس میں وسعت پیدا نہیں کرسکتی اور جب اللہ تعالیٰ کشادگی پیدا فرما دیں تو کوئی رکاوٹ حائل نہیں ہوسکتی۔"

❷ "أَيْ مُضِيقُ الرِّزْقِ وَغَيْرِهٖ عَلٰى مَنْ شَآءَ، مَاشَآءَ، كَيْفَ شَآءَ وَ مُوَسِّعُهٗ."[2]

"یعنی رزق وغیرہ کو تنگ کرنے والا جس پر چاہے، جو چاہے، جس طرح چاہے اور اسی طرح رزق میں کشادگی کرنے والا ہے جس پر چاہے جو چاہے اور جس طرح چاہے۔"

❸ "اَلْقَابِضُ و اَلْبَاسِطُ جَلَّ جَلَالُہٗ" وہی ذات ہے جو موت کے وقت روحوں کو جسموں سے قبض کرتی ہے اور زندگی دینے کے لئے روحوں کو جسموں میں پھیلا دیتی ہے۔ بعض حضرات کہتے ہیں: قَبْض و بَسْط دلوں پر کبھی تو گمراہی اور ہدایت کے اعتبار سے جاری ہوتا ہے (یعنی اللہ تعالیٰ بعض دلوں کو گمراہی سے تنگ کر دیتے ہیں اور بعض دلوں کو ہدایت سے کشادہ فرما دیتے ہیں)۔ اور بعض اوقات یہ "قَبْض وَ بَسْط" (یعنی کشادگی اور تنگی) دلوں پر خشیت اور امید کے اعتبار سے ہوتا ہے۔"[3]

---

[1] مرقاۃ، کتاب اسماء اللّٰہ تعالیٰ: ۸۱/۵

[2] مرقاۃ، کتاب اسماء اللّٰہ تعالیٰ، باب شرح اسماء اللّٰہ الحسنیٰ: ۸۱/۵

[3] "اَلْقَابِضُ، اَلْبَاسِطُ" وَقِيْلَ: هُوَ الَّذِيْ يَقْبِضُ الْأَرْوَاحَ عَنِ الْأَشْبَاحِ عِنْدَ الْمَمَاتِ، وَيَنْشُرُ الْأَرْوَاحَ فِي الْأَجْسَادِ عِنْدَ الْحَيٰوةِ. وَقِيْلَ: قَبْضُ الْقُلُوْبِ وَبَسْطُهَا، تَارَةً بِالضَّلَالِ وَالْهُدٰى، وَأُخْرٰى بِالْخَشْيَةِ وَالرَّجَاءِ." (شرح طیبی: الدعوات، باب اسماء اللّٰہ تعالیٰ ۲۹/۵)

تنگی وکشادگی "القابض، الباسط جل جلالہ" کی طرف سے ہے

تنگی وکشادگی سب "القابض و الباسط جل جلالہ" کے اختیار میں ہے اور اسی کی طرف سب کو لوٹ کر جانا ہے۔ فقیر کو بادشاہ بنانا اور بادشاہ سے بادشاہت چھین لینا، ضعیف کو قوی اور قوی کو ضعیف بنا دینا، سب اسی "القابض و الباسط جل جلالہ" کے ہاتھ میں ہے۔

بعض مرتبہ عقل وشعور اور ظاہری اسباب و وسائل میں دو انسان ایک جیسے ہی محسوس ہوتے ہیں، ایک ہی طرح کا کاروبار شروع کرتے ہیں، لیکن ایک کے کاروبار کو خوب فروغ ملتا ہے اور اسے وسعت نصیب ہو جاتی ہے، جب کہ دوسرے شخص کا کاروبار محدود ہی رہتا ہے اور اسے وسعت نصیب نہیں ہوتی۔

آخر یہ کون سی ہستی ہے جس کے پاس تمام اختیارات ہیں اور وہ اس قسم کے تصرفات فرماتا ہے۔ علاوہ ازیں وہ کبھی دولت وفراوانی والے شخص کو محتاج اور محتاج کو مال و دولت سے نواز دیتا ہے۔ یہ سب اسی ایک "القابض و الباسط جل جلالہ" کے ہاتھ میں ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔

اسی چیز کو قرآنِ کریم میں طالوت کے واقعے سے سمجھایا گیا ہے کہ جب بنی اسرائیل نے حضرت شموئیل علیہ السلام سے درخواست کی کہ کوئی بادشاہ ہم پر مقرر کر دیں اس کے ساتھ مل کر ہم دشمن سے جہاد کریں۔ اللہ تعالیٰ نے طالوت کو جو غریب اور محنتی آدمی تھے، اُن پر بادشاہ بنا دیا، جو بنی اسرائیل کی نظر میں سلطنت کے قابل نہیں تھے، لیکن اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَاللّٰهُ يُؤْتِي مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴾[1]

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ جسے چاہے اپنا ملک دے، اللہ تعالیٰ کشادگی والا اور علم والا ہے۔"

"قبض و بسط" فراخی اور تنگی، نہ عقل کی کمی وزیادتی پر منحصر ہے، نہ لیاقت وقابلیت پر، بل کہ یہ محض اللہ تعالیٰ کی دَین ہے، جس کو چاہے جس حال میں اور جس طرح رکھے۔

چناں چہ امام احمد بن اسحاق بن یحییٰ راوندی رحمہ اللہ تعالیٰ[2] فرماتے ہیں:

"تم دیکھو گے بہت سے پڑھے لکھے سمجھ دار کہ ان پر روزی کے اسباب تنگ ہوتے ہیں۔"

---

[1] البقرة: ٢٤٧

[2]
كَمْ عَاقِلٍ عَاقِلٍ أَعْيَتْ مَذَاهِبُهٗ — وَكَمْ جَاهِلٍ جَاهِلٍ تَلْقَاهُ مَرْزُوْقاً
هٰذَا الَّذِيْ تَرَكَ الْأَوْ هَامَ حَائِرَةً — وَصَيَّرَ الْعَالِمَ النِّحْرِيْرَ زِنْدِيْقاً

(مختصر المعاني: ص١١٨)

اور بہت سے ایسے لوگ کہ روزی کمانے کے ہنر سے ناواقف ہونے کے باوجود ان پر روزی کی خوب فراوانی ہے۔

اسی بات نے عقلوں کو حیران کر دیا ہے (کم زور ایمان والوں کے لئے یہی چیز دل کی تقویت کا باعث بنی کہ روزی کے خزانے اُسی ذات کے قبضے میں ہیں جو "اَلْقَابِضُ و اَلْبَاسِطُ جَلَّ جَلَالُهٗ" ہے) اور سمجھ دار عالم کو پریشان کر دیا ہے۔"

فراوانی اور کشادگی میں اَلْبَاسِطُ جَلَّ جَلَالُهٗ کی حکمتیں

اُس "اَلْبَاسِطُ جَلَّ جَلَالُهٗ" نے جہاں بسط (فراوانی) رکھی ہے تو وہاں کے لئے بسط میں خیر ہے اور جہاں قبض (تنگی) رکھی ہے، وہاں قبض ہی میں خیر ہے۔ اسی کو اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم میں فرماتے ہیں:

﴿وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِي الْاَرْضِ وَلٰكِنْ يُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَآءُ﴾[1]

تَرجَمَہ: "اگر اللہ تعالیٰ اپنے (سب) بندوں کی روزی فراخ کر دیتا تو وہ زمین میں فساد برپا کر دیتے، لیکن وہ اندازے کے ساتھ جو کچھ چاہتا ہے، نازل فرماتا ہے۔"

حکمت نمبر ①: آیت میں یہ ارشاد فرمایا گیا ہے کہ اگر دنیا کے ہر فرد پر ہر قسم کے رزق اور ہر قسم کی نعمت کی فراوانی کر دی جاتی تو انسانوں کا ایک دوسرے کے خلاف سرکشی و فساد حد سے بڑھ جاتا۔ اس لئے کہ دولت کی فراوانی کی وجہ سے نہ کوئی کسی کا محتاج ہوتا اور نہ کوئی کسی سے دبتا۔ دوسری طرف دولت مندی کی ایک خاصیت یہ ہے، کہ جتنی دولت بڑھتی ہے اتنا ہی حرص و ہوس میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔

اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا کہ ایک دوسرے کی اَملاک پر قبضہ جمانے کے لئے زور و زبردستی کا استعمال عام ہو جاتا۔ لڑائی جھگڑے، سرکشی اور دوسری بداعمالیاں حد سے بڑھ جاتیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ہر فرد کو ہر قسم کا رزق اور ہر قسم کی نعمت دینے کے بجائے ان نعمتوں کو اپنے بندوں پر اس طرح تقسیم کیا ہے کہ کسی کے پاس مال و دولت زیادہ ہے...... کوئی صحت و قوت میں دوسرے سے بڑھا ہوا ہے...... کوئی حُسن و جمال سے مالا مال ہے...... کسی کے پاس علم و حکمت کی دولت دوسروں سے زیادہ ہے...... غرض ہر شخص کسی نہ کسی چیز کے لئے دوسروں کا محتاج ہے اور اسی باہمی احتیاج پر تمدن کی عمارت قائم ہے۔

﴿وَلٰكِنْ يُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَآءُ﴾ کا مطلب یہی ہے کہ اللہ نے اپنی نعمتیں ایک خاص اندازے سے دنیا کے لوگوں پر نازل کی ہیں اور آگے ﴿اِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ﴾ (بلاشبہ وہ اپنے بندوں کو جاننے والا دیکھنے والا ہے) فرما کر اس طرف بھی اشارہ کر دیا کہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ کس شخص کے لئے کون سی نعمت مناسب ہے اور کون سی نقصان دہ۔

لہٰذا اس نے ہر شخص کو مناسب نعمتیں دی ہیں اور اگر کسی سے کوئی نعمت سلب فرمائی ہے تو وہ اس کی اور پورے عالم کی

---

[1] الشوریٰ: ۲۷

مصلحت ہی کی بنا پر سلب کی ہے اور یہ بالکل ضروری نہیں ہے کہ ہر ہر فرد کے بارے میں یہ مصلحت ہماری سمجھ میں بھی آجائے، کیوں کہ یہاں ہر انسان اپنی معلومات کے ایک محدود دائرے میں رہ کر سوچتا ہے لا اللہ تعالیٰ کے سامنے پوری کائنات کی مصلحتیں ہیں، اس لئے اس کی تمام حکمتوں تک رسائی ممکن ہی نہیں ہے۔

اس کی ایک محسوس نظیر یہ ہے کہ ایک دیانت دار سربراہِ مملکت بسا اوقات ایسے احکام جاری کرتا ہے جو بعض افراد کے خلاف پڑتے ہیں اور وہ ان کی وجہ سے مصائب کا شکار ہو جاتے ہیں۔ جو شخص اس طرح مصائب کا شکار ہوا ہے، وہ چوں کہ صرف اپنے مفاد کے محدود دائرے میں رہ کر سوچ رہا ہے، اس لئے ممکن ہے کہ اسے سربراہِ مملکت کا یہ اقدام برا محسوس ہو، لیکن جس شخص کی نگاہ پورے ملک وقوم کے حالات پر ہے اور جو یہ سمجھتا ہے کہ کسی ایک شخص کے مفاد پر پورے ملک کو قربان نہیں کیا جاسکتا، وہ اس اقدام کو برا خیال نہیں کرتا۔

اب جو ''اَلْعَلِیْمُ و الْخَبِیْرُ، اَلْقَابِضُ و الْبَاسِطُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' پوری کائنات کا نظام چلا رہا ہے، اس کی حکمتوں کا احاطہ آخر کیسے کیا جاسکتا ہے۔

اگر یہ نکتہ ذہن میں رہے تو وہ اوہام اور وسوسے خود بخود کافور ہو سکتے ہیں، جو دنیا میں کسی شخص کو گرفتارِ مصائب دیکھ کر پیدا ہوتے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر اپنے بندوں کی مصلحتوں ...... صلاحیتوں ...... استعدادوں ...... کا جاننے والا اور ان کے احوال واعمال پر نظر رکھنے والا اور کون ہوگا، وہ ہر بندہ کو اُس کے ظرف، ضرورت و مصلحت کے لائق ہی روزی دیتا ہے، ورنہ اگر وہ بے تحاشا سب کو خوش حال ہی بنادے تو انسان کے عام طبائع ایسے ہیں کہ بجائے امن و آشتی کے فتنہ و فساد برپا ہو جائے اور سب ایک دوسرے کے دشمن ہو کر کفر و نافرمانی میں مبتلا ہو جائیں۔[1]

حکمت نمبر ۲: اسی آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کے تمام انسانوں کا مال و دولت میں مساوی ہونا ...... نہ ممکن ہے نہ مطلوب، اور نہ نظامِ عالم کی تکوینی مصلحتیں اس کا تقاضا کرتی ہیں۔[2]

اسی کو حضرت مفتی اعظم پاکستان رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ سورۂ فرقان کی آیت نمبر ۲۰ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

﴿ وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً ﴾ اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ حق تعالیٰ کو قدرت تو ہر چیز کی تھی، وہ سارے انسانوں کو یکساں مال دار بنا دیتے، سب کو تندرست رکھتے، کوئی بیمار نہ ہوتا، سب کو عزت و جاہ کے اعلیٰ مرتبے پر فائز کر دیتے، کوئی ادنیٰ یا کم رُتبہ نہ رہ جاتا، مگر نظامِ عالم میں اس کی وجہ سے بڑے بڑے رخنے پیدا ہوتے، اس لئے حق تعالیٰ نے کسی کو مال دار بنایا .... کسی کو غریب اور مفلس .... کسی کو قوی .... کسی کو ضعیف .... کسی کو تندرست، کسی کو بیمار، کسی کو صاحبِ عزت و جاہ ...... کسی کو گم نام۔ اس اختلافِ انواع و اصناف اور اختلافِ احوال میں ہر طبقے کا امتحان اور آزمائش ہے۔ غنی کے شکر کا ...... غریب کے صبر کا .... امتحان ہے۔ اسی طرح بیمار و تندرست کا حال ہے۔

---

[1] حضرت تھانوی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے فرمایا: اس طرح بسطِ باطنی، بعض طالبِ حق کے حق میں مضر ہوتا ہے۔ اس لئے اس کے نہ ہونے سے مغموم نہ ہونا چاہئے۔ (تفسیر ماجدی: ۹۷۲/۲)

[2] معارف القرآن: ۶۹۹/۷، الشوریٰ: ۲۷

اسی لئے رسول اللہ ﷺ کی تعلیم یہ ہے کہ جب تمہاری نظر کسی ایسے شخص پر پڑے، جو مال و دولت میں تم سے زیادہ ہے یا صحت وقوت اور عزت وجاہ میں تم سے بڑا ہے تو تم فوراً ایسے لوگوں پر نظر کرو جو ان چیزوں میں تم سے کم حیثیت رکھتے ہیں، تاکہ تم حسد کے گناہ سے بھی بچ جاؤ اور اپنی موجودہ حالت میں اللہ تعالیٰ کا شکر کرنے کی توفیق ہو۔[1]

حکمت نمبر ۳: ﴿ اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ﴾[2]

ترجمہ: ''یقیناً تیرا رب جس کے لئے چاہے روزی کشادہ کر دیتا ہے اور جس کے لیے چاہے تنگ کر دیتا ہے۔''

اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنا تکوینی نظام بتایا ہے۔ سب اس کے بندے ہیں۔ وہ اپنی حکمت کے مطابق کسی کا رزق زیادہ فرماتا ہے اور کسی کے رزق میں تنگی فرما دیتا ہے۔ جس کو چاہے جتنا دے اور جس کو چاہے بالکل ہی نہ دے، اسے پورا پورا اختیار ہے۔ بندے اپنا کام کریں۔ میانہ روی کے ساتھ اپنی جان پر اپنے اہل وعیال پر اقرباء اور فقراء ومساکین پر خرچ کریں، تکوینی طور پر اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضہ یہ ہے کہ کچھ لوگوں کی حاجتیں رُکی رہیں اور بندے احکامِ شرعیہ کے پابند ہیں، ان کو حکم ہے کہ سارا مال خرچ کر کے اپنے کو پریشانی میں نہ ڈالیں۔

''الباسط جل جلالہ'' رحمت بھیجنے کے لئے اپنے دونوں ہاتھوں کو پھیلائے ہوئے ہیں

''اے وہ ذات! جس نے خوبیاں سب پر ظاہر کر دیں اور برائیاں چھپالیں ...... اے وہ ذات! جو ہر جرم پر گرفت نہیں کرتی اور پردہ دری نہیں فرماتی ...... اے بڑے معاف کرنے والے ......! اے سب سے بہتر درگزر کرنے والے ......! اے بڑی مغفرت فرمانے والے ......! اے رحمت بھیجنے کے لئے دونوں ہاتھوں کو پھیلانے والے ......! اے ہر سرگوشی کے جاننے والے ......! اے ہر شکایت کے لئے آخری بارگاہ ......! اے بہترین درگزر فرمانے والے ......! اے بڑے احسانات فرمانے والے! اے نعمتوں کے استحقاق کے بغیر اپنی طرف سے ہر نعمت عطا فرمانے والے ......! اے ہمارے پروردگار! اے ہمارے سردار! اے ہماری امیدوں کو پورا کرنے والے! اے ہماری خواہش کے آخری مقصود! ہمارے آقا! میں تجھ سے یہ مانگتا ہوں کہ اے اللہ! میرے جسم کو آگ میں نہ جلانا۔''[3]

---

[1] معارف القرآن: ٤٦٦/٦، الفرقان: ٢٠ [2] بنی اسرائيل: ٣٠

[3] "يَا مَنْ أَظْهَرَ الْجَمِيلَ وَسَتَرَ الْقَبِيحَ، يَا مَنْ لَا يُؤَاخِذُ بِالْجَرِيرَةِ وَلَا يَهْتِكُ السِّتْرَ، وَيَا عَظِيمَ الْعَفْوِ، وَيَا حَسَنَ التَّجَاوُزِ، وَيَا وَاسِعَ الْمَغْفِرَةِ، وَيَا بَاسِطَ الْيَدَيْنِ بِالرَّحْمَةِ، وَيَا صَاحِبَ كُلِّ نَجْوَى، وَيَا مُنْتَهَى كُلِّ شَكْوَى، وَيَا كَرِيمَ الصَّفْحِ وَيَا عَظِيمَ الْمَنِّ، وَيَا مُبْتَدِئَ النِّعَمِ قَبْلَ اسْتِحْقَاقِهَا، وَيَا رَبَّنَا وَسَيِّدَنَا وَيَا مَوْلَانَا وَيَا غَايَةَ رَغْبَتِنَا أَسْأَلُكَ يَا اللّٰهُ أَنْ لَا تَشْوِيَ خَلْقِي بِالنَّارِ."

(المستدرك للحاكم، الدعاء والتكبير و التسبيح: ٧٣٩/١، رقم الحديث: ٢٠٥٠)

اس دعا میں ”یَا بَاسِطَ الْیَدَیْنِ بِالرَّحْمَةِ“ (اے رحمت کرنے کے لئے دونوں ہاتھوں کو پھیلانے والے) جملہ ایمان بڑھانے اور اللہ تعالیٰ کی محبت میں اضافہ کے لئے کتنا بہترین جملہ ہے! چلتے پھرتے مانگتے رہئے۔)

”الباسط جل جلالہ“ سے فراخیٔ رزق کے لئے یہ دُعا مانگئے

”اَللّٰهُمَّ ابْسُطْ عَلَيْنَا مِنْ بَرَكَاتِكَ وَرَحْمَتِكَ وَفَضْلِكَ وَرِزْقِكَ“[1]

ترجمہ: ”اے اللہ! تو ہم پر اپنی برکتوں ...... اپنی رحمت ...... اپنے فضل ...... اور اپنے دیئے ہوئے رزق میں فراوانی ...... اور فراخی ...... نصیب فرما۔“

اس ترجمے پر بار بار غور کیجئے! توحید کو دل میں بٹھانے کے لئے کیسی بہترین دعا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھائی ہے۔ صدہا احسانات کے ساتھ اس احسان کا بھی استحضار کر کے محبت اور عظمت کے ساتھ درود شریف پڑھ کر اس مسنون دعا کے ترجمے کو بار بار پڑھیں اور اپنے بچوں اور دوستوں کو بھی یہ دعا یاد کرنے اور اس کا ترجمہ سمجھنے کی ترغیب دیں، تاکہ ہماری زبانوں پر یہ الفاظ نہ آئیں کہ فلاں نے دیا اور فلاں نے لے لیا، فلاں کی وجہ سے مجھے یہ نقصان ہوا اور فلاں کی وجہ سے مجھے یہ نفع ہوا، فلاں کی توجہ نے میرا کام بنا دیا اور فلاں کی بے توجہی نے کام روک دیا، بل کہ دل میں یہ دھیان جمے اور زبانوں پر بھی یہی دعوت اور تذکرہ ہو کہ جو کچھ ملا، اُسی ذاتِ ”الباسط جل جلالہ“ کے در سے ملا اور جو بھی نعمت چلی گئی یا تنگی آئی، اُسی ”القابض جل جلالہ“ کے فیصلے سے آئی۔

فوائد و نصائح

❶ ان دونوں اسموں سے بندہ کا حصہ یہ ہے کہ عزت، ذلت، روزی، خوشی، غمی، پریشانی اور راحت سب کے دینے اور لینے والا صرف ”القابض و الباسط جل جلالہ“ کو سمجھے، اس ذات کے علاوہ نہ تو کوئی کسی چیز کو روک سکتا ہے، نہ ہی دے سکتا ہے۔

❷ رزق کی آسانی کے لئے جو دعا ذکر کی گئی ہے، اسے مانگتے رہئے اور ساتھ ساتھ حلال اور جائز طریقے سے محنت اور کوشش سے رزق حلال کمائیں، ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ نہ جائیں کہ مہنگائی کا زمانہ ہے، روزگار ملتا نہیں وغیرہ اور رشوت، سود، اور دوسرے ناجائز طریقوں کو چھوڑ دیں اور توبہ کریں، کیوں کہ یہ کام بے برکتی کا سب سے بڑا ذریعہ ہیں۔

❸ ان دونوں اسماء سے تعلق پیدا کرنے والے کو چاہئے کہ وہ اپنی دونوں حالتوں پر نگاہ رکھے۔ پس وہ تنگی کو اللہ ربّ العزت کی جانب سے انصاف جانتے ہوئے اس پر صبر کرے اور فراخی کو اللہ ربّ العزت کا فضل سمجھے اور اس پر شکر ادا کرے۔[2]

---

[1] مسند احمد: ۴۳۸/۴، رقم الحدیث: ۱۵۰۶۶

[2] ”وَحَظُّ الْعَارِفِ مِنْهُمَا: أَنْ يُّرَاقِبَ الْحَالَيْنِ فَيَرَى الْقَبْضَ عَدْلاً مِّنَ اللّٰهِ، فَيَصْبِرَ عَلَيْهِ، وَالْبَسْطَ فَضْلاً مِّنْهُ، فَيَشْكُرَ.“ (شرح الطیبی: الدعوات، باب اسماء اللّٰه تعالٰی: ۲۹/۵)

الخافض جل جلالہ الرافع جل جلالہ

(پست کرنے والا، بلند کرنے والا)

ان دونوں اسموں کے تحت چار تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

1. "الخافض الرافع جل جلالہ" وہ ذات ہے جو انصاف کے ترازو کو بلند کرتا ہے اور پست کرتا ہے۔
2. یا کفار کو رسوائی اور حقارت کے ساتھ پست فرماتا ہے، جب کہ مؤمنین کو اعزاز وامداد سے نواز کر بلند فرماتا ہے۔
3. یا دشمنوں کو بے یار و مددگار چھوڑ کر پست فرماتا ہے، جب کہ دوستوں کو قربت اور نیک بختی دے کر بلند فرماتا ہے۔
4. اور بد بختوں کو گمراہ فرما کر پست فرماتا ہے اور نیک بختوں کی رہنمائی فرما کر انہیں بلند فرماتا ہے۔[1]

بلندی اور پستی اسی کی ذات سے ہے۔ وہ جسے چاہے بلند کر دیتا ہے اور جسے چاہے پست۔ اس "الرافع جل جلالہ" نے اتنی بلندیاں پیدا کر دی ہیں کہ ہمارے جسم میں اس نے سر کو بلندی سے سرفراز فرمایا تو وہ سارے جسم پر حکومت کرتا ہے، پیروں کو پست کیا تو وہ سر کا حکم ماننے پر مجبور ہیں، اسی طرح ہر ادنیٰ ہر اعلیٰ کا حکم ماننے پر مجبور ہے۔ سلاطین، اُمراء، حکام کو بھی "الرافع جل جلالہ" نے سر بلندی عطا کی، لہٰذا وہ اپنے ماتحتوں پر حکومت کرتے ہیں، کیوں کہ اللہ نے ان ماتحتوں کو بہ نسبت ان حکام کے پست بنایا ہے۔ اسی طرح پستی و بلندی کے بہت سے درجات ہیں۔

اس "الخافض جل جلالہ" نے زمین کو پستی عطا کر کے پھر پستی در پستی عطا کر دی جیسے فضا میں رفعت در رفعت پیدا کر دی پست زمین پر بلند پہاڑ پیدا کئے اور ان کے اندر غار اور پستیاں پیدا کیں، پھر ان کی تہوں میں قسم قسم کی مخلوقات پیدا کیں طرح طرح کے جواہرات و معدنیات بھر دیے، وہ زمین کو پست کرتا چلا گیا اور اس کی پستیوں میں قسم قسم کی چیزیں اور حیوانات پیدا کر دیے، سمندروں کی گہرائیوں کو مخلوقات سے پُر کر دیا اور ان کی تہہ کے اندر طرح طرح کی چیزیں بھر

---

[1] (۱) "اَلْخَافِضُ، اَلرَّافِعُ": هُوَ الَّذِيْ يَخْفِضُ الْقِسْطَ وَيَرْفَعُهُ.
(۲) أَوْ يَخْفِضُ الْكُفَّارَ بِالْخِزْيِ وَالصَّغَارِ، وَيَرْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ بِالنَّصْرِ وَالْإِعْزَازِ.
(۳) أَوْ يَخْفِضُ أَعْدَائَهُ بِالْإِبْعَادِ وَ يَرْفَعُ أَوْلِيَائَهُ بِالتَّقْرِيْبِ وَالْإِسْعَادِ.
(۴) وَخَفَضَ أَهْلَ الشَّقَاءِ بِالطَّبْعِ وَالْإِضْلَالِ، وَرَفَعَ ذَوِي السَّعَادَةِ بِالتَّوْفِيْقِ وَالْإِرْشَادِ." (شرح طیبی: الدعوات: باب اسماء الله تعالیٰ: ۳۰/۵)

دیں کہ اٹلانٹک کی برف کے نیچے اس ''الخفض جل جلالہٗ'' نے تہ در تہ مخلوقات بسادی ہیں۔

خلاصہ یہ ہوا کہ اس نے ہر چیز میں پستی اور بلندی رکھی ہے۔[1]

الرافع جل جلالہٗ کی دوسروں کو عطا کردہ غیر اختیاری فضیلتوں کی تمنا نہ کریں

دنیا میں مدارِ فضیلت دو چیزیں ہیں ایک غیر اختیاری ہے، جو صرف حق تعالیٰ کا انتخاب ہے دوسری اختیاری جو اعمالِ صالحہ اور اخلاقِ فاضلہ سے حاصل ہوتی ہے۔

دنیا میں جو ایک جگہ کو دوسری جگہ پر یا ایک چیز کو دوسری چیز پر فضیلت دی جاتی ہے، یہ اُس چیز کے کسب وعمل کا نتیجہ نہیں ہوتا، بل کہ وہ بلاواسطہ خالقِ کائنات کے انتخاب واختیار کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اُس نے سات آسمان پیدا کیے، اُن میں سے سب سے اونچے آسمان کو دوسروں پر فضیلت دے دی، حالاں کہ مادہ ساتوں آسمانوں کا ایک ہی تھا۔

پھر اُس نے جنت الفردوس کو دوسری سب جنتوں پر اور جبرئیل ومیکائیل واسرافیل اور ملک الموت علیہم السلام خاص فرشتوں کو دوسرے فرشتوں پر اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو دوسرے سارے بنی آدم پر اور اُن میں سے اُولوالعزم رسولوں کو دوسرے انبیاء پر اور اپنے خلیل ابراہیم علیہ السلام اور حبیب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو دوسرے سب اُولوالعزم رسولوں پر۔

پھر اولادِ اسماعیل علیہ السلام کو ساری دُنیا کے دوسرے لوگوں پر پھر قریش کو اُن سب پر اور بنی ہاشم کو سب قریش پر اور اولادِ بنی آدم کے سردار حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب بنی ہاشم پر، (اس طرح حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام مخلوقات پر فضیلت بخشی)۔

پھر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور دوسرے اسلاف اُمت کو بقیہ دوسرے مسلمانوں پر فضیلت دینا، یہ سب دراصل ''الرافع جل جلالہٗ'' کے انتخاب واختیار کا نتیجہ ہے۔

اسی طرح زمین کے بہت سے مقامات کو دوسرے مقامات پر اور بہت سے دنوں اور راتوں کو دوسرے دنوں اور راتوں پر فضیلت دینا، یہ سب اُسی کے اختیار اور انتخاب کا اثر ہے۔ غرض فضیلت ومفضولیت کا اصل معیار تمام کائنات میں یہی انتخاب واختیار ہے۔

﴿ وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ ﴾[2] ''یعنی آپ کا رب جو چاہے پیدا کرتا ہے اور انتخاب کرتا ہے۔'' اس آیت کا ایک مفہوم یہ ہے کہ اس اختیار سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے جس کو چاہیں، اپنے اکرام واعزاز کے لئے انتخاب فرمالیتے ہیں اور امام بغوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے بقول اس آیت میں مشرکین کے اس قول کا جواب ہے جو وہ کہا کرتے تھے: ﴿ لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ﴾[3]

ترجمہ: ''یعنی یہ قرآن اللہ کو نازل کرنا ہی تھا تو عرب کے دو بڑے شہروں مکہ اور طائف میں سے کسی بڑے آدمی

---

[1] شرح اسماء الحسنیٰ للازہری: ۱۴۲ [2] القصص: ۶۸ [3] زخرف: ۳۱

اَللّٰہُ الَّذِیْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَیْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَھَا (الرّعد: ۲)

''اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں کو بغیر ستونوں کے بلند کر رکھا ہے کہ تم اُسے دیکھ رہے ہو۔''
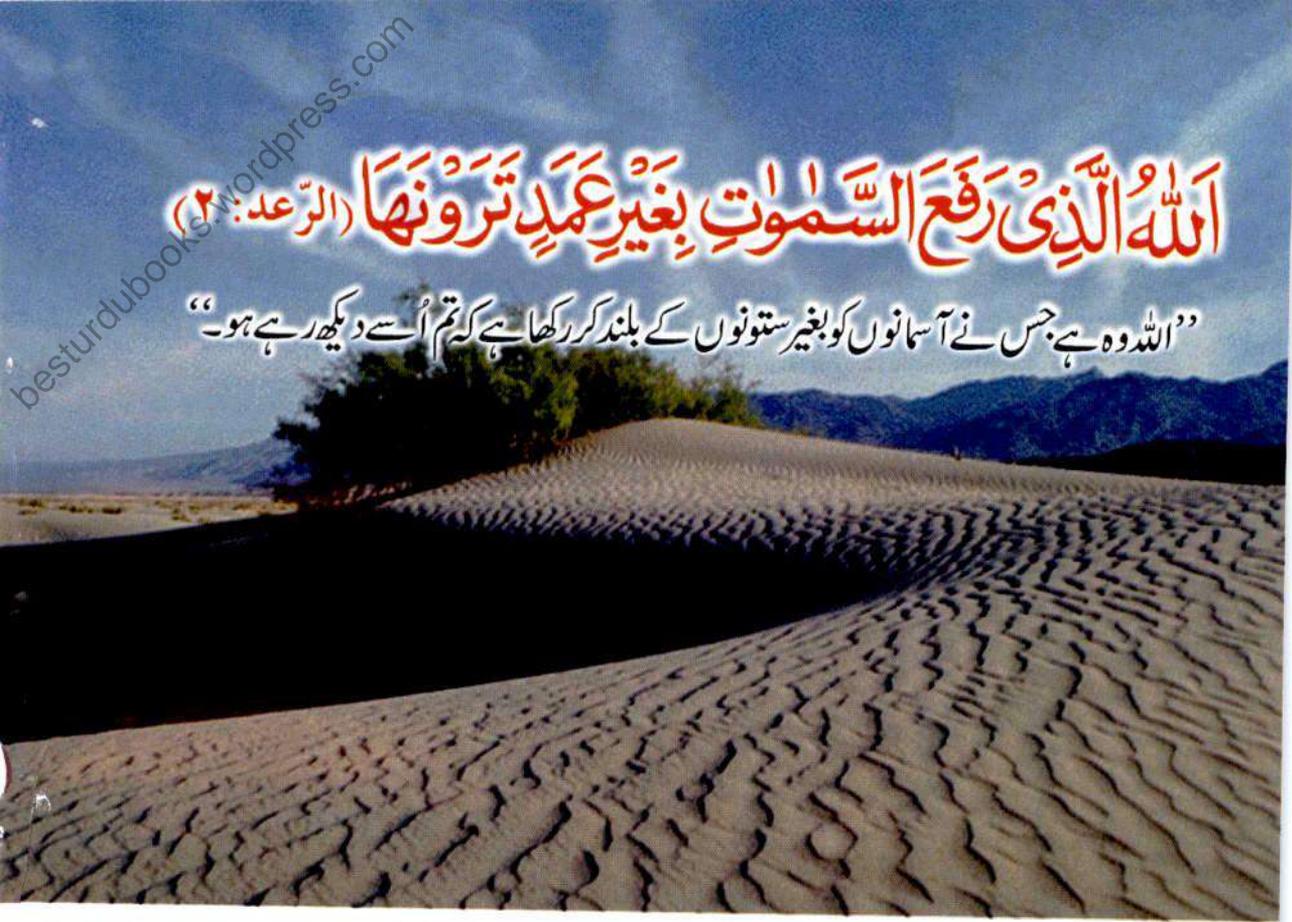
پر نازل فرماتا" (کہ اس کی قدر و منزلت پہچانی جاتی۔ ایک یتیم مسکین پر نازل فرمانے میں کیا حکمت تھی؟)

اس کے جواب میں فرمایا: جس مالک نے تمام مخلوقات کو بغیر کسی شریک کی امداد کے پیدا فرمایا ہے، یہ اختیار بھی اسی کو حاصل ہے کہ اپنے کسی خاص اعزاز کے لئے اپنی مخلوق میں سے کسی کو منتخب کرے۔ اس میں وہ تمہاری تجویزوں کا کیوں پابند ہو کہ فلاں اس کا مستحق ہے فلاں نہیں۔"[1]

سارے کے سارے اختیارات صرف اور صرف اسی "الخافض الرافع جل جلالہ" کو حاصل ہیں۔

جیسا کہ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

﴿وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۭ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ۭ وَلِلنِّسَاۗءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ۭ وَسْـــَٔـلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِــيْمًا﴾[2]

ترجمہ: "اور اس چیز کی آرزو نہ کرو جس کے باعث اللہ تعالیٰ نے تم میں سے بعض کو بعض پر بزرگی دی ہے۔ مردوں کا اس میں حصہ ہے جو انہوں نے کمایا اور عورتوں کے لئے اس میں سے حصہ ہے جو انہوں نے کمایا اور اللہ تعالیٰ سے اس کا فضل مانگو یقیناً اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔"

الرافع جل جلالہ نے جو درجہ دیا اس پر شکر کریں

قرآنِ کریم میں ان غیر اختیاری فضائل کی تمنا کرنے سے منع کیا گیا ہے جو دوسروں کو حاصل ہوں۔ وجہ یہ ہے کہ انسان جب اپنے آپ کو دوسروں سے مال و دولت، آرام و عیش، حسن و خوبی، علم و فضل وغیرہ میں کم پاتا ہے تو عادۃً اس کے دل میں ایک مادہ حسد کا اُبھرتا ہے، جس کا تقاضہ کم سے کم یہ ہوتا ہے کہ میں بھی اس کے برابر یا زیادہ ہو جاؤں اور بسا اوقات اس پر قدرت نہیں ہوتی۔

کیوں کہ بہت سے کمالات ایسے ہیں جن میں انسان کی کوشش و عمل کا کوئی دخل نہیں۔ وہ محض قدرت کے انعامات ہوتے ہیں۔ جیسے کسی شخص کا مرد ہونا .... یا کسی کا خاندانِ نبوت میں سے ہونا .... یا خاندانِ حکومت میں پیدا ہونا......... یا حسین و جمیل پیدا ہونا......... وغیرہ کہ جس شخص کو یہ انعامات حاصل نہیں، وہ اگر عمر بھر اس کی کوشش کرے کہ مثلاً: مرد ہو جائے یا خاندانی سیّد بن جائے، اس کا ناک نقشہ، قد و قامت حسین ہو جائے، تو یہ اس کی قدرت میں نہیں۔ نہ کسی دوا اور علاج یا تدبیر سے وہ ان چیزوں کو حاصل کر سکتا ہے اور جب دوسرے کی برابری پر قدرت نہیں ہوتی تو اب اس کے نفس میں یہ خواہش جگہ پکڑتی ہے کہ دوسروں سے بھی یہ نعمت چھن جائے، تاکہ وہ بھی اس کے برابر یا کم ہو جائیں۔ اسی کا نام حسد ہے، جو انسانی اخلاق میں انتہائی شرم ناک اور مضر خصلت ہے اور دنیا کے بہت سے جھگڑوں، فسادات قتل و غارت گری کا سبب ہے۔

---

[1] معارف القرآن: ۶/۶۵۹، القصص: ۶۸ [2] النساء: ۳۲

قرآنِ کریم کی اس آیتِ بالا نے اس فساد کا دروازہ بند کرنے کے لئے ارشاد فرمایا: ﴿وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے بہ تقاضائے حکمت و مصلحت جو کمالات و فضائل لوگوں میں تقسیم فرمائے ہیں، کسی کو کوئی وصف دے دیا، کسی کو کوئی، کسی کو کم، کسی کو زیادہ، اس میں ہر شخص کو اپنی قسمت پر راضی اور خوش رہنا چاہئے۔ دوسرے کے فضائل و کمالات کی تمنا میں نہ پڑنا چاہئے کہ اس کا نتیجہ اپنے لئے رنج و غم اور حسد کے گناہِ عظیم کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔

جس کو حق تعالیٰ نے مرد بنا دیا وہ اس پر شکر ادا کرے جسے عورت بنا دیا وہ اسی پر راضی رہے اور سمجھے کہ اگر وہ مرد ہوجاتی تو شاید مردوں کی ذمہ داریوں کو پورا نہ کرسکتی اور گناہ گار ہوجاتی۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے خوب صورت پیدا کیا ہے وہ اس پر شکر گزار ہو کہ اس کو ایک نعمت ملی اور جو بدصورت ہے وہ بھی رنجیدہ نہ ہو اور سمجھے کہ میرے لئے اسی میں کوئی خیر مقدر ہوگی، اگر مجھے حسن و جمال ملتا تو شاید کسی فتنہ اور خرابی میں مبتلا ہوجاتا۔

جو شخص نسب کے اعتبار سے سیّد ہاشمی ہے وہ اس پر شکر کرے کہ یہ نسبت اللہ تعالیٰ کا انعام ہے اور جس کو یہ نسبت حاصل نہیں وہ اس فکر میں نہ پڑے اور اس کی تمنا بھی نہ کرے، کیوں کہ یہ چیز کسی کوشش سے حاصل ہونے والی نہیں۔ اس کی تمنا اس کو گناہ میں مبتلا کردے گی اور سوائے رنج و غم کے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ بجائے نسب پر افسوس کرنے کے اعمالِ صالحہ کی فکر میں زیادہ پڑے، ایسا کرنے سے وہ بڑے نسب والوں سے بڑھ سکتا ہے۔

بعض آیاتِ قرآنی اور ارشاداتِ نبوی ﷺ میں مسابقت فی الخیرات، یعنی نیک کاموں میں دوسروں سے آگے بڑھنے کی کوشش کا حکم یا دوسروں کے فضائل و کمالات کو دیکھ کر ان کی تحصیل کے لئے سعی و عمل اور جدوجہد کی ترغیب آئی ہے تو وہ اُن اعمال و افعال سے متعلق ہے جو انسان کے اختیار میں ہیں اور کسب و اکتساب (کوشش) سے حاصل ہوسکتے ہیں، مثلاً: علمی فضائل اور عملی و اخلاقی کمالات کسی کے دیکھ کر اُن کے حاصل کرنے کی جدوجہد مستحسن اور پسندیدہ عمل ہے۔ یہ آیت اس کے منافی نہیں، بل کہ آیتِ بالا کا آخری حصہ اس کی تائید کررہا ہے، جس میں ارشاد ہے:

﴿لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ۚ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ۚ﴾

تَرجَمۃ: ”یعنی جو کوئی چیز مردوں نے کسب و عمل کے ذریعے حاصل کی ان کو اس کا حصہ ملے گا اور جو عورتوں نے سعی و عمل کے ذریعے حاصل کی ان کو اس کا حصہ ملے گا۔“

اس میں یہ اشارہ موجود ہے کہ فضائل و کمالات کی تحصیل میں کوشش اور جدوجہد بے کار نہیں، بل کہ ہر مرد و عورت کو اس کی سعی و عمل کا حصہ ضرور ملے گا۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ کسی شخص کے علمی، عملی اور اخلاقی فضائل کو دیکھ کر ان کی تمنا اور پھر تمنا پوری کرنے کے لئے سعی و عمل (کوشش اور محنت) اور جدوجہد کرنا مطلوب اور مستحسن ہے۔ یہاں ایک مغالطہ بھی دور ہوگیا جس میں بہت

سے ناواقف مبتلا ہوا کرتے ہیں، بعض تو غیر اختیاری فضائل کی تمنا میں لگ کر اپنے عیش و آرام اور سکون و اطمینان کو دنیا ہی میں برباد کر لیتے ہیں اور اگر نوبت حسد تک پہنچ گئی یعنی دوسرے کی نعمت کے زوال کی تمنا ہونے لگی تو آخرت بھی برباد ہوئی، کیوں کہ حسد بڑے گناہِ عظیم کا ارتکاب ہوا۔

بعض وہ لوگ بھی ہیں جو اپنی سستی اور کم ہمتی سے اختیاری فضائل حاصل کرنے کی بھی کوشش نہیں کرتے اور کوئی کہے تو اپنی کم ہمتی اور بے عملی پر پردہ ڈالنے کے لئے قسمت و تقدیر کے حوالے دینے لگتے ہیں۔

اس آیت نے ایک حکیمانہ اور عادلانہ ضابطہ بتلا دیا کہ جو کمالات وفضائل غیر اختیاری ہیں اور ان میں انسان کا کسب وعمل (کوشش) مؤثر نہیں، اِن فضائل کو تو حوالۂ تقدیر کر کے جس حالت میں کوئی ہے، اس پر اس کو راضی رہنا اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے۔

اس سے زائد کی تمنا بھی لغو، فضول اور رنج وغم کا باعث ہے اور جو فضائل وکمالات اختیاری ہیں، جو کسب وعمل سے حاصل ہو سکتے ہیں ان کی تمنا مفید ہے، بشرطیکہ تمنا کے ساتھ کسب وعمل اور جدوجہد بھی ہو اور اس میں اس آیت نے یہ بھی وعدہ کیا کہ سعی وعمل کرنے والے کی محنت ضائع نہ کی جائے گی، بل کہ ہر ایک کو بقدرِ محنت حصہ ملے گا مرد ہو یا عورت۔

آیتِ بالا میں اس کے بعد ارشاد ہے: ﴿وَسْـَٔلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ﴾ اس میں یہ ہدایت ہے کہ جب تم کسی کو کسی کمال میں اپنے سے زائد دیکھو تو بجائے اس کے کہ اُس خاص کمال میں اس کے برابر ہونے کی تمنا کرو، تمہیں کرنا یہ چاہئے کہ اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل وکرم کی درخواست کرو، کیوں کہ فضلِ خداوندی ہر شخص کے لئے جدا جدا صورتوں میں ظاہر ہوتا ہے، کسی کے لئے مال و دولت فضلِ الٰہی ہوتا ہے، اگر وہ فقیر ہو جائے تو گناہ وکفر میں مبتلا ہو جائے اور کسی کے لئے تنگی اور تنگ دستی ہی میں فضل ہوتا ہے، اگر وہ غنی اور مال دار ہو جائے تو ہزاروں گناہوں کا شکار ہو جائے، اسی طرح کسی کی عزت و جاہ کی صورت میں فضلِ الٰہی ہوتا ہے، کسی کے لئے گم نامی اور کس مپرسی ہی میں اس کے فضل کا ظہور ہوتا ہے اور حقیقتِ حال پر نظر کرے تو معلوم ہو جائے کہ اگر اس کو عزت و جاہ ملتی تو بہت سے گناہوں میں مبتلا ہو جاتا۔

اس لئے اس آیت نے یہ ہدایت دی کہ جب اللہ سے مانگو تو کسی خاص وصفِ معین کو مانگنے کے بجائے اللہ تعالیٰ کا فضل مانگو، تاکہ وہ اپنی حکمت کے مطابق تم پر اپنے فضل کا دروازہ کھول دے۔

آخرِ آیت میں فرمایا: ﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا﴾ یعنی اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔ اس میں اشارہ فرما دیا کہ حق تعالیٰ کی تقسیم عینِ حکمت اور عینِ عدل وانصاف ہے۔

جس کو جس حال میں پیدا کیا اور رکھا ہے، وہی مقتضائے حکمت وعدل تھا، مگر چوں کہ انسان کو اپنے اعمال کے انجام کا پورا پتہ نہیں ہوتا، اس کو اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتے ہیں کہ کس کو کس حال میں رکھنا اس کے لئے مفید ہے (لہٰذا انسان کو

تقسیمِ الٰہی پر راضی رہنا چاہئے)۔[1]

الرافع جل جلالہ نے عزت و بلند مرتبہ اپنے کلام میں رکھا ہے

واقعہ نمبر ۴۸: ''حضرت عامر بن واثلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نافع بن عبدالحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مکہ مکرمہ کا حاکم بنا رکھا تھا۔ ان سے ایک مرتبہ دریافت فرمایا: جنگلات کا ناظم کس کو مقرر کر رکھا ہے؟

انہوں نے کہا: ابن ابزیٰ کو۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا: ابن ابزیٰ کون شخص ہے؟ انہوں نے عرض: کیا ہمارا ایک غلام ہے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے (اعتراضاً) فرمایا: غلام کو امیر کیوں بنا دیا؟ انھوں نے کہا: کتاب اللہ کا پڑھنے والا ہے۔

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس حدیث کو نقل کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: حق تعالیٰ شانہٗ اس کلام کی بدولت بہت سے لوگوں کے رفعِ درجات فرماتے ہیں اور بہت سوں کو پست کرتے ہیں۔''[2]

اللہ تعالیٰ نے عزت و افتخار اپنے کلام میں رکھا ہے۔ اس کی تلاوت کرنے، اس کے مطابق عمل کرنے اور اس کو دوسروں تک پہنچانے والے لوگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہترین قرار دیئے گئے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کو عزت و شرف کی چیز ارشاد فرمایا ہے۔ لہٰذا ہمیں بھی قرآن مجید کی تعلیمات حاصل کر کے اور ان پر عمل پیرا ہو کر اعزاز حاصل کرنا چاہئے۔

انسان کی پستی کا سبب الرافع جل جلالہ کی ناشکری ہے

واقعہ نمبر ۴۹: بنی اسرائیل کے ایک عالم مقتدا کی گمراہی کا عبرت ناک واقعہ ہے، جو حضرت ابن مردویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نقل کیا ہے کہ اُس شخص کا نام بلعم بن باعورا تھا۔ یہ ملکِ شام میں بیت المقدس کے قریب کنعان کا رہنے والا تھا اور ایک روایت میں ہے کہ بنی اسرائیل میں سے تھا۔ اللہ تعالیٰ کی بعض کتابوں کا علم اس کو حاصل تھا۔ قرآنِ کریم میں جو اس کی صفت میں ﴿الَّذِیۡۤ اٰتَیۡنٰهُ اٰیٰتِنَا﴾[3] فرمایا ہے، اس سے اسی علم کی طرف اشارہ ہے۔ تفسیر ماجدی میں ہے: ''یعنی: سے اپنے احکامِ علم کی نعمت ہم نے عطا کی تھی، ﴿فَانۡسَلَخَ مِنۡهَا﴾ یعنی اُس نے اُن نعمتوں کی قدر نہ کی، بل کہ تمرد وسرکشی پر آمادہ ہوگیا۔''[4]

---

[1] معارف القرآن: ۲/۳۹۲، النساء: ۳۲

[2] ''عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتَابِ أَقْوَامًا وَيَضَعُ بِهٖ اٰخَرِيْنَ.'' (مسلم، فضائل القرآن، باب فضل من يقوم بالقرآن: ۱/۲۷۲)

[3] الاعراف: ۱۷۵ [4] تفسیر ماجدی: ۱/۳۶۶، الاعراف: ۱۷۵

جب غرقِ فرعون اور فتحِ مصر کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کو قومِ جبارین سے جہاد کرنے کا حکم ملا اور جبارین نے دیکھا کہ موسیٰ علیہ السلام تمام بنی اسرائیل کا لشکر لے کر پہنچ گئے اور ان کے مقابل قومِ فرعون کا غرق وغارت ہونا ان کو پہلے سے معلوم ہو چکا تھا تو ان کو فکر ہوئی اور جمع ہو کر بلعم بن باعورا کے پاس آئے اور کہا کہ موسیٰ علیہ السلام سخت آدمی ہیں اور ان کے ساتھ بہت سے لشکر ہیں، اور وہ اس لئے آئے ہیں کہ ہم کو ہمارے ملک سے نکال دیں۔ آپ اللہ تعالیٰ سے یہ دُعا کریں کہ ان کو ہمارے مقابلے سے واپس کر دیں۔ وجہ یہ تھی کہ بلعم بن باعورا کو اسمِ اعظم معلوم تھا اور وہ اس کے ذریعے جو دُعا کرتا تھا وہ قبول ہوتی تھی۔

بلعم نے کہا: افسوس ہے، تم کیسی بات کہتے ہو؟ وہ اللہ کے نبی ہیں، ان کے ساتھ اللہ کے فرشتے ہیں، میں ان کے خلاف بددُعا کیسے کر سکتا ہوں؟ حالاں کہ ان کا جو مقام اللہ کے نزدیک ہے، وہ بھی میں جانتا ہوں۔ اگر میں ایسا کروں گا تو میرا دین و دنیا دونوں تباہ ہو جائیں گے۔

جب ان لوگوں نے بے حد اصرار کیا تو اس پر بلعم نے کہا: اچھا! میں اپنے رب سے اِس معاملے میں معلوم کرلوں کہ ایسی دُعا کرنے کی اجازت ہے یا نہیں؟

اس نے اپنے معمول کے مطابق معلوم کرنے کے لئے استخارہ یا کوئی اور عمل کیا۔ خواب میں اس کو بتلایا گیا کہ ہرگز ایسا نہ کرے۔ اس نے قوم کو بتلا دیا کہ مجھے بددُعا کرنے سے منع کر دیا گیا ہے۔ اس وقت قومِ جبارین نے بلعم کو کوئی بڑا ہدیہ پیش کیا جو درحقیقت رشوت تھی، اس نے ہدیہ قبول کر لیا تو پھر قوم کے لوگ اس کے پیچھے پڑ گئے کہ آپ ضرور یہ کام کردو اور ان کے اِلحاح و اصرار کی حد نہ رہی۔ بعض روایات میں ہے کہ اس کی بیوی نے مشورہ دیا کہ یہ ہدیہ قبول کرلیں اور ان کا کام کر دیں۔ اس وقت بیوی کی رضا جوئی اور مال کی محبت نے اس کو اندھا کر دیا تھا، اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کے خلاف بددُعا کرنی شروع کی۔

اس وقت قدرتِ الٰہیہ کا عجیب کرشمہ یہ ظاہر ہوا کہ وہ جو کلماتِ بددُعا حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کے لئے کہنا چاہتا تھا، اس کی زبان سے وہ الفاظِ بددُعا خود اپنی قوم جبارین کے لئے نکلے۔ وہ چلا اُٹھے کہ تم تو ہمارے لئے بددُعا کر رہے ہو۔ بلعم نے جواب دیا کہ یہ میرے اختیار سے باہر ہے، میری زبان اس کے خلاف پر قادر نہیں۔

نتیجہ یہ ہوا کہ اس قوم پر بھی تباہی نازل ہوئی اور بلعم کو یہ سزا ملی کہ اس کی زبان اس کے سینے پر لٹک گئی اور اب اس نے اپنی قوم سے کہا کہ میری تو دُنیا و آخرت تباہ ہوگئی۔ اب دُعا تو میری چلتی نہیں، لیکن میں تمہیں ایک چال بتاتا ہوں جس کے ذریعے تم موسیٰ (علیہ السلام) کی قوم پر غالب آسکتے ہو۔

وہ یہ ہے کہ تم اپنی حسین لڑکیوں کو مزین کر کے بنی اسرائیل کے لشکر میں بھیج دو اور ان کو یہ تاکید کر دو کہ بنی اسرائیل کے لوگ ان کے ساتھ جو کچھ کریں کرنے دیں، رکاوٹ نہ بنیں۔ یہ لوگ مسافر ہیں، اپنے گھروں سے مدت سے نکلے

ہوئے ہیں، اس تدبیر سے ممکن ہے کہ یہ لوگ حرام کاری میں مبتلا ہو جائیں اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک حرام کاری انتہائی مبغوض چیز ہے، جس قوم میں یہ ہو، اس پر ضرور قہر وعذاب نازل ہوتا ہے اور وہ فاتح وکامران نہیں ہوسکتی۔

بلعم کی یہ شیطانی چال ان کی سمجھ میں آگئی اور اس پر عمل کیا گیا۔ بنی اسرائیل کا ایک بڑا آدمی اس چال کا شکار ہوگیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو اس وبال سے روکا، مگر وہ باز نہ آیا اور شیطانی جال میں مبتلا ہوگیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بنی اسرائیل میں سخت قسم کا طاعون پھیلا، جس سے ایک روز میں ستر ہزار بنی اسرائیل مرگئے، یہاں تک کہ جس شخص نے برا کام کیا تھا اس جوڑے کو بنی اسرائیل نے قتل کر کے منظرِ عام پر لٹکا دیا کہ سب لوگوں کو عبرت حاصل ہو اور پھر لوگوں نے توبہ کی، اس وقت یہ طاعون رفع ہوا۔[۱]

وہ ذات الرافع جل جلالہ (بلندی دینے والا) جب کسی پر سے کرم کی نگاہ ہٹالے اور وہ خصوصی حفاظت سے محروم ہو جائے تو پھر وہ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ کو چھوڑ کر شرک وکفر اور گمراہی کی وادیوں میں بھٹکتا ہے اور پستیوں میں جا گرتا ہے۔

لہٰذا ہمیشہ عافیت وحفاظت طلب کرتے رہنا چاہئے اور ڈرتے رہنا چاہئے کہ کہیں وہ نعمت سلب نہ فرمالے، اس کے لئے ان باتوں پر ہر ایک کو عمل کرنا چاہئے:

❶ اُس کے غضب وغصہ سے پناہ مانگتے رہنا چاہئے۔

❷ اپنے عمل کی قبولیت کے لئے خوب خوب دعا مانگتے رہنا چاہئے۔

❸ دوسروں کے عیوب دیکھنے سے خوب بچتے رہنا چاہئے۔

❹ اور یہ دعا اہتمام سے مانگنی چاہئے:

”اَللّٰهُمَّ اِنِّیْٓ اَعُوْذُبِكَ مِنْ زَوَالِ نِعْمَتِكَ وَتَحَوُّلِ عَافِيَتِكَ وَفُجَاءَةِ نِقْمَتِكَ وَجَمِيْعِ سَخَطِكَ“[۲]

ترجمہ: الٰہی! میں تیری پناہ چاہتا ہوں تیری نعمت کے چھن جانے سے ...... اور تیری عافیت کے پھر جانے سے ...... اور تیرے ناگہانی عذاب سے ...... اور تیرے ہر طرح کے غصے سے ......۔

اسی طرح نعمتوں کو باقی اور محفوظ رکھنے کے لئے یہ دعا مانگتے رہیں:

”اَللّٰهُمَّ لَا تَنْزِعْ مِنَّا صَالِحَ مَآ اَعْطَيْتَنَا.“[۳]

ترجمہ: اے اللہ! جو اچھی نعمت آپ نے ہمیں عطا کی اس کو ہم سے نہ روکنا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آپ کو الرافع جل جلالہ کی نگاہ کرم اور اس کی حفاظت وپناہ کا کتنا محتاج سمجھتے تھے۔ چناں چہ ہمیں تو ان دعاؤں کا اہتمام اور زیادہ کرنا چاہئے۔[۴]

[۱] معارف القرآن: ۱۱۹/۴، الاعراف: ۱۷۵ [۲] مسلم: الذکر والدعاء، باب اکثر اهل الجنة الفقراء: ۳۵۲/۲

[۳] کنزالعمال، الغزوات والوفود: ۲۰۶/۱۰، رقم: ۳۰۰۸۷ [۴] معارف الحدیث: ۳۰۰/۵

فوائد و نصائح

① جس بندے کو ان دونوں اسموں کی حقیقت سمجھ میں آگئی تو پھر یہ سمجھتا ہے کہ ''اَلْخَافِضُ الرَّافِعُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' ہی اپنے محبوب بندوں کو بڑے مرتبے عطا کرتے ہیں اور شیطان اور نفس کے خلاف ان کی مدد کرتے ہیں اور جو لوگ تکبر کرتے ہیں، ظلم کرتے ہیں انہیں ذلیل کرتے ہیں۔

② ہر انسان کو ''اَلْخَافِضُ الرَّافِعُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' ہی بلند اور پست کرتے ہیں، وہ شخص بلند ہرگز نہیں جو بڑی عمارتیں بنا ڈالے، غریبوں کا خیال نہ رکھتا ہو، نماز، روزے کی پابندی نہ کرتا ہو، بل کہ بلندی کا معیار تو نیک اور تقویٰ والی زندگی گزارنا ہے۔[1]

③ جس کو ''اَلرَّافِعُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' نے جتنا درجہ دیا ہے، اس پر خوش رہے اور اس کے حقوق ادا کرتا رہے۔ عورت پر مرد کو درجہ عطا فرمایا ہے تو بیوی کو چاہیے کہ جائز باتوں میں شوہر کی اطاعت کرے اور شوہر کو چاہیے کہ بیوی سے اُس کی دل جوئی کے لئے مشورہ کر کے حتی الامکان رعایت رکھتے ہوئے فیصلہ کرے۔ اولاد کو چاہیے کہ باپ کو اللہ تعالیٰ نے بلند درجہ عطا فرمایا ہے تو اس کی اطاعت کرے اور والد کو چاہیے کہ اولاد کے ساتھ نرمی اور شفقت کے ساتھ پیش آئے۔

اس کے لئے خواتین کو چاہیے کہ ① ''تحفۂ دلہن'' ② ''تحفۂ خواتین'' ③ ''مثالی ماں'' ان تینوں کتابوں کا ہدایت کی نیت سے مطالعہ کریں اور مرد حضرات ① ''تحفۂ دولہا'' ② ''مثالی باپ'' ③ ''والدین کی قدر کیجئے'' کتابوں کا مطالعہ کریں ان شاء اللہ اس سے بہت فائدہ ہوگا۔[2]

④ اس اسمِ مبارک میں ان لوگوں کے لئے بہت ہی زیادہ تسلی اور سہارا ہے، ڈھارس اور اطمینان کا سبب ہے، جو کسی امتحان یا آزمائش کی وجہ سے اپنے درجے سے نیچے گر جاتے ہیں۔ ان کو مایوسی اپنے پاس ہرگز نہیں بھٹکنے دینی چاہیے، بل کہ یہ یقین رکھنا چاہیے کہ پہلے جو درجہ کامیابی یا نعمت ملی تھی، وہ بھی اللہ ہی کی طرف سے تھی...... اور اب جو پستی و ناکامی والا حال بظاہر ہے، وہ بھی اللہ ہی کی طرف سے ہے...... اور میرے ذمہ کوشش اور محنت ہے، لہٰذا میں دوبارہ کوشش و دعا کروں کہ یہ ناکامی والا حال دوبارہ کامیابی والے حال سے بدل جائے۔ کاروبار میں نقصان ہوا، ملازمت چھوٹ گئی تو ہرگز مایوس ہو کر ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ نہ جائیں، بل کہ کوشش ضرور کریں کہ جس ''اَلْخَافِضُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' نے یہ پستی کا حال بھیجا ہے، اس کا نام ''اَلرَّافِعُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' بھی ہے اور اس ''اَلرَّافِعُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کا وعدہ ہے:

﴿ اَنِّیْ لَآ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ ﴾[3]

تَرْجَمَۃ: ''کہ میں کسی محنت کرنے والے کی محنت ضائع نہیں کروں گا۔''[4]

---

[1] المنهج للامام الجوزي: ٤٢٨ [2] ناشر بیت العلم ٹرسٹ [3] آل عمران: ١٩٥

[4] مایوسی اور پریشانی سے بچنے کے لئے عربی زبان میں دکتور عائض القرنی کی کتاب لَاتَحْزَنْ کا مطالعہ کرنا چاہیے اور اردو میں بندہ کی کتاب ''پریشان رہنا چھوڑ دیجئے'' کا مطالعہ کریں۔ اسی طرح پریشان حال حضرات کو ''پریشانی کے بعد راحت'' کا بھی مطالعہ کرنا چاہیے۔ ان شاء اللہ اس سے تسلی و تشفی ہوگی۔

المُعِزُّ جل جلالہٗ المُذِلُّ جل جلالہٗ

(عزت دینے والا، ذلت دینے والا)

ان دونوں اسموں کے تحت ایک تعریف ذکر کی جاتی ہے، وہ یہ ہے کہ ''بعض صالحین فرماتے ہیں:

''المُعِزُّ جل جلالہٗ'' وہ ذات ہے جس نے اپنی حفاظت کے ذریعے اپنے دوستوں کو اعزاز بخشا پھر اپنی رحمت سے ان کو بخش دیا پھر ان کو اپنے معزز گھر (یعنی جنت) میں منتقل فرمادے گا اور انہیں اپنے دیدار و زیارت سے نوازے گا۔

اور ''المُذِلُّ جل جلالہٗ'' وہ ذات ہے جس نے اپنے دشمنوں کو اپنی معرفت سے محروم رکھ کر اور اپنی مخالفت میں ڈال کر ذلیل فرمادیا، پھر ان کو اپنے عقوبت خانے (جہنم) میں منتقل فرمادے گا اور انہیں وہاں چھوڑ کر اور اپنے سے دور رکھ کر رسوا کردے گا۔''[1]

عزت و ذلت اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے۔

جیسا کہ ارشاد ہے: ﴿ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ﴾[2]

ترجمہ: ''جسے چاہے عزت دے، جسے چاہے ذلت دے۔''

اس ''المُعِزُّ جل جلالہٗ'' نے انسان کو سب سے زیادہ معزز بنایا اور ان میں بھی عزت کے اعتبار سے بے شمار درجات ہیں، سب سے زیادہ عزت کا درجہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک متقی شخص کا ہے، یعنی اس کا جو گناہوں سے بچنے والا ہے۔

عزت کا مدار تقویٰ پر ہے

اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم میں فرماتے ہیں:

﴿ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ﴾[3]

''وَقَالَ بَعْضُ الصَّالِحِيْنَ: ''اَلْمُعِزُّ'' اَلَّذِيْ أَعَزَّ أَوْلِيَاءَهُ بِعِصْمَتِهٖ ......، ثُمَّ غَفَرَ لَهُمْ بِرَحْمَتِهٖ ......، ثُمَّ نَقَلَهُمْ اِلٰى دَارِ كَرَامَتِهٖ ......، ثُمَّ أَكْرَمَهُمْ بِرُؤْيَتِهٖ وَمُشَاهَدَتِهٖ ......

وَ''الْمُذِلُّ'' الَّذِيْ أَذَلَّ أَعْدَاءَهُ بِحِرْمَانِ مَعْرِفَتِهٖ ......، وَ رُكُوْبِ مُخَالَفَتِهٖ ......، ثُمَّ نَقَلَهُمْ اِلٰى دَارِ عُقُوْبَتِهٖ ......، وَأَهَانَهُمْ لِرَدِّهٖ وَمُفَارَقَتِهٖ.'' (شرح طیبی: الدعوات، باب اسماء اللّٰہ تعالٰی ۳۱/۵)

[1] آلِ عمران: ۲٦　　[3] الحجرات: ۱۳

ترجمہ: ’’اللہ کے نزدیک تم سب میں سے باعزت وہ ہے جو سب سے زیادہ (اللہ سے) ڈرنے والا ہے۔‘‘

واقعہ نمبر ۵۰: یہ آیت فتحِ مکہ کے موقع پر اس وقت نازل ہوئی جب کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلال حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اذان کا حکم دیا تو قریشِ مکہ جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، اُن میں سے ایک نے کہا: اللہ کا شکر ہے کہ میرے والد پہلے ہی وفات پاگئے، اُن کو یہ روزِ بد دیکھنا نہیں پڑا۔

حارث بن ہشام نے کہا: کیا محمد کو اس کالے کوے (العیاذ باللّٰہ) کے سوا کوئی آدمی نہیں ملا کہ جو مسجد حرام میں اذان دے؟

ابوسفیان بولے: میں کچھ نہیں کہتا، کیوں کہ مجھے خطرہ ہے کہ میں کچھ کہوں گا تو آسمانوں کا مالک ان کو خبر کردے گا، چناں چہ جبرئیلِ امین تشریف لائے اور آں حضرت ﷺ کو اس تمام گفتگو کی اطلاع دی۔ آپ ﷺ نے ان لوگوں کو بلا کر پوچھا: تم نے کیا کہا تھا؟

انہوں نے اقرار کرلیا، اُسی پر یہ آیت نازل ہوئی، جس نے بتلایا کہ فخر وعزت کی چیز درحقیقت ایمان اور تقویٰ ہے، جس سے تم لوگ خالی اور حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ آراستہ ہیں، اس لئے وہ تم سب سے افضل واشرف ہیں۔[1]

لفظِ تقویٰ کے اصلی اور لغوی معنی ’’بچنے‘‘ کے ہیں، شرعی اصطلاح میں گناہوں سے بچنے کے لئے یہ لفظ بولا جاتا ہے۔

قرآن مجید میں ’’تقویٰ‘‘ کے فضائل وبرکات کا خلاصہ پانچ چیزیں بیان فرمائی گئیں ہیں:

❶ اللہ تعالیٰ گناہوں سے بچنے والے شخص کے لئے دنیا وآخرت کے مصائب ومشکلات سے نجات کا راستہ نکال دیتے ہیں۔

❷ اس کے لئے رزق کے ایسے دروازے کھول دیتے ہیں جن کی طرف اس کا دھیان بھی نہیں جاتا۔

❸ اللہ تعالیٰ اس کے سب کاموں میں آسانی پیدا فرماتے ہیں۔

❹ اس کے گناہوں کا کفارہ فرمادیتے ہیں۔

❺ اور اس کا اَجر بڑھا دیتے ہیں۔[2]

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت ہے کہ فتحِ مکہ کے روز رسول اللہ ﷺ نے اپنی اونٹنی پر سوار ہوکر طواف فرمایا (تاکہ سب لوگ دیکھ سکیں) طواف سے فارغ ہوکر آپ نے یہ خطبہ دیا:

’’اے لوگو! یقیناً اللہ نے فخرِ جاہلیت کو اور اپنے آباء واجداد پر تکبر کرنے کو تم سے دُور کردیا، اب تمام انسانوں کی

---

[1] معارف القرآن: ۸/۱۲٤، الحجرات: ۱۳

[2] معارف القرآن: ۸/٤۸٦، الطّلاق: ۳

صرف دو قسمیں ہیں: (۱) نیک اور متقی وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک شریف اور محترم ہے۔ (۲) فاجر، شقی وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ذلیل وحقیر ہے اور لوگ سب کے سب آدم کی اولاد ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آدم کو مٹی سے پیدا کیا، اس کے بعد اس آیت کی تلاوت فرمائی جو اوپر مذکور ہے۔''[1]

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: دُنیا کے لوگوں کے نزدیک عزت، مال و دولت کا نام ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک تقویٰ کا۔ حق تعالیٰ نے اگرچہ سب انسانوں کو ایک ہی باپ اور ماں سے پیدا کر کے سب کو بھائی بھائی بنا دیا ہے، مگر پھر اس کی تقسیم مختلف قوموں اور قبیلوں میں فرمائی، اُس میں حکمت یہ ہے کہ لوگوں کا تعارف اور شناخت آسان ہو جائے، مثلاً: ایک نام کے دو شخص ہیں تو خاندان کے تفاوت سے ان میں امتیاز ہوسکتا ہے اور اس سے دُور اور قریب کے رشتوں کا علم ہوسکتا ہے اور نسبی قرب و بعد کی مقدار پر ان کے حقوقِ شرعیہ ادا کئے جاتے ہیں۔[2]

اکثر غیبت ......، طعن و تشنیع ...... اور عیب جوئی ...... کا منشأ کبر ہوتا ہے کہ آدمی اپنے کو بڑا اور دوسروں کو حقیر سمجھتا ہے، اس کو بتلاتے ہیں کہ اصل میں انسان کا بڑا یا چھوٹا ہونا، معزز یا حقیر ہونا، ذات پات اور خاندان و نسب سے تعلق نہیں رکھتا، بل کہ جو شخص جس قدر نیک خصلت، مؤدب اور پرہیزگار ہوتا ہے اسی قدر ''المعز جل جلالہٗ'' کے یہاں معزز و مکرم ہوتا ہے۔

نسب کی حقیقت تو یہ ہے کہ سارے آدمی ایک مرد اور ایک عورت یعنی آدم و حواء علیہما الصلاۃ والسلام کی اولاد ہیں۔ شیخ، سیّد، پٹھان، پنجابی، سندھی، بلوچی، مغل، فاروقی، صدیقی، عثمانی، علوی، خالدی اور انصاری سب کا سلسلہ آدم و حوا علیہما الصلاۃ والسلام پر ختم ہوتا ہے، یہ ذاتیں اور خاندان اللہ تعالیٰ نے محض تعارف اور شناخت کے لئے مقرر کیے ہیں۔

بلاشبہ جس کو حق تعالیٰ کسی شریف اور بزرگ و معزز گھرانے میں پیدا کر دے، وہ ایک موہوب شرف ہے، جیسے کسی کو خوب صورت بنا دیا جائے، لیکن یہ چیز ناز اور فخر کرنے کے لائق نہیں کہ اسی کو معیارِ کمال اور فضیلت ٹھہرا لیا جائے اور دوسروں کو حقیر سمجھا جائے۔

ہاں البتہ شکر ضرور کرنا چاہیے کہ اُس نے بلا اختیار و کسب ہم کو یہ نعمت مرحمت فرمائی۔ شکر میں یہ بھی داخل ہے کہ غرور و تفاخر سے باز رہے اور اس نعمت کو اخلاقِ بد اور بری خصلتوں سے خراب نہ ہونے دے۔ بہر حال بزرگی، شرف اور فضیلت و عزت کا اصلی معیار نسب نہیں، تقویٰ و طہارت ہے۔[3]

---

[1] "يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ اللّٰهَ قَدْ أَذْهَبَ عَنْكُمْ عُبِّيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ وَتَعَاظُمَهَا بِآبَائِهَا. فَالنَّاسُ رَجُلَانِ بَرٌّ تَقِيٌّ كَرِيمٌ عَلَى اللّٰهِ وَفَاجِرٌ شَقِيٌّ هَيِّنٌ عَلَى اللّٰهِ وَالنَّاسُ بَنُو آدَمَ وَخَلَقَ اللّٰهُ آدَمَ مِنَ التُّرَابِ قَالَ اللّٰهُ: ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ﴾" (ترمذی، ابواب التفسیر، سورة الحجرات: ۲/۱٦۲، ۱٦۳)

[2] معارف القرآن: ۸/۱۲۵، الحجرات: ۱۳　　[3] تفسیر عثمانی: ٦۸٦

المعز جل جلالہ نے ہمیں عزت اسلام کی بدولت دی ہے

یاد رکھو! جو شخص اسلام پر عمل کرنے کے لئے ہمت کر کے اپنی کمر باندھ لیتا ہے وہی شخص دنیا سے اپنی عزت بھی کرواتا ہے۔ عزت درحقیقت اسلام کو چھوڑنے میں نہیں ہے، بل کہ اسلام کو اختیار کرنے میں ہے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا تھا:

"إِنَّا كُنَّا أَذَلَّ قَوْمٍ فَأَعَزَّنَا اللّٰهُ بِالإِسْلَامِ فَمَهْمَا نَطْلُبُ الْعِزَّ بِغَيْرِ مَا أَعَزَّ اللّٰهُ بِهِ أَذَلَّنَا اللّٰهُ."[1]

ترجمہ: "ہم ایک ذلیل قوم تھے اللہ تعالیٰ نے ہمیں اسلام کی بدولت عزت عطا فرمائی۔ جب بھی ہم عزت کسی اور چیز میں تلاش کریں گے تو اللہ تعالیٰ ہمیں ذلیل کر دیں گے۔"

واقعہ نمبر (۵۱): حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم اپنے وعظ میں فرماتے ہیں: میرے ایک بزرگ نے ایک سچا واقعہ سنایا، جو بڑی عبرت کا واقعہ ہے وہ یہ کہ ان کے ایک دوست لندن میں تھے اور کسی ملازمت کی تلاش میں تھے، ملازمت کے لئے ایک جگہ انٹرویو دینے کے لئے گئے، اس وقت ان کے چہرے پر داڑھی تھی، جو شخص انٹرویو لے رہا تھا اس نے کہا کہ داڑھی کے ساتھ یہاں کام کرنا مشکل ہے، اس لئے یہ داڑھی ختم کرنی ہوگی۔ اب یہ بڑے پریشان ہوئے کہ میں اپنی داڑھی ختم کروں کہ نہ کروں۔ اس وقت تو وہ واپس چلے آئے اور دو تین روز تک دوسری جگہوں پر ملازمت تلاش کرتے رہے اور کش مکش میں مبتلا رہے۔

دوسری ملازمت نہیں مل رہی تھی اور بے روزگار اور پریشان بھی تھے، آخر میں فیصلہ کرلیا کہ چلو داڑھی کٹوا دیتے ہیں تاکہ ملازمت تو مل جائے۔ چناں چہ داڑھی کٹوادی اور اسی جگہ ملازمت کے لئے پہنچ گئے۔ جب وہاں پہنچے تو انہوں نے پوچھا کیسے آنا ہوا؟ انہوں نے جواب دیا کہ آپ نے کہا تھا کہ یہ داڑھی کٹوادو تو بہتر ملازمت مل جائے گی تو میں داڑھی کٹوا کر آیا ہوں۔ اس نے پوچھا: آپ مسلمان ہیں؟

انہوں نے کہا: ہاں! اس نے پھر پوچھا: آپ اس داڑھی کو ضروری سمجھتے تھے یا غیر ضروری سمجھتے تھے۔ جواب دیا کہ میں اس کو ضروری سمجھتا تھا اور اس وجہ سے رکھی تھی۔ اُس نے کہا: جب آپ جانتے تھے کہ یہ اللہ کا حکم ہے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے تحت رکھی تھی اور اب آپ نے صرف میرے کہنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے حکم کو چھوڑ دیا۔ اس کا مطلب یہ ہے، آپ اللہ تعالیٰ کے وفادار نہیں اور جو شخص اپنے اللہ تعالیٰ کا وفادار نہ ہو، وہ اپنے افسر کا بھی وفادار نہیں ہوسکتا، لہٰذا اب ہم آپ کو ملازمت پر رکھنے سے معذور ہیں۔

"خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ" "دنیا بھی گئی اور آخرت بھی تباہ ہوگئی۔"

صرف داڑھی نہیں، بل کہ اللہ تعالیٰ کے جتنے احکام ہیں، ان میں کسی کو یہ سوچ کر چھوڑنا کہ لوگ اس کا مذاق اُڑائیں

---

[1] مستدرك حاكم، معرفة الصحابة: ۴/۳۳، رقم: ۴۵۳۷

گے، یہ بسا اوقات دنیا و آخرت دونوں کی تباہی کا سبب بن جاتا ہے۔

"المعز جل جلالہ" نے عورتوں کی عزت حجاب میں رکھی ہے

حجاب کا حکم اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں نازل فرمایا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث میں اس کی تفصیل بیان فرمائی اور ازواجِ مطہرات اور صحابیات رضی اللہ تعالیٰ عنہن نے اس حکم پر عمل کر کے دکھایا۔ اب اہلِ مغرب نے یہ پروپیگنڈہ شروع کر دیا کہ مسلمانوں نے عورتوں کے ساتھ بڑا ظالمانہ سلوک کیا ہے کہ ان کو گھروں میں بند کر دیا، ان کے چہروں پر نقاب ڈال دیا اور ان کو ایک کارٹون بنا دیا، تو کیا مغرب کے اس مذاق اور پروپیگنڈے کے نتیجے میں ہم "المعز جل جلالہ" اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ان احکام کو چھوڑ دیں؟

یاد رکھو! جب ہمارے دلوں میں یہ ایمان اور اعتماد پیدا ہو جائے کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو طریقہ سیکھا ہے، وہی طریقہ برحق ہے، تو پھر اہلِ مغرب کے طعنوں کی پروا نہیں کرنی چاہئے۔ کوئی مذاق اڑاتا ہے تو اڑایا کرے، کوئی طعنے دیتا ہے تو دیا کرے، یہ طعنے تو مسلمان کے گلے کا زیور ہیں، انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اس دنیا میں تشریف لائے، کیا انہوں نے کچھ کم طعنے سہے؟

جتنے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اس دنیا میں تشریف لائے ان کو یہ طعنے دیئے گئے کہ یہ تو پس ماندہ لوگ ہیں، یہ دقیانوس اور رجعت پسند ہیں، یہ ہمیں زندگی کی راحتوں سے محروم کرنا چاہتے ہیں۔ یہ سارے طعنے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو دیئے گئے اور تم جب مؤمن ہو تو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے وارث ہو اور جس طرح وراثت میں دوسری چیزیں ملتی ہیں، یہ طعنے بھی ملیں گے، کیا اس وراثت سے گھبرا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کار کو چھوڑ دو گے؟ اگر اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان ہے تو پھر ان طعنوں کو سننے کے لئے کمر کو مضبوط کر کے بیٹھنا ہوگا، کیوں کہ عزت و ذلت تو "المعز، المذل جل جلالہ" دینے والے ہیں۔[1]

جسے "المعز جل جلالہ" عزت دے اسے کوئی ذلیل نہیں کرسکتا

واقعہ نمبر ۵۲: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک مرتبہ کتان کے کپڑے میں ناک صاف کر کے فرمانے لگے: کیا کہنے ابوہریرہ کے! آج کتان کے کپڑے میں ناک صاف کرتا ہے، حالاں کہ مجھے وہ زمانہ بھی یاد ہے جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرہ کے درمیان میں بے ہوش پڑا ہوا ہوتا تھا اور لوگ مجنون سمجھ کر پاؤں سے گردن دباتے تھے، حالاں کہ جنون نہیں تھا، بل کہ بھوک تھی۔ (یعنی بھوک کی وجہ سے کئی کئی روز کا فاقہ ہو جاتا تھا۔ بے ہوشی ہو جاتی تھی اور لوگ سمجھتے تھے کہ جنون ہو گیا)۔

---

[1] اصلاحی خطبات: ۱/۱۷۱

کہتے ہیں کہ اس زمانے میں مجنون کا علاج گردن کو پاؤں سے دبانے سے کیا جاتا تھا پھر فتوحات اسلام کی وجہ سے "المعزّ جل جلالہ" نے تونگری عطا فرمائی اور احادیث کا علم بھی وافر مقدار میں آپ کے حصے میں آیا۔[1]

جسے "المعزّ جل جلالہ" عزت و بلند مرتبہ دینا چاہیں تو اُسے کوئی نہیں روک سکتا۔

جسے تو چاہے بزرگی دے جسے چاہے فقیری — جسے تو چاہے امیری دے جسے چاہے فقیری

تو کریم تو رحیمی تو سمیعی تو بصیری — کرم و عفو سے کوئی نہ کرے عذر پذیری

تو معزی تو مذلی، ملک العرش بجائی

فوائد و نصائح

❶ ان دونوں اسموں سے بندہ کا حصہ یہ ہے کہ عزت اور ذلت کو صرف "المعزّ، المذلّ جل جلالہ" کے قبضے میں سمجھے اور اسی ذات سے عزت مانگے، مخلوق کے ہاں عزت کا سامان نہ ڈھونڈے۔

❷ آخرت کی ہمیشہ ہمیشہ کی عزت کو حاصل کرنے کی کوشش کرے، دنیا کی معمولی اور عارضی عزت کے درپے نہ ہو۔

❸ ہر انسان کو چاہئے کہ دوسرے انسان کی عزت و تکریم کرے، کسی کو تکلیف[2] اور ضرر نہ پہنچائے اور عزت کو لوگوں کے ہاتھ میں نہ سمجھے، بل کہ ایسے اعمال کرے جن سے انسان عزت والا کہلاتا ہے۔

---

[1] بخاري، الاعتصام، باب ذكر النبّي صلى الله عليه وسلم: ۱۰۸۹/۲

[2] دوسرے مسلمانوں کو اپنی ذات سے معمولی تکلیف سے بچانا ہی حقیقت میں زندگی کا ایک بہت بڑا ادب ہے۔ ہمارے اکابرین اس سلسلے میں بہت زیادہ احتیاط کرتے تھے کہ کسی کو ہماری وجہ سے تکلیف نہ پہنچے، بل کہ دوسروں کی راحت و آسانی ہی کوشش فرماتے تھے۔ ایسے ہی واقعات پر مشتمل کتاب "کسی کو تکلیف نہ دیجئے" بیت العلم ٹرسٹ سے شائع ہو چکی ہے جس کا مطالعہ ہر شخص کے لئے بہت ہی مفید ہے۔

السَّمِیعُ جل جلالہٗ

(سب کچھ سننے والا)

اس اسم مبارک کے تحت ایک تعریف ذکر کی جاتی ہے:

❶ اَلسَّمِیْعُ بِمَعْنَى الْمُجِیْبُ.[1]

ترجمہ: ''السَّمِیعُ'' کا ایک معنیٰ ''قبول کرنے والا'' بھی ہے (جیسے نماز میں رکوع سے اٹھتے ہوئے ''سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ'' پڑھنا مسنون ہے یعنی جس نے اللہ تعالیٰ کی تعریف بیان کی اللہ تعالیٰ نے اس کی دعا قبول کر لی)۔[2]

[1] سَمِعَ بِمَعْنٰى أَجَابَ (النهاية: ۴۰۱/۲)

[2] قَالَ ابْنُ الْقَيِّمِ: فِعْلُ السَّمْعِ يُرَادُ بِهٖ أَرْبَعَةُ مَعَانٍ: أَحَدُهَا: سَمْعُ إِدْرَاكٍ وَ مُتَعَلَّقُهُ الْأَصْوَاتُ، اَلثَّانِيْ: سَمْعُ فَهْمٍ وَ عَقْلٍ اَلثَّالِثُ: سَمْعُ إِجَابَةٍ وَ إِعْطَاءُ مَاسُئِلَ، اَلرَّابِعُ: سَمْعُ قُبُوْلٍ وَانْقِيَادٍ. فَمِنَ الْأَوَّلِ: ﴿قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا﴾ (المجادلة: ۱) ﴿لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْا﴾ ...... (آل عمران: ۱۸۱)

وَمِنَ الثَّانِيْ: قَوْلُهٗ: ﴿لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا﴾ (البقرة: ۱۰۴) لَيْسَ الْمُرَادُ سَمْعُ مُجَرَّدِ الْكَلَامِ بَلْ سَمْعُ الْفَهْمِ وَالْعَقْلِ وَمِنْهُ ﴿سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا﴾ (البقرة: ۲۸۵)

وَمِنَ الثَّالِثِ: "سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ" وَفِي الدُّعَاءِ الْمَأْثُوْرِ: "اَللّٰهُمَّ اسْمَعْ" أَيْ: أَجِبْ وَأَعْطِ مَا سَأَلْتُكَ

وَمِنَ الرَّابِعِ: قَوْلُهٗ تَعَالٰى: ﴿سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ﴾ (المائدة: ۴۱)

أَيْ قَابِلُوْنَ لَهٗ وَمُنْقَادُوْنَ غَيْرَ مُنْكِرِيْنَ، وَمِنْهُ عَلٰى أَصَحِّ الْقَوْلَيْنِ ﴿وَفِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ﴾ (التوبة: ۴۷)

قَابِلُوْنَ وَمُنْقَادُوْنَ

فَمِنْ مَعَانِي "السَّمِيْعِ" اَلْمُسْتَجِيْبُ بِعِبَادِهٖ إِذَا تَوَجَّهُوْا إِلَيْهِ بِالدُّعَاءِ وَتَضَرَّعُوْا،

وَقَالَ فِي النُّوْنِيَّةِ:

وَهُوَ السَّمِيْعُ يَرٰى وَيَسْمَعُ كُلَّ مَا	فِي الْكَوْنِ مِنْ سِرٍّ وَمِنْ إِعْلَانِ
وَلِكُلِّ صَوْتٍ مِنْهُ سَمْعٌ حَاضِرٌ	فَالسِّرُّ وَالْإِعْلَانُ مُسْتَوِيَانِ
وَالسَّمْعُ مِنْهُ وَاسِعُ الْأَصْوَاتِ	لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ بَعِيْدُهَا وَالدَّانِيْ

(النونية، ۲/۲۰۵ كلها نقلا عن النهج الاسمٰى، ۲۲۷/۱، ۲۲۸)

”اللہ سبحانہ وتقدس سننے والے ہیں بغیر کسی کیفیتِ معلومہ کے جانے ہوئے، اس کی مخلوقات میں سے کسی کو اس کے سننے کے ساتھ کوئی تشبیہ نہیں ہے اور نہ ہی دیکھنے میں کوئی مشابہت ہے اور ہم اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتے ہیں ان الفاظ سے جو اللہ تعالیٰ نے بغیر کسی حد اور کیفیت کے اپنی تعریف کے لئے بتلائے ہیں۔[1]

یہ اسم قرآن مجید میں ۴۵ مرتبہ آیا ہے جن میں سے تین یہ ہیں:

❶ ﴿رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۖ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ﴾[2]

❷ ﴿وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ﴾[3]

❸ ﴿اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ ۢ بَصِيْرٌ﴾[4]

یہ اسم مبارک قرآن مجید میں دیگر اسماءِ مبارکہ کے ساتھ بھی لایا گیا ہے۔

جیسے ”سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ، سَمِيْعٌ ۢ بَصِيْرٌ، سَمِيْعٌ قَرِيْبٌ.“

ان اسماء کے آپس میں ملا کر ذکر کرنے میں عقل مند آدمی کے لئے نصیحت بھی ہے اور تنبیہ بھی، تاکہ ہر شخص اپنے نفس کا اور اس سے نکلنے والے اقوال و افعال کا مراقبہ کرتا رہے، کیوں کہ ”السَّمِيْعُ، الْعَلِيْمُ جَلَّ جَلَالُهٗ“ سے بندوں کا کوئی بھی قول و فعل چھپا ہوا نہیں، اللہ تعالیٰ کے ہاں بندوں کے تمام افعال محفوظ ہیں جن کا بدلہ انہیں آخرت میں دیا جائے گا، اگر اعمال اچھے ہوں گے تو اس کا بدلہ بھی اچھا ہوگا اور اگر اعمال بُرے ہوں گے تو ان کا بدلہ بھی برا ہوگا، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ سنتے بھی ہیں، دیکھتے بھی ہیں، جانتے بھی ہیں اور ہر نفس سے قریب بھی ہیں۔[5]

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ ۢ بَصِيْرٌ﴾[6]

سمیع، الفاظ و اقوال کا سننے والا، اور بصیر دلوں کا حال جاننے والا۔

حضرت عائشہ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا اس آیت کی تفسیر میں فرماتی ہیں:

”پاک ہے وہ اللہ جس کے سننے کی طاقت سارے جہاں کی آوازوں پر محیط ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قسم جو عورت اپنے شوہر کے جھگڑے کے بارے میں حضور صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کو بتلا رہی تھی اور وہ اپنے شوہر کی شکایت میرے گھر کے برابر میں حضور صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سے کر رہی تھی، میں پوری بات اتنی نزدیک ہوتے ہوئے بھی اچھی طرح نہ سُن سکی، لیکن اللہ تعالیٰ نے اِس کی

---

[1] ”فَهُوَ سَمِيْعٌ ذُوْ سَمْعٍ، بِلَا تَكْيِيْفٍ وَلَا تَشْبِيْهٍ بِالسَّمْعِ مِنْ خَلْقِهٖ، وَلَا بَصَرُهٗ كَبَصَرِ خَلْقِهٖ وَنَحْنُ نَصِفُ اللّٰهَ بِمَا وَصَفَ بِهٖ نَفْسَهٗ بِلَا تَحْدِيْدٍ وَلَا تَكْيِيْفٍ“ (اللسان: ۲۰۹۶/۳ نَقْلًا عَنِ النهج الأسمٰى: ۲۲۷/۱)

[2] البقرہ: ۱۲۷ [3] المائدہ: ۷۶ [4] لقمان: ۲۸ [5] النہج الاسمٰی: ۲۳۲/۱ [6] المجادلۃ: ۱

آواز کو سن لیا اور وحی بھیجی جس کا ترجمہ ہے:

''یقیناً اللہ تعالیٰ نے اس عورت کی بات سن لی جو تجھ سے اپنے شوہر کے بارے میں تکرار کر رہی تھی اور اللہ کے آگے شکایت کر رہی تھی۔ اللہ تعالیٰ تم دونوں کے سوال و جواب سن رہا تھا، بے شک اللہ تعالیٰ سننے، دیکھنے والا ہے۔''[1]

''السَّمِيْعُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کائنات کی ہر آواز سنتے ہیں

''السَّمِيْعُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کی شان یہ ہے کہ دنیا کے سارے انسانوں، فرشتوں، جنات اور حیوانات میں سے ایک ایک کی آواز وہ اس طرح سنتے ہیں کہ گویا باقی ساری کائنات خاموش ہے اور صرف وہی ایک گفتگو کر رہا ہے۔ نہایت تاریک رات میں سنگِ سیاہ پر بھوری چیونٹی کے چلنے کی آواز بھی اللہ تعالیٰ سنتے ہیں۔

پھر دنیا کے بادشاہوں تک ہر آدمی کی رسائی ممکن نہیں، مگر اللہ تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ وہ ہر شخص سے اس کی شہ رگ سے بھی قریب تر ہیں۔ ایک بار صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ نے آں حضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سے عرض کیا:

''أَقَرِيْبٌ رَبُّنَا فَنُنَاجِيْهِ أَمْ بَعِيْدٌ فَنُنَادِيْهِ؟''

تَرْجَمَہ: ''ہمارا رب ہم سے قریب ہے کہ ہم اسے آہستہ پکاریں یا دور ہے کہ زور سے پکاریں؟''

اس پر قرآن پاک کی یہ آیت نازل ہوئی:

﴿ وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَإِنِّيْ قَرِيْبٌ أُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ ﴾[2]

تَرْجَمَہ: ''اور جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں سوال کریں (کہ میں ان سے نزدیک ہوں یا دور؟) تو (ان کو بتایئے کہ) میں بہت ہی قریب ہوں۔ ہر پکارنے والے کی پکار کو جب بھی وہ مجھے پکارے، قبول کرتا ہوں۔''

''السَّمِيْعُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' بندوں کی دعاؤں کو سنتا ہے اور ان کے عجز و نیاز کو دیکھتا ہے۔[3]

ہر کہ خواہد گو بیا وہر کہ خواہد گو برو دار و گیر و حاجب و دربان دریں درگاہ نیست

''جس کا جی چاہے آئے اور جس کا جی چاہے جائے، اس دربار میں نہ دار و گیر ہے نہ دربان کی حاجت۔''

جو اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ ایسا سَمِيْع ہے جس کے سننے کی شان ایسی ہے، اس کے باوجود مخلوقات کو اپنی شکایتیں، درخواستیں، حاجات سنانا کتنی گھٹیا اور بے وقوفانہ بات ہوگی؟

وہ سنتا ہے، سمجھتا ہے، قبول کرتا ہے اور سب کو اپنی اپنی حاجات و ضروریات عطا بھی کرتا ہے پھر بھی اس کے خزانوں

---

[1] اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ وَسِعَ سَمْعُهُ الْأَصْوَاتَ، (وَاللّٰهِ لَقَدْ جَاءَتِ الْمُجَادِلَةُ تَشْتَكِيْ زَوْجَهَا إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا فِيْ جَنْبِ الْبَيْتِ، وَإِنَّهُ لَيَخْفَىٰ عَلَيَّ بَعْضُ كَلَامِهَا) (ملخص من الحاشیہ) فَأَنْزَلَ اللّٰهُ ﴿قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا ....﴾ (بخاری، التفسیر، باب قوله وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا: ۱۰۹۹/۲)

[2] البقرة: ۱۸۶ [3] تفسیر کبیر: ۸۱/۵، البقرة: ۱۸۶

میں کمی نہیں آتی۔

پھر اس کے غیر کے پاس جانا اور اپنی مرادیں ان کو سنانا کتنی ہی جاہلانہ احمقانہ حرکت ہوگی، خصوصاً بزرگوں کی قبروں مزاروں پر جاکر ان کو اپنی مرادیں سنانا، جو زندگی میں ہی خود سب کی آوازیں سن نہیں سکتے...... سن لیں تو قبول نہیں کر سکتے...... قبول کرلیں تو دے نہیں سکتے...... تو مرنے کے بعد کیا دیں گے، اسی لئے شرک کو اتنا بڑا گناہ کہا گیا ہے۔

اس لئے آج فیصلہ کرلیں کہ اپنی مرادیں کسی بھی مخلوق کو نہیں سنائیں گے صرف اور صرف اسی ''السَّمِیْعُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کو سنائیں گے، نفلیں پڑھ پڑھ کر اسی کے آگے ہاتھ پھیلائیں گے، زبان کھولیں گے۔

ایک بزرگ نے خوب فرمایا ہے: ؎

جو کتا دَر دَر پھرے سارے دَر دَر دُر دُر ہو اور جو ایک ہی دَر کا ہو رہے اسے کا ہے کو دُر دُر ہو

امام اصبہانی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے مخلوق کے سننے اور خالق کے سننے کے درمیان عجیب فرق بتلایا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کو جو سماعت دی ہے وہ محض اپنے فضل وکرم سے دی ہے، اس لئے وہ دی ہوئی ہے ذاتی نہیں ہے، عارضی اور فانی ہے۔

انسان کو بچپن میں اتنا کمزور پیدا کیا گیا ہے کہ وہ سن نہیں سکتا اور اگر سن بھی لے تو اس کو سمجھ نہیں سکتا اور جب بڑا ہوکر سمجھتا ہے تو ان آوازوں میں فرق سمجھ کر اور پھر ان آوازوں کو سوچ کر مناسب الفاظ سے جواب دیتا ہے اور اچھے کلام کو برے کلام سے الگ کرتا ہے۔

لیکن اس کے باوجود اس کے سننے کی حد یہ ہے کہ جب آواز دور سے آئے تو وہ سن نہیں سکتا اور بہت سارے لوگ ایک وقت میں اس سے بات کریں تو وہ کسی ایک کی بھی بات کو اچھی طرح نہیں سن سکتا اور جواب بھی نہیں دے سکتا۔

اس کے برخلاف ''السَّمِیْعُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' وہ ذات ہے جو اپنی تمام مخلوقات کی دعاؤں اور ان کے الفاظ کو سننے والا ہے، چاہے وہ مخلوقات اجتماعی طور پر مانگیں ...... یا انفرادی طور پر ...... باوجودیکہ ان کی زبان اور ان کے الفاظ الگ الگ ہوں، مختلف زبانوں میں مختلف مخلوقات اس کو پکاریں تو ایک ہی وقت میں ساری مخلوقات کی آوازیں سن سکتا ہے اور اس ''السَّمِیْعُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کی شان تو اس سے بھی اونچی ہے کہ جو الفاظ ابھی تک زبان سے ادا بھی نہیں ہوئے اور دل ہی دل میں وہ خیالات کی شکل میں ہیں وہ اس کو بھی جانتا ہے اسی کو فرمارہے ہیں:

''یَعْلَمُ مَافِي قَلْبِ الْقَائِلِ قَبْلَ أَنْ یَّقُوْلَ''

کہنے والے کے کہنے سے پہلے جو کچھ بھی اس کے دل میں ہوتا ہے اللہ تعالیٰ وہ بھی جانتے ہیں اور جب کہنے والا اپنی بات کو بیان کرنے سے عاجز ہو تو اللہ تعالیٰ وہ بات بھی جانتے ہیں اور جو کچھ اس کے دل میں ہوتا ہے اس کی دعا پر یا بغیر مانگے اس کو عطا کرتے ہیں۔ مخلوقات کی صفتِ سماعت تو موت کے ساتھ ختم ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے سنتا

ہے اور ہمیشہ یہ صفت رہے گی اور وہ مخلوق کو ختم کرے گا اور خود اکیلا ہوگا اور اس کے سوا کوئی نہ ہوگا۔[۱]

لہٰذا بندہ کی سماعت کو اللہ تعالیٰ کی صفتِ سماعت سے کوئی نسبت نہیں، ہاں ''السَّمِیْعُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' وہی ہے جو چرند و پرند، وحوش وطیور کی بھی سنتا ہے، ''السَّمِیْعُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' وہی ہے کہ کروڑوں اصوات اور ہزاروں لاکھوں لغات اور لاتعداد معروضات اُس کی سماعت میں خلل انداز نہیں ہوسکتیں، وہ بے زبانوں کی بھی سنتا ہے اور سب بندوں کی ضروریات کو بھی نافذ فرماتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کو وہ بندہ پسند ہے جو اس سے مانگتا رہتا ہے، سوال کرتا رہتا ہے، اُس کی جناب میں گڑگڑاتا رہتا ہے اور وہ ایمان رکھتا ہے کہ میرا ایک ایک حرف حضورِ قدسی تک پہنچ رہا ہے اور ''السَّمِیْعُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' تک باریاب ہو رہا ہے۔[۲]

''السَّمِیْعُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' ہی نے مخلوقات کو سننے کی صفت عطا فرمائی

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتے ہیں:

﴿وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا ۙ وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۙ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾[۳]

ترجمہ: ''اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے نکالا ہے کہ اس وقت تم کچھ بھی نہیں جانتے تھے اسی نے تمہارے کان اور آنکھیں اور دل بنائے کہ تم شکر گزاری کرو۔''

اس آیت میں ﴿لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا﴾ کے بعد فرمایا ﴿وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ﴾ یعنی اگرچہ ابتداءِ پیدائش میں انسان کو کسی چیز کا علم نہیں تھا، مگر قدرت نے اس کے وجود میں علم حاصل کرنے کے عجیب وغریب قسم کے آلات نصب کر دیئے تھے۔

ان آلات میں سب سے پہلے سمع یعنی سننے کی قوت کا ذکر فرمایا، جس کے پہلے ذکر کرنے کی وجہ شاید یہی ہے کہ

---

[۱] وَفِيْ بَيَانِ الْفَرْقِ بَيْنَ سَمْعِ الْخَالِقِ وَالْمَخْلُوْقِ، يَقُوْلُ أَبُو الْقَاسِمِ الْأَصْبَهَانِيُّ: خُلِقَ الْإِنْسَانُ صَغِيْراً لَا يَسْمَعُ، فَإِنْ سَمِعَ لَا يَعْقِلُ مَا يَسْمَعُ، فَإِذَا عَقَلَ مَيَّزَ بَيْنَ الْمَسْمُوْعَاتِ فَأَجَابَ عَنِ الْأَلْفَاظِ بِمَا يَسْتَحِقُّ، وَمَيَّزَ الْكَلَامَ الْمُسْتَحْسَنَ مِنَ الْمُسْتَقْبَحِ، ثُمَّ كَانَ لِسَمْعِهِ مَدًى إِذَا جَاوَزَهُ لَمْ يَسْمَعْ، ثُمَّ إِنْ كَلَّمَهُ جَمَاعَةٌ فِيْ وَقْتٍ وَاحِدٍ عَجَزَ عَنِ اسْتِمَاعِ كَلَامِهِمْ، وَعَنْ إِدْرَاكِ جَوَابِهِمْ.

وَاللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ السَّمِيْعُ لِدُعَاءِ الْخَلْقِ وَأَلْفَاظِهِمْ عِنْدَ تَفَرُّقِهِمْ وَاجْتِمَاعِهِمْ مَعَ اخْتِلَافِ أَلْسِنَتِهِمْ وَلُغَاتِهِمْ، يَعْلَمُ مَا فِيْ قَلْبِ الْقَائِلِ قَبْلَ أَنْ يَقُوْلَ، وَيَعْجِزُ الْقَائِلُ عَنِ التَّعْبِيْرِ عَنْ مُرَادِهِ فَيَعْلَمُ اللّٰهُ فَيُعْطِيْهِ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهِ، وَالْمَخْلُوْقُ يَزُوْلُ عَنْهُ السَّمْعُ بِالْمَوْتِ وَاللّٰهُ تَعَالٰى لَمْ يَزَلْ وَلَا يَزَالُ: يُفْنِي الْخَلْقَ وَيَرِثُهُمْ فَإِذَا لَمْ يَبْقَ أَحَدٌ قَالَ: ﴿لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ﴾ فَلَا يَكُوْنُ مَنْ يَرُدُّ فَيَقُوْلُ: ﴿لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ﴾ (المؤمن: ١٦) ''الحجة في المحجة (ورقة، ١٤ب، ١٥أ) نقلاً عن النهج الاسمى، ٢٣١/١)

[۲] شرح اسماء الحسنیٰ للمنصوربوری: ٧٧ [۳] النحل: ٧٨

انسان کو سب سے پہلے علم اور سب سے زیادہ علم کانوں ہی کے راستے سے آتا ہے، شروع میں آنکھ تو بند ہوتی ہے، مگر کان سنتے ہیں اور اس کے بعد بھی اگر غور کیا جائے تو انسان کو اپنی پوری عمر میں جس قدر معلومات حاصل ہوتی ہیں ان میں سب سے زیادہ کانوں سے سُنی ہوئی ہوتی ہیں، آنکھ سے دیکھی ہوئی معلومات اس کی نسبت بہت کم ہوتی ہیں۔

ان دونوں کے بعد اُن معلومات کی باری ہے، جن کو انسان اپنی سنی اور دیکھی ہوئی چیزوں میں غور وفکر کر کے معلوم کرتا ہے اور یہ کام قرآنی ارشادات کے مطابق انسان کے دل کا ہے، اس لئے تیسرے نمبر میں ''اَفْئِدَۃَ'' فرمایا، جو فُؤاد کی جمع ہے، جس کے معنی قَلْب (دل) کے ہیں، فلاسفہ نے عام طور پر سمجھ بوجھ اور ادراک کا مرکز انسان کے دماغ کو قرار دیا ہے، مگر ارشادِ قرآنی سے معلوم ہوا کہ دماغ کو اگرچہ اس ادراک میں دخل ضرور ہے، مگر علم و ادراک کا اصلی مرکز قَلْب (دل) ہی ہے۔

اس موقع پر حق تعالیٰ نے سننے ......، دیکھنے ...... اور سمجھنے ...... کی قوتوں کا ذکر فرمایا ہے، گویائی اور زبان کا ذکر نہیں فرمایا، کیوں کہ نطق اور گویائی کو حصولِ علم میں دخل نہیں، بل کہ وہ اظہارِ علم کا ذریعہ ہیں، اس کے علاوہ امام قرطبی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے فرمایا: سَمْع کے ساتھ نُطْق بھی ضمناً آگیا، کیوں کہ تجربہ شاہد ہے کہ جو شخص سنتا ہے وہ بولتا بھی ہے، گونگا جو بولنے پر قادر نہیں وہ کانوں سے بھی بہرا ہوتا ہے اور شاید اس کے نہ بولنے کا سبب ہی یہ ہوتا ہے کہ وہ کوئی آواز سنتا نہیں، جس کو سن کر بولنا سیکھے۔ واللہ اعلم[1]

پیدائش کے وقت تم کچھ جانتے اور سمجھتے نہ تھے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے علم کے ذرائع اور سمجھنے والے دل تم کو دیئے، جو بذاتِ خود بھی بڑی نعمتیں ہیں اور لاکھوں نعمتوں سے فائدہ اٹھانے کے وسائل بھی ہیں۔ اگر آنکھ ...... کان ...... عقل ...... وغیرہ نہ ہو تو ساری ترقیات کا دروازہ ہی بند ہو جائے۔ جوں جوں بچہ بڑا ہوتا ہے اس کی علمی وعملی قوتیں بتدریج بڑھتی جاتی ہیں، اس کی شکر گزاری یہ تھی کہ اِن قوتوں کو ''اَلسَّمِیْعُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کی اطاعت میں خرچ کرتے اور حق شناسی میں سمجھ بوجھ سے کام لیتے، نہ یہ کہ بجائے احسان ماننے کے الٹا بغاوت پر کمربستہ ہو جائیں اور منعمِ حقیقی ''اَلسَّمِیْعُ، اَلْبَصِیْرُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کو چھوڑ کر اینٹ پتھروں کی پرستش کرنے لگیں۔[2]

کانوں کی بے شمار قسمیں اس نے بنادی ہیں، انسانوں کے کان اور طرح کے، حشرات الارض کے اور طرح کے، معلوم نہیں کہ فرشتوں اور جنوں کے کان کیسے ہوتے ہیں اور وہ کیسے سنتے ہوں گے؟

پھر ان کے رنگ بھی مختلف، انسانوں میں بھی نر اور مادہ کے کانوں کا وضع میں اختلاف ہے، مرد کے کان اور طرح کے ہوتے ہیں، عورتوں کے اور طرح کے۔ بعض جانور اپنا کان ہلا سکتے ہیں، بعض نہیں۔ انسان عموماً اپنا کان نہیں ہلا سکتا، جب کہ گدھے، گھوڑے ہلا سکتے ہیں۔ یہ جانور کان سے مکھی وغیرہ کے دور کرنے کے لئے کان کے ہلانے ہی سے کام نکال سکتے ہیں۔

---

[1] القرطبی: ۱۱۰/۱۰، النحل: ۷۸ [2] تفسیر عثمانی: ۳۶۵

بعض جانور تو ہر سمت میں اپنا کان ہلا سکتے ہیں جیسے گھوڑا کہ وہ اپنے کان کے ایریل کو ہر طرف درست کر سکتا ہے، مگر بعض جانور صرف ہلا سکتے ہیں، ہر طرف نہیں کر سکتے۔ گدھے کے کان خوب لمبے ہوتے ہیں یہی حال خرگوش کا ہے۔ خرگوش کے کان میں رڈار لگا ہوا ہے، لہٰذا وہ یہ بھی محسوس کر لیتا ہے کہ چیز کتنی دور ہے، چمگادڑ، رڈار والا جانور ہے، آپ کسی بند کمرے میں چمگادڑ پر لاٹھی کے کتنے ہی وار کیے جائیں وہ اس طرح پرواز کرے گی کہ لاٹھی کی زد سے بچ جائے گی، کیوں کہ اس کا رڈار بتا دیتا ہے کہ لاٹھی اس کے جسم سے کتنی دوری پر گھوم رہی ہے (یہ سب "اَلسَّمِیْعُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کی عطا کے کرشمے ہیں)۔[1]

فوائد و نصائح

❶ "اَلسَّمِیْعُ جَلَّ جَلَالُہٗ" نے ہمیں سننے کی قوت عطا فرمائی، تو اس کا شکر یہ ہے کہ دین کی باتوں کو ہم دھیان سے سنیں اور توجہ، غور و فکر کے ساتھ ادب سے بیٹھ کر سنیں، جو دین کی باتوں کو ادب سے سنے گا اور سننے کا حق ادا کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس پر عمل کرنے کی بھی توفیق مرحمت فرمائیں گے۔

قرآن اور حدیث جاننے والے ماہرین کی نصیحت یہ ہے کہ با ادب کو اللہ تعالیٰ محروم نہیں فرماتے جیسا کہ مشہور ہے "با ادب بانصیب، بے ادب بے نصیب۔" بعض لوگ قرآنِ کریم کی تلاوت کی کیسٹ سنتے ہیں اور باتیں بھی ہو رہی ہوتی ہیں۔ اَحْکَمُ الْحَاکِمِیْنَ، رَبُّ الْعَالَمِیْنَ کا کلام پڑھا جا رہا ہو تو اس وقت خاموشی کے ساتھ دھیان سے سننا چاہئے۔

❷ اسی طرح مسجد میں بیان ہو رہا ہو یا جہاں بھی دین کی بات ہو رہی ہو تو جس "اَلسَّمِیْعُ جَلَّ جَلَالُہٗ" نے یہ قوتِ سماعت عطا فرمائی ہے اس کا شکر یہ ہے کہ اب مجاہدہ کے ساتھ دھیان سے بات سنیں، سوائے واقعی شدید ضرورت کے بیچ میں اٹھ کر نہ جائیں، بیان کے دوران آپس میں باتیں نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ نے جو کان کی نعمت دی ہے اس کا شکر یہ ہے کہ اس سے دین کی بات سنی جائے۔

اسی فائدے کو امام رازی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی یوں فرماتے ہیں:

"جَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ، لِتَسْمَعُوْا مَوَاعِظَ اللّٰهِ، وَالْأَبْصَارَ، لِتَبْصُرُوْا دَلَائِلَ اللّٰهِ، وَالْأَفْئِدَةَ، لِتَعْقِلُوْا عَظَمَةَ اللّٰهِ."[2]

تَرْجَمَۃٌ: "اللہ تعالیٰ نے تمہیں کان کی نعمت عطا فرمائی تاکہ تم اس کے احکامات اور اس کی نصیحتیں سنو۔
اور آنکھیں عطا فرمائیں اس لئے کہ حق تعالیٰ کی قدرت و حکمت کا مشاہدہ کرو۔
اور دل اس لئے کہ حق تعالیٰ کی عظمت کا احساس اور اس پر غور و تدبر کرو۔"

---

[1] شرح اسماء الحسنیٰ للازھری: ۲۰۶
[2] تفسیر کبیر: ۷۳/۱۹، النحل: ۷۸

لہٰذا روزانہ دین کی باتوں کو سننے کا معمول بنائیں، گھروں میں فضائلِ اعمال، منتخب احادیث، معارف الحدیث، ان کتابوں میں سے ایک پڑھے اور باقی سنیں تاکہ ان نعمتوں کا شکر ادا ہو۔

ایک بہت پیاری دعا

❹ ایک حدیث میں ''اَلسَّمِيعُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کی تفسیر کے متعلق ایک بہت پیاری دعا ہے۔ ہم میں سے ہر ایک کو چاہئے کہ اس دعا کا ترجمہ خوب اچھی طرح ذہن میں رکھ کر، اس کے مفہوم کو خوب مستحضر کر کے رکھے۔ اس دعا کو مانگے اور اللہ تعالیٰ کی معرفت اپنے دل میں بڑھائے۔

۹ ذی الحجہ کو عرفات کے میدان میں جب اللہ تعالیٰ کے خصوصی مہمان، حجاج بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہوتے ہیں، اُس دن وہاں رحمتِ الٰہی کی موسلا دھار بارش ہوتی ہے، وہ قبولیتِ دُعا کا خاص الخاص موقع ہے۔ اس موقع کی جو دُعائیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں وہ ذیل میں پڑھئے۔ اور ان دعاؤں کو ''اَلسَّمِيعُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کی بارگاہ میں مانگئے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حجۃ الوداع میں عرفہ کی شام کو میدانِ عرفات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص دُعا یہ تھی:

''اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ تَسْمَعُ كَلَامِيْ، وَتَرٰى مَكَانِيْ، وَتَعْلَمُ سِرِّيْ وَعَلَانِيَتِيْ، لَا يَخْفٰى عَلَيْكَ شَيْءٌ مِّنْ اَمْرِيْ، وَاَنَا الْبَائِسُ الْفَقِيْرُ الْمُسْتَغِيْثُ الْمُسْتَجِيْرُ الْوَجِلُ الْمُشْفِقُ الْمُقِرُّ الْمُعْتَرِفُ بِذَنْبِيْ اَسْاَلُكَ مَسْئَلَةَ الْمِسْكِيْنِ، وَاَبْتَهِلُ اِلَيْكَ ابْتِهَالَ الْمُذْنِبِ الذَّلِيْلِ، وَاَدْعُوْكَ دُعَاءَ الْخَائِفِ الضَّرِيْرِ، وَدُعَاءَ مَنْ خَضَعَتْ لَكَ رَقَبَتُهٗ، وَفَاضَتْ لَكَ عَبْرَتُهٗ وَذَلَّ لَكَ جِسْمُهٗ وَرَغِمَ لَكَ اَنْفُهٗ. اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْنِيْ بِدُعَائِكَ رَبِّ شَقِيًّا، وَكُنْ بِيْ رَءُوْفًا رَّحِيْمًا يَا خَيْرَ الْمَسْئُوْلِيْنَ وَيَا خَيْرَ الْمُعْطِيْنَ''[1]

تَرْجَمَہ: ''اے اللہ! تو میری بات سنتا ہے...... اور میں جہاں اور جس حال میں ہوں تو اس کو دیکھتا ہے...... اور میرے ظاہر و باطن سے تو باخبر ہے،...... تجھ سے میری کوئی بات ڈھکی چھپی نہیں،...... میں دکھی ہوں،...... محتاج ہوں،...... فریادی ہوں،...... پناہ کا طلب گار ہوں،...... لرز رہا ہوں، (ترساں ہوں) ہراساں ہوں،...... اپنے گناہوں کا اقراری ہوں،...... تجھ سے سوال کرتا ہوں جیسے کوئی عاجز مسکین بندہ سوال کرتا ہے۔...... تیرے آگے گڑگڑاتا ہوں جیسے گناہ گار ذلیل و خوار گڑگڑاتا ہے...... اور تجھ سے دُعا کرتا ہوں جیسے کوئی ڈرنے والا آفت رسیدہ دُعا کرتا ہے۔...... اُس

[1] البداية والنهاية، ذكر طوافه صلى الله عليه وسلم بين الصفا والمروة: ۱۲۷/۵

بندے کی طرح مانگتا ہوں جس کی گردن تیرے سامنے جھکی ہوئی ہو...... اور آنسو بہہ رہے ہوں ...... اور تن بدن سے وہ تیرے آگے ذلیل پڑا ہوا ہو اور اپنی ناک تیرے سامنے رگڑ رہا ہو۔ اے اللہ! تو مجھے اس دُعا مانگنے میں ناکام اور نامراد نہ رکھ اور میرے حق میں بڑا مہربان نہایت رحیم ہو جا۔ اے اُن سب سے بہتر و برتر جن سے مانگنے والے مانگتے ہیں اور جو مانگنے والوں کو دیتے ہیں۔"

حضرت مولانا منظور نعمانی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں:

اس دُعا کا ایک ایک لفظ عبدیت کی رُوح سے لبریز...... اور کمالِ معرفت کا ترجمان ہے...... دنیا بھر کے دینی و مذہبی ادب میں اور کسی بھی زبان کی دُعاؤں اور مناجاتوں میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی...... اس عاجز کو زندگی میں کئی مرتبہ اس کا موقع ملا کہ بعض خدا پرست غیر مسلموں کو میں نے رسُول اللہ ﷺ کی یہ دُعا سُنائی اور اس کا ترجمہ کر کے بتایا تو وہ اپنا یہ تاثر ظاہر کرنے پر مجبور ہو گئے کہ یہ دُعا اُسی دل سے نکل سکتی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کا خاص حصہ دیا ہو اور اس کو نفس کی پہچان اور ربّ کی پہچان کا اعلیٰ سے اعلیٰ مقام حاصل ہو...... اللہ تعالیٰ ہمیں رسول اللہ ﷺ کے اس قیمتی ورثہ کی قدر شناسی اور اس سے استفادہ کی توفیق دے۔[1]

اس اسم سے سبق حاصل کرنے والے کو لازم ہے کہ "السَّمِیْعُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کو اپنی ہر بات کا سننے والا یقین کرے کہ اس ذات سے ذرّہ برابر کوئی بات چھپ نہیں سکتی فوراً سن لیتا ہے لہٰذا زبان کی حفاظت کرے۔ مطلب دنیا کا ہو یا دین کا، ...... مادی ہو یا روحانی، ...... ہر شے، ہر چیز کا سوال اسی "السَّمِیْعُ جَلَّ جَلَالُہٗ" سے کیا کرے۔

---

[1] معارف الحدیث: ۲۵۲/۵

البصیر جل جلالہٗ

(سب کچھ دیکھنے والا)

اس اسم مبارک کے تحت تین تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

❶ "قَالَ الْخَطَّابِيُّ: اَلْبَصِيْرُ هُوَ الْمُبْصِرُ، وَيُقَالُ الْبَصِيْرُ: اَلْعَالِمُ بِخَفِيَّاتِ الْأُمُوْرِ."[1]

"البصیر جل جلالہٗ" وہ ذات ہے جو دیکھنے والی ہے اور جو تمام خفیہ باتوں کو جاننے والی ہے۔"

❷ "وَقَالَ الْأَلُوْسِيُّ: ﴿وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ بِالْعِبَادِ﴾ أَيْ: خَبِيْرٌ بِهِمْ وَبِأَحْوَالِهِمْ وَأَفْعَالِهِمْ."[2]

"البصیر جل جلالہٗ" وہ ذات ہے جو تمام مخلوقات کے احوال اور افعال کا جاننے والا ہے۔"

❸ "البصیر جل جلالہٗ" وہ ذات ہے جو ہر چیز کا دیکھنے والا ہے، اگرچہ وہ بہت باریک اور چھوٹی ہو۔ وہ رات کے وقت، سخت چٹان میں رینگنے والی چیونٹی کو بھی دیکھتا ہے اور وہ ساتوں زمینوں کے نیچے بھی اسی طرح دیکھتا ہے جیسے ساتوں آسمانوں کے اوپر دیکھتا ہے۔"[3]

علامہ ابن قیم رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالیٰ قصیدۂ نونیہ میں ارشاد فرماتے ہیں: جس کا ترجمہ یہ ہے:

"اللہ تعالیٰ ایسے بصیر ہیں جو کہ کالی چیونٹی کو سخت چٹان اور پتھر کے نیچے بھی چلتا ہوا دیکھتے ہیں اور اعضاء میں پوشیدہ غذائی نالیاں بھی ان کے سامنے ظاہر ہیں اور رگوں کی سفیدی بھی ان کے لئے ظاہر و باہر ہے، اللہ تعالیٰ آنکھوں کی ان خیانتوں کو بھی جانتے ہیں جو گوشۂ چشم سے صادر ہوتی ہیں اور آنکھوں کی اُلٹ پلٹ سے بھی باخبر ہیں۔"[4]

---

[1] شان الدّعاء: ٦٠، ٦١　[2] روح المعاني: ١٠١/٢، آل عمران:15

[3] "وَقَالَ السَّعْدِيُّ: (اَلْبَصِيْرُ) اَلَّذِيْ يُبْصِرُ كُلَّ شَيْءٍ وَإِنْ دَقَّ وَصَغُرَ، فَيُبْصِرُ دَبِيْبَ النَّمْلَةِ السَّوْدَاءِ فِي اللَّيْلَةِ الظَّلْمَاءِ عَلَى الصَّخْرَةِ الصَّمَّاءِ، وَيُبْصِرُ مَا تَحْتَ الْأَرَضِيْنَ السَّبْعِ كَمَا يُبْصِرُ مَا فَوْقَ السَّمٰوَاتِ السَّبْعِ" (النهج الأسمى: ٢٣٦/١)

[4]

وَهُوَ الْبَصِيْرُ يَرٰى دَبِيْبَ النَّمْلَةِ الْـ	سَّوْدَاءِ تُحْتَ الصَّخْرِ وَالصَّوَّانِ
وَيَرٰى مَجَارِيَ الْقُوْتِ فِيْ أَعْضَائِهَا	وَيَرٰى عُرُوْقَ بَيَاضِهَا بِعَيَانِ
يَرٰى خِيَانَاتِ الْعُيُوْنِ بِلَحْظِهَا	وَيَرٰى كَذٰلِكَ تَقَلُّبَ الْأَجْفَانِ

(النونيّة: ٢١٥/٢ كذافي النهج الأسمى: ٢٣٦/١)

یہ اسم قرآن کریم میں بیالیس (۴۲) مرتبہ آیا ہے جن میں سے تین مندرجہ ذیل ہیں:

❶ ﴿ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴾ [1]

❷ ﴿ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴾ [2]

❸ ﴿ وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴾ [3]

مخلوقات کو قوتِ بصارت البصیر جل جلالہ نے عطا فرمائی

اللہ ربُّ العزت بندوں پر اپنی نعمت کا اظہار فرماتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ ۙ وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ ۙ ﴾ [4]

اس آیت میں چند اُن نعمتوں کا ذکر ہے جو اللہ تعالیٰ نے انسان کے وجود میں ایسی عطا فرمائی ہیں کہ خود اُن کی صنعت وحکمت ہی پر غور کرے تو حق تعالیٰ کی بے مثال حکمت وقدرت کا نظارہ ان ہی چیزوں میں کرے۔ ان میں پہلے دو آنکھوں کا ذکر فرمایا کہ آنکھ کے نازک پردے نازک شریانیں (رگیں) اُن میں قدرتی روشنی، پھر آنکھ کی وضع وہیئت کہ یہ نازک ترین عضو ہے، اس کی حفاظت کا کیا سامان خود اس کی خلقت میں کیا گیا، اس کے اوپر ایسے پردے ڈال دیئے جو خودکار مشین کی طرح جب کوئی مضر چیز سامنے سے آتی دکھائی دے خود بخود بغیر کسی اختیار کے بند ہو جاتے ہیں، ان پردوں کے اوپر پلکوں کے بال کھڑے کر دیئے کہ گرد وغبار کو روک لیں، اس کے اوپر بھووں کے بال رکھے کہ اُوپر سے آنے والی چیز براہِ راست آنکھ میں نہ پہنچے، اس کو چہرے کے اندر اس طرح فٹ کیا گیا کہ اوپر سخت ہڈی ہے، نیچے رخسار کی سخت ہڈی ہے، آدمی کہیں چہرے کے بل گر جائیں یا اس کے چہرے پر کوئی چیز آپڑے تو اوپر نیچے کی ہڈیاں آنکھ کو بچا لیں گی۔ [5]

علامہ عبدالصمد صارم فرماتے ہیں: آنکھوں کی دنیا اور آنکھوں کی قسمیں اس قدر ہیں کہ بیان میں نہیں سما سکتیں، بعض مخلوق بے چشم ہے، مگر وہ کانوں یا پنکھوں وغیرہ سے دیکھتی ہیں۔

بچھو اپنی سماعت سے بصارت کا کام لیتا ہے جیسے سانپ بصارت سے سماعت کا کام نکالتا ہے، بہت سے حشرات الارض اپنے سر کے دو زاویوں سے بصارت کا کام لیتے ہیں جو مختلف طرح کے ہیں، میں نے دو نابینا ایسے دیکھے جو اپنے ہاتھوں سے دیکھتے تھے اور چھو کر رنگ کی پہچان کر لیتے تھے، اپنی جیبی گھڑیوں سے وقت دیکھ لیتے تھے جس پر آئینہ چڑھا ہوتا تھا۔

''البصیر جل جلالہ'' نے ایسی بصارتیں پیدا کر دیں جو سمندر کی تہہ میں بھی دیکھ سکتی ہیں اور زمین کی گہرائیوں میں

---

[1] البقرۃ: ۲۳۳ [2] آل عمران: ۱۵ [3] الحدید: ٤ [4] البلد: ۸، ۹ [5] معارف القرآن: ۸/۷۵۱، البلد: ۸، ۹

بھی، تو اس سے کوئی چیز کیسے پوشیدہ رہ سکتی ہے؟

ہد ہد ذرا سا جانور یہ معلوم کر لیتا ہے کہ کس زمین کی تہہ میں پانی ہے اور کس میں نہیں، تب ہی حضرت سلیمان علیہ السلام کو اس کی ضرورت پڑی تھی، کیوں کہ فوج پیاسی تھی اور پانی ملتا نہ تھا، مٹی کی منوں تہیں اس کی بصارت سے مانع نہیں ہوتیں۔[1]

سب کی نگاہیں مل کر بھی البصیر جل جلالہٗ کی ذات کا احاطہ نہیں کرسکتیں

﴿لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ﴾[2]

ترجمہ: ''اس تک کسی کی نگاہ نہیں پہنچ سکتی اور وہ سب کی نگاہوں تک پہنچ جاتا ہے۔''

یعنی ساری مخلوقات جن و اِنس و ملائکہ اور تمام حیوانات کی نگاہیں مل کر بھی اللہ جل شانہ کو اس طرح نہیں دیکھ سکتیں کہ یہ نگاہیں اس کی ذات کا احاطہ کر لیں، اور اللہ تعالیٰ تمام مخلوقات کی نگاہوں کو پوری طرح دیکھتے ہیں اور ان کا دیکھنا اُن سب پر محیط ہے، اس مختصر سی آیت میں ''البصیر جل جلالہٗ'' کی عظیم صفت کا ذکر ہے اور وہ یہ کہ ساری کائنات میں کسی کی نگاہ بل کہ سب کی نگاہیں مل کر بھی اس کی ذات کا احاطہ نہیں کرسکتیں۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر جہاں کے سارے انسان، جنات، فرشتے اور شیطان جب سے پیدا ہوئے اور جب تک پیدا ہوتے رہیں گے وہ سب کے سب مل کر ایک صف میں کھڑے ہو جائیں تو سب مل کر بھی اس کی ذات کا اپنی نگاہ میں احاطہ نہیں کر سکتے۔[3]

یہ خاص صفت ''البصیر جل جلالہٗ'' کی ہی ہوسکتی ہے، ورنہ نگاہ کو اللہ تعالیٰ نے ایسی قوت بخشی ہے کہ چھوٹے سے چھوٹے جانور کی چھوٹی سی چھوٹی آنکھ دنیا کے بڑے سے بڑے کُرے کو دیکھ سکتی اور نگاہ سے اس کا احاطہ کر سکتی ہے، آفتاب و ماہتاب کتنے بڑے بڑے کُرّے ہیں کہ زمین اور ساری دنیا کی ان کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں ہے، مگر ہر انسان بل کہ چھوٹے سے چھوٹے جانور کی آنکھ اُن کرّوں کو اسی طرح دیکھتی ہے کہ نگاہ میں اُن کا احاطہ ہو جاتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ نگاہ تو انسانی حواس میں سے ایک حاسہ ہے جس سے صرف محسوس چیزوں کا علم حاصل ہوسکتا ہے، حق تعالیٰ کی ذات پاک تو عقل و وہم کے احاطہ سے بھی بالاتر ہے۔

تو دل میں تو آتا ہے، سمجھ میں نہیں آتا ... بس جان گیا میں تیری پہچان یہی ہے

حق تعالیٰ کی ذات و صفات غیر محدود ہے اور انسانی حواس اور عقل و خیال سب محدود چیزیں ہیں، ظاہر ہے کہ ایک غیر محدود کسی محدود چیز میں نہیں سما سکتا، اسی لئے دنیا کے عقلاء و فلاسفر جنہوں نے عقلی دلائل سے خالقِ کائنات کا پتہ

---

[1] شرح اسماء الحسنیٰ للازھری: ۸۰

[2] الانعام: ۱۰۳ [3] تفسیر ابن کثیر: ۴۸۹/۱، الانعام ۱۰۳، التفسیر المظھری: ۲۷۴/۳

لگانے اور اس کی ذات وصفات کے ادراک کے لئے اپنی عمریں بحث وتحقیق میں صرف کیں اور صوفیائے کرام جنہوں نے کشف وشہود کے راستے سے اس میدان کی سیاحت کی، سب کے سب اس پر متفق ہیں کہ اس کی ذات وصفات کی حقیقت کو نہ کسی نے پایا نہ پا سکتا ہے۔[1]

''البصیر جل جلالہٗ'' وہ ذات ہے جو ہماری سمع وبصر کا مالک ہے۔

﴿ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ ﴾[2]

ترجمہ: ''وہ کون ہے جو کانوں اور آنکھوں پر پورا اختیار رکھتا ہے؟''

قرآنِ حکیم نے اپنے حکیمانہ اور مربیانہ طریق پر مشرکین کی آنکھیں کھولنے کے لئے ان سے کچھ سوالات کئے ہیں، آں حضرت ﷺ کو خطاب کر کے فرمایا: ان لوگوں سے کہیئے کہ آسمان اور زمین میں سے تمہیں رزق کون دیتا ہے؟

یا کان اور آنکھوں کا کون مالک ہے کہ جب چاہے ان میں شنوائی اور بینائی پیدا کر دے اور جب چاہے سلب کر لے اور کون ہے جو مردہ چیز میں سے زندہ کو پیدا کر دیتا ہے؟ جیسے مٹی سے گھاس اور درخت یا نطفہ سے انسان اور جانور یا انڈے سے پرندہ اور زندہ میں سے مردہ کو پیدا کر دیتا ہے، جیسے انسان اور جانور سے نطفہ بے جان پیدا کرتا ہے اور کون ہے جو تمام کائنات کے کاموں کی تدبیر کرتا ہے؟

پھر فرمایا: جب آپ ان لوگوں سے یہ سوال کریں گے تو سب کے سب یہی کہیں گے کہ ان چیزوں کو پیدا کرنے والا ایک اللہ ہے! تو آپ ان سے فرما دیں کہ پھر تم کیوں اللہ سے نہیں ڈرتے؟

جب ان تمام چیزوں کا پیدا کرنے والا اور باقی رکھنے والا اور ان سب کے کام میں لگانے کا انتظام کرنے والا صرف ایک اللہ تعالیٰ ہی ہے تو پھر عبادت واطاعت کا حق دار اس کے سوا کسی کو کیوں بناتے ہو۔[3]

ربّ العالمین وہ ذات ہے جس نے کان کی ہڈی کو سننا، آنکھ کی چربی کو دیکھنا، زبان کے گوشت کو بولنا سکھایا ہے۔

ربّ العالمین وہ ذات ہے کہ سمندروں کی گہرائیاں، رات کی تاریکیاں اس کی دید کے لئے مانع نہیں، دلوں کی حالتیں اور طبائع کے اطوار سب اُس کی نظر کے سامنے ہیں۔[4]

جب انسان کے دل میں یہ استحضار ہو کہ کوئی مجھے دیکھ رہا ہے تو یہ استحضار اس کو گناہ سے بچا لیتا ہے، اسی طرح ''البصیر جل جلالہٗ'' کا جتنا دل میں استحضار ہوگا اور جس قدر اس نام مبارک کی طرف دعوت دی جائے گی تو گناہ کے تصور سے بھی انسان لرز جائے گا اور عبادت ومناجات کا لطف دوبالا ہو جائے گا۔

ابا جان! کوئی ہمیں دیکھ رہا ہے

واقعہ نمبر ۵۳: کہتے ہیں کہ ایک چور نے اپنے بچے کو مدرسے میں بٹھا دیا، قاری صاحب روزانہ درس کے بعد بچوں

[1] معارف القرآن: ۴۱۰/۳، الانعام: ۱۰۳ [2] یونس: ۳۱
[3] معارف القرآن: ۵۳۱/۴، یونس: ۳۱ [4] شرح اسماء الحسنیٰ للمنصوربوری: ۷۸

کی ذہنی تربیت فرماتے تھے، ایک مرتبہ "البصیر جل جلالہٗ" پر بیان کر رہے تھے کہ وہ ذات خوب دیکھنے والی ہے، ہم کہیں بھی اس سے چھپ نہیں سکتے۔ اللہ ربُّ العزت ہر جگہ، ہر ایک کو، ہر وقت دیکھتے ہیں۔

ایک دن یہ چور اپنے بیٹے کو لے کر سفر کر رہا تھا جب وہ انگور کے باغ کے قریب سے گزرے تو باپ کا دل للچایا اور اس نے چاہا کہ کچھ انگور کھاؤں، چناں چہ اس نے اپنے بیٹے کو ایک جانب کھڑا کیا اور کہا، بیٹا! تم یہاں کھڑے ہو کر ادھر اُدھر جھانکنا، تاکہ کوئی آنے لگے تو پتہ چل جائے۔ جب وہ انگور توڑنے کے لئے گیا تو وہ ابھی درخت کے قریب ہی پہنچا تھا کہ بچے نے شور مچا دیا، کہنے لگا:

يَا أَبِيْ يَا أَبِيْ أَحَدٌ يَّرَانَا۔

اے ابا جان! اے ابا جان! کوئی ہمیں دیکھ رہا ہے۔ جب اس نے یہ کہا تو باپ ڈر کر پیچھے کی طرف بھاگا۔ اس نے بچے کے پاس آکر اِدھر اُدھر دیکھا تو کوئی بھی نہیں تھا۔ وہ کہنے لگا: کون دیکھ رہا ہے؟

بیٹے نے کہا: ابا جان! اگر کوئی بندہ نہیں دیکھ رہا تو بندوں کا پروردگار تو دیکھ رہا ہے۔ یہ سن کر باپ پر ایسا اثر ہوا کہ اس نے ہمیشہ کے لئے چوری سے توبہ کر لی۔

دودھ میں پانی

واقعہ نمبر ۵۴: ایک مرتبہ سیّدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رات کو گلی میں چکر لگا رہے تھے۔ ایک گھر سے ایک بوڑھی ماں اپنی بیٹی سے باتیں کر رہی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غور کیا تو پتہ چلا کہ وہ بڑھیا اس لڑکی سے پوچھ رہی تھی: کیا بکری نے دودھ دے دیا؟

اس نے کہا: جی دے دیا، پھر پوچھا: کتنا دودھ دیا ہے؟ لڑکی نے کہا: تھوڑا سا دیا ہے۔ وہ کہنے لگی، کہ مانگنے والے تو پورا مانگیں گے، اس لئے تم اس میں پانی ملا دو، اس نے کہا: امیر المؤمنین نے پانی ملانے سے منع کیا ہوا ہے اس لئے میں نہیں ملاتی، وہ بڑھیا کہنے لگی: کون سا امیر المؤمنین ہمیں دیکھ رہے ہیں؟ لڑکی نے کہا: ماں! اگر امیر المؤمنین نہیں دیکھ رہے تو امیر المؤمنین کا پروردگار تو دیکھ رہا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کا یہ مکالمہ سنا اور گھر آئے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صبح اس بڑھیا کو بھی بلوایا اور اس لڑکی کو بھی۔ اس کے بعد آپ نے اس لڑکی کے تقویٰ کی بنیاد پر اسے اپنی بہو کے طور پر پسند فرما لیا، چناں چہ آپ نے اس کا رشتہ مانگا، اور وہ آپ کی بہو بن گئی، یہ وہی لڑکی تھی، جو بعد میں حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ تعالیٰ کی نانی بنی۔ یہ ایمان ہوتا ہے جس کی تاثیر اللہ تعالیٰ اولادوں اور نسلوں میں چلا دیتے ہیں۔[1]

---

[1] سیر الصحابہ: ۱/۱۷۰

آگے کیا ہوگا

واقعہ نمبر ۵۵: حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ فرماتے ہیں: حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ ایک مرتبہ سہارنپور سے کانپور جارہے تھے، جب ریل میں سوار ہونے کے لئے اسٹیشن پہنچے تو محسوس کیا کہ ان کے ساتھ سامان مقررہ حد سے زیادہ ہے جو ایک مسافر کو بک کرائے بغیر اپنے ساتھ لے جانے کی اجازت نہیں ہوتی ہے، چناں چہ حضرت اس کھڑکی پر پہنچے جہاں سامان کا وزن کر کے زائد سامان کا کرایہ وصول کیا جاتا ہے، تاکہ سامان بک کراسکیں، کھڑکی پر ریلوے کا جو اہل کار موجود تھا وہ غیر مسلم ہونے کے باوجود حضرت مولانا رحمہ اللہ تعالیٰ کو جانتا تھا اور ان کی بڑی عزت کرتا تھا، جب حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ نے سامان بک کرنے کی فرمائش کی، تو اس نے کہا کہ: مولانا! رہنے بھی دیجئے، آپ سے کیا سامان کا کرایہ وصول کیا جائے؟

آپ کو سامان بک کرانے کی ضرورت نہیں، میں ابھی گارڈ سے کہہ دیتا ہوں، وہ آپ کو سامان کی وجہ سے کچھ نہیں کہے گا۔

مولانا نے فرمایا: یہ گارڈ میرے ساتھ کہاں تک جائے گا؟

ریلوے افسر نے جواب دیا ''غازی آباد تک۔''

پھر مولانا نے پوچھا: ''غازی آباد کے بعد کیا ہوگا؟''

افسر نے کہا: ''یہ گارڈ دوسرے گارڈ سے بھی کہہ دے گا۔''

مولانا نے پوچھا: ''وہ دوسرا گارڈ کہاں تک جائے گا؟''

افسر نے کہا: ''وہ کانپور تک آپ کے ساتھ جائے گا۔''

مولانا نے پوچھا۔ ''پھر کانپور کے بعد کیا ہوگا؟''

افسر نے کہا: ''کانپور کے بعد کیا ہونا ہے؟ وہاں تو آپ کا سفر ختم ہو جائے گا۔''

حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''نہیں، میرا سفر تو بہت لمبا ہے، کانپور پر ختم نہیں ہوگا، اس لمبے سفر کی انتہا تو آخرت میں ہوگی، یہ بتائیے کہ جب اللہ تعالیٰ مجھ سے پوچھے گا کہ اپنا سامان تم کرایہ دیئے بغیر کیوں اور کس طرح لے گئے؟ تو یہ گارڈ صاحبان میری کیا مدد کرسکیں گے''؟

پھر مولانا نے ان کو سمجھایا کہ یہ ریل آپ کی یا گارڈ صاحب کی ملکیت نہیں ہے۔

اور جہاں تک مجھے معلوم ہے، ریلوے کے محکمے کی طرف سے آپ کو یا گارڈ صاحب کو یہ اختیار نہیں دیا گیا کہ وہ جس مسافر کو چاہیں ٹکٹ کے بغیر یا اس کے سامان کو کرائے کے بغیر ریل میں سوار کر دیا کریں، لہٰذا اگر میں آپ کی رعایت سے فائدہ اٹھا کر بغیر کرائے کے سامان لے بھی جاؤں تو یہ میرے دین کے لحاظ سے چوری میں داخل ہوگا، اور مجھے اللہ

تعالیٰ کے سامنے اپنے گناہ کا جواب دینا پڑے گا اور آپ کی رعایت مجھے بہت مہنگی پڑے گی، لہٰذا براہ کرم مجھ سے پورا پورا کرایہ وصول کر لیجئے۔

ریلوے کا وہ اہل کار مولانا کو دیکھتا رہ گیا، لیکن پھر اس نے تسلیم کیا کہ بات آپ ہی کی درست ہے۔

ٹکٹ خرید کر پھاڑ دیا

واقعہ نمبر ۵۶: اسی طرح کا ایک واقعہ میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ پیش آیا، وہ ایک مرتبہ ریل میں سوار ہونے کے لئے اسٹیشن پہنچے، لیکن دیکھا کہ جس درجے کا ٹکٹ لیا ہوا ہے، اس میں تل دھرنے کی جگہ نہیں، گاڑی روانہ ہونے والی تھی اور اتنا وقت بھی نہ تھا کہ جا کر ٹکٹ تبدیل کروالیں، مجبوراً اوپر کے درجے کے ایک ڈبے میں سوار ہو گئے، خیال یہ تھا کہ ٹکٹ چیک کرنے والا آئے گا تو ٹکٹ تبدیل کرالیں گے، لیکن اتفاق سے پورے راستے کوئی ٹکٹ چیک کرنے والا نہ آیا، یہاں تک کہ منزل آگئی، منزل پر اتر کر وہ سیدھے ٹکٹ گھر پہنچے، وہاں جا کر معلومات کیں کہ دونوں درجوں کے کرائے میں کتنا فرق ہے؟

پھر اتنی قیمت کا ایک ٹکٹ وہاں سے خرید لیا اور وہیں پر پھاڑ کر پھینک دیا، ریلوے کے جس ہندو افسر نے ٹکٹ دیا تھا، جب اس نے دیکھا کہ انہوں نے ٹکٹ پھاڑ کر پھینک دیا ہے تو اسے سخت حیرانی ہوئی، بل کہ ہوسکتا ہے کہ والد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی دماغی حالت پر بھی شبہ ہوا ہو، اس لئے اس نے باہر آکر ان سے پوچھ گچھ شروع کر دی کہ آپ نے ٹکٹ کیوں پھاڑا؟

والد صاحب نے اسے پورا واقعہ بتایا اور کہا کہ اوپر کے درجے میں سفر کرنے کی وجہ سے یہ پیسے میرے ذمے رہ گئے تھے، ٹکٹ خرید کر میں نے یہ پیسے ریلوے کو پہنچا دیئے، اب یہ ٹکٹ بے کار تھا، اس لئے پھاڑ دیا۔ وہ شخص کہنے لگا: ''مگر آپ تو اسٹیشن سے نکل آئے تھے، اب آپ سے کون زائد مطالبہ کر سکتا تھا'' والد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ ''جی ہاں، انسانوں میں تو اب کوئی مطالبہ کرنے والا نہیں تھا، لیکن جس حق دار کے حق کا مطالبہ کرنے والا کوئی نہ ہو، اس کا مطالبہ اللہ تعالیٰ ضرور کرتے ہیں، مجھے ایک دن ان کو منہ دکھانا ہے، اس لئے یہ کام ضروری تھا۔''

یہ دونوں واقعات قیامِ پاکستان سے پہلے اُس دور کے ہیں جب برصغیر پر انگریزوں کی حکومت تھی اور مسلمانوں کے دل میں اس حکومت کے خلاف جو نفرت تھی وہ محتاجِ بیان نہیں، چناں چہ ملک کو انگریزی حکومت سے آزاد کرانے کی تحریکیں شروع ہو چکی تھیں، خود حضرت مولانا تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ برملا اپنی اس خواہش کا اظہار فرما چکے تھے کہ مسلمانوں کی کوئی الگ حکومت ہونی چاہئے جس میں غیر مسلموں کے تسلط سے آزاد ہو کر شریعت کے مطابق اپنا کاروبارِ زندگی چلا سکیں، لیکن انگریز کی حکومت سے متنفر ہونے کے باوجود اس کے قائم کئے ہوئے محکمے سے تھوڑا سا فائدہ بھی معاوضہ ادا کئے بغیر حاصل کرنا انہیں منظور نہ تھا۔[1]

---

[1] ذکر وفکر: ۱۱۸

اس ’’اَلْبَصِیْرُ جَلَّ جَلَالُہٗ‘‘ کا دھیان ہی تقویٰ وعبادت کی بنیاد ہے اور نماز میں اس کا دھیان جمانے کا ایک نسخہ یہ بھی ہے کہ انسان عبادت اس طرح کرے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے، قیام میں سوچے کہ میں اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہوں، رکوع میں سوچے کہ میں اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہوں، یا یہ سوچے کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہا ہے، یعنی ’’اَلْبَصِیْرُ جَلَّ جَلَالُہٗ‘‘ کا مراقبہ کرے کہ اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کا نام اَلْبَصِیْرُ ہے وہ مجھے دیکھ رہا ہے، قیام کی حالت میں بھی وہ مجھے دیکھ رہا ہے، سجدہ کی حالت میں بھی وہ مجھے دیکھ رہا ہے۔

وہ ذات ’’اَلْبَصِیْرُ جَلَّ جَلَالُہٗ‘‘ ہے، جب کسی کو بصارت کے ساتھ ایمانی بصیرت بھی دیتی ہے تو دل کی آنکھ کھل جاتی ہے اور ساری مخلوق اور پھیلے ہوئے دوسرے نقشے اُسے چھوٹے اور بے حیثیت نظر آتے ہیں اعمالِ خیر میں کامیابی اور گناہوں میں واقعی نقصان نظر آتا ہے۔ جب دل کھل جاتا ہے بصارت ایمانی یعنی بصیرت عطا ہونے سے تو ’’اَللّٰہُ اَکْبَرُ‘‘ کہنے وسننے میں اللہ تعالیٰ کے بہت بڑے ہونے کا وہ استحضار ہوتا ہے جو پہلے نہ تھا۔ پھر مخلوق کی نفی اور خود اپنی نفی کے دھیان کے ساتھ مولائے کائنات کی بڑائی کا دھیان جمتا ہے۔ نمازوں اور ذکر میں اللہ تعالیٰ کی بڑائی کا وِجدان نصیب ہوتا ہے۔

فوائد ونصائح

❶ اس اسم سے تعلق پیدا کرنیوالے کو لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ’’اَلْبَصِیْرُ جَلَّ جَلَالُہٗ‘‘ یقین کرتا ہوا ایسے کاموں کو نہ کرے جسے کسی دیکھنے والے کے سامنے نہیں کرسکتا۔ اللہ تعالیٰ کی نگرانی میں اپنے آپ کو دے دے اور پھر دیکھے کہ دل اور دل کے خیالات کس قدر محفوظ ہوگئے ہیں۔[1]

❷ یہ عقیدہ رکھنا چاہئے کہ ’’اَلْبَصِیْرُ جَلَّ جَلَالُہٗ‘‘ کی نظر کے سامنے سمندر کی گہرائیاں اور رات کی تاریکیاں رکاوٹ نہیں۔ دلوں کی حالتیں اور طبیعتوں کے طور طریقے سب اُس کے سامنے ہیں، بے شک وہ ہر چیز کو دیکھ رہا ہے، کالی رات میں چلتی چیونٹی کو، گہرے سمندر میں چھوٹے چھوٹے کیڑوں کو اس لئے بدنظری، اور ہر اس بری بات کے سننے سے اپنے آپ کو بچائے اور نظریں نیچی رکھے۔

❸ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اَلَمْ يَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰى﴾[2]

ترجمہ: کیا اس نے نہیں جانا کہ اللہ تعالیٰ اسے خوب دیکھ رہا ہے۔

اس آیت کا مراقبہ کرتے رہنا چاہئے کہ یقیناً مجھے اللہ تعالیٰ ہر وقت، ہر جگہ اور ہر حالت میں دیکھ رہا ہے، اس مراقبے سے ان شاء اللہ بہت فائدہ ہوگا۔

---

[1] شرح اسماء الحسنیٰ للمنصورپوری: ۷۸ [2] العلق: ۱۴

الحکم جل جلالہ

(اٹل فیصلے کرنے والا)

اس اسم مبارک کے تحت ایک تعریف ذکر کی جاتی ہے کہ:

"الحکم جل جلالہ" وہ ذات ہے جس کے فیصلے کو کوئی رد نہ کر سکے اور جس کے حکم میں کوئی پس و پیش نہ کر سکے۔[1]

اللہ ربّ العزت ہی کی جانب سے سارے عالم کے فیصلے ہوتے ہیں، جو کوئی فیصلہ اللہ ربّ العزت کی جانب سے عالم کی کسی بھی چیز کے متعلق صادر ہو جائے وہ ہو کر رہتا ہے۔ آخرت میں بھی اللہ تعالیٰ فیصلے فرمائیں گے۔ اس جہانِ فانی میں انسانوں کے لئے رزق کے فیصلے...... امن کے فیصلے...... صحت کے فیصلے...... چین و راحت کے فیصلے...... موت اور زندگی کے فیصلے...... اولاد کے فیصلے...... آسمان سے بارش کے فیصلے...... اور مصائب و مشکلات کے فیصلے...... سب اللہ تعالیٰ ہی کی جانب سے ہوتے ہیں اِن سب پر اللہ تعالیٰ کا علم محیط ہے۔

إِنَّ الْحُكْمَ لِلّٰهِ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ فِيْ حُكْمِهِ، كَمَا لَا شَرِيْكَ لَهُ فِيْ عِبَادَتِهِ، قَالَ تَعَالٰى: ﴿وَلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهِ أَحَدًا﴾[2]

ترجمہ: "بے شک تمام کا تمام حکم اللہ تعالیٰ کے لئے ہے، اور اس کے حکم میں کوئی شریک نہیں ہے، جیسا کہ اس کی عبادت میں کوئی شریک نہیں ہے۔"

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، جس کا ترجمہ یہ ہے:

"اور نہیں شریک کرتا اپنے حکم میں کسی کو، یعنی نہ اس کا کوئی مزاحم (مدمقابل) ہے، نہ کوئی شریک ہے۔"

پس ایسی عالی شان ذات کی مخالفت سے بہت ڈرنا چاہیے۔[3]

"جس طرح اس کا علم محیط ہے اس کی قدرت و اختیار بھی سب پر حاوی ہے، جیسے آسمان و زمین کی پوشیدہ باتوں کے جاننے میں اس کا کوئی شریک نہیں، اختیارات و قدرت میں بھی کوئی شریک و سہیم (حصہ دار) نہیں ہو سکتا۔"[4]

دنیا میں اللہ ربّ العزت نے حق و باطل کے درمیان فیصلہ فرما کر یہ واضح فرما دیا کہ حق کامیاب ہوگا اور باطل ناکام

---

[1] مرقاة: كتاب اسماء الله تعالىٰ: ٨٣/٥
[2] الكهف: ٢٦، النهج الأسمىٰ: ٢٤٦/١
[3] بيان القرآن: ٥٩٠/١، الكهف: ٢٦
[4] تفسير عثمانى: ص٣٩٥، الكهف: ٢٦

ہوگا، چناں چہ نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی مختصر سی جماعت کو اس وقت کی بڑی طاقت کے مقابلے میں فتح نصیب فرمائی اور حق کا بول بالا ہوا۔

قیامت کے دن انسان دو گروہوں میں تقسیم ہوں گے۔ ایک وہ ہوں گے جن کے لئے سعادت کا فیصلہ ہوگا، دوسرے وہ ہوں گے جن کے لئے شقاوت (بدبختی) کا فیصلہ ہوگا، جس کسی نے ایمان اور تقویٰ والی زندگی گزاری ہوگی اس کے لئے سعادت کا فیصلہ ہوگا اور اس کا ٹھکانہ جنت ہوگا اور جو بے عمل و بے ایمان دنیا سے گیا اس کے لئے شقاوت (بدبختی) کا فیصلہ ہوگا اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہوگا۔ غرض قیامت میں ہر جان دار کو اس کے عمل کے مطابق بدلہ دیا جائے گا۔

اسی طرح خیر و شر کے درمیان حکم و فیصل ذات بھی صرف اللہ ربُّ العزت ہی کی ہے۔ جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے شر قرار دیا وہی حقیقتاً شر ہے اور جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے خیر قرار دیا وہی حقیقتاً خیر ہے۔

"الحکم جل جلالہ" کے فیصلے

حدیث شریف میں ارشاد ہے:

"عَجَبًا لِأَمْرِ الْمُؤْمِنِ أَنَّ أَمْرَهُ كُلَّهُ لَهُ خَيْرٌ وَلَيْسَ ذٰلِكَ لِأَحَدٍ إِلَّا لِلْمُؤْمِنِ إِنْ أَصَابَتْهُ سَرَّآءُ شَكَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَّهُ وَإِنْ أَصَابَتْهُ ضَرَّآءُ صَبَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَّهُ."[1]

آں حضرت ﷺ نے مؤمن کے امور پر تعجب کرتے ہوئے فرمایا: "اس کے ہر کام میں خیر ہوتی ہے، اور یہ خیر مؤمن ہی کے لئے ہوتی ہے، اگر اسے خوشی کی کوئی بات پہنچتی ہے تو شکر کرتا ہے اور یہ (شکر) اس کے لئے خیر ہے۔ اور اگر کوئی ضرر کی بات پہنچتی ہے، تو صبر کرتا ہے اور یہ (صبر بھی) اس کے لئے خیر ہے۔ (اور یہ شان مؤمن ہی کی ہوسکتی ہے)"

یہ حدیث مبارک کئی نفسیاتی بیماریوں کی دوا اور کئی امراض کے لئے سببِ شفاء ہے، جتنا اس حدیث پر غور کیا جائے، اس کے معانی کو دل و دماغ میں بٹھایا جائے، کتنی ہی پریشانیوں و بے چینیوں کے دور ہونے کا ذریعہ بن سکتی ہے۔ پریشانیاں دور کرنے کا نسخۂ اکسیر یہ ہے کہ "الحکم جل جلالہ" کے معنی پر غور کیا جائے۔

ہوگا وہی جو اللہ تعالیٰ چاہیں گے، اللہ تعالیٰ کا فیصلہ اٹل ہے، اس کے ارادے کے بغیر ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا، ہمارا بال بھی بیکا نہیں کرسکتا۔

﴿ وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ﴾[2]

ترجمہ: "اور دراصل وہ بغیر اللہ کے مرضی کے کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔"

آیت سے ثابت ہوا کہ نفع و نقصان کے فیصلے اللہ ربُّ العزت ہی کی جانب سے ہوتے ہیں، لہٰذا ہرگز ہرگز

---

[1] مسلم، الزهد، باب في احاديث متفرقة: ۲/۴۱۳
[2] البقرة: ۱۰۲

پریشانیوں کا حل تلاش کرنے کے لئے کسی جھوٹے عامل...... پروفیسر...... جوتشی...... کے پاس یا کسی صاحبِ مزار کی قبر پر نہیں جانا چاہئے۔ اسی ''اَلْحَکَمُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کے دربار میں گڑگڑا کر مانگنا چاہئے، کیوں کہ حقیقتاً پریشانی اور خوشی دونوں من جانب اللہ ہوتی ہیں، حتیٰ کہ موت اور زندگی بھی اللہ تعالیٰ کے حکم اور فیصلہ سے صادر ہوتی ہے، یہاں تک کہ ساری دنیا اور اس کی طاقتیں کسی کو مارنا چاہیں اور اللہ تعالیٰ اسے زندہ رکھنا چاہیں تو کوئی طاقت بھی موت واقع نہیں کرسکتی، اسی طرح اللہ تعالیٰ کسی کو موت دینا چاہیں اور دنیا کی ساری طاقتیں اسے زندہ رکھنا چاہیں تو کوئی بھی اسے زندگی نہیں بخش سکتا۔

اللہ تعالیٰ تم کو یاد رکھے گا

واقعہ نمبر ۵۷: حضرت عبداللہ بن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے نقل کیا گیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ ایک سواری پر سوار ہوئے اور مجھے اپنے پیچھے بٹھا لیا، کچھ دُور چلنے کے بعد میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا: اے لڑکے! میں نے عرض کیا: حاضر ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

تم اللہ تعالیٰ کو یاد رکھو! اللہ تعالیٰ تم کو یاد رکھے گا، تم اللہ تعالیٰ کو یاد رکھو گے تو اس کو ہر حال میں اپنے سامنے پاؤ گے، تم امن و عافیت اور خوش عیشی کے وقت اللہ تعالیٰ کو پہچانو، تو تمہاری مصیبت کے وقت اللہ تعالیٰ تمہیں پہچانے گا، جب تمہیں سوال کرنا ہو تو صرف اللہ تعالیٰ سے سوال کرو اور مدد مانگنی ہو تو صرف اللہ تعالیٰ سے مدد مانگو، جو کچھ دنیا میں ہونے والا ہے قلمِ تقدیر اس کو لکھ چکا ہے۔

اگر ساری مخلوقات مل کر اس کی کوشش کریں کہ تم کو ایسا نفع پہنچادیں جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے حصے میں نہیں رکھا تو وہ ہرگز ایسا نہ کرسکیں گے اور اگر وہ سب مل کر اس کی کوشش کریں کہ تم کو ایسا نقصان پہنچائیں جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے حصے میں نہیں رکھا تو وہ ہرگز ایسا نہ کرسکیں گے۔

اگر تم کر سکتے ہو کہ یقین کے ساتھ صبر و عمل کرو تو ایسا ضرور کرلو، اگر اس پر قدرت نہیں تو صبر کرو، کیوں کہ اپنی خلافِ طبع چیزوں پر صبر کرنے میں بڑی خیر و برکت ہے اور خوب سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ کی مدد، صبر کے ساتھ ہے اور مصیبت کے ساتھ راحت اور تنگی کے ساتھ فراخی ہے۔[1]

افسوس یہ ہے کہ قرآن کے اس واضح اعلان اور رسولِ کریم ﷺ کی عمر بھر کی تعلیمات کے باوجود یہ اُمت پھر اس معاملہ میں بھٹکنے لگی، سارے خدائی اختیارات مخلوقات کو بانٹ دیئے، براہِ راست کسی مخلوق کو حاجت روائی کے لئے پکارنا، ...... اس سے اپنی حاجتیں مانگنا، ...... اس قرآنی حکم کی کھلی بغاوت ہے، اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو صراطِ مستقیم پر قائم رکھے۔ آمین[2]

---

[1] ترمذی، ابواب صفة القيمة: ۷۸/۲

[2] معارف القرآن: ۲۹٤/۳، الانعام: ۱۷

''الحکم جل جلالہ'' کا فیصلہ سارے فیصلوں پر غالب ہے

واقعہ نمبر ۵۸: احمد بن طولون رحمہ اللہ تعالیٰ معتز باللہ کے زمانے میں مصر کے حاکم تھے، اس سے پہلے وہ معروف ترکی بادشاہ طولون رحمہ اللہ تعالیٰ کے پاس رہتے تھے اور طولون رحمہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنا بیٹا بنا لیا تھا۔ اسی دوران یہ واقعہ پیش آیا کہ طولون رحمہ اللہ تعالیٰ نے انہیں کسی کام سے ''دارالامارۃ'' بھیجا وہاں انہوں نے بادشاہ کی ایک کنیز کو محل کے کسی خادم کے ساتھ بے حیائی میں مبتلا پایا۔ احمد بن طولون رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے کام سے فارغ ہو کر بادشاہ کے پاس واپس پہنچے، لیکن اس قصے کا بادشاہ سے کوئی ذکر نہیں کیا۔

ادھر کنیز کو یہ یقین ہو گیا کہ ابن طولون رحمہ اللہ تعالیٰ بادشاہ سے ضرور میری شکایت کر دیں گے، اس لئے اس نے یہ حرکت کی کہ طولون کے پاس جا کر احمد کی شکایت کر دی کہ وہ ابھی میرے پاس آئے تھے اور مجھے بے حیائی پر آمادہ کرنا چاہتے تھے۔ کنیز نے شکایت اس انداز سے کی کہ بادشاہ اس سے بہت متاثر ہوا اور اس نے فوراً احمد کو بلوایا اور کنیز کی شکایت کا زبانی طور سے تو کچھ ذکر نہیں کیا البتہ ایک مہر شدہ خط ان کے حوالے کر دیا اور حکم دیا کہ یہ خط فلاں امیر کے پاس پہنچا دو۔ خط میں یہ لکھا تھا کہ ''جو شخص یہ خط تمہارے پاس لا رہا ہے اسے فوراً گرفتار کر کے قتل کر دو اور اس کا سر میرے پاس بھیج دو۔''

احمد کو ادنیٰ وہم بھی نہ تھا کہ ان کے خلاف سازش ہو چکی ہے۔ وہ خط لے کر روانہ ہوئے، راستے میں اسی کنیز سے ملاقات ہو گئی۔ کنیز یہ چاہتی تھی کہ بادشاہ احمد کو مجھ سے باتیں کرتے ہوئے دیکھ لے، تاکہ اسے یقین ہو جائے کہ میری شکایت درست تھی، چناں چہ اس نے احمد کو باتوں میں الجھانے کی کوشش کی اور کہا کہ مجھے ایک ضروری خط لکھوانا ہے، آپ خط لکھ دیجئے اور آپ بادشاہ کا جو مکتوب لے کر جا رہے ہیں وہ میں دوسرے خادم کے ذریعے بھجوا دیتی ہوں، چناں چہ اس نے بادشاہ کا مکتوب اسی خادم کے حوالے کر دیا جس کے ساتھ وہ مبتلا ہوئی تھی۔ وہ خادم خط لے کر اسی امیر کے پاس پہنچا امیر نے خط پڑھتے ہی اسے قتل کرا دیا اور اس کا سر طولون کے پاس بھیج دیا۔ بادشاہ وہ سر دیکھ کر حیران رہ گیا اور احمد کو بلوایا۔ احمد نے سارا ماجرا سنا دیا اور کنیز نے بھی اپنے جرم کا اعتراف کر لیا، اس دن کے بعد سے بادشاہ کی نظر میں احمد کی وقعت دو چند ہو گئی اور اس نے وصیت کی کہ میرے بعد ان کو بادشاہ بنایا جائے۔[1]

ابن حصار رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''اللہ ربّ العزت کی یہ صفت ''الحکم'' تمام اعلیٰ صفات اور اسمائے حسنیٰ کے معانی کے لئے جامع و شامل ہے۔ ''الحکم جل جلالہ'' (یعنی فیصلہ کرنے والا) صرف اور صرف وہی ہوتا ہے جو خوب سننے والا، خوب دیکھنے والا اور خوب جاننے والا اور باخبر ہو اور جس میں یہ صفات نہیں ہیں وہ ''الحکم'' نہیں ہے۔

---

[1] البدایة والنهایة: ۳۷/۱۱

اللہ ربُّ العزت کی ذات فیصلہ کرنے والی ہے اپنے بندوں کے درمیان، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، چاہے وہ ظاہری حالات ہوں، یا پوشیدہ حالات ہوں، اللہ ربُّ العزت ''الحکم جل جلالہ'' ہے، اس چیز میں بھی جو اس کی شریعت میں سے ہے اور اس میں بھی جس کا اس نے اپنی مخلوق پر فیصلہ فرما دیا ہے، چاہے وہ قول کے اعتبار سے ہو یا فعل کے اعتبار سے ہو اور یہ بات اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور ذات میں نہیں ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے (جس کا ترجمہ یہ ہے) دنیا اور آخرت میں اسی کی تعریف ہے اور اسی کے ہاتھ میں حکم ہے اور اسی کے پاس پھیرے جاؤ گے۔'' [1]

امام شنقیطی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

''چوں کہ ہر چیز کا فیصلہ اللہ ربُّ العزت کے قبضہ اختیار میں ہے، اس سے آپ یہ بات بخوبی سمجھ سکتے ہیں کہ بے شک حلال چیز وہی ہے جسے اللہ ربُّ العزت نے حلال قرار دے دیا ہے اور جو چیز اللہ تعالیٰ نے حرام فرما دی ہے درحقیقت وہی حرام ہے، اور حقیقی دین وہی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے مقرر فرمایا ہے، اس کے علاوہ تمام ادیان باطل ہیں۔''

اس کے بعد امام شنقیطی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: حق سبحانہ وتعالیٰ ہی کی ذات اپنی صفاتِ عظیمہ کی وجہ سے اس بات کی مستحق ہے کہ ہر چیز میں اسی کا فیصلہ اٹل ہو، کیوں کہ کوئی بشر ایسا نہیں جس میں ایسی صفات موجود ہوں جو اس کے خالق کی صفات کے مثل ہوں، حتیٰ کہ وہ اپنے رب کے ساتھ صفتِ حکم میں شریک ہو جائے۔ جب بات ایسی ہی ہے تو ثابت ہوا کہ اللہ ربُّ العزت کی صفتِ حکم میں کوئی غیر شریک نہیں ہو سکتا، اللہ ربُّ العزت اس بات سے بہت بلند ہیں کہ کوئی غیر ان کے ساتھ ان کی صفات میں شریک ہو سکے۔'' [2]

صاحب ''النہج الاسمیٰ'' فرماتے ہیں: اللہ سبحانہ وتعالیٰ فیصلہ فرماتے ہیں جس طرح چاہیں اور جو چاہے وہ فیصلہ فرماتے ہیں وہ فیصلہ فرمانے میں اکیلے ہیں کوئی ان کا شریک نہیں۔

---

[1] وَقَدْ تَضَمَّنَ هٰذَا الإِسْمُ. يَعْنِيْ (الْحَكَمُ). جَمِيْعَ الصِّفَاتِ الْعُلٰى وَالْأَسْمَاءِ الْحُسْنٰى، إِذْ لَايَكُوْنُ حَكَمًا إِلَّا سَمِيْعًا بَصِيْرًا عَالِمًا خَبِيْرًا إِلٰى غَيْرِ ذٰلِكَ، فَهُوَ سُبْحَانَهُ الْحَكَمُ بَيْنَ الْعِبَادِ فِي الدُّنْيَا وَالْأٰخِرَةِ فِي الظَّاهِرِ وَالْبَاطِنِ، وَفِيْمَا شَرَعَ مِنْ شَرْعِهٖ، وَحَكَمَ مِنْ حُكْمِهٖ وَقَضَايَاهُ عَلٰى خَلْقِهٖ قَوْلًا وَفِعْلًا، وَلَيْسَ ذٰلِكَ لِغَيْرِ اللّٰهِ تَعَالٰى، وَلِذٰلِكَ قَالَ وَقَوْلُهُ الْحَقُّ: ﴿لَهُ الْحَمْدُ فِي الْأُوْلٰى وَالْأٰخِرَةِ وَلَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ﴾ (النہج الاسمیٰ: ۲۴۶/۱) (القصص: ۷۰)

[2] "وَبِذٰلِكَ تَعْلَمُ أَنَّ الْحَلَالَ هُوَ مَا أَحَلَّهُ اللّٰهُ، وَالْحَرَامَ هُوَ مَا حَرَّمَهُ اللّٰهُ وَالدِّيْنَ هُوَ مَا شَرَعَهُ اللّٰهُ، فَكُلُّ تَشْرِيْعٍ مِنْ غَيْرِهٖ بَاطِلٌ، "ثُمَّ بَيَّنَ رَحِمَهُ اللّٰهُ أَنَّ اللّٰهَ سُبْحَانَهُ بِصِفَاتِهِ الْعَظِيْمَةِ يَسْتَحِقُّ أَنْ يَكُوْنَ لَهُ الْحُكْمُ، فَهَلْ يُوْجَدُ فِي الْبَشَرِ مَنْ لَهُ مِثْلُ صِفَاتِ خَالِقِهٖ لِيُشَارِكَ رَبَّهُ فِي الْحُكْمِ، تَعَالَى اللّٰهُ عَنْ ذٰلِكَ عُلُوًّا كَبِيْرًا" (النہج الاسمیٰ: ۲۴۷/۱)

''اور اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں کسی چیز کے حلال کرنے کا ارادہ فرماتے ہیں تو حلال کا فیصلہ فرما دیتے ہیں، اور کسی چیز کے حرام کرنے کا ارادہ فرماتے ہیں تو حرام کا فیصلہ فرما دیتے ہیں، اور جس چیز کے واجب کرنے کا ارادہ فرما لیتے ہیں تو اس کو واجب فرما دیتے ہیں اور اس کے علاوہ دوسرے احکامات و قضایا میں بھی حکم جاری فرماتے ہیں، ان تمام چیزوں میں اللہ ربُّ العزت کی حکمتِ بالغہ کارفرما ہے۔''[1]

''وَلَيْسَ لِأَحَدٍ أَنْ يُّرَاجِعَ اللّٰهَ فِيْ حُكْمِهٖ، كَمَا يُرَاجِعُ النَّاسُ بَعْضُهُمُ الْبَعْضَ فِيْ أَحْكَامِهِمْ، قَالَ تَعَالٰى: ﴿وَاللّٰهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ ۚ وَهُوَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ﴾[2]

فَحُكْمُهٗ فِي الْخَلْقِ نَافِذٌ، لَيْسَ لِأَحَدٍ أَنْ يَّرُدَّهٗ أَوْيُبْطِلَهٗ.''[3]

تَرجَمَہ: ''اور کسی کو یہ اختیار نہیں کہ وہ اللہ ربُّ العزت کے کسی فیصلے میں پس و پیش کرے جیسا کہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کے فیصلوں میں پس و پیش کرتے ہیں۔''

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے جس کا ترجمہ یہ ہے: ''اور اللہ حکم کرتا ہے کوئی اس کے احکام پیچھے ڈالنے والا نہیں۔ وہ جلد حساب لینے والا ہے۔''

''پس اس کا حکم اس کی مخلوق پر نافذ ہو کر رہتا ہے اور کوئی اس کو رد یا ختم نہیں کر سکتا۔''

یعنی اُس کا تکوینی حکم اور فیصلہ اٹل ہے، جب وقت آجائے تو کس کی طاقت ہے کہ ایک منٹ کے لئے ملتوی کر کے پیچھے ڈال دے۔[4]

جس اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات کو پیدا کیا پھر کمالِ حکمت سے ان میں باہم فرقِ مراتب رکھا ہر نوع میں اس کی استعداد کے موافق جدا جدا فطری خواص و قویٰ ودیعت کئے۔ زندگی اور موت کی مختلف صورتیں تجویز کیں بلاشبہ اسی ''الحَکَمُ جل جلالہ'' کو اپنی مخلوقات میں یہ حق حاصل ہے کہ اپنے اختیار، علم محیط اور حکمتِ بالغہ کے تقاضے سے جس چیز کو، جس کسی کے لئے، جن حالات میں چاہے، حلال یا حرام کر دے ﴿لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْـَٔلُوْنَ﴾[5]

''اس سے اس کے کئے کے بارے میں سوال نہیں کیا جا سکتا اور تمام مخلوقات سے اُن کے افعال کے بارے میں پوچھا جائے گا۔''

اسم مبارک ''الحَکَمُ'' قرآن کریم میں ایک مرتبہ آیا ہے:

﴿اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا﴾[6]

---

[1] اَللّٰهُ سُبْحَانَهٗ يَحْكُمُ مَايُرِيْدُ وَمَا يَشَآءُ هُوَ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ فَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ يَقْضِيْ فِيْ خَلْقِهٖ مَايَشَاءُ مِنْ تَحْلِيْلِ مَا أَرَادَ تَحْلِيْلَهٗ وَتَحْرِيْمِ مَا أَرَادَ تَحْرِيْمَهٗ، وَ إِيْجَابِ مَا شَآءَ إِيْجَابَهٗ عَلَيْهِمْ، وَغَيْرِ ذٰلِكَ مِنْ أَحْكَامِهٖ وَقَضَايَاهُ، وَلَهُ الْحِكْمَةُ الْبَالِغَةُ فِيْ ذٰلِكَ كُلِّهٖ. (النهج الاسمٰى: ۱/۲۵۰)

[2] الرعد: ۴۱

[3] النهج الاسمٰى: ۱/۲۵۱

[4] تفسیر عثمانی: ۳۳۷

[5] الانبیاء: ۲۳

[6] الانعام: ۱۱۴

الحَکَمُ کو کنیت بنانا جائز نہیں

واقعہ نمبر ۵۹: ’’حضرت ھانی بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنی قوم کے ساتھ آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اطلاع ملی کہ انہوں نے اپنی کنیت ’’أبُوالْحَکَم‘‘ رکھی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بلایا اور فرمایا: حکم والی ذات صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور اس کے لئے، فیصلہ کرنا ہے۔ پس تم نے اپنی کنیت ’’أبُوالْحَکَمُ‘‘ کیوں رکھی؟

تو انہوں نے کہا: جب میری قوم کا کسی چیز پر اختلاف ہو جاتا ہے تو فیصلے کے لئے وہ میرے پاس آتے ہیں اور دونوں فریقین میرے فیصلے پر راضی ہو جاتے ہیں، اس لئے میری کنیت ’’أبُوالْحَکَمُ‘‘ رکھ دی گئی۔‘‘

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کتنی اچھی بات ہے، کیا تمہارا کوئی بیٹا ہے؟

تو اس نے کہا: میرے تین بیٹے ہیں: شریح، مسلم اور عبداللہ۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ان میں سے بڑا کون ہے؟ عرض کیا: شریح، فرمایا: تم ابوشریح ہو، یعنی اپنی کنیت ابوشریح رکھ لو۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے صحابی کی کنیت کا تبدیل کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس اسم کو کنیت بنانا مکروہ ہے۔[1]

’’الحَکَمُ جل جلالہ‘‘ کے فیصلے پر راضی ہو جانا

اللہ ربُّ العزت حکم ہیں وہ جو بھی فیصلہ کریں، اس میں ہمارے لئے خیر ہے، کیوں کہ وہ حکم کے ساتھ ساتھ لطیف وخبیر بھی ہیں، یعنی ہمارے اوپر مہربان بھی ہیں اور اس فیصلے کے انجام سے باخبر بھی ہیں۔

شیخ دکتور ناصر بن مسفر الزھرانی فرماتے ہیں: بندہ کا اپنے رب سے راضی ہونے کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے جس چیز کا فیصلہ کردیا ہو اس پر راضی ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کا اپنے بندہ سے راضی ہونے کے معنی یہ ہیں کہ وہ اپنے بندہ کو ہر وقت اپنی فرماں برداری میں دیکھے، اور اُسے حرام کردہ امور سے بچتے ہوئے دیکھے۔

بڑی سے بڑی رضامندی جو کسی بندے کو حاصل ہو وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی رضامندی ہے۔ اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ’’رضوان‘‘ کا لفظ استعمال کیا، جس کے معنی ’’بہت بڑی رضا‘‘ کے ہیں۔

﴿ يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ﴾[2]

مؤمن کا طریقہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل کرنے کا یہ ہونا چاہئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکموں کو پورا کرے اور اس کے منع کردہ کاموں سے بچے، اور ایمان والوں کے لئے ضروری ہے کہ اس فعل پر راضی ہوں جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا اور اس چیز کے چھوڑنے پر راضی ہوں جس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔ اور مؤمن کا راضی ہونا اللہ تعالیٰ سے یہی ہے

---

[1] ابوداؤد، باب تغییر الاسم القبیح: ۳۲۱/۲ [2] الفتح: ۲۹

کہ اللہ تعالیٰ نے جو فیصلہ کیا ہو اس پر راضی ہو جائے، چاہے اس پر فقر کے حالات آئیں یا کوئی بیماری اور مصیبت آئے اور بندے کا اس طرح کے معاملات پر راضی ہونا مستحب ہے اور حالات پر صبر کرنا ضروری ہے، جیسا کہ حضرت عمر بن خطاب رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے حضرت ابو موسیٰ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو اس خط کے ذریعے سے پیغام بھجوایا کہ:

أَمَّا بَعْدُ! تمام خیر حاصل کرنے کی جڑ اللہ تعالیٰ سے ہر حال میں راضی ہونا ہے اور اگر تجھ میں اتنی طاقت نہ ہو تو صبر و تحمل سے کام لے۔

اللہ تعالیٰ سے راضی ہونا محبت کو پیدا کرتا ہے اور اس سے بندہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرتا ہے، دل کی صفائی کی علامت ہے، اسی طرح یقین کامل کی طاقت اور صحیح معنی میں تقویٰ کی نشانی ہے۔[1]

چناں چہ دکتور ناصر آگے فرماتے ہیں: غم اور رنج کے اسباب میں سے یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکامات سے روگردانی کرنا اور دنیا کے اسباب کی طرف متوجہ رہنا، جب ان میں سے کوئی چیز نہ ہوگی تو ان چیزوں کے نہ ہونے کی وجہ سے اس کمی پر رنج و تکلیف آجاتی ہے۔

پس وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ کی معرفت مل گئی تو وہ بڑے مزے کی زندگی میں ہے۔ اس لئے کہ اسے رِضَا بِالْقَضَا کی دولت حاصل ہے، چناں چہ جو اس کے مقدر میں لکھا گیا ہے وہ اسی پر اکتفا کرتا ہے۔

اگر وہ دعا کرے اور دعا قبول نہ ہو تو اس کے دل میں اعتراض پیدا نہ ہو۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو مملوک بنایا ہے اور اس کا مقصد صرف خالق کی بندگی ہی ہے۔ پس اسی صفت کی وجہ سے مال کا آنا جانا اور مخلوق کی طرف سے دکھ سکھ کا آنا اور خواہشات کے مزے اس پر اثر انداز نہیں ہوتے ہیں۔

تو دیکھے گا کہ وہ شخص خلوت میں بھی اپنے رب کے سامنے بڑا باادب ہے، اپنے رب سے مناجات کرنے سے بڑی اُنسیت رکھتا ہے اور لوگوں کے ملنے جلنے سے پریشان ہوتا ہے، اور جتنا مال و رزق ہے اسی پر قناعت کرتا ہے۔

اس کا اپنے رب سے معاملہ اس محبوب جیسا ہے کہ جب وہ اس کے ساتھ خلوت اختیار کرتا ہے تو وہی اس کا مطلوب

---

[1] إِنَّ رِضَا الْعَبْدِ عَنِ اللّٰهِ بِمَعْنٰى أَنْ لَّا يَكْرَهَ مَا يَجْرِيْ بِهٖ قَضَاؤُهٗ، وَرِضَا اللّٰهِ عَنِ الْعَبْدِ هُوَ أَنْ يَّرَاهُ مُؤْتَمِراً بِأَمْرِهٖ وَمُنْتَهِيًا عَنْ نَهْيِهٖ. وَلَمَّا كَانَ أَعْظَمُ الرِّضَا هُوَ رِضَا اللّٰهِ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى، وَرَدَ فِي الْقُرْاٰنِ الْكَرِيْمِ بِصِيْغَةِ (الرِّضْوَانِ) وَهُوَ الرِّضَا الْكَثِيْرُ، قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا﴾ (الفتح:٢٩) إِنَّ طَرِيْقَ الْمُؤْمِنِ لِنَيْلِ رِضَا اللّٰهِ تَعَالٰى عَنْهُ هُوَ أَنْ يَّمْتَثِلَ أَوَامِرَهٗ وَ يَجْتَنِبَ نَوَاهِيَهٗ، يَجِبُ عَلَى الْمُؤْمِنِ أَنْ يَّرْضَا بِفِعْلِ مَا أُمِرَ بِهٖ وَأَنْ يَّرْضَا بِتَرْكِ مَا نُهِيَ عَنْهُ. وَمِنْ رِضَا الْمُؤْمِنِ عَنْ رَّبِّهٖ أَنْ يَّرْضَا بِمَا قَدَّرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَمَا ابْتَلَاهُ بِهٖ مِنْ فَقْرٍ أَوْ مَرَضٍ أَوْ غَيْرِ ذٰلِكَ، وَالرِّضَا بِهٰذَا مُسْتَحَبٌّ مِّنَ الْعَبْدِ عَلَى الْقَوْلِ الرَّاجِحِ، أَمَّا الْوَاجِبُ فَهُوَ الصَّبْرُ. كَتَبَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ إِلٰى أَبِيْ مُوْسٰى رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا. قَائِلاً: "أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّ الْخَيْرَ كُلَّهٗ فِي الرِّضَا فَإِنِ اسْتَطَعْتَ أَنْ تَرْضَ وَ إِلَّا فَاصْبِرْ" إِنَّ الرِّضَا عَنِ اللّٰهِ تَعَالٰى يُثْمِرُ الْمَحَبَّةَ وَيُقَرِّبُ الْعَبْدَ مِن رَّبِّهٖ، وَهُوَ دَلِيْلٌ عَلٰى نَقَاءِ الْقَلْبِ، وَقُوَّةِ الْيَقِيْنِ، وَعَمِيْقِ التَّقْوٰى. (اللّٰه.......... اهل الثناء والمجد: ٢٤٧

مقصود ہوتا ہے۔

تو جس کو یہ نعمت نہ دی گئی ہو وہ زندگی میں کمی کے احساس میں رہتا ہے، اس لئے کہ وہ اس چیز کو حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے جو اس کے مقدر میں نہیں ہے، اور ساری زندگی تمناؤں میں رہتا ہے، حالاں کہ دین پر نہ چلنے کی وجہ سے آخرت کی نعمتوں سے ویسے بھی یہ محروم ہے۔[1]

فوائد و نصائح

1. بندہ جب یہ یقین بناتا ہے کہ تمام فیصلے کرنے والا "الحکم جل جلالہ" ہی ہے تو اللہ تعالیٰ کے فیصلوں کو بہت ہی اطمینان وسکون سے قبول کرتا ہے اور ہر قسم کے حالات کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھتا ہے۔
2. اللہ ربُّ العزت نے جنہیں ہم پر حاکم بنایا ہے ہمیں ان کا حکم ماننا چاہئے، بشرطیکہ ان کا حکم خلاف حکم الٰہی نہ ہو اور ان کی تعظیم کرنی چاہئے، ہمیں چاہئے کہ حکام کا احترام کریں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول وعمل سے ہمیں بتلایا ہے کہ قوم کے سردار کی تعظیم کی جائے، چناں چہ جو سردارانِ قبائل حاضر خدمت ہوتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کا احترام کرتے تھے اس لئے بڑوں کی عزت کا حکم ہے خواہ وہ عمر میں بڑے ہوں یا علم میں یا مرتبے میں۔

بلاوجہ کسی بھی چھوٹے بڑے حاکم کی توہین کرنا گناہ ہے۔ دوسروں کی عزت کریں، تاکہ یہ لوگ آپ کی عزت کریں۔[2]

"الحکم جل جلالہ" کے فیصلے پر راضی رہنے کے لئے دو دعائیں مانگتے ہیں

1. "اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ الصِّحَّةَ وَالْعِفَّةَ وَالْاَمَانَةَ وَحُسْنَ الْخُلُقِ وَالرِّضَا بِالْقَدْرِ"[3]

ترجمہ: "اے اللہ! میں تجھ سے تندرستی، پاک دامنی، امانت داری، اچھے اخلاق اور قضا وقدر پر راضی رہنے کا طلب گار ہوں۔"

---

[1] وَسَبَبُ الْهُمُوْمِ وَالْغُمُوْمِ: اَلْإِعْرَاضُ عَنِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ، وَالْإِقْبَالُ عَلَى الدُّنْيَا. وَكُلَّمَا فَاتَ مِنْهَا شَيْءٌ وَقَعَ الْغَمُّ لِفَوَاتِهٖ، فَأَمَّامَنْ رُزِقَ مَعْرِفَةَ اللّٰهِ تَعَالٰى اِسْتَرَاحَ، لِأَنَّهٗ يَسْتَغْنِيْ بِالرِّضَا بِالْقَضَاءِ، فَمَهْمَا قُدِّرَلَهٗ رَضِيَ.

وَ إِنْ دَعَا فَلَمْ يَرَ أَثَرَ الإِجَابَةِ لَمْ يَدْخُلْ فِيْ قَلْبِهٖ إِعْتِرَاضٌ، لِأَنَّهٗ مَمْلُوْكٌ مُدَبَّرٌ فَتَكُوْنُ هِمَّتُهٗ فِيْ خِدْمَةِ الْخَالِقِ، وَمِنْ هٰذِهٖ صِفَتُهٗ لَا يُؤْثِرُ جَمْعَ مَالٍ، وَلَا مُخَالَطَةَ الْخَلْقِ، وَلَاالْإِلْتِذَاذَ بِالشَّهَوَاتِ. فَتَرَاهُ مُتَأَدِّباً فِي الْخَلْوَةِ بِهٖ، مُسْتَأْنِسًا بِمُنَاجَاتِهٖ، مُسْتَوْحِشاً مِنْ مُخَالَطَةِ خَلْقِهٖ، رَاضِيًا بِمَايُقَدِّرُ لَهٗ، فَعَيْشُهٗ مَعَهٗ كَعَيْشِ مُحِبٍّ قَدْ خَلَا بِحَبِيْبِهٖ، لَا يُرِيْدُ سِوَاهُ، وَلَايَهْتَمُّ بِغَيْرِهٖ.

فَأَمَّا مَنْ لَمْ يُرْزَقْ هٰذِهِ الْأَشْيَاءُ، فَإِنَّهٗ لَايَزَالُ فِيْ تَنْغِيْصٍ مُتَكَدِّرِ الْعَيْشِ لِأَنَّ الَّذِيْ يَطْلُبُهٗ مِنَ الدُّنْيَا لَا يَقْدِرُ عَلَيْهِ، فَيَبْقٰى أَبَداً فِي الْحَسَرَاتِ، مَعَ مَا يَفُوْتُهٗ مِنَ الْآخِرَةِ بِسُوْءِ الْمُعَامَلَةِ. (اللّٰه ...... اهل الثناء والمجد: ۲۰۹)

[2] شرح اسماء حسنیٰ: ۱۲۱ (للأزهری)　[3] المعجم الكبير للطبرانی: ۱/۱۰۰

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب تم میں سے کسی پر روزی کے معاملے میں تنگی ہو تو اسے گھر سے نکلتے ہوئے یہ دعاء پڑھنی چاہئے۔"

❷ "بِسْمِ اللّٰہِ عَلٰی نَفْسِیْ وَمَالِیْ وَدِیْنِیْ.... اَللّٰھُمَّ رَضِّنِیْ بِقَضَائِكَ وَبَارِكْ لِیْ فِیْمَا قُدِّرَ لِیْ حَتّٰی لَآ اُحِبَّ تَعْجِیْلَ مَا اَخَّرْتَ وَلَا تَاْخِیْرَ مَا عَجَّلْتَ"[1]

تَرجَمَہ: "اے اللہ! اپنے فیصلے پر مجھ کو راضی کر دے اور جو میرے لئے مقدر ہو چکا ہے اسی میں مجھے برکت عطا فرما، تاکہ جو چیز تو نے مؤخر فرمادی ہے اس کی جلدی نہ کروں اور جس چیز کو تو نے (فی الحال) مقدم کر دیا ہے اس کی تاخیر کی تمنا نہ کروں۔"

---

[1] عمل الیوم واللیلۃ (لابن السنی) باب مایقول إذا عسرت علیہ معیشتہ": ۱۲۵

اَلْعَدْلُ جَلَّ جَلَالُہٗ

(سراپا عدل وانصاف)

اس اسم مبارک کے تحت ایک تعریف ذکر کی جاتی ہے:

''اَلْعَدْلُ'' کے اصلی اور لغوی معنی برابر کرنے کے ہیں، اسی کی مناسبت سے حکام کا لوگوں کے نزاعی مقدمات میں انصاف کے ساتھ فیصلہ عدل کہلاتا ہے۔ قرآن کریم میں ﴿ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ﴾[1] اسی معنی کے لئے آیا ہے اور اسی لحاظ سے لفظ ''عدل'' افراط وتفریط کے درمیان اعتدال کو بھی کہا جاتا ہے، اور اسی کی مناسبت سے بعض ائمہ تفسیر رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی نے اس جگہ لفظ ''عدل'' کی تفسیر ظاہر و باطن کی برابری سے کی ہے، یعنی جو قول یا فعل انسان کے ظاہری اعضاء سے سرزد ہو باطن میں بھی اس کا وہی اعتقاد اور حال ہو۔ اصل حقیقت یہی ہے کہ لفظِ عدل اپنے عام معنی میں ہے جو ان سب صورتوں کو شامل ہے، جو مختلف ائمہ تفسیر رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی سے منقول ہیں، ان میں کوئی تضاد یا اختلاف نہیں۔[2]

''اَلْعَدْلُ'' کا مطلب ہے کسی شخص کے ساتھ بغیر افراط وتفریط کے وہ معاملہ کرنا جس کا وہ واقعی مستحق ہے، عدل و انصاف کا ترازو ایسا صحیح اور برابر ہونی چاہئے کہ گہری سے گہری محبت اور شدید سے شدید عداوت بھی اُس کے دونوں پلّوں میں سے کسی پلہ کو جھکا نہ سکے۔ جو چیزیں شرعاً مہلک یا کسی درجے میں مضر ہیں اُن سے اپنا بچاؤ کرتے رہنے سے جو ایک خاص نورانی کیفیت آدمی کے دل میں راسخ ہو جاتی ہے، اس کا نام ''تقویٰ'' ہے۔ ''عدل وقسط'' یعنی دوست و دشمن کے ساتھ یکساں انصاف کرنا اور حق کے معاملے میں جذباتِ محبت وعداوت سے قطعاً مغلوب نہ ہونا، یہ خصلت حصولِ تقویٰ کے مؤثر ترین اور قریب ترین اسباب میں سے ہے۔

یعنی ایسا عدل وانصاف جس کو کسی کی دوستی یا دشمنی نہ روک سکے، اور جس کے اختیار کرنے سے آدمی کو پرہیزگار بننا آسان ہو جاتا ہے، اس کے حصول کا واحد ذریعہ اللہ تعالیٰ کا ڈر اور اُس کی شانِ جزا کا خوف ہے اور یہ خوف ﴿ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴾[3] (بے شک اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو اس سے باخبر ہے) کے مضمون کا بار بار مراقبہ کرنے سے پیدا ہوتا ہے۔

---

[1] النسآء: ۵۸ [2] معارف القرآن: ۳۸۹/۵، النسآء: ۵۸ [3] المائدہ: ۸

جب کسی مؤمن کے دل میں یہ یقین بیٹھ جائے گا کہ ہماری کوئی چھپی یا کھلی حرکت حق تعالیٰ سے پوشیدہ نہیں تو اس کا قلب خشیتِ الٰہی سے لرزنے لگے گا جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ تمام معاملات میں عدل وانصاف کا راستہ اختیار کرے گا۔[1]

انصاف کرنے کے لئے دو باتیں ضروری ہیں: (۱) زبردست ہونا کہ کوئی اُس کے فیصلے سے سرتابی نہ کر سکے، اور (۲) حکیم ہونا کہ حکمت و دانائی سے پوری طرح جانچ تول کر ٹھیک ٹھیک فیصلہ کرے، کوئی حکم بے موقع نہ دے چوں کہ حق تعالیٰ عزیز بھی ہیں اور حکیم بھی ہیں۔[2]

اس ''العدل جل جلالہ'' نے بڑا زبردست نظامِ عدل قائم کیا ہے، کچھ کو یہاں سزا مل جاتی ہے، کچھ کو وہاں۔ مجرم کو قید، کوڑے، ہاتھ کاٹنے، سنگسار کرنے یا سولی پر لٹکانے کی سزا دیتے ہیں۔ اس لئے کہ یہ سب کچھ اس ''العدل جل جلالہ'' کے عدل وانصاف کے تحت ہی ہوتا ہے۔

کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی لاٹھی بے آواز ہے۔ اکثر و بیشتر ظالموں کو وہ ایسی سزائیں دیتا ہے کہ مخلوق اگرچہ ان سزاؤں کا احساس نہیں کرتی، مگر وہ خود تو اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ ہمیں ہمارے کیئے کی سزا مل رہی ہے اور ہم ''العدل جل جلالہ'' کی گرفت میں آگئے، کیوں کہ ان کے ضمیر میں ایک ایسی خلش ہر وقت رہتی ہے جو کسی طرح ان کا ساتھ نہیں چھوڑتی، وہ طرح طرح سے دل بہلاتے ہیں، مگر دل کسی طرح نہیں بہلتا، یہ بھی ایک قسم کا عذابِ الٰہی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کے مختلف اعضاء مثلاً: ہاتھ، پاؤں، آنکھیں، ناک اور کان پیدا کئے ہیں، تو وہ ان اعضاء کے پیدا کرنے میں تو جوّاد (سخی) ہے اور ان کو خاص مقامات پر رکھنے میں ''العدل'' ہے، مثلاً: آنکھ کو ایسے مقام پر رکھا ہے جو اس کے لئے بدن میں تمام مقامات کی بہ نسبت زیادہ مناسب ہے، کیوں کہ اگر اُس کو گدی، یا پاؤں پر، یا ہاتھ، یا کھوپڑی پر بنایا ہوتا تو جس قدر اس کے نقصان کا اندیشہ تھا وہ مخفی نہیں اور اسی طرح اُس نے ہاتھوں کو کندھوں سے معلق کیا ہے۔

اگر ان کو سر کے ساتھ یا کوکھوں میں یا گھٹنوں پر لگا دیتا تو اس سے جو خلل آتا وہ محتاجِ دلیل نہیں۔ اسی طرح اس نے تمام حواس سر میں جمع کیے ہیں، کیوں کہ وہ جاسوس ہیں۔ ان کا تمام بدن سے بلند مقام پر ہونا ضروری تھا۔ اگر ان کو پاؤں پر رکھا ہوتا تو قطعاً ان کا نظام خلل پذیر ہو جاتا۔ اس امر کی تفصیل ہر عضو کے متعلق کی جائے تو یہ بیان بہت لمبا ہو جائے گا، بالا جمال اتنا سمجھ لینا چاہئے کہ اُس نے جو چیز جس مقام پر پیدا کی ہے وہ اُسی جگہ کے لئے مناسب ہے۔ اگر اس جگہ سے دائیں یا بائیں، اوپر یا نیچے بنائی جاتی تو ناقص ...... یا باطل ...... یا خراب ...... یا بدنما ...... اور یا غیر متناسب ہوتی۔ ناک کو چہرے کے وسط میں پیدا کیا ہے۔ اگر اس کو ماتھے میں یا ایک رخسار میں بنایا ہوتا تو اُس کے موجودہ فوائد میں ضرور کمی آجاتی، یہ ساری باتیں ظاہر کرتی ہیں کہ انسانی جسم ایک جامع اور بے نقص بناوٹ اور تیزی کے ساتھ بہ سہولت

---

[1] تفسیر عثمانی: ۱۴۴ [2] تفسیر عثمانی: ٦٦

حرکت کرسکتا ہے۔
ذرا یہ تو تصور کریں کہ اگر ہر شے اس قدر جامع اور بے نقص نہ ہوتی اور پوری ٹانگ میں ایک ہی لمبی سی ہڈی ہوتی تو انسان کے لئے چلنا ایک سنگین مسئلہ بن جاتا۔ ہمارے جسم بڑے بھدے اور سست ہوتے، تمام پھرتی ختم ہوگئی ہوتی۔ بیٹھنا تک مشکل ہو جاتا اور ہر ایسے کام میں ٹانگ پر جب دباؤ پڑتا تو وہ بہت جلد ٹوٹ جاتی۔ تاہم انسانی ڈھانچے کی ساخت اس قسم کی ہے جو جسم کو ہر طرح کی حرکت کی اجازت دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی نے یہ ڈھانچہ تخلیق کیا اور اب بھی اس کے تمام خدوخال تخلیق کر رہا ہے۔
انسان کو اس پر ضرور غور وفکر کر کے اللہ تعالیٰ کی طاقت کی تعریف کرنی چاہئے، جس نے اسے تخلیق کیا ہے اور پھر اس کا شکر بجالانا چاہئے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو وہ بہت بڑے گھاٹے میں رہے گا۔

''الْعَدْلُ جَلَّ جَلَالُهٗ'' کا اعضائے انسانی میں عدل

انسانی جسم کے تمام اعضاء مل جل کر کام کرتے ہیں۔ ہماری روزمرہ کی چھوٹی چھوٹی حرکات وسکنات مثلاً: سانس لینا یا مسکرانا انسانی جسم میں مکمل اتفاق کا نتیجہ ہے۔ اس کا مقصد زندگی کو برقرار رکھنا ہے۔ یہ اتحاد جسم کے خود کار نظام میں خاص طور پر نظر آتی ہے۔ اس لئے کہ چھوٹی سے چھوٹی حرکت کے لئے بھی پنجر کا نظام، پٹھے اور اعصابی نظام پوری طرح باہم مل جل کر کام کرتے ہیں۔ اس مقصد کے لئے انسانی جسم کے اندر خفیہ اطلاعات کا ایک نہایت ترقی یافتہ جال بچھا ہوا ہے۔ یہ اطلاعات آنکھوں، کان کے اندرونی حصے کے توازن کے میکانکی عمل، پٹھوں، جوڑوں اور کھال کے ذریعے حاصل ہوتی ہیں۔ ہر سیکنڈ کے اندر کئی بلین معلومات کی جانچ پڑتال ہوتی ہے، اور نئے فیصلے اس کے مطابق کئے جاتے ہیں۔ اس بارے میں انسان کو خبر ہی نہیں ہوتی۔ وہ تو بس حرکت کرتا، ہنستا، چیختا، دوڑتا، کھاتا اور سوچتا ہے۔
ایک ہلکی سی مسکراہٹ کے لئے سترہ پٹھوں کو بیک وقت مل کر کام کرنا پڑتا ہے۔ ان پٹھوں میں سے ایک بھی اگر شریک نہ ہو یا اس کی شرکت ادھوری ہو تو چہرے کے تاثرات بدل جاتے ہیں۔
چلنے کے قابل ہونے کے لئے پاؤں، ٹانگوں، کولہوں اور پشت کے ۵۴ مختلف پٹھوں کو باہمی تعاون سے کام کرنا ہوتا ہے۔ جب ہاتھ اوپر اٹھایا جاتا ہے تو کندھے کو جھکانا پڑتا ہے۔ بازو کے سامنے اور پیچھے کے پٹھوں کو جنہیں ''تین سروں والے پٹھے'' اور ''دو سروں والے پٹھے'' کہا جاتا ہے سکیڑ کر اور پھر ڈھیلا چھوڑ کر اور کہنی اور کلائی کے درمیانی پٹھوں کو مروڑنا ہوتا ہے۔ اس کام کے ہر حصے میں کئی ملین درآور عصبیے جو پٹھوں میں ہوتے ہیں پٹھوں سے متعلق معلومات کو فوری طور پر مرکزی نظامِ اعصاب تک پہنچاتے ہیں۔ جواباً یہ مرکزی نظام اعصاب پٹھوں کو بتاتا ہے کہ انہیں اگلے قدم پر کیا کرنا ہے۔
یقیناً کوئی بھی اس سارے عمل سے آگاہ نہیں ہوتا۔ وہ تو بس اپنا ہاتھ اوپر اٹھانا چاہتا ہے اور ایسا فوراً کر لیتا ہے۔ اسی طرح جسم کو سیدھا رکھنے کے لئے آپ کو اپنی ٹانگ، پاؤں، کمر، پیٹ، چھاتی اور گردن کے پٹھوں میں موجود کئی بلین درآور

عصبیوں (Receptors) سے بہت سی معلومات حاصل کرنی ہوتی ہے۔ پھر آپ ان کی جانچ پڑتال کرتے ہیں اور ہر سیکنڈ میں اتنے ہی احکامات پٹھوں کو جاری کرنے ہوتے ہیں۔ ہمیں بولنے کے لئے بھی کوئی اضافی کوشش نہیں کرنی پڑتی۔ انسان یہ منصوبہ بندی نہیں کرتا کہ صوتی ڈوریاں (Vocal Cords) کتنی دُور دُور ہونی چاہئیں ان میں ارتعاش کتنی کتنی دیر بعد پیدا ہونا چاہئے، منہ کے اندر سینکڑوں پٹھوں کو کتنی بار اور ان میں سے کن پٹھوں کو زبان اور گلے کو سکیڑا اور پھر ڈھیلا چھوڑا جانا چاہئے۔ نہ ہی وہ یہ حساب لگا سکتا ہے کہ کتنے مکعب سینٹی میٹر ہوا اسے پھیپھڑوں میں پہنچانی ہے اور کتنی سانس کے ذریعے خارج کرنی ہے۔ ہم ایسا چاہیں بھی تو نہیں کر سکتے۔ ہمارے منہ سے ادا ہونے والا ایک لفظ تک بہت سے نظاموں کے اجتماعی کام کا نتیجہ ہوتا ہے، جو نظامِ تنفس سے لے کر نظامِ اعصاب تک اور پٹھوں سے ہڈیوں تک پھیلے ہوئے ہیں۔ اس لئے انسان کو ہمیشہ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اس کی زندگی اس کے خالق یعنی اللہ تعالیٰ کی امانت ہے۔ انسان کا اس میں کوئی کمال نہیں جس پر وہ غرور وتکبر یا سرکشی کا مظاہرہ کر سکے۔ انسان کی صحت، خوب صورتی یا توانائی اس کا اپنا کام نہیں ہے۔ نہ ہی یہ اسے ہمیشہ کے لئے دی گئی ہے۔ اسے ایک روز یقیناً بوڑھا ہو جانا ہے، جب اس کی صحت اور خوب صورتی جاتی رہے گی۔ قرآن حکیم میں اس کا ذکر یوں فرمایا گیا ہے:

﴿وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَزِيْنَتُهَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴾[1]

تَرجَمۂ: ”تم لوگوں کو جو کچھ دیا گیا ہے وہ محض دنیا کی زندگی کا سامان اور اس کی زینت ہے اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ اس سے بہتر اور باقی تر ہے۔ کیا تم لوگ عقل سے کام نہیں لیتے؟“

اگر انسان چاہتا ہے کہ اس میں آخرت میں اس سے کہیں زیادہ بہتر اور اعلیٰ صفات پیدا ہو جائیں تو اسے اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہونا چاہئے جس نے اسے یہ رحمتیں عطا کی ہیں، اور اسے اللہ تعالیٰ کے احکامات کے مطابق اپنی زندگی گزارنی چاہئے۔[2]

عدل کے مختلف معانی

علامہ ابنِ عربی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے فرمایا: لفظ ”عدل“ کے اصلی معنی برابری کرنے کے ہیں، پھر مختلف نسبتوں سے اس کا مفہوم مختلف ہو جاتا ہے۔ مثلاً:

❶ ایک مفہوم عدل کا یہ ہے کہ انسان اپنے نفس اور اپنے رب کے درمیان عدل کرے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ کے حق کو اور اس کی رضا جوئی کو اپنی خواہشات اور جی چاہنے پر مقدم جانے اور اس کے احکام کی فرماں برداری وتعمیل اور اس کی شریعت کے ممنوعات ومحرمات (چھوٹے بڑے تمام گناہ، ماں باپ کی بے ادبی، لوگوں کا دل دکھانا وغیرہ) سے

---

[1] القصص: ۶۰ [2] اللہ کی نشانیاں عقل والوں کے لئے: ۸۶ تا ۸۷

مکمل اجتناب کرے۔

❷ دوسرا مفہوم یہ ہے کہ آدمی خود اپنے نفس کے ساتھ عدل کا معاملہ کرے۔ وہ یہ کہ اپنے نفس کو ایسی تمام چیزوں سے بچائے جس میں اس کی جسمانی یا رُوحانی ہلاکت ہو، اس کی ایسی خواہشات کو پورا نہ کرے، جو اس کے لئے مضر ہوں، اور قناعت وصبر سے کام لے، نفس پر بلا وجہ زیادہ بوجھ نہ ڈالے۔ نیز کوئی غیر ضروری کام اور حقوق اپنے ذمّے نہ لے کہ اس کی وجہ سے اپنے فرائض اور واجبات پر نقص آئے۔

❸ تیسرا مفہوم اپنے نفس اور تمام مخلوقات کے درمیان عدل کرنے کا ہے، اس کی حقیقت یہ ہے کہ تمام مخلوقات کے ساتھ خیر خواہی اور ہمدردی کا معاملہ کرے اور کسی ادنیٰ، اعلیٰ معاملہ میں کسی سے خیانت نہ کرے، سب لوگوں کے لئے اپنے نفس سے انصاف کا مطالبہ کرے، کسی انسان کو اس کے کسی قول وفعل سے ظاہراً یا باطناً کوئی ایذا اور تکلیف نہ پہنچے۔[۱]

ایک تاجر ساری عمر غلط طور پر تجارت کر کے پیسے جمع کرتا رہتا ہے، کسی دن دکان میں آگ لگ جاتی ہے یا چور دکان صاف کر جاتا ہے، یہ شخص خوب سمجھتا ہے کہ ایسا کیوں ہوا اور اکثر لوگ بھی جان جاتے ہیں کہ یہ اس کے اپنے کرتوتوں کا نتیجہ ہے، چور اپنی عادت سے مجبور ہو کر ایسا کر بیٹھتا ہے پولیس اسے پکڑ کر مارتی پیٹتی ہے اور مال برآمد کر لیتی ہے۔ پولیس مسروقہ مال میں سے کچھ کھا جاتی ہے یا اس کے بچے اس مال کو کھا کر بیمار پڑ جاتے ہیں۔ ایسا کس لئے ہوا؟ اس ''اَلْعَدْلُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کے نظامِ عدل کے تحت ہوا۔ لوگ اس بات کو نہیں سمجھتے تو کیا کیا جائے۔ زلزلے......، طوفان......، وبائیں......، بلائیں بڑے بڑے ظالموں سے انتقام لے لیتی ہیں، وہ بستی جہاں ظلم ہو رہا ہو اور لوگ ظالم کو نہ روکیں تو وہ پوری بستی بھی ظالم ہوتی ہے، لہٰذا خود بھی ظلم سے بچیں اور دوسروں کو بھی ظلم سے بچائیں۔

اگر ہم ایک زمین خریدتے ہیں اور اس میں مکان بناتے ہیں تو چوں کہ ہم اس زمین کے مالک ہیں، اس لئے ہمیں پورا پورا اختیار ہوتا ہے کہ ہم اس زمین میں جہاں چاہیں بیت الخلاء اور جہاں چاہیں اپنی صاف ستھری بیٹھک بنائیں، زمین کو کسی طرح یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ یہ کہے کہ یہ تو عدل کے خلاف (ناانصافی) ہے، کیوں کہ ناانصافی وہاں ہوتی ہے جو غیر کی ملکیت میں ہو۔ اللہ تعالیٰ تو ''مَالِکُ الْمُلْکِ'' ہے انہوں نے جیسے چاہا کر دیا۔ انسان کو مالک بنایا اور زمین کو مملوک بنایا ان کی طرف ناانصافی کی نسبت نہیں کی جاسکتی۔[۲]

قرآن کریم میں العدل کی صفت بائیس (۲۲) مرتبہ آئی ہے جس میں سے تین یہ ہیں:

❶ ﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ﴾[۳]

❷ ﴿اِعْدِلُوْا ۫ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى﴾[۴]

❸ ﴿وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ﴾[۵]

---

[۱] معارف القرآن: ۳۸۹/۵، النحل: ۹۰ [۲] شرح اسماء الحسنٰی للأزھری: ۲۵۷ [۳] النحل: ۹۰ [۴] المائدۃ: ۸ [۵] النساء: ۵۸

عادل آدمی اللہ تعالیٰ کا محبوب ترین بندہ ہے

حدیث میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے فرمایا: تم جانتے ہو کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے عرش کے سایہ کے نیچے کون جائے گا؟ انہوں نے جواب دیا: اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ ہی کو اس بات کا زیادہ علم ہے، تو پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: یہ وہ لوگ ہوں گے جن کے سامنے جب حق آجائے تو فوراً قبول کر لیتے ہیں، اور جب ان سے سوال کیا جاتا ہے تو مال کو خرچ کرتے ہیں، اور جب وہ فیصلہ کرتے ہیں، تو ایسا عادلانہ کرتے ہیں جیسا کہ وہ اپنے لئے کرتے۔[1]

اور جو شخص حاکم، ذمہ دار اور سرپرست ہونے کے باوجود اپنے ماتحتوں کے ساتھ عدل و انصاف نہیں کرتا اس کے متعلق آپ ﷺ نے فرمایا جس کا ترجمہ یہ ہے:

(امیر (ذمہ دار) چاہے دس آدمیوں کا ہی کیوں نہ ہو قیامت کے دن اس طرح لایا جائے گا کہ اس کی گردن میں طوق ہوگا، یہاں تک کہ اس کو طوق سے اس کا عدل چھڑائے گا یا اس کا ظلم اس کو ہلاک کر دے گا۔[2]

فوائد و نصائح

❶ اس اسم سے تعلق پیدا کرنے والے کو لازم ہے کہ ظلم و ناانصافی سے دور رہے۔ معاملات اور کاروبار میں اعتدال کا خیال رکھے۔ عدل کی ضرورت فقط جھگڑوں ہی میں نہیں، بل کہ عدل کی ضرورت تو کھانے، پینے، سونے، بولنے، خاموش رہنے، ذکر اللہ کرنے یا آرام لینے وغیرہ وغیرہ سب میں ہے۔ اِسی طرح والد کے لئے یہ حکم ہے کہ اولاد میں برابری رکھے، جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

"اِتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْدِلُوْا فِيْ اَوْلَادِكُمْ."[3]

ترجمہ: "اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد کے درمیان برابری رکھو۔"

ایک اور حدیث میں ارشاد ہے:

"قَارِبُوْا بَيْنَ اَبْنَآئِكُمْ وَلَوْ فِي الْقُبَلِ."[4]

ترجمہ: "اپنی اولاد کے درمیان برابری کرو چاہے بوسہ لینے میں ہو۔"

لہٰذا کسی بیٹے کو یہ شبہہ نہ ہونے دے کہ والد میرے مقابلے میں فلاں کو زیادہ چاہتا ہے۔ جو شخص عدل و اعتدال کا

---

[1] مسند احمد: ٦٧/٦، رقم: ٢٣٨٥٧ [2] مسند احمد: ٤٣١/٢، رقم: ٩٢٩٠

[3] کتاب الهبات، باب کراهة تفضيل بعض اولاده، مسلم: ٣٧/٢

[4] تکمله فتح الملهم، کتاب الهبات، باب کراهة تفضيل بعض الاولاد فی الهبة: ٧٢/٢

مسئلہ بھول جاتا ہے بالآخر وہ خود ہی مذموم ندامت والا بنتا ہے۔[1]

❷ ’’عدل‘‘ کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کے تمام عقائد، اعمال، اخلاق، معاملات، جذبات، عدل و انصاف کے ترازو میں تلے ہوں، کمی، زیادتی سے کوئی پلہ بھی جھکنے یا اُٹھنے نہ پائے۔ سخت سے سخت دشمن کے ساتھ بھی معاملہ کرے تو انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے۔ اُس کا ظاہر و باطن یکساں ہو، جو بات اپنے لئے پسند نہ کرتا ہو اُسے اپنے بھائی کے لئے بھی پسند نہ کرے۔

❸ ہر عضو کے متعلق عدل یہ ہے کہ ان کو ایسے کاموں میں استعمال کرے جن کی شریعت نے اجازت دی ہے۔

زمانے کو بُرا بھلا نہ کہنا چاہئے اور نہ اس پر اعتراض کرنا، چاہئے بل کہ یہ سمجھے کہ یہ تمام اسباب ’’اَلْعَدْلُ جَلَّ جَلَالُہٗ‘‘ کے حکم کے تابع ہیں اور سب کے سب ایک مناسب ترتیب کے ساتھ چل رہے ہیں اور ان کی ترتیب اعلیٰ درجہ کے عدل و لطف پر مشتمل ہے۔[2]

❹ ہر انسان کو اپنے اوپر آنے والے مصائب اور تکالیف کے معاملے میں بھی عدل سے کام لینا چاہئے ناشکری اور مایوسی کے الفاظ زبان پر نہ لائے۔ اسی طرح خوش حالی، اور مالی فراوانی میں تکبر اور بخل نہ کرے، دونوں حالتوں میں عدل رکھے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

’’يُؤْذِينِي ابْنُ آدَمَ، يَسُبُّ الدَّهْرَ وَأَنَا الدَّهْرُ، بِيَدِي الْأَمْرُ أُقَلِّبُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ.‘‘[3]

تَرجَمَہ: ’’ابن آدم زمانے کو گالی دے کر (برا بھلا کہہ کر) مجھے ایذا دیتا ہے، حالاں کہ میں ہی زمانہ (کا خالق اور مالک) ہوں دن رات کو میں ہی تبدیل کرتا ہوں۔‘‘

اور حضرت ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے:

’’لَا تَسُبُّوا الدَّهْرَ فَإِنَّ اللّٰهَ هُوَ الدَّهْرُ.‘‘[4]

تَرجَمَہ: ’’زمانے کو برا بھلا نہ کہو، کیوں کہ دراصل اللہ تعالیٰ ہی زمانہ ہے۔‘‘

یعنی اللہ تعالیٰ ہی زمانے میں مختلف تبدیلیاں لاتے ہیں اور یہ تبدیلیاں عام طور پر ہمارے اعمال کے اچھا یا برا ہونے کی صورت میں اچھی یا بری ہوتی ہیں۔

---

[1] شرح اسماء حسنیٰ للمنصورپوری: ۲۱٤

[2] مجموعۂ رسائل امام غزالی: ۳۱۲

[3] بخاری، التفسیر (الجاثیہ)، بابٌ ومایھلکنا إلّا الدّھر: ۲/۷۱۵

[4] مسند احمد: ۵/۲۹۹، رقم: ۲۲۰٤٦

اَللَّطِیْفُ جَلَّ جَلَالُہٗ

(باریک بین)

اس اسم مبارک کے تحت پانچ تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

❶ امام خطابی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ فرماتے ہیں: ''اَللَّطِیْفُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' وہ ذات ہے جو کہ اپنے بندوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے یعنی اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جو اپنے بندوں کے ساتھ ایسی مہربانیاں کرتا ہے جس کو وہ بندے خود بھی نہیں جانتے۔ اور ان کی مصلحت کے کاموں کے لئے ایسے ایسے اسباب، ایسی ایسی جگہوں سے مہیا فرماتا ہے کہ جس کا بندہ گمان بھی نہیں کرسکتا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ اَللّٰہُ لَطِیْفٌ بِعِبَادِہٖ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ وَھُوَ الْقَوِیُّ الْعَزِیْزُ ﴾[1]

تَرْجَمَۃُ: ''اللہ تعالیٰ نرمی رکھتا ہے اپنے بندوں پر، روزی دیتا ہے جس کو چاہے اور وہی ہے زور آور زبردست۔''

❷ ''لطیف'' عربی لغت کے اعتبار سے دو معنی میں استعمال کیا جاتا ہے:

ایک مہربان کے معنی میں، دوسرا کثیف کے مقابلے میں استعمال ہوتا ہے اور کثیف وہ چیز ہوتی ہے جو حواس کے ذریعے محسوس و معلوم ہو، پس لطیف کے معنی یہ ہوں گے یعنی وہ چیز جو حواس کے ذریعے محسوس و معلوم نہیں کی جاسکتی۔[2]

اللہ تعالیٰ لطیف ہیں، اس کی مہربانی کا مظہر پانی کی نعمت ہے، جس برتن میں چاہو ڈال لو، پی لو، بہادو، بھاپ بنا کر اڑا دو، مگر اتنا طاقت ور ہے کہ ساری مخلوق کو سیراب کرتا ہے، ان کے دل و دماغ کو تازہ رکھتا ہے، درختوں اور کھیتوں کو سیراب کرتا ہے۔ درختوں، پھلوں، میووں، انسانوں اور جانوروں کی رگ رگ میں جاری و ساری ہے، ہر جگہ گھس جاتا ہے۔[3]

حضرت ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُمَا نے لطیف کا ترجمہ ''حَفِیٌّ'' بمعنی ''مہربان'' سے اور حضرت عکرمہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ نے ''بارٌّ'' یعنی ''محسن'' سے کیا ہے۔

حضرت مقاتل رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اپنے سب ہی بندوں پر مہربان ہے۔ یہاں تک کہ کافر و فاجر

---

[1] اَللَّطِیْفُ: ھُوَ الْبَرُّ بِعِبَادِہِ الَّذِیْ یَلْطُفُ لَھُمْ مِنْ حَیْثُ لَا یَعْلَمُوْنَ، وَیُسَبِّبُ لَھُمْ مَصَالِحَھُمْ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُوْنَ کَقَوْلِہٖ سُبْحَانَہٗ: ﴿ اَللّٰہُ لَطِیْفٌ بِعِبَادِہٖ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ وَھُوَ الْقَوِیُّ الْعَزِیْزُ ﴾ (شوریٰ: ۱۹) (النہج الاسمیٰ: ۱/۲۶۰)

[2] المعجم الوسیط: ۸۲۶ [3] شرح اسماء الحسنیٰ للازھری: ۳۵۵

اللَّطِيفُ

فَأَنزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَأَسْقَيْنٰكُمُوْهُ (الحجر: ۲۲)

''پھر ہم ہی آسمان سے پانی برساتے ہیں، پھر وہ پانی تم کو پینے کو دیتے ہیں''۔

پر بھی دُنیا میں اس کی نعمتیں برستی ہیں۔ حق تعالیٰ کی عنایات اور لطف و کرم اپنے بندوں پر بے شمار انواع و اقسام کے ہیں۔[1]

۳ اَللَّطِيْفُ: اَلَّذِیْ یُوْصِلُ إِلَيْكَ أَرَبَكَ فِی رِفْقٍ.[2]

تَرجَمہ: اَللَّطِيْفُ وہ ذات ہے جو تیری حاجت اور ضرورت کو مہربانی اور نرمی سے پوری فرماتا ہے۔

''اَللَّطِيْفُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' وہ ذات ہے جس سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے، اگرچہ وہ چیز بہت چھوٹی، باریک اور حقیر ہو، یعنی وہ ہر طرح کی باریکیوں کو جاننے والا ہے۔ بندوں کے باریک اُمور سے خوب باخبر ہے، بندوں کے مصالحِ خفی و منافعِ بعید سے خوب واقف ہے، بڑی نازک و رقیق حکمتوں اور تدبیروں والا ہے۔[3]

۴ اَللّٰهُ لَطِيْفٌ بِعِبَادِهٖ، أَیْ كَثِيْرُ اللُّطْفِ بِهِمْ بَالِغُ الرَّأْفَةِ لَهُمْ.[4]

''یعنی بہت زیادہ مہربانی کرنے والا اور حد سے زیادہ بندوں پر نرمی کرنے والا۔''

۵ امام حلیمی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ فرماتے ہیں: ''اَللَّطِيْفُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' وہ ذات ہے جو اپنے بندوں کے لئے بھلائی اور آسانی چاہتی ہے اور ان کے لئے بھلائی اور آسانی کے اسباب کو مہیا کرتی ہے۔[5]

حضرت یوسف عَلَیْہِ السَّلَام فرماتے ہیں:

﴿إِنَّ رَبِّیْ لَطِيْفٌ لِّمَا يَشَآءُ إِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ﴾[6] اَیْ لَطِيْفُ التَّدْبِيْرِ لَهٗ.[7]

تَرجَمہ: ''میرا رب تدبیر سے کرتا ہے جو چاہتا ہے۔ بے شک وہی ہے خبر دار حکمت والا۔''

''یعنی ہر امر کی تدبیر لطیف کر دینے والا، مخلوق کی نظروں سے مخفی اور فہم سے باہر تدبیریں کرنے والا۔''

فَإِذَا أَرَادَ حُصُوْلَ شَیْءٍ سَهَّلَ أَسْبَابَهٗ فَحَصَلَ وَإِنْ كَانَ فِیْ غَايَةِ الْبُعْدِ عَنِ الْحُصُوْلِ.[8]

جب وہ ذات کسی کام کا ارادہ فرمالے، کسی کو کچھ عطا کرنے کا ارادہ فرمالے تو اس کے اسباب مہیا فرما دیتا ہے اور وہ چیز آسانی سے اس شخص کے پاس پہنچ جاتی ہے۔ چاہے اس چیز کا حاصل ہونا کتنا ہی مشکل معلوم ہوتا ہو یعنی جب اس ''اَللَّطِيْفُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' نے ارادہ فرمالیا تو ساری مشکلات دور ہو جاتی ہیں۔

سورۂ یوسف کے سارے واقعات اسی اسم ''اَللَّطِيْفُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کی تجلیات کے نمونوں سے لبریز ہیں۔ بھائیوں

---

[1] معارف القرآن: ۶۸۵/۷، الشوریٰ: ۱۹ [2] النهج الاسمیٰ: ۲۶۰/۱

[3] اِنَّهُ الَّذِیْ لَا تَخْفٰی عَلَيْهِ الْأَشْيَاءُ وَإِنْ دَقَّتْ وَلَطُفَتْ وَتَضَاءَلَتْ أَیْ هُوَ لَطِيْفُ الْعِلْمِ (النهج الاسمیٰ: ۲۶۱/۱)

[4] النهج الاسمیٰ: ۲۶۳/۱

[5] وَهُوَ الَّذِیْ يُرِيْدُ بِعِبَادِهِ الْخَيْرَ وَالْيُسْرَ، وَيُقَيِّضُ لَهُمْ أَسْبَابَ الصَّلَاحِ وَالْبِرِّ. (''المنهاج فی شعب الايمان'': ۲۰۲/۱، (النهج الاسمیٰ: ۲۶۳/۱)

[6] یوسف: ۱۰۰ [7] روح المعانی: ۶۰/۱۴، یوسف: ۱۰۰ [8] تفسیر کبیر: ۲۱۶

نے کنویں میں پھینک کر ہلاک کرنے کا ارادہ کیا، "اَللَّطِيْفُ جَلَّ جَلَالُہٗ" نے کنویں سے نکال کر عزیزِ مصر کے گھر پہنچا دیا۔
زُلیخا نے جیل میں بھیج کر ذلیل کرنے کا ارادہ کیا "اَللَّطِيْفُ جَلَّ جَلَالُہٗ" نے اپنی تدبیرِ لطیف سے جیل سے نکال کر بادشاہت کی کرسی پر بٹھا دیا۔ بھائیوں نے بیٹے کو باپ سے جدا کرنے کا ارادہ کیا اس "اَللَّطِيْفُ جَلَّ جَلَالُہٗ" نے سارے خاندان کو ایک ساتھ اکٹھا فرما دیا۔

"اَللَّطِيْفُ جَلَّ جَلَالُہٗ" وہ ذات ہے، جس سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔ رائی کا دانہ جو ہیئت کے اعتبار سے بہت چھوٹا ہوتا ہے اور اس کا وزن کچھ بھی نہیں ہوتا، پس وہ زمین کے اندر کسی چٹان میں ہو یا آسمانوں میں سے کسی آسمان میں ہو، جب وقت آئے گا تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس کو بھی نکال کر لا حاضر کریں گے۔ اس لئے کہ وہی ذات باریک بین اور خبردار ہے۔ اس کے لئے مستقبل کا کوئی راز راز نہیں، اور وہ بڑے اور چھوٹے سارے ہی واقعات کو کسی حکمت و مصلحت کے تحت واقع ہونے دیتا ہے۔[1]

جب بندہ اس بات کو جانتا ہے کہ اس کا رب ہر چیز کو جاننے کی صفت سے متصف ہے اور ہر بڑی اور چھوٹی چیز کو اپنے قبضۂ قدرت میں رکھنے کی صلاحیت ہے تو انسان کو چاہئے کہ وہ اپنے ہر فعل اور قول کا محاسبہ کرے اور اپنی حرکات و سکنات پر غور کرے۔ پس وہ ہر وقت اور ہر گھڑی اپنے رب کے سامنے ہے جو کہ ہر چیز کی باریکیوں کو اچھی طرح سے جاننے والا ہے۔ ﴿اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ۚ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ﴾ "بھلا کیا وہ نہیں جانتا جس نے بنایا ہے؟ پھر وہ باریک بین اور باخبر بھی ہو اور وہی ہے بھید جاننے والا خبردار۔"[2]

اللہ سبحانہ وتعالیٰ قیامت والے دن اپنے ہر بندے کے اعمال کا بدلہ عطا فرمائیں گے۔ اگر اس نے اچھے اعمال کئے ہوں گے تو اس کا اچھا بدلہ ملے گا، اور اگر اس نے بُرے اعمال کئے ہوں گے تو برا بدلہ ملے گا اور اس کے عمل میں سے کسی چیز کو نہیں چھوڑا جائے گا پھر نہ نیکی کرنے والا ایسا کوئی ہوگا کہ اس کی کسی نیکی میں سے ایک ذرّہ ضائع ہوگا اور نہ گناہ گار کہ اس کے گناہ میں سے ایک ذرّہ گناہ ضائع ہوگا۔[3]

---

[1] فَاللّٰهُ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ وَلَا الْخَرْدَلَةُ وَهِيَ الْحَبَّةُ الصَّغِيْرَةُ الَّتِيْ لَا وَزْنَ لَهَا فَإِنَّهَا وَلَوْ كَانَتْ فِيْ صَخْرَةٍ فِيْ بَاطِنِ الْأَرْضِ أَوْ فِي السَّمٰوٰتِ فَإِنَّ اللّٰهَ يَسْتَخْرِجُهَا وَيَأْتِ بِهَا لِأَنَّهُ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ. (النہج الاسمیٰ: ۲۶۲/۱)

[2] وَإِذَا عَلِمَ الْعَبْدُ أَنَّ رَبَّهُ مُتَّصِفٌ بِدِقَّةِ الْعِلْمِ، وَإِحَاطَتُهُ بِكُلِّ صَغِيْرَةٍ وَكَبِيْرَةٍ، حَاسَبَ نَفْسَهُ عَلٰى أَقْوَالِهِ وَأَفْعَالِهِ، وَحَرَكَاتِهِ وَسَكَنَاتِهِ، فَإِنَّهُ فِيْ كُلِّ وَقْتٍ وَحِيْنٍ، بَيْنَ يَدَيِ اللَّطِيْفِ الْخَبِيْرِ: ﴿اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ﴾ (الملک: ۱۴)
(النہج الأسمیٰ: ۲۶۲/۱)

[3] وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ يُجَازِي النَّاسَ عَلٰى أَفْعَالِهِمْ يَوْمَ الدِّيْنِ، إِنْ خَيْرًا فَخَيْرٌ، وَإِنْ شَرًّا فَشَرٌّ، لَا يَفُوْتُهُ مِنْ أَعْمَالِهِمْ شَيْءٌ، فَلَا الْمُحْسِنُ يَضِيْعُ مِنْ إِحْسَانِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ وَلَا الْمُسِيْءُ يَضِيْعُ مِنْ سَيِّئَاتِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ. (النہج الاسمیٰ: ۲۶۲/۱، ۲۶۳)

اَللَّطِیْفُ جَلَّ جَلَالُہٗ کی مہربانیاں

اللہ تعالیٰ کا رزق تو ساری مخلوقات کے لئے عام ہے۔ دریا اور خشکی میں رہنے والے وہ جانور جن کو کوئی نہیں جانتا، ان کا رزق بھی ان کو پہنچتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے رزق کی بے شمار اقسام وانواع ہیں۔ بقدرِ ضرورتِ معاش رزق تو سب کے لئے عام ہے۔ پھر خاص خاص اقسامِ رزق کی تقسیم میں (اللہ تعالیٰ نے) اپنی حکمتِ بالغہ سے مختلف درجات اور پیمانے رکھے ہیں، کسی کو مال ودولت کا رزق زیادہ دے دیا، کسی کو صحت وقوت کا، کسی کو علم ومعرفت کا، کسی کو دوسری انواع واقسام کا، اس طرح ہر انسان دوسرے کا محتاج بھی رہتا ہے اور یہی احتیاج ان کو باہمی تعاون پر آمادہ کرتی ہے جس پر تمدنِ انسانی کی بنیاد ہے۔

حضرت جعفر بن محمد رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے فرمایا: رزق کے معاملے میں اللہ تعالیٰ کی رحمت ومہربانی بندوں پر دوطرح کی ہے۔ اوّل یہ کہ ہر ایک ذی روح کو اس کے مناسب حال غذا اور ضروریات عطا فرماتا ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ کسی کو اس کا پورا رزق عمر بھر کا بیک وقت نہیں دیتا ورنہ اوّل تو اس کی حفاظت کرنا مشکل ہوجاتا اور کتنی بھی حفاظت کرتا پھر بھی وہ سڑنے اور خراب ہونے سے نہ بچتا۔[1]

پانی اَللَّطِیْفُ جَلَّ جَلَالُہٗ کی بڑی مہربانی ہے

اُس "اَللَّطِیْفُ جَلَّ جَلَالُہٗ" ذات کی مہربانیاں دیکھیں کہ پینے کے پانی کو میٹھا بنایا اور سمندر کے پانی کو نمکین بنایا، اور یہ دونوں ہی اس کی مہربانیاں ہیں، اور اس تک پہنچ اتنی آسان بنائی کہ ہر ایک اس کو حاصل کر لے۔ اسی کو اللہ تعالیٰ اس آیت میں بیان فرماتے ہیں:

﴿ وَاَرْسَلْنَا الرِّيٰحَ لَوَاقِحَ فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً فَاَسْقَيْنٰكُمُوْهُ ۚ وَمَآ اَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِيْنَ ﴾[2]

تَرْجَمَہ: "اور ہم ہی ہواؤں کو بھیجتے رہتے ہیں جو بادل کو پانی سے بھر دیتی ہیں۔ پھر ہم ہی آسمان سے پانی برساتے ہیں پھر وہ پانی تم کو پینے کو دیتے ہیں اور تم اس کو ذخیرہ کر کے رکھنے والے نہ تھے۔"

﴿ وَاَرْسَلْنَا الرِّيٰحَ ﴾ سے ﴿ وَمَآ اَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِيْنَ ﴾ تک قدرتِ الٰہیہ کے اس حکیمانہ نظام کی طرف اشارہ ہے جس کے ذریعے روئے زمین پر بسنے والے تمام انسان اور جانور، چرندوں، پرندوں، درندوں کے لئے ضرورت کے مطابق آب رسانی کا ایسا نظامِ محکم قائم کیا گیا ہے کہ ہر شخص کو ہر جگہ، ہر حال میں اپنی ضرورت کے مطابق پینے، نہانے، دھونے اور کھیتوں، درختوں کو سیراب کرنے کے لئے پانی بلا کسی قیمت کے مل جاتا ہے اور جو کچھ کسی کو کنواں بنانے یا پائپ لگانے پر خرچ کرنا پڑتا ہے وہ اپنی سہولتیں حاصل کرنے کی قیمت ہے، پانی کے ایک قطرے کی قیمت بھی کوئی ادا نہیں کر سکتا، نہ

[1] تفسیر قرطبی، الشوریٰ: ۱۳/۸ [2] الحجر: ۲۲

کسی سے مانگی جاتی ہے۔

اس آیت میں پہلے تو اس بات کا ذکر کیا گیا ہے کہ کس طرح قدرتِ الٰہیہ نے سمندر کے پانی کو پوری زمین پر پہنچانے کا عجیب وغریب نظام بنایا ہے کہ سمندر میں بخارات پیدا فرمائے جن سے بارش کا مواد (مون سون) پیدا ہوا، اوپر سے ہوائیں چلائیں جو اس کو بادل کی شکل میں تبدیل کر کے پانی سے بھرے ہوئے پہاڑوں جیسے جہاز بنا دیتی ہیں، پھر پانی سے لبریز ان ہوائی جہازوں کو دنیا کے ہر گوشہ میں جہاں جہاں پہنچانا ہے پہنچادیں، پھر فرمانِ الٰہی کے تابع جس زمین پر جتنا پانی ڈالنے کا حکم ہے، اس کے مطابق یہ خودکار ہوائی جہاز وہاں پانی برسا دیں۔

اس طرح یہ سمندر کا پانی زمین کے ہر گوشے میں بسنے والے انسانوں اور جانوروں کو گھر بیٹھے مل جاتا ہے، اسی نظام میں ایک عجیب وغریب تبدیلی پانی کے ذائقے اور دوسری کیفیات میں پیدا کر دی جاتی ہے کیوں کہ سمندر کے پانی کو اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمتِ بالغہ سے انتہائی کھارا اور ایسا نمکین بنایا ہے کہ ہزاروں ٹن نمک اس سے نکالا اور استعمال کیا جاتا ہے، حکمت اس میں یہ ہے کہ یہ عظیم الشان پانی کا کرہ جس میں کروڑوں قسم کے جانور رہتے اور اسی میں مرتے اور سڑتے ہیں اور ساری زمین کا گندہ پانی بالآخر اسی میں جا کر پڑتا ہے، اگر یہ پانی میٹھا ہوتا تو ایک دن میں سڑ جاتا، اور اس کی بدبو اتنی شدید ہوتی کہ خشکی میں رہنے والوں کی تندرستی اور زندگی بھی مشکل ہو جاتی، اس لئے قدرت نے اس کو ایسا تیزابی کھارا بنا دیا کہ دنیا بھر کی غلاظتیں اس میں پہنچ کر ختم ہو جاتی ہیں۔ غرض اس حکمت کی بناء پر سمندر کا پانی کھارا بل کہ تلخ بنایا گیا جو نہ پیا جاسکتا ہے اور نہ اس سے پیاس بجھ سکتی ہے، نظامِ قدرت نے جو پانی کے ہوائی جہاز بادلوں کی شکل میں تیار کئے ان کو صرف سمندری پانی کا خزانہ ہی نہیں بنایا بل کہ مون سون اُٹھنے سے لے کر زمین پر برسنے تک اس میں ایسے انقلابات بغیر کسی ظاہری مشین کے پیدا کر دیئے کہ اس پانی کا نمک علیحدہ ہو کر میٹھا پانی بن گیا۔

سورۂ مرسلٰت میں اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے: ﴿وَاَسْقَيْنٰكُمْ مَّآءً فُرَاتًا﴾ [1]

اس میں لفظ ''فُرَاتًا'' کے معنی ہیں ایسا میٹھا پانی جس سے پیاس بجھے، معنی یہ ہیں کہ ہم نے بادلوں کی قدرتی مشینوں سے گزار کر سمندر کے کھارے اور تلخ پانی کو تمہارے پینے کے لئے شیریں بنا دیا۔

سورۂ واقعہ میں اسی مضمون کو ارشاد فرمایا ہے:

﴿اَفَرَءَيْتُمُ الْمَآءَ الَّذِيْ تَشْرَبُوْنَ ﴿٦٨﴾ ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ ﴿٦٩﴾ لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُوْنَ ﴿٧٠﴾﴾ [2]

تَرجَمَۃ: ''بھلا دیکھو تو پانی کو جو تم پیتے ہو، کیا تم نے اتارا اس کو بادل سے یا ہم ہیں اُتارنے والے، اگر ہم چاہیں کر دیں اس کو کھارا، پھر کیوں نہیں احسان مانتے۔''

---

[1] المرسلٰت: ۲۷ [2] الواقعۃ: ۶۸، ۶۹، ۷۰

یہاں تک تو قدرتِ الٰہیہ کی یہ کرشمہ سازی دیکھئے کہ سمندر کے پانی کو میٹھے پانی میں تبدیل کر کے پورے روئے زمین پر بادلوں کے ذریعے کس حسنِ نظام کے ساتھ پہنچایا کہ ہر خطہ کے نہ صرف انسانوں کو بل کہ اُن جانوروں کو بھی جو انسانوں کی دریافت سے باہر ہیں گھر بیٹھے پانی پہنچا دیا اور بالکل مفت بل کہ جبری طور پر پہنچایا۔

لیکن انسان اور جانوروں کا مسئلہ صرف اتنی بات سے حل نہیں ہو جاتا، کیوں کہ پانی ان کی ایسی ضرورت ہے جس کی احتیاج ہر روز بل کہ ہر آن ہے، اس لئے ان کی ضرورتِ روزمرہ کو پورا کرنے کا ایک طریقہ تو یہ تھا کہ ہر جگہ سال کے بارہ مہینے ہر روز بارش ہوا کرتی، لیکن اس صورت میں اُن کی پانی کی ضرورت تو دور ہو جاتی، مگر دوسری معاشی ضروریات میں کتنا خلل آتا، اس کا اندازہ کسی اہلِ تجربہ کے لئے مشکل نہیں، سال بھر کے ہر دن کی بارش تندرستی پر کیا اثر ڈالتی اور کاروبار اور نقل وحرکت میں کیا مشکلات پیدا کرتی۔

دوسرا طریقہ یہ تھا کہ سال بھر کے خاص خاص مہینوں میں اتنی بارش ہو جائے کہ اس کا پانی باقی مہینوں کے لئے کافی ہو جائے، مگر اس کے لئے ضرورت ہوتی کہ ہر شخص کا ایک کوٹہ مقرر کر کے اس کے سپرد کیا جائے، تا کہ وہ اپنے کوٹے اور حصے کا پانی خود اپنی حفاظت میں رکھے۔

اندازہ لگایئے کہ اگر ایسا کیا جاتا تو ہر انسان اتنی ٹنکیاں یا برتن وغیرہ کہاں سے لاتا جن میں تین یا چھ مہینے کی ضرورت کا پانی جمع کر کے رکھ لے اور اگر وہ کسی طرح ایسا کر بھی لیتا تو ظاہر ہے کہ چند روز کے بعد یہ پانی سڑ جاتا اور پینے بل کہ استعمال کرنے کے بھی قابل نہ رہتا، اس لئے قدرتِ الٰہیہ نے اس کے باقی رکھنے اور بوقتِ ضرورت ہر جگہ مل جانے کا ایک دوسرا عجیب وغریب نظام بنایا کہ جو پانی برسایا جاتا ہے اس کا کچھ حصہ تو فوری طور پر درختوں، کھیتوں، انسانوں اور جانوروں کو سیراب کرنے میں کام آ ہی جاتا ہے، کچھ کھلے تالابوں، جھیلوں میں محفوظ ہو جاتا ہے اور اس کے بہت بڑے حصے کو برف کی شکل میں بحرِ منجمد بنا کر پہاڑوں کی چوٹیوں پر لاد دیا جاتا ہے، جہاں تک نہ گرد وغبار کی رسائی ہے نہ کسی غلاظت کی، پھر اگر وہ پانی سیال صورت میں رہتا تو ہوا کے ذریعے کچھ گرد وغبار یا دوسری خراب چیزیں اس میں پہنچ جانے کا خطرہ رہتا، پرندوں اور جانوروں کے اس میں گرنے مرنے کا اندیشہ رہتا، جس سے وہ پانی خراب ہو جاتا، مگر قدرت نے اس پانی کے عظیم خزانے کو بحرِ منجمد (برف) بنا کر پہاڑوں پر لاد دیا جہاں سے تھوڑا تھوڑا رس کر وہ پہاڑوں کی رگوں میں پیوست ہو جاتا ہے اور پھر چشموں کی صورت میں ہر جگہ پہنچ جاتا ہے اور جہاں یہ چشمے بھی نہیں ہیں تو وہاں زمین کی تہہ میں یہ پانی انسانی رگوں کی طرح زمین کے ہر خطے پر بہتا ہے اور کنواں کھودنے سے برآمد ہونے لگتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ آب رسانی کا یہ نظامِ الٰہی ”اَللَّطِیْفُ جَلَّ جَلَالُہٗ“ کی ہزاروں نعمتیں اپنے اندر لئے ہوئے ہے۔

① پانی کو پیدا کرنا۔

② بادلوں کے ذریعے اس کو زمین کے ہر خطہ پر پہنچانا۔

③ اس کو انسان کے پینے کے قابل بنا دینا۔

④ اس پانی کو ضرورت کے مطابق جمع اور محفوظ رکھنے کا نظامِ محکم۔

⑤ انسان کو اس سے پینے اور سیراب ہونے کا موقع دینا بھی ایک نعمت ہے، کیوں کہ پانی کے موجود ہوتے ہوئے بھی ایسی آفتیں ہوسکتی ہیں کہ اُن کی وجہ سے آدمی پینے پر قادر نہ ہو، قرآن کریم کی آیت: ﴿فَاَسْقَيْنٰكُمُوْهُ وَمَآ اَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِيْنَ﴾[1] میں ان ہی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی طرف اشارہ اور تنبیہ کی گئی ہے، ﴿فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ﴾[2]

امام غزالی رَحِمَہُ اللّٰہُ تعالیٰ فرماتے ہیں: اس اسم کے لائق وہ ذات ہے جو مصلحتوں کی باریک باریک باتیں جانے، اور ان کو ان کے مستحق کی طرف سختی سے نہیں بل کہ نرمی سے پہنچائے۔ جب فعل میں نرمی اور علم میں باریک بینی جمع ہو جائے تو لطف کے معنی پورے ہو جاتے ہیں اور اس کمالِ علم وعمل کا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور ذات میں جمع ہونا متصور اور ممکن نہیں۔

اللہ تعالیٰ کا باریک اور دقیق باتوں پر جس قدر احاطہ ہے اس کی تفصیل بیان نہیں ہوسکتی، بل کہ ہر مخفی بات اُس کے علم میں ویسی ہی ظاہر ہے جیسے کھلی بات کچھ بھی فرق نہیں۔ افعال میں اس کی نرمی اور مہربانی شمار میں نہیں آسکتی، کیوں کہ فعل کی مہربانی کو وہی سمجھ سکتا ہے جو اس کے تمام افعال کی تفصیل بھی جانتا ہو اور اس میں مہربانی کے نکتے سمجھتا ہو۔ جس قدر وہ ان کو جانتا ہوگا، اسی قدر وہ ''اسم لطیف'' کے معنی سمجھتا ہوگا۔ اس بات کی شرح بڑا طول چاہتی ہے اور امید نہیں کہ کئی دفتر اس کے دسویں حصے کو بھی کافی ہوسکیں، ہاں! البتہ اس کی بعض باتوں کی طرف اشارہ کیا جاسکتا ہے۔[3]

ناف کے ذریعے غذا پہنچاتا ہے

''اللطیف جل جلالہٗ'' کے بے انتہا لطفوں میں سے ایک لطف یہ ہے کہ وہ جنین (بچے) کو ماں کے پیٹ میں تین اندھیریوں میں پیدا کرتا ہے، اور اس کی حفاظت کرتا ہے، اور ناف کے ذریعے غذا پہنچاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ پیدا ہوتا ہے تو منہ سے کھانے لگتا ہے۔ پیدائش کے وقت ہی اس کو سکھا دیا جاتا ہے کہ پستان کو منہ میں پکڑے اور چوسے، خواہ رات کا اندھیرا ہی کیوں نہ ہو، نہ اور کوئی اس کو سکھاتا ہے اور نہ وہ کسی کو اس طرح کرتے دیکھتا ہے۔

کئی طرح کے دانت بناتا ہے

اسی طرح ''اللطیف جل جلالہٗ'' انڈے کو توڑ کر چوزہ نکالتا ہے اور اُس کو دانے چگنا سکھاتا ہے، پھر یہ کہ وہ بچے کے پیدا ہونے کے وقت دانت نہیں بناتا، کیوں کہ ابھی دودھ پینے کی عمر میں دانتوں کی ضرورت نہیں پڑتی، پھر جب کھانے کی چیزوں کو چبانے کے لئے دانتوں کی ضرورت پڑتی ہے تو دانت اُگاتا ہے اور وہ کئی طرح کے دانت بناتا ہے، ایک

[1] الحجر: ۲۲ [2] معارف القرآن: ۲۹۱/۵ المومنون: ۱۴ [3] رسائل امام غزالی: ۸۹

ڈاڑھیں ہیں جو کھانے کی چیزوں کو پیسنے کے لئے ہیں، اور ایک کچلیاں ہیں جو توڑنے کی غرض سے ہیں، اور ایک سامنے کے دانت ہیں جو کاٹنے کی خاطر ہیں، پھر یہ کہ وہ زبان بظاہر جس کی غرض کلام ہے، لیکن کھانے کی چیزوں کو دانتوں کی چکی میں ڈالنے کے کام پر مامور بھی ہے۔

لقمہ میں مہربانیاں

ایک لقمے کے میسر ہونے کے متعلق اللہ تعالیٰ کی مہربانی کا مفصل ذکر کیا جائے، جو بندہ کو بلا مشقت ہاتھ آتا ہے، اور جس کی اصلاح اور تکمیل میں اِتنی مخلوق نے جس کا شمار نہیں ہو سکتا مدد دی ہے۔ کسی نے زمین کو درست کیا...... کسی نے بیج بویا...... کسی نے سینچا...... کسی نے فصل کو کاٹا...... کسی نے کھلیان سے غلہ نکالا...... کسی نے اس کو پیسا...... کسی نے گوندھا...... کسی نے پکایا...... وغیرہ وغیرہ، تو اس کی تفصیل اختتام کو نہ پہنچے۔[1]

ایک لقمہ جو انسان کے پاس پکا پکایا پہنچتا ہے، اس ''اَللَّطِیْفُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کی اسی لقمے میں مہربانیاں سوچے تو گن نہیں سکتا کہ اس ''اَللَّطِیْفُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' نے کتنے لوگوں کے دلوں میں ڈالا اور انہوں نے محنت کی، ان سب کی محنت جمع ہوئی تو یہ لقمہ تیار ہو کر ہمارے پاس آیا۔

اور افعال و اعمال میں جو اُس ''اَللَّطِیْفُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کی بندوں پر مہربانیاں ہیں ان کو شمار نہیں کیا جا سکتا، جس قدر انسان اللہ تعالیٰ کے احسانات کو سوچے گا اسی قدر ''اَللَّطِیْفُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کی معرفت بڑھے گی۔

الغرض اللہ تعالیٰ اس حیثیت سے کہ اس نے امور کی تدبیر کی ہے ''اَلْحَکِیْمُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' ہے اور اس حیثیت سے کہ ان کو ایجاد کیا ''البدیع جَلَّ جَلَالُہٗ'' ہے۔ اور اس حیثیت سے کہ ان کو ترتیب دی ''اَلْمُصَوِّرُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' ہے اور اس حیثیت سے کہ ہر چیز کو اس کے مناسب مقام میں رکھا ''اَلْعَدْلُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' ہے اور اس حیثیت سے کہ اس میں نرمی کے وجوہ کی کوئی باریکی نہیں چھوڑی ''اَللَّطِیْفُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' ہے اور جو شخص ان افعال کی حقیقت نہیں سمجھتا وہ ان اسماء کی حقیقت بھی نہیں سمجھ سکتا۔

ہمیشہ کی جنت

بندوں پر اس کا ایک لطف (مہربانی) یہ ہے کہ اُس نے ان کو کفایت سے زیادہ توفیق دی ہے اور طاقت سے کم مجبور کیا ہے۔

ایک لطف (مہربانی) یہ ہے کہ تھوڑی بہت (یعنی دنیوی عمر میں خفیف) کوشش کرنے پر ان کو اَبدی سعادت ہمیشہ کی جنت حاصل کرنے کی توفیق دی ہے، کیوں کہ اس عمر کو اَبد (آخرت کی زندگی) کے ساتھ کچھ بھی نسبت نہیں۔

---

[1] المقصد الأسنیٰ: ۶۲، ۶۳

آسمانوں کے عجائبات کا نظارہ

ایک لطف (مہربانی) یہ ہے کہ وہ گوبر اور خون میں سے صاف دودھ .... اور سخت پتھروں سے نفیس جواہر........ اور مکھی سے شہد........ اور کیڑے سے ریشم .... اور سیپ سے موتی پیدا کرتا ہے۔ ان سب سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ وہ انسان کو گندے نطفے سے پیدا کر کے اس کو اپنی معرفت کا خزانہ، اپنی امانت کا حامل اور آسمانوں کے عجائبات کا نظارہ دیکھنے والا بناتا ہے، اور یہ وہ لطف ہے جو شمار میں نہیں آسکتا۔

یہ اسم قرآن مجید میں سات مرتبہ آیا ہے جن میں سے تین یہ ہیں:

۱ ﴿لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ﴾[1]

۲ ﴿إِنَّ رَبِّي لَطِيفٌ لِّمَا يَشَاءُ﴾[2]

۳ ﴿أَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ﴾[3]

فوائد ونصائح

۱ اس وصف سے بندے کا خاص حصہ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندوں کے ساتھ نرمی سے پیش آئے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف اِن کو بلائے اور دین کی دعوت دینے میں ان کے ساتھ خوب نرمی کرے، نہ یہ کہ تحقیر، سختی، لڑائی اور تعصب کرے۔

''اَللَّطِیْفُ جلّ جلالہٗ'' کا سب سے اچھا لطف جس میں قبولِ حق کی ایک کشش موجود ہوتی ہے وہ پاک عادات، اچھی صفات، اور نیک اعمال ہیں۔[4]

۲ ہر انسان کو چاہئے کہ ''اَللَّطِیْفُ جلّ جلالہٗ'' کی مہربانیوں کو یاد رکھے، اور اس کی عطا کی ہوئی زندگی کو اُس کے حکم کے مطابق گزارے۔

أَيَا مَنْ قَدْ تَهَاوَنَ بِالْمَنَايَا ۔۔۔ وَمَنْ قَدْ غَرَّهُ الْأَمَلُ الطَّوِيلُ
أَلَمْ تَرَ أَنَّمَا الدُّنْيَا غُرُورٌ ۔۔۔ وَأَنَّ مُقَامَنَا فِيهَا قَلِيلٌ؟

ترجمہ: ''اے وہ شخص جسے تمناؤں نے تھکا دیا اور لمبی امیدوں نے اُسے دھوکے میں ڈالے رکھا کیا تو نے نہیں دیکھا کہ دنیا دھوکہ ہی دھوکہ ہے اور ہمارا اس میں قیام بہت ہی مختصر ہے؟''

[1] الانعام: ۱۰۳ [2] یوسف: ۱۰۰ [3] الملک: ۱۴ [4] رسائل امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ: ۳۱۴

طلبہ، طالبات کو امتحان کے موقع پر یہ دعائیں مانگنی چاہئیں

❸ کاموں کی آسانی کے لئے ان دعاؤں کا معمول بنانا چاہئے۔ طلبہ کو امتحان کے اوقات میں کوئی کتاب یا مضمون مشکل معلوم ہو تو اس سے پہلے بھی یہ دعائیں مانگ لیا کریں:

❶ ''اَللّٰهُمَّ الْطُفْ بِیْ فِیْ تَیْسِیْرِ کُلِّ عَسِیْرٍ فَاِنَّ تَیْسِیْرَ کُلِّ عَسِیْرٍ عَلَیْكَ یَسِیْرٌ وَاَسْئَلُكَ الْیُسْرَ وَالْمُعَافَاةَ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ''[1]

تَرجَمہ: ''اے اللہ! ہر دشواری کو آسان فرمانے میں مجھ پر مہربانی فرما، کیوں کہ آسان کرنا ہر دشوار کام کا آپ کے لئے بالکل آسان ہے، اور میں آپ سے سوال کرتا ہوں آسانی وسہولت کا اور عافیت وصحت کا دنیا اور آخرت دونوں میں۔''

❷ ''اَللّٰهُمَّ اِنِّیْٓ اَسْاَلُكَ اللُّطْفَ فِیْمَا جَرَتْ بِهِ الْمَقَادِیْرُ''[2]

تَرجَمہ: ''اے اللہ! میں تیرے لطف وکرم کا سوالی ہوں ان تمام امور میں جن سے تقدیریں متعلق ہیں''

❸ ''یَا لَطِیْفًا بِخَلْقِهٖ یَا خَبِیْرًا بِخَلْقِهٖ یَا عَلِیْمًا بِخَلْقِهٖ اُلْطُفْ بِیْ یَا لَطِیْفُ یَا عَلِیْمُ یَا خَبِیْرُ''[3]

تَرجَمہ: ''اے اپنی مخلوق پر لطف وکرم کرنے والے! اے اپنی مخلوق کو خوب اچھی طرح جاننے والے! اے اپنی مخلوق (کے احوال) سے باخبر، مجھ پر لطف وکرم فرما، اے مہربان! اے خوب جاننے والے! اے بڑے ہی باخبر!''

❹ اس اسم سے تخلق (تعلق) حاصل کرنے والوں کو چاہئے کہ بنی نوعِ انسان کے ساتھ نرمی اور مہربانی سے پیش آیا کریں، اور جو کوئی شخص مصیبت کے وقت امداد چاہے، اس سے بقدرِ وسعت دریغ نہ کریں۔ جو بھی ''اَللَّطِیْفُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کے بندوں اور اس کی تمام مخلوقات کے ساتھ نرمی اور مہربانی کا معاملہ کرے گا ''اَللَّطِیْفُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' بھی اس کے ساتھ مہربانی والا معاملہ کرے گا۔[4]

---

[1] مجمع الزوائد: الأدعية، باب الأدعية المأثورة عن رسول اللّٰه: ۱۰/۲۱۳

[2] "اوراد فضلية للصبح والمساء" للشيخ عبدالغفور العباسي: ٦١

[3] "اوراد فضلية للصبح والمساء" للشيخ عبدالغفور العباسي: ٦١

[4] شرح اسماء الحسنٰى للمنصورپوری: ۸۰

الخبیر جل جلالہ

(ہر بات سے باخبر اور آگاہ)

اس اسم مبارک کے تحت ایک تعریف ذکر کی جاتی ہے:

امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"الخبیر جل جلالہ" وہ ذات ہے جس سے کوئی پوشیدہ بات چھپی ہوئی نہیں ہے اور اس کے حکم کے بغیر اس کی بادشاہت میں کوئی معاملہ جاری نہیں ہوتا اور نہ کوئی چیز حرکت کرتی ہے اور نہ ٹھہرتی ہے اور کوئی بھی جان دار پریشان ہوتا ہے یا مطمئن تو اس خبیر ذات کو ان سب چیزوں کی خبر ہے۔

اور "خَبِیْرٌ، عَلِیْمٌ" کے معنی میں ہے، لیکن علم کی نسبت پوشیدہ رازوں کے جاننے کی طرف ہو تو اس کو "خِبْرَۃٌ" کہا جائے گا اور اس کے جاننے والے کو "الخبیر" کہا جائے گا۔[1]

"خبیر" کے معنی ہیں باخبر، معنی اس جملے کے یہ ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ لطیف ہیں، اس لئے حواس کے ذریعے ان کا ادراک نہیں کیا جاسکتا اور خبیر ہیں اس لئے ساری کائنات کا کوئی ذرہ ان کے علم وخبر سے باہر نہیں۔

یہ نام قرآنِ کریم میں ۴۵ مرتبہ آیا ہے جن میں سے تین یہ ہیں:

❶ ﴿وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ﴾[2]

❷ ﴿عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۚ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ﴾[3]

❸ ﴿إِنَّ اللّٰهَ بِعِبَادِهٖ لَخَبِيْرٌ بَصِيْرٌ﴾[4]

الخبیر جل جلالہ عالم کے ذرّے ذرّے سے باخبر ہیں

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿إِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرٌ بَصِيْرٌ﴾[5]

---

[1] هُوَ الَّذِيْ لَا تَعْزُبُ عَنْهُ الْأَخْبَارُ الْبَاطِنَةُ، وَلَا يَجْرِيْ فِي الْمُلْكِ وَالْمَلَكُوْتِ شَيْءٌ وَلَا يَتَحَرَّكُ ذَرَّةٌ وَلَا يَسْكُنُ، وَلَا يَضْطَرِبُ نَفْسٌ وَلَا يَطْمَئِنُّ، إِلَّا وَيَكُوْنُ عِنْدَهٗ خَبَرُهٗ. وَهُوَ بِمَعْنَى الْعَلِيْمِ، لٰكِنَّ الْعِلْمَ إِذَا أُضِيْفَ إِلَى الْخَفَايَا الْبَاطِنَةِ سُمِّيَ خِبْرَةً، وَسُمِّيَ صَاحِبُهَا خَبِيْرًا. (المقصد الاسنیٰ: ٦٣، نقلاً عن النهج الاسمٰی: ١/٢٦٩)

[2] الحدید: ١٠ [3] الأنعام: ٧٣ [4] فاطر: ٣١ [5] الشوریٰ: ٢٧

اللہ تعالیٰ خبیر ہے ہمارے عزم وارادے، فکر وخیال یا حرکت وعمل اس کے علم سے باہر نہیں ہے، وہ ہماری خلوتوں (تنہائی) کے رازوں کو بھی دیکھتا اور سنتا ہے۔ وہ ہمارے دلوں کی نیتوں اور ارادوں سے بھی واقف ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ﴾[1]

یعنی جو اسرار (راز) لوگوں کے سینوں میں مخفی ہیں ان کو بھی جانتا ہے اور وہ خبریں جو لوگوں کے درمیان پھیلی ہوئی ہیں، اُن سے بھی باخبر ہے۔

کوئی خصلت یا کوئی چیز اچھی یا بری اگر رائی کے دانہ کے برابر چھوٹی ہو اور فرض کرو کہ پتھر کی کسی سخت چٹان کے اندر، یا آسمان کی بلندی پر، یا زمین کی تاریک گہرائیوں میں رکھی ہو، وہ بھی اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں ہوسکتی۔ جب وقت آئے گا وہاں سے لا حاضر کرے گا، آدمی کو چاہئے کہ عمل کرتے وقت یہ بات پیشِ نظر رکھے کہ ہزاروں پردوں میں بھی جو کام کیا جائے گا وہ اللہ پاک کے سامنے ہے، چناں چہ نیکی یا بدی کیسی ہی چھپ کر کی جائے اس کا اثر ضرور ظاہر ہو کر رہتا ہے۔

ہر چیز خواہ دور ہو یا نزدیک، چھپی ہو یا کھلی، اندھیرے میں ہو یا اجالے میں، آسمانوں میں ہو یا زمینوں میں، پہاڑوں کی چوٹی پر ہو یا سمندر کی تہہ میں سب کی خبر رکھنا اسی "الخبیر جل جلالہ" کی شان ہے۔

فوائد ونصائح

❶ اس اسم مبارک سے تعلق پیدا کرنے والوں کو لازم ہے کہ "الخبیر جل جلالہ" کے علاوہ کسی کو بھی ہر چیز کا بروقت خبر رکھنے والا نہ سمجھے بل کہ ماضی، حال اور مستقبل کی خبریں اس ذات کے علم میں ہونے کا یقین بنائے۔[2]

❷ ہر مسلمان کو چاہئے کہ اس کا سچا یقین رکھے کہ آسمان وزمین اور ان کے اندر جو کچھ ہے اس کے ایک ایک ذرّہ پر اللہ تعالیٰ کا علم محیط اور وسیع ہے اور سب پر اس کی قدرت بھی کامل ہے۔ کوئی چیز کتنی ہی چھوٹی سے چھوٹی ہو جو عام نظروں میں نہ آسکتی ہو، اسی طرح کوئی چیز کتنی ہی دور دراز ہو اسی طرح کوئی چیز کتنے ہی اندھیروں اور پردوں میں ہو، اللہ تعالیٰ کے علم ونظر سے نہیں چھپ سکتی اور وہ جس کو جب چاہیں، جہاں چاہیں حاضر کر سکتے ہیں: ﴿يٰبُنَيَّ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ﴾[3] کا یہی مطلب ہے کہ اگر کوئی چیز رائی کے دانے کے برابر ہی کیونہ ہو "الخبیر جل جلالہ" اُس سے باخبر ہے۔ انسان اچھا یا برا کام کتنا ہی چھپ کر کرے "الخبیر جل جلالہ" کے علم میں ہے، قیامت کے دِن ضرور حاضر کیا جائے گا یعنی اس کا بدلہ دے گا۔ رائی کے دانے کی مثال سورۂ لقمٰن کی آیت نمبر ۱۶ میں اس لئے دی کہ وہ اتنا چھوٹا ہوتا ہے کہ جس کا وزن ترازو کے پلڑے کو جھکا نہیں سکتا۔ حدیث شریف میں ہے اگر تم میں سے کوئی بے سوراخ کے پتھر میں بھی کوئی کام کرے گا جس کا نہ کوئی دروازہ ہو نہ ہی کھڑکی اللہ تعالیٰ اسے لوگوں پر ظاہر فرما دے گا۔ چاہے وہ کیسا ہی عمل ہو۔[4] اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ہی اللطیف یعنی باریک بین اور الخبیر یعنی باخبر ہے۔

---

[1] لقمٰن: ۱۶ [2] شرح اسماء الحسنٰی للمنصورپوری: ۸۱ [3] لقمٰن: ۱۶ [4] مسند احمد: ۲۸/۳، رقم: ۱۰۸۴۶

الحلیم جل جلالہ

(نہایت بردبار)

اس اسم مبارک کے تحت چھ تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:
ان چھ تعریفوں کو پڑھنے سے پہلے دعا کر لیجیے کہ دل میں یہ تعریفیں اتر جائیں، زندگی اس رخ پر گزر جائے۔

❶ اَلْحَلِيْمُ: يَعْنِيْ أَنَّهٗ ذُوْ أَنَاةٍ، لَا يُعَجِّلُ عَلٰى عِبَادِهٖ بِعُقُوْبَتِهِمْ عَلٰى ذُنُوْبِهِمْ.[1]

ترجمہ: حافظ ابن جریر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''الحلیم جل جلالہ'' وہ ذات ہے جو نرمی کرنے والا ہے اور اپنے بندوں کو گناہ پر عذاب دینے میں جلدی نہیں کرتا۔

❷ اَلْحَلِيْمُ: هُوَ ذُوْ الصَّفْحِ وَالْأَنَاةِ، الَّذِيْ لَا يَسْتَفِزُّهٗ غَضَبٌ، وَلَا يَسْتَخِفُّهٗ جَهْلُ جَاهِلٍ، وَلَا عِصْيَانُ عَاصٍ.[2]

ترجمہ: امام خطابی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''الحلیم جل جلالہ'' وہ ایسا معاف کرنے والا اور نرمی کرنے والا ہے، جس کی نرمی کو نہ غصہ ختم کرتا ہے اور نہ جاہلوں کی جاہلانہ باتیں اور نہ ہی گناہ گاروں کے گناہ اس کو کم کرتے ہیں۔

❸ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''حَلِيْمٌ وَ غَفُوْرٌ'' وہ ذات ہے جو اپنے بندوں کو اس حال میں دیکھتا ہے کہ بندے اس کی ذات کا انکار اور اس کی نافرمانیاں کر رہے ہوتے ہیں، لیکن پھر بھی بردباری کا مظاہرہ کرتا ہے، ان کے معاملے کو مؤخر کرتا ہے، ان کو مہلت دیتا ہے اور ان پر جلدی نہیں فرماتا اور پھر دوسروں کی نظروں سے اُن کے عیوب کو چھپاتا ہے اور اُن کو معاف کر دیتا ہے۔[3]

امام ابنِ قیم رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ ''الحلیم جل جلالہ'' ہیں بندے کو سزا دینے میں جلدی نہیں فرماتے، تاکہ بندہ کو مہلت مل جائے اور وہ گناہ سے توبہ کر لے۔[4]

---

[1] جامع البیان: ۳۲۷/۲ نقلاعن النّهج الأسمٰى: ۲۷۴/۱ [2] النهج الأسمٰى: ۲۷۴/۱

[3] قَالَ ابْنُ كَثِيْرٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ: (حَلِيْمٌ غَفُوْرٌ): أَنْ يَّرٰى عِبَادَهٗ وَهُمْ يَكْفُرُوْنَ بِهٖ وَيَعْصُوْنَهٗ، وَهُوَ يَحْلُمُ فَيُؤَخِّرُ وَيُنْظِرُ، وَيُؤَجِّلُ وَلَا يُعَجِّلُ، وَيَسْتُرُ آخَرِيْنَ وَيَغْفِرُ. (تفسیر ابن كثير: ۷٤۰/۳ فاطر: ٤١)

[4] قَالَ ابْنُ الْقَيِّمِ فِيْ نُوْنِيَّتِهٖ:

وَهُوَ الْحَلِيْمُ فَلَا يُعَاجِلُ عَبْدَهٗ بِعُقُوْبَةٍ لِيَتُوْبَ مِنْ عِصْيَانِ

(النونية: ۲۲۷/۲، نقلاً عن النهج الأسمٰى: ۲۷٦/۱)

❹ شیخ سعدی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: ''اَلْحَلِیْمُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' وہ ذات ہے جو اپنی مخلوق پر ظاہری اور باطنی نعمتوں کی زیادتی کرتا ہے، باوجودیکہ مخلوقات کے گناہ اور غلطیاں بہت زیادہ ہیں اور ان کے گناہوں کے مقابلے میں نرمی کا معاملہ کرتا ہے اور ان سے ناراضگی کا اظہار کرتا ہے تاکہ وہ توبہ کرلیں اور ان کو مہلت دیتا ہے، تاکہ وہ رجوع کرلیں۔[1]

وہ گناہوں پر فوراً پکڑ نہیں کرتا، اس لئے نہیں کہ وہ عاجز ہے، بل کہ وہ اپنے حلیم ہونے کی بنا پر معاف کرتا ہے اور درگزر کرتا رہتا ہے اور قدرت ہونے کے باوجود ان کو مہلت دیتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کو کوئی چیز عاجز نہیں کرسکتی۔

اس کا حلم اس لئے نہیں ہے کہ وہ اپنے بندوں کے اعمال سے ناواقف ہے، بل کہ وہ ہر خیانت کرنے والی آنکھ اور دلوں کے رازوں کو بخوبی جاننے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِىْ قُلُوْبِكُمْ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَلِيْمًا﴾[2]

تَرجَمہ: ''اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اور اللہ تعالیٰ بڑا علم والا ہے اور بڑا حلم والا ہے۔''

وہ اپنے علم کامل سے ہر ایک کی بدگمانیوں اور گستاخانہ خیالات پر بھی مطلع ہے، جس کی جب چاہے گرفت کرے، لیکن اپنے کمالِ حلم سے فوراً گرفت نہیں کرتا، سب کو موقع و مہلت دے رہا ہے۔[3]

اور اسی طرح اس کا حلم اس لئے نہیں ہے کہ اس کی کوئی حاجت بندوں سے اٹکی ہوئی ہے، بل کہ وہ مخلوق سے مستغنی ہے، دراصل وہ درگزر اور معاف کرنے والا ہے۔[4]

❺ امام حلیمی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی اس معنی کے بارے میں فرماتے ہیں: ''اَلْحَلِیْمُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' وہ ذات ہے کہ جو اپنے بندوں کے گناہوں کی وجہ سے ان پر انعامات اور آسائشوں کو روکتا نہیں ہے، بل کہ وہ جس طرح ایک فرماں بردار کو رزق دیتا ہے، اسی طرح نافرمان کو بھی رزق دیتا ہے، اور ان نعمتوں کا نزول مسلسل اپنے گناہ گار بندوں پر بھی کرتا رہتا ہے،

[1] وَقَالَ السَّعْدِيُّ: (اَلْحَلِيْمُ): اَلَّذِيْ يَدُرُّ عَلٰى خَلْقِهِ النِّعَمَ الظَّاهِرَةَ وَالْبَاطِنَةَ، مَعَ مَعَاصِيْهِمْ وَكَثْرَةِ زَلَّاتِهِمْ، فَيَحْلُمُ عَنْ مُقَابَلَةِ الْعَاصِيْنَ بِعِصْيَانِهِمْ وَيَسْتَعْتِبُهُمْ كَيْ يَتُوْبُوْا، وَيُمْهِلُهُمْ كَيْ يُنِيْبُوْا. (تیسیر الکریم الرحمٰن: فصل فی اصول وکلّیات من اصول التفسیر: ۹٤۸)

[2] الاحزاب: ۵۱ [3] تفسیر ماجدی: ۸۵۳، الاحزاب: ۵۱

[4] فَحِلْمُهُ لَيْسَ لِعَجْزِهِ عَنْهُمْ، وَإِنَّمَا هُوَ صَفْحٌ وَعَفْوٌ عَنْهُمْ، أَوْ إِمْهَالٌ لَهُمْ مَعَ الْقُدْرَةِ، فَإِنَّ اللّٰهَ لَا يُعْجِزُهُ شَيْءٌ.

وَحِلْمُهُ أَيْضًا لَيْسَ عَنْ عَدَمِ عِلْمِهِ بِمَا يَعْمَلُ عِبَادُهُ مِنْ أَعْمَالٍ، بَلْ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَلِيْمُ الَّذِيْ يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْعَيْنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ. قَالَ سُبْحَانَهُ: ﴿وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِىْ قُلُوْبِكُمْ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَلِيْمًا﴾ (الاحزاب: ۵۱)

وَحِلْمُهُ عَنْ خَلْقِهِ لَيْسَ لِحَاجَتِهِ إِلَيْهِمْ، إِذْ هُوَ سُبْحَانَهُ يَحْلُمُ عَنْهُمْ وَيَصْفَحُ وَيَغْفِرُ مَعَ اسْتِغْنَائِهِ عَنْهُمْ، قَالَ سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰى: ﴿وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ﴾ (البقرة: ۲۳۵) (النہج الأسمٰی: ۱/۲۷٦، ۲۷۷)

جس طرح ایک فرماں بردار اور متقی پر کرتا رہتا ہے۔[1]

❻ علامہ قرطبی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی عجیب بات فرماتے ہیں: (اللہ کرے ہم اس پر عمل کرنے والے بن جائیں، پڑھنے سے پہلے دو رکعت صلوٰۃ الحاجات پڑھ کر دعا مانگیں کہ اے اللہ! علامہ قرطبی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کی اس ہدایت پر عمل کرنا آسان فرمادے، تاکہ ''اَلْحَلِيْمُ جَلَّ جَلَالُهٗ'' سے ہمارا تعلق مزید مضبوط ہوجائے)۔

''جو شخص یہ بات جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نافرمان بندوں کے ساتھ حلم وکرم کا معاملہ فرماتا ہے، تو اس شخص پر ضروری اور واجب ہے کہ وہ بھی ان لوگوں کے ساتھ نرمی و بردباری کا معاملہ کرے جو اس کے حکموں کے خلاف چلتے ہیں اور یہی چیز انسان کے دین کے لئے اور اس کی صحت کے لئے زیادہ مناسب ہے کہ وہ نرم خو، بردبار، سنجیدہ و باوقار رہے، تو نتیجۃً یہ شخص اس وصف سے حلم کی اتنی مقدار حاصل کرلے گا جس سے غصہ کا زور ٹوٹ جاتا ہے اور برائی کرنے والے سے بدلہ لینے کا جذبہ بھی دور ہوجاتا ہے، بل کہ درگزر کرنے کی اس قدر عادت ڈالنی چاہئے کہ معاف کرنا طبیعت بن جائے اور جیسا کہ تو اس بات کو پسند کرتا ہے کہ تیرا مالک تیرے ساتھ نرمی والا معاملہ کرے، اسی طرح تو بھی اپنے ماتحتوں، بیوی، بچوں، شاگردوں اور ملازموں کے ساتھ نرمی والا معاملہ کر۔ اس لئے کہ تجھ کو بھی بردباری کا حکم دیا گیا ہے اور اس پر ثواب بھی ملے گا۔[2]

یہ اسم مبارک قرآنِ کریم میں گیارہ مرتبہ آیا ہے، جن میں سے تین یہ ہیں:

❶ ﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ﴾[3]

❷ ﴿وَاللهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ﴾[4]

❸ ﴿وَكَانَ اللهُ عَلِيْمًا حَلِيْمًا﴾[5]

اَلْحَلِيْمُ جَلَّ جَلَالُهٗ سے صفتِ کرم اور صفتِ حلم کا واسطہ دے کر دعا کریں

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مُدَّظِلُّهُ الْعَالِي فرماتے ہیں:

---

[1] قَالَ الْحَلِيْمِيُّ فِيْ مَعْنَى (اَلْحَلِيْمُ): اَلَّذِيْ لَا يَحْبِسُ إِنْعَامَهٗ وَأَفْضَالَهٗ عَنْ عِبَادِهٖ لِأَجْلِ ذُنُوْبِهِمْ، وَلٰكِنْ يَرْزُقُ الْعَاصِيَ كَمَا يَرْزُقُ الْمُطِيْعَ، وَيُبْقِيْهِ وَهُوَ مُنْهَمِكٌ فِيْ مَعَاصِيْهِ، كَمَا يُبْقِي الْبَرَّ التَّقِيَّ. (المنهاج فی شعب الایمان: ۱/۲۰۰ تا ۲۰۱ نقلا عن النهج الأسمٰی: ۲/۲۷۷)

[2] قَالَ الْقُرْطُبِيُّ رَحِمَهُ اللهُ: فَمِنَ الْوَاجِبِ عَلٰى مَنْ عَرَفَ أَنَّ رَبَّهٗ حَلِيْمٌ عَلٰى مَنْ عَصَاهُ أَنْ يَحْلُمَ هُوَ عَلٰى مَنْ خَالَفَ أَمْرَهٗ فَذٰلِكَ بِهٖ أَوْلٰى حَتّٰى يَكُوْنَ حَلِيْمًا. فَيَنَالُ مِنْ هٰذَا الْوَصْفِ بِمِقْدَارِ مَايَكْسِرُ سَوْرَةَ غَضَبِهٖ وَيَرْفَعُ الْإِنْتِقَامَ عَمَّنْ أَسَاءَ إِلَيْهِ. بَلْ يَتَعَوَّدُ الصَّفْحَ حَتّٰى يَعُوْدَ الْحِلْمُ لَهٗ سَجِيَّةً. وَكَمَا تُحِبُّ أَنْ يَحْلُمَ عَنْكَ مَالِكُكَ، فَاحْلُمْ أَنْتَ عَمَّنْ تَمْلِكُ لِأَنَّكَ مُتَعَبَّدٌ بِالْحِلْمِ، مُثَابٌ عَلَيْهِ. (الکتاب الاسنٰی: ۲۶۵ النهج الأسمٰی: ۱/۲۸۰)

[3] البقرة: ۲۳۵ [4] البقرة: ۲۶۳ [5] الاحزاب: ۵۱

اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ کے اندر کیا کیا انوارات، اور کیا کیا خواص پوشیدہ ہیں، یہ تو اللہ تعالیٰ ہی کامل اور مکمل طور پر بہتر جانتے ہیں، ہم لوگ اس کی تہہ تک کہاں پہنچ سکتے ہیں۔ ان اسمائے حسنیٰ میں اللہ تعالیٰ نے بذاتِ خود خاصیتیں رکھی ہیں، اس لئے جب خود حضور اقدس ﷺ (صلاۃ الحاجۃ کی دعا کے طور پر) یہ تلقین فرمائیں کہ ان اسمائے حسنیٰ ہی کا ذکر کرو، تو اس کے پیچھے ضرور کوئی راز پنہاں (چھپا ہوا) ہوگا، لہٰذا خاص طور پر وہی کلمات کہنے چاہئیں تاکہ وہ مقصد حاصل ہو۔ (چناں چہ جب کوئی حاجت وضرورت پیش آجائے، تو دو رکعت نماز پڑھ کر جو کلمات سکھلائے گئے ہیں، اُن ہی کلمات سے دعا کریں۔) وہ کلمات یہ ہیں:

”لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْحَلِيْمُ الْكَرِيْمُ.... سُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ.... اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.... اَسْئَلُكَ مُوْجِبَاتِ رَحْمَتِكَ.... وَعَزَآئِمَ مَغْفِرَتِكَ.... وَالْغَنِيْمَةَ مِنْ كُلِّ بِرٍّ.... وَالسَّلَامَةَ مِنْ كُلِّ اِثْمٍ.... لَا تَدَعْ لِيْ ذَنْبًا اِلَّا غَفَرْتَهٗ وَلَا هَمًّا اِلَّا فَرَّجْتَهٗ وَلَا حَاجَةً هِيَ لَكَ رِضًا اِلَّا قَضَيْتَهَا يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ“[1]

اب اس دعا کے ایک ایک جملے کا ترجمہ وتشریح ملاحظہ کیجیے۔

”لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْحَلِيْمُ الْكَرِيْمُ“

ترجمہ: ”اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اللہ جو حلیم ہے اور کریم ہے۔“

”حِلْم“ بھی اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ہے اور ”کَرَم“ بھی اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ہے، ان دونوں صفتوں کو خاص طور پر بظاہر اس لئے ذکر فرمایا کہ بندہ پہلے مرحلے پر ہی یہ اعتراف کرے کہ یا اللہ! میں اس قابل تو نہیں ہوں کہ آپ میری دعا قبول کریں، اپنی ذات کے لحاظ سے میں اس لائق نہیں ہوں کہ آپ کی بارگاہ میں کوئی درخواست پیش کرسکوں۔

اس وجہ سے کہ میرے گناہ بے شمار ہیں، میری خطائیں بے شمار ہیں، میری بداعمالیاں اتنی ہیں کہ آپ کے حضور درخواست پیش کرنے کی لیاقت مجھ میں نہیں ہے، لیکن چوں کہ آپ حلیم ہیں، بردباری آپ کی صفت ہے اور اس کی وجہ سے کوئی بندہ چاہے وہ کتنا ہی خطاکار ہو، اس کی خطاؤں کی وجہ سے جذبات میں آکر آپ کوئی فیصلہ نہیں فرماتے، بل کہ اپنی صفت ”حِلْم“ کے تحت فیصلہ فرماتے ہیں، اس لئے میں آپ کو آپ کی صفتِ ”حِلْم“ کا واسطہ دے کر دعا کرتا ہوں اور آپ کی صفت ”حِلْم“ کا تقاضہ یہ ہے کہ آپ میرے گناہوں سے درگزر فرمائیں۔

اور پھر صفتِ ”کَرَم“ کا معاملہ فرمائیں، یعنی صرف یہ نہ ہو کہ گناہوں سے درگزر فرمائیں، بل کہ مزید نوازشات عطا فرمائیں، مزید اپنا کرم میرے اوپر فرمائیں، لہٰذا صفتِ کرم اور صفتِ حلم کا واسطہ دے کر اس دعا کا اہتمام فرمائیں۔

[1] ابوداؤد، الصلوٰة، باب قیام النبی صلی اللہ علیہ وسلم من اللیل: ۱/۱۸۷

اس کے بعد فرمایا: "سُبْحَانَ اللہِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ"......

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ پاک ہے، جو عرشِ عظیم کا مالک ہے۔"

"وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ"......

ترجمہ: "اور تمام تعریفیں اس اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں، جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔"

پہلے یہ تعریفی کلمات کہے اور اس کے بعد ان الفاظ کے ساتھ دعا کرے:

"اَسْئَلُكَ مُوْجِبَاتِ رَحْمَتِكَ"......

ترجمہ: "اے اللہ! میں آپ سے ان چیزوں کا سوال کرتا ہوں جو آپ کی رحمت ملنے کا سبب ہوں۔"

"وَعَزَائِمَ مَغْفِرَتِكَ"......

ترجمہ: "اور آپ کی طرف سے پختہ مغفرت عطا کئے جانے کا سوال کرتا ہوں۔"

"وَالْغَنِیْمَةَ مِنْ كُلِّ بِرٍّ"......

ترجمہ: "اور اس بات کا سوال کرتا ہوں کہ مجھے ہر نیکی سے حصہ عطا فرمائیے۔"

"وَالسَّلَامَةَ مِنْ كُلِّ اِثْمٍ"......

ترجمہ: "اور مجھے ہر گناہ سے محفوظ رکھیے۔"

"لَاتَدَعْ لِیْ ذَنْبًا اِلَّا غَفَرْتَهٗ"......

ترجمہ: "ہمارا کوئی گناہ ایسا نہ چھوڑیے، جس کو آپ نے معاف نہ فرما دیا ہو" (یعنی ہر گناہ کو معاف فرما دیجئے۔)

"وَلَا هَمًّا اِلَّا فَرَّجْتَهٗ"......

ترجمہ: "اور کوئی تکلیف ایسی نہ چھوڑیے، جس کو آپ نے دور نہ فرما دیا ہو" (یعنی کوئی شدید غم ایسا نہ چھوڑیے، جس کو دُور کر کے کشادگی نہ دی ہو)۔

"وَلَا حَاجَةً هِیَ لَكَ رِضًا اِلَّا قَضَیْتَهَا یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ"......

ترجمہ: "اور ہماری کوئی حاجت، جس میں آپ کی رضا مندی ہو، ایسی نہ چھوڑیے کہ اس کو آپ نے پورا نہ فرما دیا ہو۔"

یہ دعا کے الفاظ اور اس کا ترجمہ ہے اور مسنون دعاؤں کی کتابوں میں بھی یہ دعا موجود ہے۔ یہ دعا ہر مسلمان کو یاد کر لینی چاہئے۔ اس کے بعد پھر اپنے الفاظ میں جو حاجت مانگنا چاہتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ سے مانگے۔ یقین ہو کہ زبانِ نبوت سے سکھلائی گئی یہ دعا جب اُمتی شرائط کے ساتھ اور اخلاص سے مانگیں گے، تو اللہ تعالیٰ اس دعا کو اپنی رحمت سے ضرور قبول فرمائیں گے۔

ہر ضرورت کے لئے نمازِ حاجت پڑھ کر دعا مانگیں

ایک حدیث شریف میں حضور ﷺ کی یہ سُنت بیان کی گئی ہے:

"كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا حَزَبَهُ أَمْرٌ صَلّٰى." [1]

یعنی جب کبھی حضور اقدس ﷺ کو کوئی تشویش کا معاملہ پیش آتا، تو آپ ﷺ سب سے پہلے نماز کا اہتمام فرماتے، صلوٰۃ الحاجۃ پڑھتے اور دعا کرتے کہ یا اللہ! یہ مشکل پیش آگئی ہے، آپ اس کو دور فرما دیجئے۔ اس لئے ایک مسلمان کا کام یہ ہونا چاہئے کہ وہ بھی اپنے مقاصد کے حصول کے لئے صلوٰۃ الحاجۃ کی کثرت کرے۔ (اسی طرح بچے بھی والدین کے پاس ضرورت لے کر آئیں، تو ان کو بھی سمجھائیں کہ پہلے دو رکعت پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے مانگو، پھر ظاہری سبب کے طور پر ہم کو اطلاع دو)۔

"صلوٰةُ الحاجة" کے لئے کوئی خاص طریقہ مقرر نہیں

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ فرماتے ہیں:

دو رکعت "صلوٰةُ الحاجة" کی نیت سے پڑھیں، اور اس صلوٰۃ الحاجۃ کے پڑھنے کے طریقے میں اور دوسری عام نفلی نمازوں میں کوئی فرق نہیں ہے، جس طرح عام نماز پڑھی جاتی ہے اسی طرح سے یہ دو رکعتیں پڑھی جائیں گی۔ بہت سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ "صلوٰةُ الحاجة" پڑھنے کا کوئی خاص طریقہ ہے، لوگوں نے اپنی طرف سے اس کے خاص خاص طریقے گھڑ رکھے ہیں۔ بعض لوگوں نے اس کے لئے خاص خاص سورتیں بھی متعین کر رکھی ہیں کہ پہلی رکعت میں فلاں سورۃ پڑھے اور دوسری رکعت میں فلاں سورۃ پڑھے وغیرہ وغیرہ، لیکن حضور ﷺ نے "صلوٰةُ الحاجة" کا جو طریقہ بیان فرمایا ہے، اس میں نماز پڑھنے کا کوئی الگ مخصوص طریقہ بیان نہیں فرمایا اور نہ کسی قرآن کی سورۃ کی لازمی درجہ میں تعیین فرمائی۔

البتہ بعض بزرگوں کے مجربات میں سے ہے کہ اگر "صلوٰةُ الحاجة" میں فلاں فلاں سورتیں پڑھ لی جائیں تو بعض اوقات اس سے زیادہ فائدہ ہوتا ہے، تو اس کو سنت سمجھ کر انسان اختیار نہ کرے، اس لئے کہ اگر سنت سمجھ کر اختیار کرے گا، تو وہ بدعت ہو جائے گا، چناں چہ میرے شیخ حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ فرمایا کرتے تھے، کہ جب صلوٰةُ الحاجة پڑھنی ہو تو پہلی رکعت میں "سُوْرَةُ أَلَمْ نَشْرَحْ" اور دوسری رکعت میں "سورَةُ النَّصْرِ" پڑھ لیا کرو، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ سورتیں نمازِ حاجت میں پڑھنا سنت ہے، بل کہ بزرگوں کے تجربے سے یہ پتہ چلا ہے کہ ان سورتوں کے پڑھنے سے زیادہ فائدہ ہوتا ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص سنت سمجھے بغیر (کبھی کبھی) پڑھ لے، تو اس میں

---

[1] ترمذی، الوتر، باب ماجاء فی صلاة الحاجة: ۱/۱۰۸

سنت کی خلاف ورزی لازم نہیں آتی۔ بہر حال صلوٰۃ الحاجۃ پڑھنے کا کوئی خاص طریقہ نہیں، بل کہ جس طرح عام نمازیں پڑھی جاتی ہیں، اسی طرح صلوٰۃ الحاجۃ کی دو رکعتیں پڑھی جائیں گی۔ بس نماز شروع کرتے وقت دل میں یہ نیت کرلے کہ میں دو رکعت "صلوٰۃ الحاجۃ" کے طور پر پڑھتا ہوں۔[1]

اگر وقت تنگ ہو تو صرف دعا کریں:

یہ تفصیل تو اس صورت میں ہے جب انسان کے پاس فیصلہ کرنے کے لئے وقت ہے اور دو رکعت پڑھنے کی گنجائش ہے، لیکن اگر جلدی کا موقع ہے اور اتنی مہلت نہ ملے کہ وہ دو رکعت پڑھ کر دعا کرے تو اس صورت میں دو رکعت پڑھے بغیر ان الفاظ سے دعا مانگ کر اللہ تعالیٰ سے حاجت طلب کرے، لیکن اپنی ہر حاجت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ضرور پیش کردے، چاہے وہ چھوٹی حاجت ہو یا بڑی حاجت ہو، حتیٰ کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"لِيَسْأَلْ أَحَدُكُمْ رَبَّهُ حَاجَتَهُ كُلَّهَا حَتّٰى يَسْأَلَ شِسْعَ نَعْلِهِ إِذَا انْقَطَعَ۔"[2]

یعنی اگر تمہارے جوتے کا تسمہ بھی ٹوٹ جائے تو وہ بھی اللہ تعالیٰ ہی سے مانگو۔

لہٰذا جب چھوٹی چیز بھی اللہ تعالیٰ ہی سے مانگنے کا حکم دیا جارہا ہے، تو بڑی چیز اللہ تعالیٰ کے دربار سے مانگنے کا زیادہ اہتمام ہونا چاہئے۔

درحقیقت یہ چھوٹی اور بڑی ہماری نسبت سے ہے کہ جوتے کے تسمے کا درست ہوجانا ہماری نسبت سے یہ چھوٹی بات ہے اور سلطنت کا مل جانا بڑی بات ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کے یہاں چھوٹے بڑے کا کوئی فرق نہیں۔ اس کے نزدیک سب کام چھوٹے ہیں۔ ہماری بڑی سے بڑی حاجت، بڑے سے بڑا مقصد، اللہ تعالیٰ کے نزدیک چھوٹا ہے۔ ﴿إِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾[3] "اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔" اس کی قدرت ہر چیز پر یکساں ہے۔ اس کے لئے کوئی کام مشکل نہیں۔ اس کے لئے کوئی کام بڑا نہیں۔ اس لئے ہر حاجت بڑی ہو یا چھوٹی، بس اللہ تعالیٰ ہی سے مانگو اور پھر مسنون اور مشروع طریقے پر تدبیر کرو۔ بس شروع سے ہی اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع اور توکل کی حقیقت یہ ہے کہ اس بندے نے اللہ تعالیٰ ہی کو اپنا کارساز جانا۔

نمازِ حاجت کی برکت

وَاقِعَہ نمبر ۶۰: پچھلے زمانے میں مسلمان بادشاہ اور رعایا دونوں اللہ کی ذات پر یقین رکھتے تھے۔ مشکل وقت میں صلوٰۃ الحاجۃ پڑھ کر اللہ سے مانگتے تھے اور مسئلہ حل کروا لیتے تھے۔ عرب حضرات کی ایک جماعت ملتان آئی۔ ایک ساتھی نے سب حاضرین کو بتایا کہ کسی بھی ضرورت کے وقت دو نفل پڑھ کر اللہ کی ذات سے مانگ لیں اور اللہ سے مانگنا بہت ہی اچھا ہے۔

---

[1] اصلاحی خطبات: ۱۰/۴۲،۴۳ [2] ترمذی، الدعوات، باب (لیسأل أحدکم ربّہ حاجتہ): ۲/۲۰۱ [3] البقرة: ۲۰

اسی طرح کا واقعہ اسلامی تاریخ میں سلطان محمود غزنوی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کے بارے میں ملتا ہے۔ سلطان محمود رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے بت پرستی کو ختم کرنے کے لئے ہندوستان پر سترہ حملے کئے، آخری حملہ سومنات کے بت کو ختم کرنے کے لئے کیا۔ اللہ کی ذات نے اس کو کامیابی سے نوازا اور کافی مال ومتاع ہاتھ لگا۔ ہندو قوم ان کی دشمن ہوگئی۔ واپسی پر ان کے گائیڈ (راستہ بتانے والے) جو پہلے ہندوؤں سے ملے ہوئے تھے انہوں نے سلطان کی فوج کو راجپوت کے ریگستان میں ڈال دیا جہاں پانی نہ ہونے کی وجہ سے فوج کے جانور پیاس سے مرنے لگے اور فوج کے پانی کا ذخیرہ ختم ہوگیا۔

سلطان غزنوی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کو اطلاع ملی کہ فوج کے راہ بر گائیڈ خوش ہیں اور تمام فوج پانی نہ ملنے کی وجہ سے پریشان ہے۔ فوج کے راہ بروں کے خوش ہونے کی وجہ دریافت کی گئی تو انہوں نے خفیہ کسی کو بتایا کہ سلطان محمود غزنوی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے ہمارے دیوتاؤں کو تنگ کیا ہے اس لئے وہ اور اس کی ساری فوج دیوتا کی بددعا سے پیاسی مرجائے گی۔

سلطان غزنوی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کو یہ سن کر حیرانگی ہوئی اور جوش ایمانی میں بول پڑا کہ ہمارا رب بہت ہی طاقتوں کا مالک ہے۔ سلطان مرحوم کو اللہ کی ذات پر یقین تھا۔ دو نفل صلوٰۃ الحاجۃ پڑھے اور اللہ سے تمام مشکلات کے لئے دعا کی، ابھی دعا مانگ رہا تھا کہ اس کے اوپر سے دو مرغابیاں اڑتی ہوئی گزریں۔ صحرا میں مرغابیاں خوش خبری کی علامت تھیں۔ گھوڑ سواروں کا ایک گروپ مرغابیاں جہاں سے آرہی تھیں ادھر بھیجا اور ایک گروپ جدھر جارہی تھیں وہاں بھیجا۔ لشکر کے پڑاؤ کے قریب دریائے گھاگھرا بہہ رہا تھا جو پانی سے بھرا ہوا تھا۔ یہ دریا اب صدیوں بعد خشک ہو چکا ہے۔ اسلامی لشکر نے وہاں سے اپنی ضروریات پوری کیں۔

سلطان محمود غزنوی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے اپنے گائیڈوں کو بلایا اور اللہ کی ذات کی قدرت بتائی کہ ہمارا اللہ اتنی قدرتوں کا مالک ہے کہ دو نفل پڑھ کر ہمارا مسئلہ حل ہوگیا ہے۔ بتوں کی نفی کی اور ہندو راہ بروں کو مروادیا اور اَللّٰہُ اَکْبَرُ کا نعرہ لگایا۔ واقعی ہم اللہ کو بھلا دیتے ہیں، مگر وہ ذات ہمیں کبھی نہیں بھلاتی۔[1]

حلم و بردباری "اَلْحَلِیْمُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کی محبوب صفات میں سے ہے

نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا: "اللہ تعالیٰ سے زیادہ صبر (حلم) کرنے والا کوئی نہیں، جو اپنے بندوں سے یہ باتیں سنتا ہے کہ وہ بندے اللہ تعالیٰ کے لئے اس کا بیٹا (یا اس کا شریک) ٹھہراتے ہیں اس کے باوجود، وہ ان بندوں کو رزق بھی دیتا ہے اور عافیت بھی دیتا ہے۔"[2]

---

[1] ماہنامہ الخیر: مارچ ۲۰۰۵ء
[2] "لَیْسَ أَحَدٌ أَوْ لَیْسَ شَیْءٌ أَصْبَرَ عَلٰی أَذًی سَمِعَہٗ مِنَ اللّٰہِ إِنَّھُمْ لَیَدْعُوْنَ لَہٗ وَلَدًا وَ إِنَّہٗ یُعَافِیْھِمْ وَیَرْزُقُھُمْ" (بخاری، الأدب، باب الصبر والاذٰی ...... ۹۰۱/۲)

ایک اور حدیث میں ہے: "أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِلْأَشَجِّ ...... اَشَجِّ عَبْدِ الْقَيْسِ: "إِنَّ فِيْكَ لَخَصْلَتَيْنِ يُحِبُّهُمَا اللّٰهُ، اَلْحِلْمُ وَالْأَنَاةُ."[1]

تَرْجَمَہ: "حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ قبیلۂ عبدالقیس کے سردار "اشج" سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں دو خصلتیں ایسی ہیں جو اللہ تعالیٰ کو محبوب اور پیاری ہیں، ایک بردباری (غصہ سے مغلوب نہ ہونا) اور دوسرے جلدی نہ کرنا۔"

وَاقِعَۂ نمبر ۶۱: قبیلۂ عبدالقیس کا ایک وفد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لئے مدینہ طیبہ آیا، اس وفد کے سارے لوگ تو اپنی سواریوں سے کود کود کر جلدی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ گئے، لیکن رئیس وفد جن کا نام منذر اور عرف اشج تھا، انہوں نے یہ جلد بازی نہیں کی، بل کہ اتر کر پہلے سارے سامان کو یک جا اور محفوظ کیا، پھر غسل کیا اور کپڑے تبدیل کئے اور اس کے بعد متانت اور وقار کے ساتھ خدمتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس رویہ کو پسند فرمایا اور اسی موقع پر ان سے یہ ارشاد فرمایا کہ تم میں یہ دو خصلتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ کو بہت پیاری اور محبوب ہیں:

1. حلم (بردباری) یعنی غصہ سے مغلوب نہ ہونا، اور غصہ کے وقت اعتدال پر قائم رہنا۔
2. أناة یعنی کاموں میں جلد بازی اور بے صبری نہ کرنا، بل کہ ہر کام کو متانت اور وقار کے ساتھ اطمینان سے انجام دینا۔

ہر کام حلم اور وقار کے ساتھ انجام دیں

حدیث شریف میں ہے: "أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اَلْأَنَاةُ مِنَ اللّٰهِ وَالْعَجَلَةُ مِنَ الشَّيْطَانِ."[2]

تَرْجَمَہ: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کاموں کو متانت اور اطمینان سے انجام دینا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور جلد بازی کرنا شیطان کے اثر سے ہوتا ہے۔"

یعنی ہر ذمہ داری کو اطمینان سے انجام دینے کی عادت، ایک اچھی عادت ہے اور اللہ تعالیٰ کی توفیق سے نصیب ہوتی ہے اور اس کے برعکس جلد بازی ایک بُری عادت ہے اور اس میں شیطان کا دخل ہوتا ہے۔

اسی طرح دوسری حدیث میں ہے: "أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اَلسَّمْتُ الْحَسَنُ وَالتُّؤَدَةُ وَالْإِقْتِصَادُ جُزْءٌ مِّنْ أَرْبَعَةٍ وَّعِشْرِيْنَ جُزْءًا مِنَ النُّبُوَّةِ."[3]

---

[1] مسلم، الایمان، باب الامر بالایمان باللّٰہ تعالیٰ: ۳۵/۱

[2] الترمذی، البر والصلة، باب ماجاء فی التأنّی والعجلة: ۲۱/۲

[3] الترمذی، البر والصلة، باب ماجاء فی التأنّی والعجلة: ۲۱/۲

ترجمہ: ''حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: اچھی سیرت اور اطمینان و وقار سے اپنے کام انجام دینے کی عادت اور میانہ روی ایک حصہ ہے نبوت کے چوبیس حصوں میں سے۔''

حدیث کا اصل مقصد ان تینوں چیزوں کی اہمیت بیان کرنا اور ان کی ترغیب دینا ہے اور نبوت کے حصوں میں سے ہونے کا مطلب بظاہر یہ ہے کہ پیغمبر کی زندگی جن محاسن اور کمالات سے مکمل اور مزین ہوتی ہے، یہ تینوں اوصاف ان کا چوبیسواں حصہ ہیں، یا یہ کہ انسانی سیرت کی تعمیر کے سلسلے میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام جن فضائل کی تعلیم دیتے اور تلقین فرماتے ہیں، ان کے چوبیس حصوں میں سے ایک حصہ یہ تین چیزیں ہیں، یعنی اچھی سیرت اور اطمینان و وقار سے اپنے کام انجام دینے کی عادت اور میانہ روی اختیار کرنا۔[1]

بردبار بننے کے لئے آپ ﷺ کی ایک وصیت

''عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَجُلاً قَالَ لِلنَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَوْصِنِیْ، قَالَ: لَاتَغْضَبْ، فَرَدَّدَ مِرَارًا، قَالَ: لَا تَغْضَبْ.''[2]

ترجمہ: ''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا کہ مجھے کوئی وصیت فرما دیجئے۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: غصہ نہ کیا کرو۔ اُس شخص نے اپنی (وہی) درخواست کئی بار دہرائی۔ آپ ﷺ نے ہر مرتبہ یہی ارشاد فرمایا: غصہ نہ کیا کرو۔''

غصہ آئے تو یہ وصیت یاد کر لیجئے کہ میرے محبوب ﷺ نے وصیت فرمائی ''لَاتَغْضَبْ'' ''غصہ نہ کیا کرو'' ان شاء اللہ اس کو سوچتے ہی ہمت پیدا ہو جائے گی اور اس کے ساتھ ساتھ غصہ آنے کے بعد وہ دو کام کریں جو آپ ﷺ نے بتلائے ہیں:

❶ ''حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: لوگوں کو (دین) سکھاؤ، خوش خبریاں سناؤ اور دشواریاں پیدا نہ کرو اور جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے تو اسے چاہئے کہ خاموشی اختیار کر لے۔''[3]

❷ ''حضرت عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: غصہ شیطان (کے اثر) سے ہوتا ہے۔ شیطان کی پیدائش آگ سے ہوئی ہے آگ پانی سے بجھائی جاتی ہے، لہٰذا جب تم میں سے کسی کو غصہ

---

[1] معارف الحدیث: ۲/۲۳۵

[2] البخاری، الادب، باب الحذر من الغضب: ۲/۹۰۳

[3] ''عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: عَلِّمُوْا وَبَشِّرُوْا وَلَاتُعَسِّرُوْا وَاِذَا غَضِبَ أَحَدُكُمْ فَلْيَسْكُتْ.'' (مسند احمد: ۱/۲۳۹، رقم: ۲۱۳۷)

آئے تو اس کو چاہئے کہ وضو کر لے۔"[1]

فوائد و نصائح

❶ "الحلیم جل جلالہ" اور نبی اکرم ﷺ کی تعلیمات کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان کسی بھی کام میں جلد بازی نہ کرے ...... سکون، ...... وقار، ...... حلم و بردباری ...... کو ہمیشہ اپنی زندگی کا شیوہ بنائے، تاکہ کسی بھی کام میں شیطان اور نفس کے جال میں پھنس کر غصہ کرنے کی نوبت ہی نہ آئے۔ اگر انسانوں میں سے کسی سے تکلیف پہنچے تو ظاہری طور پر توبہ کرے اور باطنی طور پر اپنی کی کوتاہی ڈھونڈ کر اصلاح کرے۔

❷ اس اسم سے تعلق پیدا کرنے والے کو لازم ہے کہ اپنے ہر کام کو حلم، متانت، وقار سے کرے اور صفتِ حلم کو اختیار کرے کہ یہ بندوں کے اچھے فضائل میں سے ہے۔

"الحلیم جل جلالہ" کا حلم و بردباری مسلمان، کافر، گناہ گار، نیک سب کو حاصل ہے، اس لئے کہ کتنے ہی گناہ گار ہیں جن کو مہلت دی ہوئی ہے کتنے لوگ ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ ہی کو نہیں مانتے، لیکن قربان جایئے "الحلیم جل جلالہ" پر کہ پھر بھی انہیں محروم نہیں فرماتے۔

آسمان و زمین، پہاڑ و سمندر روزانہ اجازت چاہتے ہیں اللہ تعالیٰ سے کہ گناہ گاروں کو ختم کر ڈالیں لیکن "الحلیم جل جلالہ" ان سب کو منع فرماتے ہیں۔[2]

لہٰذا "الحلیم جل جلالہ" سے حلم مانگیں، بردباری صبر و تحمل مانگیں اور "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْحَلِيْمُ الْكَرِيْمُ" والی دعا جو اس اسم مبارک میں ذکر کی گئی ہے مانگنے کا خوب اہتمام کریں۔

---

[1] "عَنْ عَطِيَّةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ الْغَضَبَ مِنَ الشَّيْطَانِ، وَإِنَّ الشَّيْطَانَ خُلِقَ مِنَ النَّارِ، وَإِنَّمَا تُطْفَأُ النَّارُ بِالْمَاءِ، فَإِذَا غَضِبَ أَحَدُكُمْ فَلْيَتَوَضَّأْ." (ابوداؤد، الادب، باب ما يقال عند الغضب: ۳۰۴/۲)

[2] المنهج للامام الجوزى: ۳۴۶

اَلْعَظِیْمُ جَلَّ جَلَالُہٗ

(بڑی عظمت والا)

اس اسم مبارک کے تحت تین تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

❶ وَقَالَ ابْنُ الْأَثِيْرِ: هُوَ الَّذِيْ جَاوَزَ قَدْرُهُ عَزَّوَجَلَّ حُدُوْدَ الْعُقُوْلِ، حَتّٰى لَا تُتَصَوَّرُ الْإِحَاطَةُ بِكُنْهِهٖ وَ حَقِيْقَتِهٖ.[1]

ترجمہ: "اَلْعَظِیْمُ جَلَّ جَلَالُہٗ" وہ ذات ہے جو عقل کی رسائی سے بالاتر ہے۔ اس کی حقیقت کا نہ تصور کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی احاطہ ممکن ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ عظمت والے ہیں بلا کسی کے ساتھ مقابلہ کے۔ پس وہ اپنی ذات و صفات میں بھی بڑے عظمت والے ہیں، اپنے تمام اسماء میں بھی عظیم ہیں، دیکھنے میں بھی سننے میں بھی اپنی قدرت وقوت میں بھی اور اپنے علم میں بھی عظیم ہیں۔ پس کسی چیز میں ان کی عظمت کی کمی جائز نہیں۔ کیوں کہ ایسا کرنا ان کی منشا میں تصرف کرنا ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے ہمیں اجازت نہیں دی۔

علامہ ابن القیم رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی اپنی کتاب "اَلنُّوْنِيَة" میں اسی بات کو ثابت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ ہر اس معنی کے ساتھ عظیم ہے جس کی وجہ سے اس کی تعظیم واجب ہوتی ہے۔ تعظیم کی وجوہات کسی انسان کے شمار میں نہیں آ سکتیں۔[2]

---

[1] النهاية: ۲۵۹/۳، نقلًا عن النهج الاسنٰى: ۲۸۳/۱

[2] إِنَّ اللّٰهَ سُبْحَانَهٗ، هُوَ الْعَظِيْمُ الْمُطْلَقُ، فَهُوَ عَظِيْمٌ فِيْ ذَاتِهٖ، عَظِيْمٌ فِيْ أَسْمَائِهٖ كُلِّهَا، عَظِيْمٌ فِيْ صِفَاتِهٖ كُلِّهَا، فَهُوَ عَظِيْمٌ فِيْ سَمْعِهٖ وَ بَصَرِهٖ، عَظِيْمٌ فِيْ قُدْرَتِهٖ وَ قُوَّتِهٖ، عَظِيْمٌ فِيْ عِلْمِهٖ ......، فَلَا يَجُوْزُ قَصْرُ عَظَمَتِهٖ فِيْ شَيْءٍ دُوْنَ شَيْءٍ، لِأَنَّ ذٰلِكَ تَحَكُّمٌ لَمْ يَأْذَنْ بِهِ اللّٰهُ.

قَالَ ابْنُ الْقَيِّمِ رَحِمَهُ اللّٰهُ فِيْ نُوْنِيَّتِهٖ مُقَرِّرًا ذٰلِكَ:

وَهُوَ الْعَظِيْمُ بِكُلِّ مَعْنًى يُوْجِبُ ... التَّعْظِيْمَ لَا يُحْصِيْهِ مِنْ إِنْسَانِ

(النونية: ۲۱۴/۲ (النهج الأسنٰى: ۲۸۴/۱)

❷ ''علامہ حلیمی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''العظیم جل جلالہ'' کا مطلب یہ ہے کہ جس کی حکم عدولی نہ کی جا سکے، جیسا کہ ''عظیم القوم'' کہا جاتا ہے جس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ وہ قوم کے سیاہ وسفید کا مالک ہے، نہ کوئی اس کے مقابل کھڑا ہوسکتا ہے نہ اس کے حکم کی مخالفت کرسکتا ہے۔''

دنیا کا بڑا سے بڑا شخص بھی ایک وقت میں بیمار ہوکر یا اپنے منصب سے ہٹ کر یا موت کے گھاٹ پر اتر جانے کے بعد اس کا جاہ وجلال ختم ہوجایا کرتا ہے، اس کی عظمت ختم ہوجاتی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کی ذات ہمیشہ سے عظیم ہے اور ہر چیز پر قادر ہے، کوئی اسے کسی زمانے میں اور کسی حال میں بھی عاجز نہیں کرسکتا اور یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ اس پر دباؤ ڈال کر اس کی نافرمانی کی جاسکے، یا زبردستی اس پر غلبہ پاکر اس کے حکم کی مخالفت کی جائے۔ وہی حقیقتاً ''العظیم جل جلالہ'' ہے، اس کے علاوہ کسی اور کے لئے یہ نام (صرف) مجازاً بولا جاتا ہے۔[1]

عربی زبان میں ایک عجیب سی حلاوت وحرارت ہے جس کی حقیقی ترجمانی ممکن نہیں، جو عربی سے واقف ہوں گے وہی اس تعریف کی لذت پاسکیں گے، عربی زبان میں کیا پیاری تعریف کی گئی ہے:

❸ **هُوَ الَّذِي لَا تَكُوْنُ عَظَمَتُهُ بِتَعْظِيْمِ الْأَغْيَارِ، جَلَّ قَدْرُهُ عَنِ الْحَدِّ وَالْمِقْدَارِ، وَقِيلَ الْعَظِيْمُ الَّذِي لَيْسَ لِعَظَمَتِهِ بِدَايَةٌ، وَلَا لِجَلَالِهِ نِهَايَةٌ.**[2]

''العظیم جل جلالہ'' وہ ذات ہے جس کی عظمت اپنی ذاتی ہے، کسی غیر کی عظمت کی وجہ سے وہ عظیم نہیں ہے۔ اس کی شان اس بات سے بہت اونچی ہے کہ جسے کسی حد اور مقدار سے سمجھا جاسکے جس کی عظمت کی کوئی ابتدا نہیں اور نہ ہی اس کی جلالتِ شان کی کوئی انتہا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے جس کا ترجمہ ہے: (حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا) ''کیا ہوا ہے تم کو، کیوں نہیں امید رکھتے اللہ سے بڑائی کی۔''[3]

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

''تم نے اللہ ربّ العزت کی عظمت کو کما حقہ نہیں پہچانا'' اور (فرمایا) اللہ ربّ العزت کی عظمت یہ ہے کہ تم کسی بھی مخلوق کو اللہ ربّ العزت کے ساتھ کسی بھی چیز میں برابری مت دو۔

نہ ہی الفاظ میں اس طور پر کہ تم کہو ''اللہ کی قسم اور تیری زندگی کی قسم'' (یہاں اللہ ربّ العزت کے نام کی عظمت کے

---

[1] قَالَ الْحَلِيْمِيُّ فِيْ(الْعَظِيْمِ): وَمَعْنَاهُ الَّذِيْ لَا يُمْكِنُ الْإِمْتِنَاعُ عَلَيْهِ بِالْإِطْلَاقِ، لِأَنَّ عَظِيْمَ الْقَوْمِ إِنَّمَا يَكُوْنُ مَالِكَ أُمُوْرِهِمْ، الَّذِيْ لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى مُقَاوَمَتِهِ وَمُخَالَفَةِ أُمُوْرِهِ، إِلَّا أَنَّهُ وَإِنْ كَانَ كَذٰلِكَ، فَقَدْ يَلْحَقُهُ الْعِجْزُ بِآفَاتٍ تَدْخُلُ عَلَيْهِ فِيْمَا بِيَدِهِ فَتُوَهِّنُهُ وَتُضَعِّفُهُ، حَتّٰى يُسْتَطَاعَ مُقَاوَمَتُهُ، بَلْ قَهْرُهُ وَإِبْطَالُهُ، وَاللّٰهُ جَلَّ ثَنَاؤُهُ قَادِرٌ لَا يُعْجِزُهُ شَيْءٌ، وَلَا يُمْكِنُ أَنْ يُّعْصٰى كُرْهًا، أَوْ يُخَالَفَ أَمْرُهُ قَهْرًا. فَهُوَ الْعَظِيْمُ إِذًا حَقًّا وَصِدْقًا، وَكَانَ الْإِسْمُ لِمَنْ دُوْنَهُ مَجَازًا. (النهج الاسمٰى: ۲۸۴/۱)

[2] لوامع البيّنات في الأسماء والصفات: ۲۶۰ [3] النوح: ۱۳

ساتھ مخلوق کو ملا دیا) اسی طرح یوں بھی نہیں کہنا چاہئے ”میرا اللہ تعالیٰ کے سوا اور تیرے سوا کوئی سہارا نہیں۔“ (یہاں بھی اللہ ربُّ العزت کے ساتھ مخلوق کی تعظیم کو شامل کرلیا گیا ہے)۔

اس طرح یوں بھی نہیں کہنا چاہئے ”ہوگا وہی جو اللہ تعالیٰ چاہے گا اور تو چاہے گا“ (ایسے الفاظ بھی تعظیم کے منافی ہیں) اس طرح اللہ تعالیٰ کی عظمت کا یہ حق ہے کہ کسی بھی مخلوق کو محبت ......، تعظیم ......، بزرگی اور اطاعت ...... میں اللہ ربُّ العزت کے برابر نہ دل سے سمجھا جائے اور نہ ہی زبان سے کہا جائے۔[1]

یہ ”اسم مبارک“ قرآن کریم میں نو مرتبہ آیا ہے جن میں سے تین یہ ہیں:

1. ﴿وَلَا يَـُٔودُهُۥ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ ٱلْعَلِىُّ ٱلْعَظِيمُ﴾[2]
2. ﴿فَسَبِّحْ بِٱسْمِ رَبِّكَ ٱلْعَظِيمِ﴾[3]
3. ﴿ٱللَّهُ لَآ إِلَـٰهَ إِلَّا هُوَ رَبُّ ٱلْعَرْشِ ٱلْعَظِيمِ﴾[4]

تمام مخلوقات اَلعَظِیْمُ جَلَّ جَلَالُہٗ کی عظمت کی دلیل ہیں

اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی کائنات میں غور کریں، جس میں کئی بلین سے بھی زائد ستارے اور کہکشائیں جن کا شمار ممکن نہیں اپنے اپنے مدار پر سرگرم سفر ہیں، مگر پھر بھی ان سب میں مکمل ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ ستارے، سیارے اور سب سیٹلائٹ اپنے اپنے محوروں کے گرد اور اس نظام کے اندر گردش کرتے ہیں جس سے ان کا تعلق ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر زمین اپنے محور کے گرد ۱۶۷۰ کلومیٹر فی گھنٹے کی سمتی رفتار سے گردش کرتی ہے۔ جب ہم اس بات کو ذہن میں رکھتے ہیں کہ سب سے تیز گولی کی سمتی رفتار (Velocity) ۱۸۰۰ کلومیٹر فی گھنٹہ ہوتی ہے تو اس سے ہم پر یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ زمین اپنی بہت بڑی جسامت کے باوجود کس قدر تیزی سے گردش کر رہی ہے۔ سورج کے گرد زمین کی اپنے مدار پر رفتار گولی کی رفتار سے تقریباً ۶۰ مرتبہ زیادہ ہوتی ہے جو ۱۰۸۰۰۰ کلومیٹر فی گھنٹہ بنتی ہے۔ نظامِ شمسی کہکشاں کے مرکز کے گرد ۷۲۰۰۰۰ کلومیٹر فی گھنٹے کی رفتار سے گردش کرتا ہے۔ خلاء میں خود ”کہکشاں“ (Milky Way) جس میں ۲۰۰ بلین ستارے ہیں کی رفتار ۹۵۰۰۰۰ کلومیٹر فی گھنٹہ ہے۔

اس قدر زیادہ رفتار دراصل یہ ظاہر کرتی ہے کہ اس زمین پر ہماری زندگیاں اسی طرح گزرتی ہیں جس طرح چاقو کی نوک پر گزاری جا رہی ہوں۔ اس قسم کے پیچیدہ نظام میں عام حالات میں تو بڑے بڑے حادثات پیش آنے کے

---

[1] قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ لَا تَعْرِفُوْنَ حَقَّ عَظَمَتِهٖ وَمِنْ عَظَمَتِهٖ أَنْ لَّا تَعْدِلَ بِهٖ شَيْئًا مِّنْ خَلْقِهٖ، لَا فِي اللَّفْظِ، بِحَيْثُ تَقُوْلُ وَاللّٰهِ وَحَيَاتِكَ، مَالِيْ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنْتَ، وَمَا شَآءَ اللّٰهُ وَشِئْتَ وَلَا فِي الْحُبِّ وَالتَّعْظِيْمِ وَالْإِجْلَالِ وَلَا فِي الطَّاعَةِ. (الدّر المنثور: ۵۱۶/۷، النوح: ۱۳، فوائد الفوائد: ۹۴)

[2] البقرة: ۲۵۵ [3] الواقعة: ۹۶ [4] النمل: ۲۶

امکانات تھے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ؕ مَا تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ؕ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ تَرٰی مِنْ فُطُوْرٍ ﴿۳﴾ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَیْنِ یَنْقَلِبْ اِلَیْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِیْرٌ ﴿۴﴾﴾[1]

ترجمہ: ’’جس نے تہ بہ تہ سات آسمان بنائے، تم رحمٰن کی تخلیق میں کسی قسم کی بے ربطی نہ پاؤ گے۔ پھر پلٹ کر دیکھو کہیں تمہیں کوئی خلل نظر آتا ہے؟ بار بار نگاہ دوڑاؤ، تمہاری نگاہ تھک کر نامراد پلٹ آئے گی۔‘‘

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرما دیا کہ اس نظام میں کوئی ’’بے ربطی‘‘ یا ’’تناسب کی کمی‘‘ نہیں پائی جاتی۔ اس کائنات کو اس کے اندر موجود تمام چیزوں سمیت بس یوں ہی اس کے اپنے رحم و کرم پر نہیں چھوڑ دیا گیا، بل کہ یہ تو ایک ایسے توازن کے مطابق کام کرتی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے قائم کیا ہے۔[2]

انسان کو خود اپنے جسم کی تخلیق کے بارے میں سوچنا چاہیے، کوئی شخص ماں کے رحم میں بچے کو بنتے ہوئے دیکھے تو یہ تصور نہیں کر سکتا کہ اس اندھیری کوٹھڑی میں جو انسان تیار ہو رہا ہے یہ مستقبل کا وزیر اعظم یا بادشاہ یا بڑا ڈاکٹر ہوگا۔ ماں کے پیٹ میں نہ سن سکتا ہے نہ دیکھ سکتا ہے، نہ بول سکتا ہے، مگر جب اس دنیا میں داخل ہوتا ہے تو اس پیدا کرنے والی عظیم ذات کو بھلا دیتا ہے۔

ایک نوزائدہ بچہ یا ایک چھ فٹ لمبے انسان کا جسم دس لاکھ کھرب خلیوں سے بنا ہوتا ہے۔ (خلیہ اینٹوں کی شکل کا ہوتا ہے جو صرف خوردبین سے نظر آتا ہے) زمین پر کوئی عمارت، حتیٰ کہ تجارتی مرکز کی بلند ترین عمارت بھی اتنی اینٹوں سے نہیں بنتی جتنے انسان میں خلیے ہیں۔ یہ تمام دس لاکھ کھرب خلیے اسی ایک خلیے سے لئے ہیں جو باپ کے مادہ تولید اور ماں کے انڈے کے ملاپ سے بنتا ہے۔ جسم کے مختلف اعضا مثلاً آنکھ، دل، ناک، گردے، دماغ وغیرہ اس ایک خلیے سے بنتے ہیں، مگر حیران کن حد تک مختلف مخصوص کام کرتے ہیں۔ یہ سب کس نے کیا؟ میرے اللہ العظیمُ جلّ جلالہٗ کی قدرت سے ہوا۔ حیران کن بات جو دیکھنے میں آتی ہے وہ یہ کہ انسان کے جسم کا ہر عضو اپنے موزوں ترین مقام پر بنایا گیا ہے، مثلاً: اگر آنکھیں پاؤں پر ہوتیں تو دیکھنا مشکل ہو جاتا، یہ سب چیزیں العظیمُ جلّ جلالہٗ کی عظمت کی واضح دلیلیں ہیں۔

جس نے العظیمُ جلّ جلالہٗ کی عظمت کو جان لیا، دنیا اس کی نظر میں ذلیل ہے

واقعہ نمبر (۶۲): ❶ عبدالواحد بن زید کہتے ہیں: ایک مرتبہ میرا گزر ایک عبادت گاہ پر ہوا۔ وہاں ایک راہب (دنیا سے منقطع) رہتا تھا۔ میں نے اس کو راہب کہہ کر آواز دی، وہ نہ بولا۔ پھر دوسری مرتبہ پکارا پھر بھی نہ بولا۔ پھر تیسری

[1] الملک: ۳ تا ۴ [2] ’’عقل والوں کے لئے اللہ کی نشانیاں‘‘: ۲۵۶

مرتبہ میں نے پکارا تو وہ میری طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا: میں راہب نہیں ہوں، راہب وہ شخص ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہو...... اس کی کبریائی میں اس کی تعظیم کرتا ہو...... اس کی بلاؤں پر صبر کرتا ہو...... پھر اس کے تقدیری فیصلوں پر راضی ہو...... اس کی نعمتوں پر شکر کرتا ہو...... اس کی عظمت کے سامنے تواضع سے رہتا ہو...... اس کی عزت کے مقابلے میں اپنے کو ذلیل رکھتا ہو...... اس کی کامل اطاعت کرنے والا ہو...... اس کی ہیبت سے عاجزی کرتا ہو...... میں تو ایک ہڑکایا ہوا کتا ہوں۔ اس وجہ سے یہاں بیٹھ گیا ہوں کہ کہیں کسی کو کاٹ نہ کھاؤں۔

میں نے اُن سے پوچھا: کیا بات ہے کہ لوگ حق تعالیٰ شانہٗ کی عظمت کو جانتے ہیں پھر بھی اس سے ان کا رشتہ ٹوٹا ہوا ہے؟

اس نے کہا: صرف دنیا کی محبت نے اور اس کی زیب وزینت نے اُن کا رشتہ توڑ رکھا ہے۔ دنیا گناہوں کا گھر ہے، سمجھ دار اور عاقل وہ شخص ہے جو اس کی محبت کو اپنے دل سے نکال پھینکے اور اَلْعَظِیْمُ جَلَّ جَلَالُہٗ کی طرف متوجہ ہو جائے اور ایسے کام کرے جو اسے عظیم ذات کے قریب کر دیں۔[۱]

ہمیں یہ یقین بنانا چاہئے کہ عظمت و بڑائی اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے۔ دنیا کی بڑی سے بڑی چیز کو دیکھ کر دل میں یہی خیال کریں کہ یہ حقیر چیز ہے، عظیم نہیں ہے، اپنی زبان سے اَلْعَظِیْمُ کی عظمت کے علاوہ کسی کی عظمت نہ بولیں، کسی بھی چیز کی بڑائی دل میں نہ لائیں۔

کھڑی مٹی اور پڑی مٹی

❷ ہمارے بھائی امین صاحب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ (کراچی کے امیر) فرماتے تھے: دنیا کی بڑی سے بڑی عمارت پر جب نگاہ پڑے تو سوچو کہ دو مٹی کے درمیان کی شکل ہے، پہلے بھی مٹی تھی، اخیر میں بھی مٹی ہوگی، ایک میاں جی کو ہم جماعت میں لے کر نکلے تو کراچی کی سب سے بڑی عمارت دکھلائی کہ یہ ۲۵ منزلہ ہے، تو میاں جی نے کہا:

"کھڑی مٹی اور پڑی مٹی ہمارے لئے برابر ہے۔" یہ جملہ یاد رکھنا چاہئے۔ اگر اَلْعَظِیْمُ جَلَّ جَلَالُہٗ کی عظمت کا یقین اور استحضار ہمارے دل میں ہو تو دنیاوی رُعب اور دبدبہ ان شاء اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں پر اثر نہیں کرے گا۔

ع زشاہ باج ستانند و خرقہ می پوشند

اَلْعَظَمَۃُ لِلّٰہِ

وَاقِعَۃٌ نَمْبَر ۶۳: سلطان محمد تغلق (متوفی ۷۵۲ھ) ہندوستان کا مشہور بادشاہ ہے جو ہندوستان کی تاریخ میں اپنی بلندی اور خون ریزی میں بہت مشہور ہے، ایک مرتبہ وہ حضرت شیخ قطب الدین منور رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کی رہائش گاہ کے

---

[۱] نزھۃ البساتین: ۳۱۱

قریب سے گزرا، حضرت قطب صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی جگہ بیٹھے رہے اور اس کے استقبال کے لئے باہر نہیں نکلے، سلطان کو یہ بات بہت ناگوار گزری، اور اس نے باز پرس کے لئے حضرت قطب صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کو اپنے دربار میں طلب کرلیا۔

حضرت دربار میں داخل ہوئے تو ملک کے تمام بڑے بڑے اُمراء، وزراء اور فوجی افسر بادشاہ کے سامنے مسلح ہو کر کھڑے تھے۔ دربار کے رُعب ودبدبہ کا عالم یہ تھا کہ لوگوں کے کلیجے پگھلے جا رہے تھے۔ حضرت قطب صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان کے نوعمر صاحبزادے نورالدین رحمہ اللہ تعالیٰ بھی تھے۔ انہوں نے اس سے قبل کبھی بادشاہ کا دربار نہیں دیکھا تھا، ان پر یہ منظر دیکھ کر رعب طاری ہوگیا۔ حضرت قطب صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے بیٹے کو مرعوب ہوتے دیکھا تو زور سے پکار کر کہا:

”اَلْعَظَمَةُ لِلّٰه!“ (عظمت تمام تر اللہ تعالیٰ کے لئے ہے)

حضرت نورالدین رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: جوں ہی اپنے والد کی یہ آواز میرے کانوں میں پڑی، میں نے اپنے اندر ایک عجیب وغریب قوت محسوس کی، میرے دل سے دربار کی ساری ہیبت زائل ہو کر رہ گئی، اور تمام حاضرین مجھے ایسے معلوم ہونے لگے جیسے وہ بھیڑ بکریوں کا کوئی ریوڑ ہو۔“ [۱]

اسی طرح مثلاً ہم ایک ایسا بادشاہ فرض کر لیتے ہیں جو ساری دنیا کا مالک ہو اور صاحبِ عظمت و بلندی ہو، لیکن اگر اس کی سلطنت ختم ہو جائے، تو اس کی عظمت ختم ہو جائے گی، معلوم ہوا وہ بذات خود عظیم نہ تھا، اس کی عظمت کسی دوسری چیز کی مرہونِ منت تھی، اس کی عظمت، سلطنت کی وجہ سے تھی۔ لہٰذا جب سلطنت زائل ہوگئی تو اس کی عظمت بھی زائل ہو گئی۔ تاریخ میں ایسے بہت سے واقعات ملیں گے کہ شاہانِ وقت کی سلطنت کسی دشمن نے چھین لی تو وہ ذلیل و برباد ہو گئے۔ قید خانوں میں گل سڑ کر مر گئے اور کسی نے بھی ان کی تعظیم نہ کی۔ بہادر شاہ ظفر رنگون میں اسیری کی زندگی گزار کر مر گئے۔

دراصل حقیقی اور ذاتی عظمت کا مالک وہی ”العظیم جل جلالہ“ ہے، اس کے سوا کوئی بھی ”العظیم“ نہیں، سب کی عظمتیں فانی اور غیر حقیقی ہیں۔ یہ دنیا رہے یا نہ رہے اس کی عظمت میں فرق نہیں پڑتا، وہ اس کائنات سے پہلے بھی ”العظیم جل جلالہ“ تھا اور اس کائنات کے بعد بھی ”العظیم جل جلالہ“ ہی رہے گا۔ [۲]

اللہ تعالیٰ کی عظمت سے انکار کرنا نہایت محرومی کا سبب ہے جیسے قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ۝ ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ ۝ ثُمَّ فِيْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ ۝ اِنَّهٗ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ۝﴾ [۳]

---

[۱] تراشے: ۹۱ [۲] شرح اسماء الحسنیٰ للازھری: ۲٦٤ [۳] الحاقۃ: ۳۰، ۳۳

ترجمہ: (اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملائکہ جہنم کو حکم ہوگا) اسے پکڑلو، پھر اسے طوق پہنادو، پھر اسے دوزخ میں ڈال دو، پھر اسے ایسی زنجیر میں جس کی پیمائش ستر ہاتھ کی ہے جکڑدو، بے شک یہ اللہ، عظمت والے پر ایمان نہ رکھتا تھا۔

اَلْعَظِیْمُ جَلَّ جَلَالُہٗ کی تعظیم میں سے یہ بات ہے کہ انسان تمام منکرات وحرام کردہ چیزوں سے بچے جن کو اللہ ربّ العزت نے اپنی کتاب میں حرام قرار دیا ہے یا رسول اللہ ﷺ نے اپنے ارشادات سے اس کی حرمت کو واضح کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں میں سب سے بڑی چیز شرک اور اس کی اقسام ہیں۔

اَلْعَظِیْمُ جَلَّ جَلَالُہٗ کی تعظیم میں سے دوسری چیز یہ ہے کہ اس کے بتائے ہوئے احکامات پر چلے۔ ان میں سے سب سے بڑی چیز توحید اور عبادت میں اس کی وحدانیت کا اقرار کرنا ہے۔

اس سے زیادہ گمراہ کوئی شخص نہیں جو ایک اکیلے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے سے انکار کرے اور اللہ تعالیٰ کی ذات میں دوسروں کو شریک کرنے پر جما رہے، جو نہ خود اپنے رزق کے مالک ہیں اور نہ نفع اور نقصان کے، یہ مشرک اپنی حاجتیں پوری کرواتے ہیں، پتھروں اور قبروں سے اور سوچنے کی بات یہ ہے کہ پتھر کیسے انسان کی حاجتیں پوری کریں گے جو قبروں میں مدفون ہیں وہ تو ختم ہوگئے، ان کی ہڈیاں بھی چورا چورا ہوگئیں، اب وہ ان کی حاجت کو کیسے پورا کریں گے اور مریضوں کو کیسے شفا دیں گے۔ ایسے لوگ جو بتوں کے پاس یا مزاروں کے پاس یا پیروں، ولیوں کے لباس میں بیٹھے ہوئے جاہلوں، کاہنوں، نجومیوں، کے پاس جا کر اپنی ضرورتیں مانگتے ہیں، دنیا میں بھی اندھے اور دور کی گمراہی میں ہیں اور آخرت میں ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

پس جب کوئی شخص "اَلْعَظِیْمُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کی تعظیم نہیں کرے گا تو اس کو عذابِ عظیم ہوگا۔ جو بڑے کا حقِ عظمت ادا نہیں کرے گا، تو وہ سخت عذاب میں مبتلا ہوگا۔

اَلْعَظِیْمُ جَلَّ جَلَالُہٗ کی عظمت رکوع میں بیان کیجئے

❶ حضور نبی کریم ﷺ نے رکوع میں اس تسبیح کا حکم دیا ہے:

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھ کو رکوع اور سجدے میں قرآن پڑھنے سے منع کیا گیا ہے، پس رکوع میں تو اللہ تعالیٰ کی تعظیم "سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمُ" بیان کرو اور سجدہ میں خوب اللہ تعالیٰ سے دعا مانگا کرو، یہ اس کے مناسب ہے کہ تمہاری دعا قبول کی جائے۔[1]

❷ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: "رسول اللہ ﷺ اپنے رکوع اور سجدے میں یہ دعا مانگا کرتے تھے:

"سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ اللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ"[2]

---

[1] مسلم، الصلوٰة، باب النهي عن قراءة القرآن في الركوع والسجود: ۱۹۱/۱

[2] بخاري، اذان، باب الدعاء في الركوع، رقم: ۷۹۴

ترجمہ: ''اے اللہ! تو پاک ہے، اے ہمارے پروردگار، اور ہم تیری تعریف کرتے ہیں، اے اللہ! مجھے بخش دے۔''
اس دعا کو بھی رکوع اور سجدہ میں پڑھنا چاہئے، اس سے تعدیل ارکان پر بھی عمل ہوگا اور جس سے نماز قبولیت کے زیادہ قریب ہوگی۔

فوائد و نصائح

❶ ''العظیم جل جلالہ'' کی عظمت ہر مسلمان کے دل و دماغ پر اتنی چھائی ہوئی ہو کہ وہ کسی اور کو عظیم نہ سمجھے، جتنی بھی مخلوق عظیم سے عظیم تر نظر آئے یا معلوم ہو وہ ان سب کو اس ''العظیم جل جلالہ'' کے مقابلے میں حقیر و فانی مخلوق سمجھے۔
اس ''العظیم جل جلالہ'' کی عظمت کا اتنا تصور کیا جائے اور مخلوقِ خدا کو اس کی عظمت کی طرف اتنی دعوت دی جائے کہ انسان ہر اُس چیز کو چھوڑ دے جس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب کا خطرہ ہو کہ یہ کام میں کبھی نہیں کرسکتا کہ اس ''العظیم جل جلالہ'' نے منع کیا ہے۔ اگر میں نے اس کی نافرمانی کی تو اس ''العظیم جل جلالہ'' کی فوجیں چاروں طرف سے مجھے گھیر لیں گی، میری بنی بنائی زندگی خراب ہو جائے گی اور میرے لئے سوائے اسی کی طرف توبہ کرنے کے اور معافی مانگنے کے، نجات کا راستہ کہیں نہیں ملے گا، وہ ہمارے تصور سے بھی زیادہ عظیم ہے۔
❷ اللہ تعالیٰ کی بہترین تعظیم یہ ہے کہ اللہ اور اس کے پیارے رسول کے بتلائے ہوئے طریقوں پر چلے، گناہوں، بدنظری، گانے سننا ان سب سے بچے اور اس اسم مبارک کے تحت دی گئی دعاؤں کو مانگ کر بے چینی، بے قراری اور غموں، پریشانیوں کو دور کرے۔

العظیم جل جلالہ کی عظمت کا واسطہ دے کر بے چینی دور کیجئے

❶ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بے چینی کے وقت یہ دعا پڑھتے تھے:

''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْعَظِيْمُ الْحَلِيْمُ..... لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ..... لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَرَبُّ الْاَرْضِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ''

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے جو بہت بڑے اور بردبار ہیں (گناہ پر فوراً پکڑ نہیں فرماتے) اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے جو عرشِ عظیم کے رب ہیں، اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، جو آسمانوں اور زمینوں کے اور معزز عرش کے رب ہیں۔'' [1]

یہ دعا بخاری شریف میں ''دعاء الکرب'' کے نام سے ہے، اس دعا میں دو مرتبہ لفظ عظیم آیا ہے، ایک جگہ اللہ کی صفت بیان کی گئی ہے اور دوسری جگہ عرش کی صفت بیان کی گئی اللہ جل جلالہ خود بھی عظیم ان کا عرش بھی عظیم۔

[1] بخاری، الدعوات، باب الدعاء عند الکرب: ۹۳۹/۲

اَلْعَظِيْمُ جَلَّ جَلَالُہٗ کا واسطہ دے کر ذلت و رسوائی سے بچئے

❷ اس مبارک دعا میں اللہ تعالیٰ کی عظمت بھی بیان کی گئی ہے۔ اردو داں حضرات اس کا ترجمہ یاد فرمالیں تو ان شاء اللہ ''اَلْعَظِيْمُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کی عظمت اور قدرتِ واسعہ کا دھیان دل میں بیٹھے گا۔

''اَللّٰھُمَّ اِنَّكَ رَبٌّ عَظِيْمٌ لَّا يَسَعُكَ شَيْءٌ مِّمَّا خَلَقْتَ وَاَنْتَ تَرٰى وَلَا تُرٰى وَاَنْتَ بِالْمَنْظَرِ الْاَعْلٰى وَاَنَّ لَكَ الْاٰخِرَةَ وَالْاُوْلٰى وَلَكَ الْمَمَاتُ وَالْمَحْيَا وَاَنَّ اِلَيْكَ الْمُنْتَهٰى وَالرُّجْعٰى نَعُوْذُبِكَ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰى.''[1]

تَرجَمَہ: ''اے اللہ! تو بڑی عظمت والا رب ہے، کوئی بھی چیز تیری وسعت کو نہیں پاسکتی۔ تو سب کو دیکھتا ہے اور خود تو دیکھا نہیں جاسکتا اور سب سے بلند منظر (مقام) پر ہے اور تیرے ہی لئے ہے آخرت اور دنیا اور تیرے ہی لئے ہے (بندوں کا) مرنا اور جینا اور تیری ہی طرف ہے سب کا پہنچنا اور سب کا پھر لوٹ کر آنا۔ ہم تیری پناہ لیتے ہیں اس بات سے کہ ہم ذلیل اور رسوا ہوں۔''

اَلْعَظِيْمُ جَلَّ جَلَالُہٗ کے عرش عظیم کا واسطہ دے کر غموں کو دور کیجئے

❸ حضرت ابودرداء رَضِيَ اللهُ تَعَالىٰ عَنْهُ فرماتے ہیں کہ جو شخص صبح و شام سات مرتبہ اس دعا کو سچے دل سے مانگے یعنی فضیلت کے یقین کے ساتھ مانگے یا یوں ہی فضیلت کے یقین کے بغیر مانگے تو اَلْعَظِيْمُ جَلَّ جَلَالُہٗ (دنیا اور آخرت کے) تمام غموں سے اس کی حفاظت فرمائیں گے۔

دعا مانگنی ہو تو سب سے بہتر اسمائے حسنیٰ کا واسطہ اور وسیلہ دے کر انسان دعا مانگے، ذلت و رسوائی سے بچنے کے لئے آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے جو دعا مانگی اس میں اللہ تعالیٰ کے عظیم نام کا واسطہ دیا ہے:

''حَسْبِيَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ''

تَرجَمَہ: ''مجھے اللہ تعالیٰ ہی کافی ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اسی پر میں نے بھروسہ کیا اور وہی عرشِ عظیم کا مالک ہے۔''[2]

اس اسم سے تعلق پیدا کرنے والوں کو چاہئے کہ عجز و انکساری کو اپنا شعار بنائیں اور اللہ تعالیٰ کے حضور خشوع و خضوع کے ساتھ حاضر ہوں اور دل کو اللہ تعالیٰ کی عظمت سے پُر رکھیں اور غیر اللہ کی بڑائی دل میں نہ آنے دیں۔

---

[1] کنز العمال، کتاب الاذکار: ۹۱/۲، رقم: ۳۷۷۹
[2] ابوداؤد، الأدب، باب مايقول إذا أصبح رقم: ۵۰۸۱

الشکور جل جلالہٗ

(قدردان، تھوڑے پر بہت دینے والا)

اس اسم مبارک کے تحت پانچ تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

❶ أَصْلُ الشُّكْرِ فِي اللُّغَةِ هُوَ الزِّيَادَةُ وَالظُّهُورُ.[1]

ترجمہ: لغت میں شکر کے معنی اصلی، ''زیادتی اور ظہور پذیر ہونے'' کے ہیں۔

''الشکور جل جلالہٗ'' وہ ذات ہے جو تھوڑی سی طاعات کے عوض میں بہت سے درجے عطا فرماتا ہے اور چند روز کے اعمال کے بدلے آخرت میں غیر محدود نعمتیں دیتا ہے اور جو نیکی کا کئی گنا عوض دے اُس کی نسبت کہا کرتے ہیں کہ اس نے اس نیکی کا شکر کیا۔[2]

❷ ''وہ قدردان ایسا ہے کہ جب بندہ نیکی کرتا ہے تو وہ ''الشکور جل جلالہٗ'' اُسے اجر بھی استحقاق سے کہیں زائد دے دیتا ہے ﴿وَمَنْ يَقْتَرِفْ حَسَنَةً نَزِدْ لَهُ فِيهَا حُسْنًا﴾[3]

یعنی جس قدر اجر اُس نیکی کا حق ہے، ہم اجر اُس سے کہیں زائد دے دیں گے۔''[4]

❸ ''الشکور جل جلالہٗ'' وہ قدردان ایسا ہے کہ ہر چھوٹے سے چھوٹے عملِ صالح کو بھی قبول کر لیتا ہے اور بردبار ایسا ہے کہ بڑی سے بڑی نافرمانیوں پر بھی فوراً گرفت نہیں کرتا۔''

❹ ''الشکور جل جلالہٗ'' قدردان ایسا کہ اعمالِ صالح کی قدر ان کے استحقاق سے بڑھ کر کرتا ہے۔''[5]

امام شرف الدین حسین بن محمد رحمہ اللہ تعالیٰ مشکوۃ کی شرح طیبی میں تحریر فرماتے ہیں:

❺ ''هُوَ الَّذِي يُعْطِي الثَّوَابَ الْجَزِيلَ عَلَى الْعَمَلِ الْقَلِيلِ.''[6]

ترجمہ: '''الشکور جل جلالہٗ'' وہ ذات ہے جو بندے کے تھوڑے سے عمل پر بہت زیادہ اجر دیتا ہے۔''

اسی لئے کہا جاتا ہے کہ چھوٹی سے چھوٹی نیکی کو بھی کم تر جان کر نہ چھوڑا جائے، کیا خبر اس قدردان کے یہاں سے

---

[1] النہج الاسمیٰ: ۲۹۰/۱ [2] رسائل امام غزالی: ۳۱۷
[3] شوریٰ: ۲۳ [4] تفسیر ماجدی: ۹۷۱/۲، الشوریٰ: ۲۳ [5] تفسیر ماجدی: ۸۷۸/۲
[6] شرح طیبی، الدعوات، باب اسماء اللّٰہ تعالیٰ: ۳۷/۵

اس چھوٹی سی نیکی پر بھی مغفرت کا فیصلہ ہو جائے۔

حدیث میں آتا ہے:

عَنْ أَبِيْ ذَرٍّ قَالَ: قَالَ لِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا تَحْقِرَنَّ مِنَ الْمَعْرُوْفِ شَيْئًا وَلَوْ اَنْ تَلْقٰى اَخَاكَ بِوَجْهٍ طَلْقٍ"۔[1]

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ مجھ سے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: "نیکی کے کاموں میں سے کسی چیز کو حقیر نہ سمجھو اگرچہ اپنے بھائی کے ساتھ خندہ پیشانی سے ملنا ہی ہو۔"

یعنی اپنے بھائی سے خوشی کے ساتھ ملنا بھی نیکی ہے اور اس نیکی کو حقیر نہ سمجھے، بل کہ اس پر شکر ادا کرے، تا کہ زیادہ اجر پائے۔

الشکور جل جلالہ کی مخلوق کے ساتھ بھلائی پر مغفرت

واقعہ نمبر ۶۴: ایک شخص جو کسی سفر میں جا رہا تھا، شدید پیاس کا شکار ہوا، ایک کنویں پر اس نے پانی دیکھا تو کنویں میں اتر کر اپنی پیاس بجھائی، باہر نکلا تو پیاس سے ہانپتا ایک کتا نظر آیا۔ اسے فوراً خیال آیا کہ جس طرح یہ پیاس سے ہانپ رہا ہے میں بھی ابھی کچھ دیر قبل اسی طرح پیاس سے بے چین تھا۔ فوراً اس نے موزہ اتارا، اس کو منہ سے پکڑا، اس میں پانی بھرا اور کتے کو پلایا تو اللہ پاک نے اس عمل پر خوش ہو کر اس کی مغفرت کر دی۔[2]

عورت کی مغفرت کر دی گئی

واقعہ نمبر ۶۵: اسی طرح دوسرا واقعہ ہے کہ ایک عورت فاحشہ تھی، کتے کو پیاس سے زبان لٹکائے دیکھا تو بے چین ہو گئی اور اپنے موزہ میں پانی نکال کر اسے پلایا۔ اس پر اُس عورت کی مغفرت کر دی گئی۔[3]

اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو خصوصیات عطا کی ہیں وہ کسی دوسری مخلوق کو عطا نہیں کی۔ انسان اپنی ضرورت کے لئے کنویں میں اتر کر پانی حاصل کرنے پر قادر ہے، لیکن جانور کنویں میں اتر کر اپنی پیاس بجھانے پر قادر نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کتے کی پیاس بجھانے کے لئے انسان کے دل میں جذبہ پیدا کیا اور انسان کی مغفرت کے لئے یہی عمل بہانہ بن گیا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہیں۔

یہاں غور طلب بات یہ ہے کہ دونوں واقعات میں کنویں سے پانی نکالنے کے لئے کوئی چیز موجود نہیں تھی، نہ کوئی

---

[1] مسلم، البر والصلة والادب، باب استحباب طلاقة الوجه عند اللقاء: ۳۲۹/۲

[2] بخاري، المساقاة، باب فضل سقي الماء: ۳۱۸/۱

[3] مسلم، قتل الحيات وغيرها، باب فضل سقي البهائم: ۲۳۷/۲

ڈول تھا، نہ رسی تھی، نہ کوئی دوسرا برتن تھا۔ اس شخص نے اپنی پیاس تو خود کنویں میں اتر کر بجھالی تھی، لیکن کتے کو کیسے پانی پلاتا؟ کوئی چیز تو تھی نہیں، لہٰذا اس نے موزہ اتارا، اسے پانی سے بھرا، لیکن اب اوپر کیسے چڑھے؟

ہاتھوں میں موزہ کو پکڑ نہیں سکتا کہ ہاتھوں سے کنویں کی منڈیر کو پکڑنا ضروری ہے، نہیں تو اوپر نہیں چڑھ سکتا۔ لہٰذا اس نے اپنے منہ سے موزہ کو پکڑا، حالاں کہ عام حالات میں انسان اپنے موزے اور جوتے وغیرہ کو چہرہ کے قریب لانا بھی گوارا نہیں کرتا، چہ جائے کہ منہ سے اسے پکڑے، لیکن جب رحم کا جذبہ ہو تو سب کام آسان ہو جاتے ہیں۔

اسی طرح اس عورت کے پاس بھی بظاہر پانی نکالنے کا کوئی ذریعہ نہ تھا، نہ خود کنویں میں اتر سکتی تھی، آخر موزہ اتارا اور اسے بطور ڈول استعمال کیا اور اپنا دوپٹہ اتارا، اسے بطور رسی استعمال کیا۔ دونوں واقعات میں ایک بے زبان جانور کو پانی پلانے کے لئے اپنی تکلیف کی پروا نہ کرنے پر ''الشکور جل جلالہ'' نے مغفرت سے سرفراز فرمایا، حالاں کہ کتا ایک نجس اور ناپاک جانور ہے، انسان کو طبعاً اس سے کراہت ہوتی ہے، خاص طور پر جب کہ وہ آوارہ پھرنے والا ہو، لیکن مخلوقِ خدا کی تکلیف کو دور کرنا، ''الشکور جل جلالہ'' کے نزدیک نہایت قابلِ اعزاز عمل ٹھہرا اور اس کی بنا پر وہ مغفرت و فضل کے مستحق ہو گئے۔

اس واقعے میں ہمارے لئے عبرت و نصیحت کے بہت سے پہلو ہیں:

❶ اللہ تعالیٰ کی مخلوق پر رحم کرنا اللہ تعالیٰ کے رحم و کرم کا مستحق بناتا ہے، خصوصاً بے زبان جانوروں پر رحم کرنا، ان کی تکلیف کو دور کرنے کا سامان کرنا بہت بڑی بات اور انسانیت کا بہترین درجہ ہے اور اس سے یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ جب بے زبان جانوروں پر رحم کرنا اللہ تعالیٰ کے رحم کا مستحق بناتا ہے، تو ان بے زبان جانوروں پر ظلم کرنا اور انہیں تکلیف پہنچانا (جب کہ وہ موذی نہ ہوں) اللہ تعالیٰ کے عذاب اور اس کی پکڑ کا بھی مستحق بنائے گا۔

❷ انسان کی مغفرت بعض اوقات کسی بظاہر چھوٹے نظر آنے والے عمل پر بھی ہو جاتی ہے، مغفرت اور رحمتِ حق کسی بھی انسان پر کسی بھی وقت ہو سکتی ہے۔ عمر بھر کا گناہ گار لمحہ بھر میں مقربین میں شامل ہو سکتا ہے اور سو سال کی عبادت لمحہ بھر کی لغزش سے بے قیمت ہو سکتی ہے۔[1]

صبر و شکر مغفرت کا سبب بن گیا

واقعہ نمبر ۶۲: دار العلوم دیوبند کے سب سے پہلے مدرّس حضرت مولانا محمود دیوبندی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ دیوبند ہی کے باشندے اور بڑے عالم تھے اور ہزاروں علماء کے استاذ تھے، حضرت شیخ الہند رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ دار العلوم کے پہلے شاگرد اور مولانا محمود رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ پہلے استاذ، ان دونوں حضرات رَحِمَہُمَا اللہُ تَعَالیٰ سے دار العلوم کی بنیاد پڑی۔ ان کی وفات کے بعد کسی نے ان کو خواب میں دیکھا۔ ان سے پوچھا: کیا گزری، کیا معاملہ ہوا؟

---

[1] قصص الحدیث: ۲۰۱

فرمایا: اللہ تعالیٰ کا شکر ہے اس نے بخش دیا۔

پوچھا: مغفرت کا سبب کیا ہوا؟

فرمایا: اور کسی چیز کے بارے میں، پڑھنے لکھنے کے بارے میں تو کسی نے پوچھا ہی نہیں، درس وتدریس کے بارے میں بھی کسی نے نہیں پوچھا۔ البتہ کہا گیا کہ فلاں دن تم نے اپنے گھر میں کھچڑی پکانے کو کہا تھا اور کھچڑی میں نمک تیز ہوگیا اور تم نے اس کھچڑی کو صبر کے ساتھ کھالیا اور اپنی بیوی کو کچھ کہا نہیں اور تم نے اس تکلیف کو محض اللہ تبارک وتعالیٰ کو راضی کرنے کی خاطر صبر اور تحمل کے ساتھ برداشت کیا اور اس لئے اس کا اظہار نہیں کیا کہ اس سے اس کا دل دُکھے گا، اس صبر و تحمل کے نتیجے میں تمہیں بخشا جاتا ہے۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رَحِمَهُ اللهُ تَعَالیٰ فرماتے ہیں یہ انعامی وظائف ہوتے ہیں۔ جب کسی کو انعام دینا ہوتا ہے تو معمولی چیز پر بھی انعام دیا جاتا ہے۔

ہر آن اس حقیقت کو نگاہوں کے سامنے رکھا جائے کہ اس کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے، وہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذاتِ واحد سے ہو رہا ہے، اس دنیا میں جتنے واقعات پیش آتے ہیں، وہ سب اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے آتے ہیں اور اس کی مشیت کے بغیر کوئی ذرہ اِدھر سے اُدھر حرکت نہیں کرسکتا، لیکن ہر رنج و راحت اور غم و مسرت کے وقت اس حقیقت کا استحضار نہیں رہتا، اس لئے جب کسی ظاہری ذریعے سے کوئی خوشی یا تکلیف پہنچتی ہے، تو آدمی اسی ظاہری ذریعے کو سب کچھ سمجھ بیٹھتا ہے، اور خوشی اور تکلیف دونوں کی نسبت اسی کی طرف کرتا ہے، لیکن ''توحیدِ عملی'' کا مطالبہ انسان سے یہ ہے کہ وہ اس حقیقت کو ہر آن اس طرح مستحضر رکھے گویا اس کو دیکھ رہا ہے، اسی کو بعض بزرگوں نے اس طرح تعبیر فرمایا ہے کہ ؎

توحیدِ خدا واحد دیدن بود، نہ واحد گفتن　　　شکر نعمت ہائے تو چنداں کہ نعمت ہائے تو

یعنی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا تعلق باتوں سے نہیں، بل کہ دِل سے ہے۔ جتنا تیری نعمتوں کا شکر کیا جائے کم ہے۔

''صبر'' کے بعد دوسرا مقام، جس کی تحصیل فرض ہے ''مقامِ شکر'' کہلاتا ہے۔ اگر آپ نے قرآن کریم پڑھا ہے تو اس میں بے شمار آیات دیکھی ہوں گی، جن میں انسان کے ذمہ ''شکر'' کو واجب قرار دیا ہے، اب مختصراً یہی بتلانا ہے کہ اس ''شکر'' سے کیا مراد ہے؟ اور اس مقام کو کیسے حاصل کیا جاسکتا ہے؟

''شکر'' کے تین لازمی عناصر

''شکر'' کی حقیقت یہ ہے کہ محسنِ حقیقی کی نعمتوں کا اس طرح اقرار کرنا کہ اس سے دل میں محسن کی محبت اور اس کی اطاعت کا جذبہ پیدا ہو، گویا ''شکر'' کے تین لازمی عناصر ہیں:

❶ احسانات کا اقرار واعتراف کہ جتنی نعمتیں مجھے حاصل ہیں، وہ سب کی سب ''الشَّكُورُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کی طرف سے ہیں اور اس نے محض اپنے فضل وکرم سے مجھے عطا فرمائی ہیں۔

اس کا اعتراف واقرار کرنے کے لئے یہ دعا صبح وشام مانگ لینی چاہئے:

''اَللّٰهُمَّ مَا اَصْبَحَ بِیْ مِنْ نِّعْمَةٍ اَوْ بِأَحَدٍ مِّنْ خَلْقِكَ فَمِنْكَ وَحْدَكَ لَاشَرِيْكَ لَكَ.''[1]

❷ چوں کہ ''الشَّكُورُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' نے مجھ پر اپنے فضل وکرم کی بارشیں برسا رکھی ہیں، اس لئے کائنات میں میرے لئے اس سے بڑا محبوب کوئی نہیں ہونا چاہئے۔

❸ ''الشَّكُورُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کے بے پایاں انعامات کا فطری تقاضا یہ ہے کہ میں اپنی زندگی میں اسی کی اطاعت کروں اور اس کے مقابلے میں کسی کی اطاعت نہ کروں، بالفاظِ دیگر جو نعمتیں اس نے مجھ کو عطا فرمائی ہیں، ان کو ان ہی کاموں میں خرچ کروں جو اس کی مرضی کے مطابق ہیں اور ان کاموں میں خرچ کرنے سے بچوں، جو اس کی مرضی کے خلاف ہیں۔

جب یہ تین جذبات کسی انسان کے دل میں پختہ ہو جاتے ہیں تو ''علماء'' کی اصطلاح میں اسے کہا جاتا ہے کہ اس شخص نے ''مقامِ شکر'' کو حاصل کر لیا ہے۔

پھر مقامِ شکر کو حاصل کرنے کے لئے ان تین جذبات میں سے بھی اصل اور بنیادی پہلا ہی جذبہ ہے، کیوں کہ اگر کسی شخص کے دل میں یہ خیال کما حقہ راسخ ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھ پر کتنی نعمتیں ہر آن متوجہ رہتی ہیں تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ سے محبت اور اطاعت کا جذبہ خود بخود بیدار ہوگا، لہٰذا اگر کسی وقت محبت اور اطاعت میں کوتاہی محسوس ہو، تو سمجھ لینا چاہئے کہ ''الشَّكُورُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کی نعمتوں کا صحیح اقرار واعتراف دل میں پیدا نہیں ہوا۔[2]

حضرت شبلی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ فرماتے ہیں، شکرِ نعمت یہ ہے کہ نعمت دہندہ کو دیکھو اور نعمت کو نہ دیکھو۔

حضرت جنید بغدادی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کا قول ہے کہ شکرِ نعمت یہ ہے کہ تو اپنے آپ کو اس نعمت کے قابل نہ سمجھ۔

حضرت ابن مسعود رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ نے فرمایا: شکر نصف ایمان ہے۔[3]

بقول ایک اللہ والے کے فرمایا: اے لوگو! میں نے اللہ کی اتنی ناشکری کی ہے کہ جس کو بیان نہیں کیا جا سکتا، پھر فرمایا: آج ہمارے دانت نئے کھانے کھاتے کھاتے گھس گئے۔ پر زبان ناشکری کرتے کرتے نہیں گھسی۔

حضرت نوح عَلَیْہِ السَّلَامُ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کا ذکر فرمایا کرتے تھے اور وہ اللہ تعالیٰ کا بہت زیادہ شکر کرنے والے اور اس کی تعریف کرنے والے تھے۔ جو چیز بھی کھاتے فوراً اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ فرماتے اور جو چیز پیتے ''اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ'' فرماتے۔ چلتے پھرتے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہتے اور کپڑے پہنتے تو ''اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ'' کہتے۔

ایک روایت کے مطابق، اسی بات پر اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریف فرمائی:

---

[1] ابوداؤد، الأدب، بَابُ مایقول إذا أصبح: ۲/۲۳۶ [2] دل کی دنیا: ۷۹ [3] مکاشفة القلوب، باب الشکر: ۱۵۸

﴿اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا﴾[1] یقیناً وہ (نوح عَلَیْہِ السَّلَام) نہایت شکر گزار بندے تھے۔"[2]

سخت پریشانی میں شکر

واقعہ نمبر ۹۷: حضرت عروہ بن زبیر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: میں ایک دن سفر میں تھا، میرے پاؤں میں زخم آ گیا اور اس زخم کی وجہ سے میرا پاؤں خراب ہو گیا۔ طبیبوں کو جمع کیا گیا تو سب نے یہی کہا کہ اس کا کاٹنا بہت ضروری ہے۔

پھر اسی دن آپ کے محبوب ترین بیٹے کے سینے پر اونٹ نے لات ماردی اور وہ مر گیا، آپ نے فرمایا: "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی كُلِّ حَالٍ" "ہر حال میں اللہ تعالیٰ ہی کی تعریف ہے" گو کہ یقیناً اس سفر میں ہم کو تکلیف بھی پہنچی۔ پھر آسمان کی طرف خشوع و خضوع کے ساتھ اور محتاجی اور خاکساری کی حالت میں ہاتھ اٹھائے اور کہا: "اے اللہ! میرے چار اعضا تھے دو ہاتھ دو پاؤں، ایک تو نے لے لیا تین باقی بچ گئے اور میرے سات بیٹے تھے ایک کو تو نے لے لیا چھ باقی رہ گئے۔ پس میں تیری تعریف کرتا ہوں، اس پر جو تو نے دیا اور جو باقی بچا ہے، اس پر تیرا شکر ادا کرتا ہوں۔"[3]

پریشانیوں اور مصیبتوں میں بھی شکر ادا کیا جا سکتا ہے۔ وہ کیسے؟ اس کے لئے انسان کو چاہئے کہ نعمتوں کو سوچے کہ کتنی نعمتیں مجھ پر باقی ہیں۔ یعنی جو لے لی گئی ہیں اس کے مقابلے میں کتنی ابھی باقی ہیں۔

کسی نے کیا ہی خوب کہا ہے:

أَنَالَكَ رِزْقَهٗ لِتَقُوْمَ فِيْهِ ... بِطَاعَتِهٖ وَتَشْكُرَ بَعْضَ حَقِّهٖ

فَلَمْ تَشْكُرْ لِنِعْمَتِهٖ وَلٰكِنْ ... قَوِيْتَ عَلٰی مَعَاصِيْهِ بِرِزْقِهٖ[4]

ترجمہ: اللہ ربُّ العزت نے تجھے رزق سے نوازا، تاکہ تو اس کی اطاعت میں لگ کر اس کا شکر ادا کرے، لیکن تو نے اس کا شکر تو کیا ادا کیا، بل کہ اسی کے عطا کردہ رزق سے قوت حاصل کر کے اس کی نافرمانیوں میں پڑ گیا۔

والدین کا شکر ادا کرنا، گویا کہ "الشَّكُورُ جَلَّ جَلَالُهٗ" کا شکر ادا کرنا ہے

اللہ تبارک وتعالیٰ قرآن مجید میں فرماتے ہیں:

﴿اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ﴾[5]

ترجمہ: "شکر ادا کر میرا اور اپنے ماں باپ کا، آخر مجھ ہی تک آنا ہے۔"

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے شکر کے ساتھ والدین کا شکر ادا کرنے کا بھی حکم فرمایا ہے۔ اس لئے کہ

---

[1] بنی اسرائیل: ۳
[2] اللّٰہ ...... اهل الثناء والمجد: ۲۱۷
[3] اللّٰہ ...... اهل الثناء والمجد: ۲۴۱
[4] النهج الاسمٰی: ۱/۳۰۶
[5] لقمٰن: ۱۴

والدین اس کے دنیا میں آنے کا سبب ہیں۔ والدین نے راتوں کو جاگ کر اور مشقتیں اٹھا کر اس کی تربیت کی اور اس کی غذا کا بندوبست کیا۔

لہٰذا جو شخص والدین کی نافرمانی کرے اور ان کے ساتھ برا سلوک کرے، ایسا شخص والدین کی نیکیوں کا شکر گزار نہیں، بل کہ والدین کے احسانات کا انکار کرنے والا ہے اور جس نے والدین کا شکر ادا نہیں کیا، اس نے اللہ تعالیٰ کا بھی شکر ادا نہیں کیا۔ حدیث شریف میں آتا ہے:

"مَنْ لَّمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرِ اللّٰهَ"[1]

ترجمہ: "جس نے لوگوں کا احسان نہیں مانا، اس نے اللہ تعالیٰ کا بھی احسان نہیں مانا۔"

اللہ ربُّ العزت کا سب سے بڑا شکر توحید ہے

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بہت بڑی تعداد میں بندوں پر انعامات و احسانات فرمائے ہیں۔ حتیٰ کہ کسی انکار کرنے والے کے لئے کوئی گنجائش نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے انعامات کا انکار کر سکے، بل کہ اگر انسان اپنے جسم میں ہی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہے تو وہ عاجز ہو جائے گا، اس لئے ہمیشہ ان نعمتوں کا شکر ادا کرنا چاہئے۔

اللہ رب العزت کا سب سے بڑا شکر توحید ہے یعنی ایک اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کا مالک سمجھنا اور عبادت بھی صرف اللہ تعالیٰ ہی کی کرنا اور دعا بھی صرف اللہ ہی سے مانگنا جس کا کوئی شریک نہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہی ہر چیز کو پیدا فرمایا ہے اور عدم سے وجود بخشا ہے اور انسان کو طرح طرح کے رزق عطا فرمائے ہیں اور ان تمام کاموں میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی شریک نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی بھی عبادت کا مستحق نہیں۔

"الشکور جل جلالہ" کی ناشکری کا انجام

اللہ ربُّ العزت نے قومِ سبا کے واقعے کو قرآنِ مجید میں بیان فرمایا چند خصوصیات کے ساتھ: (۱) یہ لوگ خوب نعمتوں میں تھے (۲) مال کی فراوانی تھی۔ (۳) چاروں طرف میوے اور پھل تھے (۴) دور دور کے سفر بلا خوف و خطر کرتے تھے، لیکن پھر انہوں نے اپنے آپ کو بدل لیا اور نافرمانی و ناشکری میں پڑ گئے، تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان کی حالتوں کو تبدیل کر دیا۔ ان پر پانی کا ایک تیز ریلہ چھوڑ دیا، جو ان کے درختوں، باغات اور اموال کو بہا کر لے گیا۔ اس کے بعد ان درختوں کو کڑوے، خاردار اور بے پھل درختوں سے تبدیل کر دیا۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا:

﴿ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِمَا كَفَرُوْا ۖ وَهَلْ نُجٰزِيْٓ اِلَّا الْكَفُوْرَ﴾[2]

---

[1] ترمذی، البرّ والصّلة، باب ماجاء فی الشکر لمن أحسن إلیك: ۲/۱۷
[2] السباء: ۱۷

ترجمہ: ”یہ بدلہ دیا ہم نے ان کو اس پر کہ ناشکری کی (انہوں نے) اور ہم یہ بدلہ اسی کو دیتے ہیں جو ناشکرا ہو۔“

”الشَّكُورُ“ کا لفظ قرآن مجید میں چار مرتبہ آیا ہے جن میں سے تین یہ ہیں:

۱ ﴿إِنَّهُ غَفُورٌ شَكُورٌ﴾[1]

۲ ﴿إِنَّ رَبَّنَا لَغَفُورٌ شَكُورٌ﴾[2]

۳ ﴿إِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ شَكُورٌ﴾[3]

ذکر و شکر پر استقامت کی دعا

حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: مجھے تم سے محبت ہے، لہٰذا تم ہر نماز کے بعد یہ دعا پڑھنا مت بھولنا:

”اَللّٰهُمَّ اَعِنِّيْ عَلٰى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ“[4]

ترجمہ: اے اللہ! میری مدد فرما اپنی یاد کرنے میں، اپنے شکر کرنے میں اور اچھی طرح اپنی عبادت کرنے میں۔

اسی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ دعا میں یہ کلمات فرمایا کرتے تھے:

”رَبِّ اَعِنِّيْ وَلَا تُعِنْ عَلَيَّ...... وَانْصُرْنِيْ وَلَا تَنْصُرْ عَلَيَّ...... وَامْكُرْ لِيْ وَلَا تَمْكُرْ عَلَيَّ......

وَاهْدِنِيْ وَيَسِّرِ الْهُدٰى لِيْ وَانْصُرْنِيْ عَلٰى مَنْ بَغٰى عَلَيَّ.

رَبِّ اجْعَلْنِيْ لَكَ شَكَّارًا لَكَ ذَكَّارًا لَكَ رَهَّابًا لَكَ مِطْوَاعًا لَكَ مُخْبِتًا اِلَيْكَ اَوَّاهًا مُنِيْبًا.

رَبِّ تَقَبَّلْ تَوْبَتِيْ ...... وَاغْسِلْ حَوْبَتِيْ ...... وَاَجِبْ دَعْوَتِيْ ...... وَثَبِّتْ حُجَّتِيْ ......

وَسَدِّدْ لِسَانِيْ وَاهْدِ قَلْبِيْ ...... وَاسْلُلْ سَخِيْمَةَ صَدْرِيْ.“[5]

ترجمہ: ”اے اللہ! میری مدد فرما اور میرے خلاف کسی کی مدد نہ فرما، اور میری نصرت فرما اور میرے خلاف کسی کی نصرت نہ فرما،

اور میرے لئے تدبیر فرما اور میرے خلاف تدبیر نہ فرما، اور مجھے سیدھی راہ چلا، اور میری مدد فرما اس شخص کے مقابلہ میں جو مجھ پر ظلم کرے۔

اے میرے رب! مجھے اپنا شکر گزار بنا، اپنا ذکر کرنے والا بنا، اپنے سے ڈرنے والا بنا، اپنا تابع دار بنا، اپنی طرف رجوع کرنے والا بنا اور تیرے خوف سے آہیں بھرنے والا اور رجوع کرنے والا بنا۔

[1] فاطر: ۳۰ [2] فاطر: ۳۴ [3] الشوریٰ: ۲۳ [4] ابوداؤد، الصلوٰۃ، ابواب الوتر، باب فی الإستغفار: ۲۱۳/۱

[5] ترمذی، الدعوات، باب فی الدعاء: اَللّٰهُمَّ اَعِنِّيْ ۱۹۵/۲

اے میرے رب! میری توبہ قبول فرما، میرے گناہ دھوڈال، میری دعا قبول فرما، حجت ثابت فرما، میرے دل کو سیدھی راہ دکھا، میری زبان درست کرا اور میرے سینے سے تمام میل کھینچ ڈال۔‘‘

مخلوقِ خدا کا حق ادا کر کے اَلشَّکُوْرُ جَلَّ جَلَالُہٗ کا شکر ادا کیجئے

وَاقِعَۂ مُلْہِبَہ ۶۸: صحیح مسلم شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

’’ایک شخص کسی بیابان اور ویران جگہ میں تھا کہ اسی دوران اس نے ایک بادل میں آواز سنی، فلاں کے باغ کو سیراب کر۔ تو وہ بادل (دوسرے بادلوں سے ہٹ کر) ایک طرف کو چلا گیا اور پانی ایک پتھریلی زمین پر برسا دیا۔ وہ سارا پانی وہاں بنی نالیوں میں جمع ہوتا گیا (اور ایک جانب کو بہتا گیا) وہ شخص (جس نے آواز سنی تھی) پانی کے پیچھے پیچھے چلا (کہ دیکھے آخر کیا ماجرا ہے؟)

آگے چل کر اس نے دیکھا کہ ایک آدمی اپنے باغ میں کھڑا بیلچے سے پانی کو باغ کی طرف پھیر رہا ہے۔ اس شخص نے اس باغ والے سے کہا: اے اللہ کے بندے! تیرا کیا نام ہے؟ اس آدمی نے وہی نام بتایا جو اس نے بادل میں سے سنا تھا۔ اب اس باغ والے نے پوچھا کہ اے اللہ کے بندے! تو نے میرا نام کس لئے پوچھا ہے؟

اس نے کہا: میں نے اس بادل میں جس کا یہ پانی آ رہا ہے، غیبی آواز سنی تھی، کسی کہنے والے نے تمہارا نام لے کر کہا تھا کہ فلاں آدمی کے باغ کو سیراب کر دے۔ تو آخر تم اس باغ میں کیا کرتے ہو؟ (جو اتنے مقرب ہو اللہ تعالیٰ کے یہاں)۔

اس نے کہا: جب تم نے یہ بات کہی ہے تو مجھے بتانا ہی پڑے گا، میں اس باغ کی پیداوار کو جمع کرتا ہوں، اس کی کل پیداوار (تین حصوں میں تقسیم کرتا ہوں، ان) میں سے ① ایک تہائی صدقہ کر دیتا ہوں، ② ایک تہائی میں اور میرے اہل وعیال کھا پی لیتے ہیں ③ اور ایک تہائی دوبارہ اسی باغ میں استعمال کر لیتا ہوں۔‘‘ [1]

شکر کے بہت سے مواقع

صبح سے شام تک سینکڑوں کام ایسے ہوتے ہیں جو آدمی کی مرضی کے موافق ہوتے ہیں۔ صبح آنکھ کھلی صحت بالکل ٹھیک ہے تو کہہ دیا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ، گھر والوں کو دیکھا کہ وہ بھی سب تندرست ہیں تو چپکے سے کہہ دیا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ، نماز کو گئے جماعت مل گئی اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ، صبح وقت پر ناشتہ مل گیا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ، کام پر جانے لگے خطرہ ہے کہ دیر نہ ہو جائے، مگر صحیح وقت پر کام پر پہنچ گئے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ، بس میں جانے کا معاملہ ہے معلوم نہیں بس ملے یا نہ ملے، مل گئی اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ، بس میں چڑھ گئے تو معلوم نہیں سیٹ ملے نہ ملے، سیٹ مل گئی اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ، واپس آنے پر اہلِ خانہ کو ہشاش بشاش دیکھا

---

[1] مسلم، الزهد، باب فضل الإنفاق على المساكين وابن السبيل: ۴۱۱/۲

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ، گرمی میں ٹھنڈی ہوا کا جھونکا آیا تو کہہ دیا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ، غرض جو کام بھی چھوٹا ہو یا بڑا طبیعت کے موافق ہو جائے یا کوئی دعا قبول ہو جائے، جس بات سے بھی دل کو لذت و مسرت حاصل ہو، جس کارِ خیر کی بھی توفیق ہو جائے اس پر ''اَلشَّکُوْرُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کا شکر دل اور زبان سے ادا کرنے کی عادت ڈال لیں، اس کام میں نہ وقت لگتا ہے نہ مال خرچ ہوتا ہے اور نہ ہی کوئی محنت لگتی ہے۔

شکر کرنا اللہ تعالیٰ کی بہت پسندیدہ عبادت ہے

شکر کی عبادت اللہ کو کتنی پسند ہے اس کا اندازہ اس بات سے لگائیں کہ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتابوں میں سب سے عظیم اور محبوب کتاب قرآنِ کریم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کو سورۂ فاتحہ سے شروع فرمایا اور سورۂ فاتحہ کو اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کے الفاظ سے شروع کیا، پورے قرآن کا خلاصہ سورۂ فاتحہ میں ہے اور سورۂ فاتحہ کا پہلا لفظ ہی اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ہے، آخر کچھ تو بات ہے جو شکر کو اتنی اہمیت سے بیان کیا جا رہا ہے اور یہ سورۃ اللہ تعالیٰ کو کتنی پسند ہے اس کا اندازہ اس سے لگائیں کہ اس سورۃ کو نہ صرف ہر نماز میں بل کہ ہر رکعت میں پڑھنے کا حکم دیا ہے، اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس میں ''اَلشَّکُوْرُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کی حمد و تعریف ہے اور ''اَلشَّکُوْرُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کو اپنی تعریف و شکر بہت پسند ہے۔[1]

عبادتِ شکر جنت میں بھی جاری ہوگی

جنت میں کوئی عبادت بھی نہیں ہوگی۔ نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج سب عبادتیں ختم ہو جائیں گی، صرف عیش و عشرت ہوگی، لیکن ایک عبادت وہاں بھی رہے گی یعنی شکر۔ حدیث میں آتا ہے کہ اہلِ جنت کے منہ سے ہر وقت حمد جاری رہے گی، جس طرح دنیا میں بغیر کسی ارادے اور محنت کے سانس جاری رہتا ہے اسی طرح جنت میں بلا اختیار حمد جاری رہے گی۔[2]

گناہ کے ساتھ شکر گزاری نہیں ہوسکتی

یاد رکھو شکر گزاری نہیں ہوسکتی جب تک کہ بندہ گناہ میں مبتلا رہے۔ اگر کسی شخص کو کسی ایک گناہ کی بھی عادت ہے، مثلاً: صرف غیبت کرتا ہے، صرف جھوٹ بولتا ہے، صرف بخل کی بیماری ہے، صرف شرعی وضع قطع جو ہونا ضروری ہے وہ نہیں ہے یا اسی طریقے سے گناہوں میں سے ایک گناہ کا عادی ہے تو ایسا شخص مکمل شاکر نہیں، شکر کرنے والا اور نعمت کی قدر کرنے والا نہیں، پھر جب شکر گزار نہیں تو پھر نعمت میں ترقی کیسے ہوگی؟ نعمت میں زیادتی تو جب ہوگی جب شکر کرے۔

مقامِ شکر سے محرومی کا انجام

جب انسان کو ''مقامِ شکر'' حاصل نہیں ہوتا تو تکلیفوں اور پریشانیوں کے لئے اس کا احساس تیز اور نعمتوں کے لئے

---

[1] سکونِ قلب: ۱۹۲ [2] الترمذی، باب صفۃ اھل الجنّۃ: ۲/۸۰

نہایت سست ہو جاتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سینکڑوں نعمتوں اور راحتوں کے درمیان اگر اسے ذرا سی تکلیف پہنچ جائے تو وہ نعمتوں کو بھول کر اپنی ساری توجہات کا مرکز اس تکلیف کو بنالیتا ہے اور اسی کا غم لئے بیٹھا رہتا ہے، اس کے برعکس جس شخص کو ''مقامِ شکر'' حاصل ہو وہ چند در چند پریشانیوں میں بھی نعمتوں کا پلہ بھاری دیکھتا ہے اور اسی وجہ سے اس حالت میں بھی اس کی زبان پر شکووں اور آہوں کے بجائے شکر ہی کے کلمات جاری رہتے ہیں۔ جب دل پر ہم ان کا کرم دیکھتے ہیں تو دل کو یہ از جامِ جسم پاتے ہیں۔

بیماری میں بھی ''الشَّکُورُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کا شکر

وَاقِعَۃٌ مُّبِیْنٌ (۶۹): حضرت مولانا سیّد اصغر حسین صاحب رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی اکابر دیوبند میں حضرت میاں صاحب رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کے نام سے مشہور ہیں۔ ایک مرتبہ انہیں شدید بخار آیا، وہ چارپائی پر تقریباً مدہوش لیٹے ہوئے تھے، بخار اپنے شباب پر تھا اور اس کی شدت کی وجہ سے غشی طاری تھی، وہ ذرا ہوش میں آئے تو اسی حالت میں بے ساختہ فرمایا:

''اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ! اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ''! بہت اچھا ہوں، خدا کا شکر ہے کہ دل صحت مند ہے، گردے میں درد نہیں، سینے میں کوئی تکلیف نہیں، سب اعضا ٹھیک کام کر رہے ہیں، بس بخار ہے۔[1]

یہ ہے ''مقامِ شکر'' کا نتیجہ کہ انسان شدید بخار میں، مدہوش ہونے کی حالت میں بھی اس حقیقت کا استحضار رکھتا ہے کہ ''تکلیف ایک ہے اور نعمتیں بے شمار'' حقیقت بلاشبہ وہی ہے جو حضرت میاں صاحب رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے بیان فرمائی کہ بخار بے شک ایک تکلیف ہے، لیکن اس کے ساتھ نعمتیں کتنی موجود ہیں! دیکھنے کے لئے آنکھ، بولنے کے لئے زبان، سننے کے لئے کان، پکڑنے کے لئے ہاتھ، علاج کے لئے حکیم وغیرہ وغیرہ۔

تو خلاصہ کلام یہ ہوا کہ ایک بیماری میں بھی اللہ تعالیٰ کی لامحدود نعمتیں انسان پر ہوتی ہیں جس کو تحریرِ قلم میں لایا نہیں جاسکتا۔

فوائدِ شکر

فَائِدَہ (۱): موجودہ نعمتوں پر مزید اضافے کی بشارت

﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ﴾[2]

تَرْجَمَہ: ''اگر تم پہلے احسانات پر شکر ادا کرو تو میں مزید اضافہ کردوں گا۔''

اس آیت سے پتہ چلتا ہے جو شخص اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر جتنا شکر ادا کرے تو اللہ تعالیٰ اس نعمت کو اور بڑھا دیں گے، چناں چہ جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کی خوب صورتی میں اضافہ ہو، اسے چاہئے کہ سچے دل سے اللہ کا شکر ادا کرے۔

---

[1] اکابر دیوبند کیا تھے: ۵۵ [2] ابراھیم: ۷

بندہ قسم کھا کر کہتا ہے کہ اس عمل کی برکت سے اس کی خوب صورتی میں ضرور اضافہ ہوگا۔ (ان شاء اللہ)

اسی طرح اگر کوئی مال، عزت اور دین داری میں بڑھوتری چاہتا ہے وہ بھی کثرت سے شکر ادا کرے۔

فَائِدَہ ②: عطاءِ محبتِ الٰہی کی بشارت

حضرت تھانوی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے ایک مجلس میں فرمایا: ''شکر سے محبتِ الٰہی پیدا ہوتی ہے اور محبت سے قربِ حق کا تقاضا ہوتا ہے'' (جو کہ مقصودِ اصلی ہے)۔

فَائِدَہ ③: شکر عذاب سے حفاظت کا ذریعہ ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ﴾[1]

تَرْجَمَہ: ''یعنی اگر تم میرا شکر کرتے رہو تو مجھے کیا غرض پڑی ہے کہ تمہیں عذاب دوں۔''

معلوم ہوا کہ جو ایمان والے شکر گزار ہوتے ہیں وہ اللہ کے عذاب سے محفوظ رہتے ہیں۔[2]

فوائد و نصائح

① جس بندہ کا ''اَلشَّکُوْرُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' سے تعلق پیدا ہو جائے گا تو وہ ہر چھوٹی بڑی نعمت پر شکر ادا کرے گا، اور نیک اعمال میں مزید ترقی کی کوشش کرے گا۔

② شکر کی توفیق جسے مل گئی گویا اسے آدھا ایمان مل گیا اور اگر صبر بھی خوب کرنے والا ہے تو صبر کرنا بھی آدھا ایمان ہے۔ اللہ تعالیٰ بھی قرآن کریم میں فرماتے ہیں جس کا مفہوم یہ ہے: ''اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کیا کرو'' اسی طرح دوسری جگہ ارشاد ہے جس کا ترجمہ ہے: ''اور میرا شکر ادا کرو ناشکری نہ کرو۔''

③ شکر کرنے والے بندے بہت کم ہیں، اس لئے خوب ذکر و شکر کرنے کی عادت ڈالیں، جتنا اللہ تعالیٰ نے دیا ہے اس پر شکر ہو اور اگر کوئی پریشانی آئے تو صبر کریں اور اس اسم مبارک میں دی گئی ذکر و شکر کی دعا، نعمتوں کے ختم ہونے سے بچنے کی دعا کو اپنے روزانہ کے معمولات میں شامل کریں اور نمازوں کے بعد مانگتے رہیں۔

---

[1] النساء: ۱۴۷ [2] سکونِ قلب: ۱۹۳، ۱۹۴

اَلْعَلِيُّ جَلَّ جَلَالُہٗ

(بہت بلند و بالا)

اس اسم مبارک کے تحت پانچ تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

❶ امام غزالی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: ''اَلْعَلِيُّ جَلَّ جَلَالُہٗ'' وہ ذات ہے، جس کے رتبے سے بڑا کوئی رتبہ نہیں ہے، اور اس کے مرتبہ سے تمام مراتب نیچے ہیں۔[1]

❷ ابن جریر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: ''اَلْعَلِيُّ'' معنی ''بلند ذات'' کے ہیں۔ بلند ہونے والے کو ''عالی'' اور ''علی'' کہا جاتا ہے۔ ''اَلْعَلِيُّ جَلَّ جَلَالُہٗ'' وہ ذات ہے، جو اپنی مخلوق پر اپنی قدرت کی وجہ سے بلند ہے۔[2]

❸ ''اَلْعَلِيُّ: اَلرَّفِيْعُ فَوْقَ خَلْقِهٖ، اَلْمُتَعَالِيْ عَنِ الْأَشْبَاهِ.''[3]

''جو اپنی مخلوق سے برتر ہے اور اس بات سے پاک ہے کہ اُس کا کوئی مثل ہو۔''

❹ اَلْعَلِيُّ: هُوَ الْعَالِيْ الْقَاهِرُ.[4]

امامِ خطابی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: ''اَلْعَلِيُّ'' کا مطلب ''اَلْعَالِيْ الْقَاهِرُ'' ہے، یعنی بلند و غالب۔

❺ علامہ ابنِ کثیر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کے ارشادات ''اَلْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ'' یعنی وہ بلند ہے، بڑائی والا ہے، ''اَلْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ'' یعنی وہ بلند ہے بڑے مرتبے والا ہے ''اَلْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ'' یعنی وہ بڑا ہے بلند تر ہے، سب ایک ہی معنی میں ہیں۔ پس ہر چیز اللہ ربُّ العزت کے غلبہ، قوت اور بزرگی کے تحت ہے۔ جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور نہ ہی اس کے سوا کوئی رب ہے۔ اس لئے کہ وہ بزرگی والا ہے، اور اس سے بڑا بزرگ کوئی نہیں، بلند مرتبہ ہے اور اس سے بلند کوئی نہیں، بڑائی والا ہے اور اس سے بڑا کوئی نہیں۔ بلند مرتبہ ہے، پاکیزہ ہے، بے عیب ہے، غالب ہے

---

[1] رسائل امام غزالی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی: ۳۱۹/۱

[2] قَالَ ابْنُ جَرِيْرٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ: وَالْعَلِيُّ اَلْفَعِيْلُ. مِنْ قَوْلِكَ: عَلَا يَعْلُوْ عُلُوًّا، إِذَا ارْتَفَعَ فَهُوَ عَالٍ وَعَلِيٌّ، وَالْعَلِيُّ ذُو الْعُلُوِّ وَالْإِرْتِفَاعِ عَلٰى خَلْقِهٖ بِقُدْرَتِهٖ. (النهج الاسمٰى: ۳۲۲/۱)

[3] تفسير ماجدى: ۱۰۷/۱

[4] شان الدعا: ٦٦ نقلاً عن النهج الاسمٰى: ۳۲۳/۱

اور پاک ہے ان باتوں سے جنہیں ظالم اور سرکش لوگ کہا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان باتوں سے بہت ہی بلند ہے، عالی شان ہے، عظیم الشان ہے۔[1]

باری تعالیٰ کا یہ صفاتی نام قرآن کریم میں آٹھ مرتبہ آیا ہے۔ جن میں سے تین یہ ہیں:

❶ ﴿وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ﴾[2]

❷ ﴿وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ﴾[3]

❸ ﴿فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيْرِ﴾[4]

اللہ تعالیٰ سے اس کے پیارے نام کے ذریعے دُعا مانگئے

واقعہ نمبر ۷۰: درحقیقت ہر عزت وعظمت اور بلندی و برتری کی مالک ومختار، وہی ذات پاک ہے۔ یہ اسمِ مبارک ان چار ناموں میں سے ہے، جن کے ذریعے دعا مانگ کر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ایک جماعت نے اپنے گھوڑے سمندر میں ڈال دیئے تھے اور سمندر میں ''اَلْعَلِيُّ جَلَّ جَلَالُہٗ'' نے اپنی قدرت سے ان کے لئے راستے بنا دیئے۔

حضرت سہم بن منجاب رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں: ہم علاء بن حضرمی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے ساتھ ایک غزوہ میں گئے۔ ہم چلتے چلتے دارین (جزیرے) کے پاس پہنچ گئے۔ ہمارے اور دارین والوں کے درمیان سمندر تھا۔ علاء بن حضرمی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے یہ دعا مانگی:

''يَا عَلِيْمُ يَا حَلِيْمُ يَا عَلِيُّ يَا عَظِيْمُ! اِنَّا عَبِيْدُكَ وَفِيْ سَبِيْلِكَ نُقَاتِلُ عَدُوَّكَ..... اَللّٰهُمَّ فَاجْعَلْ لَنَا اِلَيْهِمْ سَبِيْلًا.''

ترجمہ: ''اے علیم، اے حلیم، اے علی، اے عظیم! ہم تیرے بندے ہیں، اور تیرے راستے میں تیرے دشمن سے جنگ کرنے آئے ہیں۔ اے اللہ! دشمن تک پہنچنے کا ہمارے لئے راستہ بنا دے۔''

اس کے بعد علاء بن حضرمی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ہمیں لے کر سمندر میں اتر گئے اور ہم بھی ان کے ساتھ گھس گئے، اور سمندر کا پانی ہماری زین کے نمدوں تک بھی نہیں پہنچا اور ہم لوگ ان تک پہنچ گئے۔[5]

واقعہ نمبر ۷۱: ایک موقع پر حضرت علاء بن حضرمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک لشکر کے ساتھ تشریف لے جا رہے تھے کہ

---

[1] قَالَ ابْنُ كَثِيْرٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ: وَقَوْلُهُ ﴿وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ﴾ (الحج: ٦٢)، كَمَا قَالَ ﴿وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ﴾ (البقرة: ٢٥٥)، وَقَالَ ﴿الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ﴾ (الرعد: ٩) فَكُلُّ شَيْءٍ تَحْتَ قَهْرِهِ وَسُلْطَانِهِ وَعَظَمَتِهِ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ، وَلَا رَبَّ سِوَاهُ. لِاَنَّهُ الْعَظِيْمُ الَّذِيْ لَا اَعْظَمَ مِنْهُ. الْعَلِيُّ الَّذِيْ لَا اَعْلٰى مِنْهُ الْكَبِيْرُ الَّذِيْ لَا اَكْبَرَ مِنْهُ تَعَالٰى وَتَقَدَّسَ وَتَنَزَّهَ عَزَّ وَجَلَّ عَمَّا يَقُوْلُ الظَّالِمُوْنَ الْمُعْتَدُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا.'' (تفسير ابن كثير: ٢٣٢/٣ الحج: ٦٢)

[2] البقرة: ٢٥٥ [3] الحج: ٦٢ [4] المؤمن: ١٢ [5] حِلْيَةُ الاولياء: ٧/١

لشکر والے سخت پیاسے ہوئے اور پانی ختم ہو چکا تھا۔ حضرت علاء بن حضرمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز پڑھی اور دعا کی:

"اَللّٰهُمَّ يَا عَلِيمُ يَا حَلِيمُ يَا عَلِيُّ يَا عَظِيمُ..... إِنَّا عَبِيْدُكَ وَفِيْ سَبِيْلِكَ نُقَاتِلُ عَدُوَّكَ..... فَاسْقِنَا غَيْثًا نَشْرَبُ مِنْهُ وَنَتَوَضَّأُ..... وَلَا تَجْعَلْ لِأَحَدٍ فِيْهِ نَصِيْبًا غَيْرَنَا."

ترجمہ: "اے اللہ! اے علیم! اے حلیم! اے علی! اے عظیم! ہم تیرے بندے ہیں اور تیری راہ میں تیرے دشمن سے لڑ رہے ہیں۔ سو ہم پر ایسی بارش برسا، جس سے ہم سیراب بھی ہوں اور وضو بھی کریں اور اس میں ہمارے علاوہ کسی اور کا حصہ نہ ہو۔ یعنی وہ صرف ہمارے لئے مخصوص ہو۔"

اس کے بعد وہ تھوڑا ہی آگے گئے تھے کہ انہوں نے بارش کے پانی کی نہر دیکھی جس کا پانی اُچھل رہا تھا۔ سارے لشکر والوں نے اس پانی کو استعمال کیا اور اپنے برتن بھی بھر لئے۔ پھر وہ آگے چل دیئے۔ کچھ ساتھی اپنی ضرورت کے لئے واپس نہر کی جانب آئے تو وہاں انہوں نے کچھ بھی نہ پایا۔ گویا کہ اس جگہ پر اس سے پہلے کبھی پانی تھا ہی نہیں۔ (یہ حضرت علاء بن حضرمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دعا کی برکت تھی۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی خصوصیت کو بھی برقرار رکھا کہ وہ چشمہ صرف اسی لشکر کے لئے پیدا کیا گیا تھا)۔[1]

جو اللہ تعالیٰ سے دور ہو جائے، اگر وہ ساری دنیا کی چیزیں حاصل بھی کر لے تب بھی وہ نقصان میں ہوتا ہے، تو وہ کیسے کامیاب ہو سکتا ہے جس کا کل سرمایہ ہی دنیا کا تھوڑا سا مال و متاع ہو؟ ایسی حقیر دنیا کا مال و متاع، جو ساری کی ساری مل کر بھی مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں ہے۔[2]

یہ نام کتنا اہم ہے

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمانوں پر جو تسبیح سنی ان تسبیحات میں یہ نام بھی مذکور ہیں، جیسا کہ حدیث شریف میں حضرت عبدالرحمٰن بن قرط رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی رات آسمانوں میں جو تسبیحات سنیں، وہ یہ تھیں:

"سُبْحَانَ الْعَلِيِّ الْأَعْلٰى سُبْحَانَهٗ وَ تَعَالٰى."[3]

ترجمہ: "پاک ہے وہ ذات جو بلند، سب سے برتر، پاک اور عالی شان ہے۔"

امام حاکم نیشاپوری رحمہ اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دعا اس تسبیح سے شروع فرماتے تھے:

"سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَلِيِّ الْأَعْلَى الْوَهَّابِ"[4]

ترجمہ: "میرا رب سب عیبوں سے پاک ہے، بلند اور سب سے برتر اور سب سے زیادہ دینے والا ہے۔"

---

[1] الله ...... اهل الثناء والمجد: ۲۷۱
[2] الله...... اهل الثناء والمجد: ۳۶۲
[3] تفسیر قرطبی: ۲/۲۱۲
[4] المستدرك للحاكم: ۱/۶۸۲، حدیث: ۱۸۸۷

فوائد و نصائح

❶ جو لوگ اس اسم سے تعلق پیدا کرنا چاہیں، ان کو ہمت پیدا کرنی چاہئے اور ہمیشہ روحانی ترقی میں کوشاں رہنا چاہئے۔[1]

❷ ہمیشہ "اَلْعَلِیُّ جَلَّ جَلَالُہٗ" کی بلند و بالا ذات سے ہر اُمید وابستہ کرے اور دِل و دماغ اُس ذات کی بلندی کا خیال لاتا رہے نہ یہ کہ کمزور مخلوق کو مشکل کشا سمجھے۔

❸ ہر وقت "اَلْعَلِیُّ جَلَّ جَلَالُہٗ" سے اپنی جان و مال، عزت و آبرو کی حفاظت کی دعائیں مانگتا رہے۔ اور دعاؤں میں یَاعَلِیُّ، یَا عَلِیْمُ، یَا حَلِیْمُ یَا عَظِیْمُ کے الفاظ سے دعا مانگیں، اسمائے حسنیٰ کی برکت سے اللہ تعالیٰ کی بلند و بالا ذات سخت سے سخت کام اور مشکل کو آسان فرماتے ہیں۔

---

[1] شرح اسماء الحسنیٰ للمنصورپوری:۸۸

الحفیظ جل جلالہ

(سب کی حفاظت کرنے والا)

اس اسم مبارک کے تحت تین تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

❶ قَالَ الزَّجَاجِيُّ: (اَلْحَفِيْظُ): اَلْحَافِظُ.

ترجمہ: ''امام زجاجی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: حفیظ، حافظ کے معنی میں ہے۔''

❷ (اَلْحَافِظُ) وَمَعْنَاهُ: اَلصَّائِنُ عَبْدَهٗ عَنْ أَسْبَابِ الْهَلَكَةِ فِيْ أُمُوْرِ دِيْنِهٖ وَدُنْيَاهُ.[1]

ترجمہ: اَلْحَافِظُ وہ ذات ہے جو تمام دینی اور دنیاوی کاموں میں اپنے بندوں کو ہلاکت سے بچاتی ہے۔

❸ علامہ ابنِ قیم رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی اپنے قصیدہ نونیہ میں فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ اپنی مخلوقات پر حفیظ ہیں۔ (یعنی ساری مخلوق ان کی حفاظت ونگرانی میں ہے) اور وہی اُن کی حفاظت کرتے ہیں ہر ناگہانی وغیر متوقع آفت ومصیبت سے جو پیش آگئی ہو یا جس کا خدشہ ہو۔[2]

''حِفْظ'' امانت کے معنی میں بھی آتا ہے اور اسی معنی میں حضرت یوسف عَلَیْہِ السَّلَام کا قول ہے: ﴿ اجْعَلْنِيْ عَلٰى خَزَآئِنِ الْاَرْضِ اِنِّيْ حَفِيْظٌ عَلِيْمٌ ﴾[3]

یوسف عَلَیْہِ السَّلَام نے فرمایا: مجھ کو ملک کے خزانوں پر مقرر کر دیجیے، میں امانت دار (نگہبان) اور خوب جاننے والا ہوں۔

کبھی ''اَلْحَفِيْظُ'' کسی چیز کو گن کر اور جان کر محفوظ کرنے والے کے معنی میں بھی آتا ہے۔

بے شک وہی چیز محفوظ رہتی ہے جس کی اللہ تعالیٰ حفاظت فرماتے ہیں اور جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فیصلہ

---

[1] المنهاج: ٢٠٤/١

[2] وَقَالَ ابْنُ الْقَيِّمِ فِيْ نُوْنِيَّتِهٖ:

وَهُوَ الْحَفِيْظُ عَلَيْهِمْ وَهُوَ الْكَفِيْلُ   بِحِفْظِهِمْ مِنْ كُلِّ أَمْرٍ عَانٍ

(النونية: ٢٢٨/٢، كلها نقلًا عن النهج الاسمٰى: ٣٤١/١ تا ٣٤٢)

[3] يوسف: ٥٥

فرماتے ہیں کہ یہ چیز محفوظ رہے اور باقی رہے اور جس چیز یا ہستی کے بارے میں اللہ تعالیٰ ضائع کرنے یا کمزور کرنے یا ہلاک کرنے کا فیصلہ فرمادیں تو یقیناً وہ ضائع ہونے والی ہے اور ہلاک ہونے والی ہے۔

اسم مبارک ''اَلْحَفِیْظُ'' قرآن کریم میں تین مرتبہ آیا ہے:

❶ ﴿اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ حَفِیْظٌ﴾[1]

❷ ﴿وَرَبُّكَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ حَفِیْظٌ﴾[2]

❸ ﴿وَالَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِیَآءَ اللّٰهُ حَفِیْظٌ عَلَیْهِمْ﴾[3]

اَلْحَفِیْظُ جَلَّ جَلَالُہٗ کی حفاظت کے کرشمے

❶ ''اَلْحَفِیْظُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' نے اپنی کتابِ عزیز کی حوادثاتِ زمانہ کے باوجود، جو کہ وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ پیدا ہوتے رہتے ہیں، تغیر، تبدیلی اور تحریف (ردّ و بدل) سے حفاظت کی ذمہ داری لی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾[4]

تَرجَمَہ: ''ہم نے خود اُتاری ہے یہ نصیحت (قرآن) اور ہم خود ہی اس کے محافظ ہیں۔''

لہٰذا قرآن مجید اسی طرح باقی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔ ''اَلْحَفِیْظُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' نے اس کلام مجید کی ان طویل زمانوں کے گزر جانے کے باوجود حفاظت فرمائی اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسانوں کے لئے آنکھوں دیکھی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کے وعدے کی سچائی پر ایک دلیل ہے۔

مسلمانوں پر تاریخ کا وہ سیاہ دور بھی گزرا ہے جو فتنوں سے پر تھا۔ جس میں اہلِ بدعت اور نفس پرست لوگوں کا ہجوم ہوگیا تھا، جنہوں نے اس دین میں طرح طرح کی نئی چیزیں داخل کیں اور رسول اللہ ﷺ کی جانب طرح طرح کی جھوٹی باتیں منسوب کیں، لیکن اس کے باوجود وہ سب کے سب قرآن مجید میں کوئی تحریف کرنے سے قاصر رہے، حتیٰ کہ ایک حرف کو بھی تبدیل نہ کرسکے۔ قرآن مجید اپنی حالت پر برقرار رہا اور اب بھی ہے اور قرآن مجید کا ایک ایک حرف اسی طرح باقی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ پر نازل فرمایا تھا۔

دنیا کے کتب خانے ایسی کسی دوسری کتاب کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہیں، جو چودہ سو سال سے اپنے الفاظ، حروف، نقوش سب کے لحاظ سے جوں کی توں چلی آرہی ہو۔

❷ اسی طرح ان مقامات کا حال ہے جو عبادت کے لئے مخصوص کئے گئے۔ ان میں سے وہی مقامات محفوظ ہیں جن کی ''اَلْحَفِیْظُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' نے حفاظت فرمائی اور ''اَلْحَفِیْظُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' بہترین حفاظت فرمانے والے ہیں۔

❸ امام ابنِ تیمیہ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی، اللہ تعالیٰ کی بڑی بڑی نشانیوں کے بارے میں فرماتے ہیں: ان نشانیوں میں سے

---

[1] ھود: ۵۷ [2] سبا: ۲۱ [3] الشوریٰ: ۶ [4] الحجر: ۹

ایک کعبہ بھی ہے۔ کعبۃ اللہ پتھروں سے بنا ایک گھر ہے، جو ایسی وادی میں واقع ہے جہاں کھیتی بھی نہیں۔ نہ ہی اس جگہ کوئی دشمن سے کعبۃ اللہ کی حفاظت کرنے والا تھا اور نہ ہی آس پاس باغات تھے اور نہ ہی ایسے امور جن کی طرف لوگوں کو رغبت ہوتی ہو اور اگرچہ اس کی طرف رغبت کی اور عظمت کی کوئی ظاہری صورت نہ تھی، مگر پھر بھی اُس ذات "الحفیظ جل جلالہ" نے اپنی قدرت سے ایسی ہیبت اور عظمت لوگوں کے دلوں میں اپنے گھر کی ڈالی کہ ایک تو رغبت سے مخلوق اس کی طرف نائل ہوتی ہے، دوسرے یہ کہ جو اس دربار میں آتا ہے، ذلیل ہو کر، دل میں عاجزی لے کر، بل کہ اپنی پستی کی انتہائی سوچ کے ساتھ آتا ہے اور روئے زمین سے مخلوق ان ہی جذبات کے ساتھ کھنچی چلی آتی ہے۔ یہ ہزار سال سے زائد عرصے سے ہو رہا ہے، کسی اور گھر کے ساتھ پوری دنیا میں کہیں ایسا معاملہ نہیں کیا جاتا، جو اس قدرت والے کی رحمت کے سایہ کی وجہ سے اس دربار کے ساتھ ہوتا ہے۔ نیز (اس بات کو یوں بھی سوچو کہ) دنیا کے بڑے بڑے بادشاہ عظیم الشان محلات بناتے ہیں۔ وہ کچھ عرصے باقی اور قائم رہتے ہیں پھر منہدم ہو جاتے ہیں، پس کوئی ان کی بنیاد یا باقیات دیکھنے نہیں جاتا اور کوئی ان کے خراب ہونے یا گر جانے سے نہیں ڈرتا۔[1]

❹ "الحفیظ جل جلالہ" اپنے بندوں کے اعمال کی حفاظت فرماتے ہیں اور کسی عمل کو ضائع نہیں فرماتے اور نہ "الحفیظ جل جلالہ" پر کوئی عمل مخفی رہتا ہے، خواہ وہ عمل چھوٹا ہو یا بڑا، اور ان اعمال کا بدلہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن پورا پورا عطا فرمائیں گے۔ اگر اچھے اعمال کیے ہوں گے تو اچھا بدلہ اور اگر برے اعمال کیے ہوں گے تو برا بدلہ۔ "الحفیظ جل جلالہ" ان اعمال میں سے کسی عمل کو بھولتے نہیں اگرچہ لوگ بھول جائیں۔

اللہ تعالیٰ کے ارشادات ہیں، جن کا ترجمہ یہ ہے:

"اللہ تعالیٰ نے ان کے سارے اعمال گن رکھے ہیں اور وہ لوگ ان اعمال کو بھول گئے ہیں۔"[2]

"اور ہر چیز ہم نے گن کر لکھ رکھی ہے۔"[3]

ہر چیز گن رکھنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں میں سے کراماً کاتبین کو مقرر فرمایا ہے۔

اسی سلسلے میں اللہ تعالیٰ کے ارشاد کا ترجمہ ہے:

"اور تم پر نگہبان مقرر ہیں، عزت والے، عمل لکھنے والے، جو کچھ تم کرتے ہو وہ جانتے ہیں۔"[4]

اسی طرح حضرت ہود علیہ السلام نے فرمایا:

﴿اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ حَفِیْظٌ﴾[5]

ترجمہ: "یقیناً میرا رب ہر چیز پر نگہبان ہے۔"

جب ہود علیہ السلام کی قوم نے حضرت ہود عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ سے کہا: ہمارا خیال یہ ہے کہ

---

[1] اللهج الاسنى: ۱/۳۴۵ [2] المجادلة: ٦

[3] النبأ: ۲۹ [4] الإنفطار: ۱۰، ۱۱ [5] هود: ۵۷

ہمارے دیوتاؤں میں سے کسی نے آسیب پہنچا کر تمہیں مجنون اور پاگل کر دیا ہے (العیاذ باللہ) تم جو اُن کی عبادت سے روکتے اور برا بھلا کہتے تھے، انہوں نے اس گستاخی کی سزا دی کہ اب تم بالکل دیوانوں کی سی باتیں کرنے لگے۔ تو حضرت ہود علیہ السلام نے ان کو سمجھایا۔

جس کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ بے چاری پتھر کی مورتیاں تو مجھے کیا نقصان پہنچا سکتیں ہیں، تم سب جو بڑے شہ زور...... تنومند اور طاقت ور...... نظر آتے ہو، اپنے دیوتاؤں کی فوج میں بھرتی ہو کر مجھ جیسے تنہا پر پوری قوت سے بیک وقت ناگہاں حملہ کر کے بھی میرا بال بیکا نہیں کر سکتے۔

سنو! میں اللہ تعالیٰ کو گواہ بنا کر اعلان کرتا ہوں اور تم سب بھی اس پر گواہ رہو کہ میں تمہارے جھوٹے دیوتاؤں سے قطعاً بے زار ہوں۔ تم سب جمع ہو کر جو برائی مجھے پہنچا سکتے ہو پہنچاؤ۔ نہ اس میں ذرا کوتاہی کرو، نہ ایک لمحہ کی مجھے مہلت دو۔

اور خوب سمجھ لو کہ میرا بھروسہ اَللّٰہ وَحْدَهٗ لَاشَرِیْكَ لَهٗ پر ہے، جو میرا رب ہے اور وہی تمہارا بھی مالک و حاکم ہے، گو کج فہمی سے تم نہیں سمجھتے۔ نہ صرف میں اور تم بل کہ ہر چھوٹی بڑی چیز، جو زمین پر چلتی ہے خالص اس کے قبضے اور تصرف میں ہے۔ گویا اُن کے سر کے بال اُس کے ہاتھ میں ہیں۔ جدھر چاہے پکڑ کر کھینچے اور پھیر دے۔ کسی کی مجال نہیں کہ اُس کے قبضۂ اختیار سے نکل کر بھاگ جائے۔ نہ ظالم اُس کی گرفت سے چھوٹ سکتے ہیں، نہ سچے اُس کی پناہ میں رہ کر رُسوا ہو سکتے ہیں۔

بلاشبہ میرا پروردگار عدل و انصاف کی سیدھی راہ پر ہے، اُس کے یہاں نہ ظلم ہے نہ بے موقع انعام۔ اپنے بندوں کو نیکی اور خیر کی جو سیدھی راہ اُس نے بتلائی، بیشک اُسی پر چلنے سے وہ ملتا ہے اور اُس پر چلنے والوں کی حفاظت کرنے کے لئے خود ہر وقت وہاں اپنے علم و قدرت کے اعتبار سے موجود ہے۔[1]

"الحفیظ جل جلالہ" کی طرف سے حفاظت کے اسباب

اُس ذات "الحفیظ جل جلالہ" کی جانب سے حفاظت کے عجیب عجیب طریقے ہیں اور عجیب و غریب باتیں مشاہدے میں آتی ہیں کہ ہر شخص کو قائل ہونا پڑتا ہے کہ دنیوی اور روحانی اعتبار سے بھی ہمارا کوئی محافظ ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ پولیس، چوکی دار یا ہمارے عزیز و اقارب یا پڑوسی ہماری جان و مال کی حفاظت کر رہے ہیں، مگر دراصل حقیقتاً ایسا نہیں ہے، حفاظت دراصل اسی "الحفیظ جل جلالہ" کی طرف سے ہوتی ہے۔ وہ اپنی حفاظت کو جس دم اٹھا لیتا ہے، چور مال چرا کر لے جاتے ہیں اور قاتل قتل کر جاتا ہے، خواہ کتنے ہی پہرے دار محافظ اور نگہبان کیوں نہ ہوں۔

واقعۂ نمبر (۴۷): ایک مشہور بادشاہ (شاہ فیصل رحمہ اللہ تعالیٰ) ایک مضبوط قلعے میں ایک محفوظ مقام پر محافظوں کی

[1] تفسیر عثمانی: ۳۰۱

نگرانی میں بیٹھے ہوئے تھے۔ یہ ساری حفاظتیں بے فائدہ ثابت ہوئیں، کیوں کہ وقت آ گیا تھا اور ''الحفیظ جل جلالہ'' نے اپنی حفاظت کو ان سے اٹھالیا۔

وہ سارے پہروں اور محافظوں میں بے خوف وخطر بیٹھے تھے کہ سب کے سامنے دن دہاڑے قاتل نے ان کا کام تمام کر دیا، حالاں کہ وہ اس سے پہلے ہزاروں خطرناک مقامات پر گئے اور صحیح سالم رہے، مگر اب ان کی عمر ختم ہونے کا پروانہ جاری ہو چکا تھا، لہٰذا محافظ فرشتوں کی حفاظت ان سے اٹھالی گئی تھی۔

کیسے بڑے بڑے بادشاہ مضبوط قلعوں میں بیٹھے بٹھائے اپنے ہی محافظوں کے ہاتھوں مارے گئے۔ وہ محافظ جنہوں نے جان جوکھوں میں ڈال کر بڑی محبت اور محنت سے برسوں ان کی حفاظت کی تھی۔ تو پھر ایسا کیوں ہوا کہ محافظ قاتل بن گیا؟

مہربان خادمین کیسے قاتل بن جاتے ہیں؟ اور سایۂ پدری، جو اپنے خون اور پانی سے ایک ننھے پودے کی آب یاری کر کے اس کو تناور درخت بنا دیتا ہے، کیسے اسے جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیتا ہے؟

ان کی وہ رات دن کی حفاظت، اُلفت ومحبت کہاں چلی جاتی ہے؟

معلوم ہوا کہ ان کے پیچھے کوئی اور ہی طاقت کارفرما ہوتی ہے کہ جب وہ کنارہ کش ہو جاتی ہے تو سب کچھ دھرا رہ جاتا ہے اور وہ خود ہی اپنے سارے کئے کرائے پر پانی پھیر دیتے ہیں۔

انڈوں کے اندر، ماؤں کے رحموں میں وہ ''الحفیظ جل جلالہ'' نطفوں اور بچوں کی کس اہتمام کے ساتھ حفاظت کرتا ہے کہ اسے سب سے بڑا اور سب کا محافظ ماننا ہی پڑتا ہے۔ انڈے اور رحم کے اندر بچہ کس قدر آسائش وحفاظت کی زندگی گزارتا ہے کہ اسے وہ ایک وسیع دنیا محسوس ہوتی ہے۔ غذا بھی وہاں ہی حاصل کرتا ہے، حرکت کرتا ہے، اور خون، پانی، رطوبت اور ہوا سے مستفید ہوتا ہے۔ پھر بڑی حفاظت کے ساتھ اپنے مقررہ وقت پر باہر آجاتا ہے تو اس کے مادر و پدر وغیرہ یا چشم آفتاب وقمر اس کی حفاظت میں لگ جاتے ہیں، اس کی خدمت کرتے ہیں، اس کی پرورش کرتے ہیں، اس کے آرام وآسائش وغذا کا خیال رکھتے ہیں۔ اگر وہ ''الحفیظ جل جلالہ'' ذرا سے قطرے کی حفاظت نہ کرتا تو یہ کیسے پروان چڑھتا؟

ایک ذرا سا حقیر بیج، سخت زمین کے سینے کو چیر کر باہر نکل آتا ہے۔ زمین کے اندر اس ''الحفیظ جل جلالہ'' نے اس کی حفاظت کی، اسے خرابی سے بچایا اور پھر اس ناتواں کو اتنی طاقت دی کہ وہ سخت زمین کے سینے کو چیر کر باہر نکل پڑتا ہے۔ اس ناتواں مخلوق کی چشم آفتاب وقمر حفاظت و پرورش کرتی ہے تو وہ ایک تناور درخت بن جاتا ہے اور خوب پھلتا پھولتا اور قد آور ہو جاتا ہے۔

سیپیوں کے اندر گھونگھوں اور سمندروں کی تہوں میں وہ لاتعداد مخلوقات کی حفاظت کرتا ہے اور جب وہ کسی مخلوق سے

اپنی حفاظت کو اٹھالیتا ہے تو وہ فنا ہو جاتی ہے۔ خشخاش کے دانوں کے برابر، بل کہ اس سے بھی چھوٹے انڈوں میں وہ کس کمال حفاظت سے نطفۂ مادر و پدر کو محفوظ کر کے انہیں ایک زور آور مخلوق بنا دیتا ہے۔ زمینوں، پتھروں، آتش و آب میں وہ بے شمار مخلوقات کی رات دن حفاظت کرتا ہے۔

اس کی حفاظت کے بھی عجیب وغریب طریقے ہیں۔ وہ فرعون جیسے بنی اسرائیل کے دشمن کے ذریعے موسیٰ علیہ السلام کو پروان چڑھا دیتا ہے، خون خوار درندوں سے انسانوں کے بچوں کی پرورش کرا لیتا ہے۔ ابھی کچھ سالوں کا واقعہ ہے کہ لکھنؤ کے ہسپتال میں ایک ایسے فرزندِ آدم کو زیرِ علاج رکھا گیا تھا، جسے بھیڑیے نے بچپن میں اپنے کھانے کے لئے اٹھالیا تھا، مگر حفاظت الٰہیہ سے وہ دشمن اس کا تربیت کرنے والا بن گیا حتیٰ کہ وہ جوان ہو گیا۔

ابھی کچھ دنوں کا واقعہ ہے کہ کراچی میں ایک بلی نے بچے دیئے پھر وہ مرگئی، ایک کتیا ادھر سے گزری تو وہ اپنے دودھ سے ان کی پرورش کرنے لگی، یہ عجوبۂ قدرت اہلِ کراچی نے بڑے تعجب سے دیکھا۔[1]

ع سچ ہے جسے خدا رکھے اسے کون چکھے

الحفیظ جل جلالہ کا انسانی جسم میں حفاظت کا عجیب وغریب انداز

ہرروز آپ کے جسم کی گہرائیوں کے اندر ایک جنگ لڑی جاتی ہے جس کا ادراک آپ کو نہیں ہوتا۔ اس جنگ میں ایک فریق وائرس اور بیکٹیریا پر مشتمل ہوتا ہے جو آپ کے جسم کے اندر سرایت کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اسے قابو میں کر لیتے ہیں اور دوسری جانب دوسرا فریق محافظ خلیوں پر مشتمل ہوتا ہے جو ان دشمنوں سے آپ کے جسم کو بچاتے ہیں۔ دشمن حملے کے لئے انتظار کرتا ہے، تاکہ موقع ملتے ہی مطلوبہ حصے میں پہنچ جائے اور پھر پہلے مرحلے میں اپنے ہدف کے علاقے میں داخل ہو جائے، مگر ہدف والے حصے میں موجود مضبوط، منظم اور اچھے ڈسپلن کے حامی سپاہی دشمن کو آسانی کے ساتھ اندر آنے نہیں دیتے۔

سب سے پہلے دفاعی جنگ لڑنے والے یہ سپاہی دشمن کے سپاہیوں کو نگل جاتے ہیں اور انہیں (خلیہ خوروں کو) میدانِ جنگ میں پہنچتے ہی بے اثر بنا دیتے ہیں، تاہم کبھی کبھار یہ جنگ اس قدر سخت ہوتی ہے کہ دفاع کرنے والے ان سپاہیوں کے بس کی بات نہیں رہتی۔ ایسے موقعوں پر دوسرے سپاہی (بڑے اکال خلیے (macrophoges) طلب کر لیے جاتے ہیں۔ ان کی شمولیت ہدف کے علاقے میں خطرہ پیدا کر دیتی ہے اور دوسرے سپاہی (مددگارٹی خلیے) بھی جنگ میں بلا لئے جاتے ہیں۔ یہ سپاہی مقامی آبادی سے بہت مانوس ہوتے ہیں۔ وہ بہت جلد اپنی اور دشمن کی فوج کے درمیان پہچان کر لیتے ہیں اور فوراً ان سپاہیوں کو ہدایت جاری کرتے ہیں جن کے ذریعے ہتھیاروں (بی خلیوں) کی فراہمی ہوتی ہے۔

---

[1] شرح اسماء حسنیٰ للازھری: ۱۰۴

ان سپاہیوں میں غیر معمولی صلاحیتیں ہوتی ہیں، حالاں کہ انہوں نے دشمن کو کبھی دیکھا نہیں ہوتا، مگر اس کے باوجود ایسے ہتھیار فراہم کر سکتے ہیں جو دشمن کو بے اثر بنا دیں۔ مزید یہ کہ وہ اُن ہتھیاروں کو جو انہیں مہیا کرنے ہوتے ہیں، جہاں تک ضرورت ہو اُٹھا کر لے جا سکتے ہیں۔ اس سفر کے دوران وہ اس مشکل ذمہ داری سے بھی عہدہ برآ ہو جاتے ہیں کہ نہ تو کوئی اپنے آپ کو کوئی ضرر پہنچائے اور نہ ہی اپنے حلیفوں کو۔ بعد ازاں حملہ آور ٹیمیں (مارنے والے ٹی خلیے) اندر گھس آتی ہیں۔ یہ دشمن کے نہایت ہی اہم مقام پر وہ زہریلا مادہ چھوڑ دیتی ہیں، جو وہ اپنے ساتھ لے کر چلتے ہیں۔

فتح و نصرت کی صورت میں سپاہیوں کا ایک اور دستہ (جبر و تشدد کرنے والے ٹی خلیے) میدانِ جنگ میں پہنچ جاتا ہے اور تمام سپاہیوں کو ان کے کیمپ میں واپس بھیج دیتا ہے۔ وہ سپاہی جو میدانِ جنگ میں آخر میں پہنچتے ہیں، (قوتِ حافظہ کے خلیے) دشمن کے متعلق تمام ضروری معلومات ریکارڈ کر لیتے ہیں، تاکہ مستقبل میں اسی قسم کے حملے کی صورت میں اسے استعمال کیا جا سکے۔

جس بہترین لشکر کا اوپر ذکر کیا گیا وہ ایک ایسا عجیب نظام ہے جو انسانی جسم کے اندر موجود ہوتا ہے۔ ہر وہ کام جس کا اوپر ذکر ہوا، اسے ان خوردبینی خلیوں کے ذریعے کیا جاتا ہے جن کو انسانی آنکھ دیکھ نہیں سکتی۔[1]

کتنے لوگ اس حقیقت سے باخبر ہیں کہ ان کے جسموں کے اندر اس قدر منظم، ڈسپلن کی پابند اور بہترین فوج موجود ہے؟

ان میں سے کتنے ایسے ہیں جن کو یہ علم ہے کہ وہ ہر طرف سے جرثوموں سے گھرے ہوئے ہیں، جن سے ان کو بیماریاں بھی لگ سکتی ہیں اور موت بھی واقع ہو سکتی ہے؟

بے شک اس ہوا میں بہت خطرناک جرثومے موجود ہوتے ہیں جس میں ہم سانس لیتے ہیں۔ جو پانی ہم پیتے ہیں وہ ان جرثوموں سے پاک نہیں ہوتا۔ جو خوراک ہم کھاتے ہیں اس میں جرثومے ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ جن سطحوں کو ہم چھوتے ہیں وہ جرثومے سے خالی نہیں ہوتیں۔

ایسی صورت میں جب کہ ایک انسان اس بات سے بے خبر ہوتا ہے کہ کیا ہو رہا ہے، اس کے جسم کے اندر موجود خلیے مسلسل اس کوشش میں رہتے ہیں کہ اسے اس بیماری سے بچالیں، جو اس کی موت کا بھی باعث ہو سکتی ہے۔[2]

قتل کے ارادے سے آنے والا شخص محافظ بن گیا

واقعۂ نمبر ۴۳: کفار اسلام لانے سے قبل مسلمانوں کے مقابلے اور تکلیف پہنچانے میں ممتاز تھے، نبی اکرم ﷺ کے قتل کے درپے رہتے تھے۔ ایک روز کفار نے کمیٹی قائم کی کہ کوئی ہے جو محمد (ﷺ) کو قتل کر دے؟

---

[1] مزید معلومات درکار ہوں تو از راہِ کرم ملاحظہ کیجیے ایک دوسری تصنیف "غور و فکر کرنے والوں کے لئے: آسمانوں اور زمین میں نشانیاں" از ہارون یحییٰ۔

[2] اللہ کی نشانیاں: ۳۳ تا ۳۶

عمر نے کہا: میں کروں گا۔ لوگوں نے کہا: بے شک تم ہی کر سکتے ہو۔ عمر تلوار لٹکائے ہوئے اُٹھے اور چل دیئے، اسی فکر میں جارہے تھے کہ ایک صاحب قبیلہ بنی زُہرہ کے جن کا نام حضرت سعد بن ابی وقاص رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ ہے (اور بعضوں نے کسی اور صاحب کا نام لکھا ہے) ملے۔ اُنہوں نے پوچھا: عمر! کہاں جارہے ہو؟

کہنے لگے: محمد (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ) کے قتل کی فکر میں ہوں (نعوذ باللہ)۔ سعد نے کہا: بنو ہاشم اور بنو زُہرہ اور بنو عبد مناف سے کیسے مطمئن ہو گئے؟ وہ تم کو بدلہ میں قتل کر دیں گے۔ اس جواب پر بگڑ گئے اور کہنے لگے: معلوم ہوتا ہے تو بھی بے دین (یعنی مسلمان) ہو گیا ہے، لا پہلے تجھ ہی کو نمٹا دوں۔ یہ کہہ کر تلوار سونت لی اور حضرت سعد رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے بھی یہ کہہ کر کہ ہاں میں مسلمان ہو گیا ہوں، تلوار سنبھال لی۔ دونوں طرف سے تلوار چلنے کو تھی کہ حضرت سعد رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے کہا: پہلے اپنے گھر کی تو خبر لے، تیری بہن اور بہنوئی دونوں مسلمان ہو چکے ہیں۔ یہ سننا تھا کہ غصے سے حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ بھر گئے اور سیدھے بہن کے گھر گئے۔

وہاں حضرت خباب رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ مکان کے کواڑ بند کیے ہوئے ان دونوں میاں بیوی کو قرآن شریف پڑھا رہے تھے۔ حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے کواڑ کھلوائے۔ اُن کی آواز سے حضرت خباب رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ تو جلدی سے اندر چھپ گئے اور وہ صحیفہ جلدی میں باہر ہی رہ گیا، جس پر آیات قرآنی لکھی ہوئی تھیں۔ ہمشیرہ نے کواڑ کھولے۔

حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے ہاتھ میں کوئی چیز تھی جس کو بہن کے سر پر مارا جس سے سر سے خون بہنے لگا اور کہا: اپنی جان کی دشمن! تو بھی بے دین ہو گئی۔ اس کے بعد گھر میں آئے اور پوچھا کہ کیا کر رہے تھے اور یہ آواز کس کی تھی؟ بہنوئی نے کہا: بات چیت کر رہے تھے۔ کہنے لگے: "کیا تم نے اپنے دین کو چھوڑ کر دوسرا دین اختیار کر لیا؟"

بہنوئی نے کہا: اگر دوسرا دین حق ہو تب؟

یہ سننا تھا کہ اُن کی ڈاڑھی پکڑ کر کھینچی اور بے تحاشا ٹوٹ پڑے اور زمین پر گرا کر خوب مارا۔ بہن نے چھڑانے کی کوشش کی تو اُن کے منہ پر ایک طمانچہ اس زور سے مارا کہ خون نکل آیا۔ وہ بھی آخر عمر ہی کی بہن تھیں، کہنے لگیں: عمر! ہم کو اس وجہ سے مارا جاتا ہے کہ ہم مسلمان ہو گئے، بے شک ہم مسلمان ہو گئے ہیں جو تجھ سے ہو سکے کر لے۔ اس کے بعد حضرت عمر کی نگاہ اس صحیفے پر پڑی جو جلدی میں باہر رہ گیا تھا اور غصے کا جوش بھی اس مار پیٹ سے کم ہو گیا تھا اور بہن کے اس طرح خون میں بھر جانے سے شرم سی بھی آ رہی تھی۔ کہنے لگے: اچھا! مجھے دکھلاؤ یہ کیا ہے؟

بہن نے کہا: تو ناپاک ہے اور اس کو ناپاک ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ ہر چند اصرار کیا، مگر وہ بے وضو اور غسل کے دینے کو تیار نہ ہوئیں۔ حضرت عمر نے غسل کیا اور اس کو لے کر پڑھا۔ اس میں سورۂ طٰہٰ لکھی ہوئی تھی۔ اس کو پڑھنا شروع کیا اور ﴿إِنَّنِيْٓ أَنَا اللّٰهُ لَآ إِلٰهَ إِلَّآ أَنَا فَاعْبُدْنِيْ وَأَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ﴾[1] تک پڑھا تھا کہ حالت ہی بدل گئی۔

---

[1] طٰہٰ: ۱۴

کہنے لگے: اچھا! مجھے بھی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں لے چلو۔ یہ الفاظ سن کر حضرت خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اندر سے نکلے اور کہا: اے عمر! تجھے خوش خبری دیتا ہوں کہ کل شب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا مانگی تھی: "اَللّٰھُمَّ أَعِزَّ الْإِسْلَامَ بِأَحَبِّ الرَّجُلَيْنِ إِلَيْكَ: عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ أَوْ عُمَرَ بْنِ هِشَامٍ" کہ یا اللہ! عمر اور ابو جہل میں جو تجھے زیادہ پسند ہو، اس سے اسلام کو قوت عطا فرما۔ (یہ دونوں قوت میں مشہور تھے) معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا تمہارے حق میں قبول ہوگئی۔ اُس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور جمعہ کی صبح کو مسلمان ہوئے۔[1]

الحفیظ جل جلالہ حفاظت نہ فرمائے تو مکڑی بھی موت کا سبب بن سکتی ہے

واقعہ نمبر ۴۷: حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک عبرت ناک واقعہ لکھا ہے، فرماتے ہیں: پہلی امتوں میں ایک عورت تھی۔ اس کو جب وضعِ حمل کا وقت شروع ہوا اور تھوڑی سی دیر کے بعد بچی پیدا ہوئی تو اس نے اپنے ملازم کو آگ لینے کے لئے بھیجا۔ وہ دروازے سے نکل ہی رہا تھا کہ اچانک ایک آدمی ظاہر ہوا اور اس نے پوچھا: اس عورت نے کیا جنا ہے؟ ملازم نے جواب دیا کہ لڑکی ہے، تو اس آدمی نے کہا: آپ یاد رکھیے! یہ لڑکی آخر ایک مکڑی سے مرے گی۔

ملازم یہ سن کر واپس ہوا اور فوراً ایک چھری لے کر اس لڑکی کا پیٹ چاک کر دیا اور سوچا کہ اب یہ مرگئی ہے تو بھاگ گیا، مگر پیچھے لڑکی کی ماں نے ٹانکے لگا کر اس کا پیٹ جوڑ دیا۔ یہاں تک کہ وہ لڑکی جوان ہوگئی اور خوب صورت اتنی تھی کہ اُس شہر میں وہ اپنے حسن میں بے مثال تھی۔

اس ملازم نے بھاگ کر سمندر کی راہ لی اور کافی عرصہ تک مال و دولت کماتا رہا اور پھر شادی کرنے کے لئے واپس شہر آیا۔ یہاں اس کو ایک بڑھیا ملی تو اس سے ذکر کیا کہ میں ایسی لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہوں جس سے زیادہ خوب صورت اس شہر میں اور کوئی نہ ہو۔ اس عورت نے کہا: فلاں لڑکی سے زیادہ کوئی خوب صورت نہیں ہے، آپ اسی سے شادی کرلیں۔ آخرکار اس نے کوشش کی اور اس سے شادی کرلی، شادی کے بعد اس لڑکی نے اپنے شوہر سے دریافت کیا کہ تم کون ہو؟ اور کہاں کے ہو؟

اس نے کہا: میں اسی شہر کا رہنے والا ہوں، لیکن ایک لڑکی کا میں پیٹ چاک کر کے بھاگ گیا تھا۔ پھر اس نے پورا واقعہ سنایا۔ یہ سن کر وہ بولی کہ وہ لڑکی میں ہی ہوں اور یہ کہہ کر اس نے اپنا پیٹ دکھایا جس پر نشان موجود تھا۔ یہ دیکھ کر اس نے کہا: اگر تو وہی عورت ہے تو تیرے متعلق ایک بات یہ بتلاتا ہوں کہ تو مکڑی سے مرے گی۔

شوہر نے اس کے لئے ایک عالی شان محل تیار کرایا، جس میں مکڑی کے جالے کا نام تک نہ تھا۔ ایک دن دونوں اسی میں لیٹے ہوئے تھے کہ دیوار پر ایک مکڑی نظر آئی۔ عورت بولی: کیا مکڑی یہی ہے جس سے تو مجھے ڈراتا ہے؟

شوہر نے کہا: ہاں، اس پر وہ فوراً اُٹھی اور کہا: اس کو تو میں فوراً ماردوں گی۔ یہ کہہ کر اس کو نیچے گرایا اور پاؤں سے مسل

[1] اسد الغابة: ۱۳۹/٤، رقم: ۳۸۲۹

کر ہلاک کر دیا۔

مکڑی تو ہلاک ہوگئی، لیکن اس کے زہر کی چھینٹیں اس کے پاؤں اور ناخنوں پر پڑ گئیں، جو اس کی موت کا سبب بن گئیں۔[1]

یہ عورت صاف ستھرے شان دار محل میں بحکمِ الٰہی اچانک ایک مکڑی کے ذریعے ہلاک ہوگئی۔ اس کے بالمقابل کتنے ہی ایسے آدمی ہیں کہ زندگی بھر جنگوں اور معرکوں میں گزار دی وہاں موت نہ آئی۔

حضرت خالد بن ولید رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ جو اسلام کے سپاہی اور جرنیل مشہور ہیں اور "سیف اللّٰہ" ان کا لقب ہے، پوری عمر شہادت کی تمنا میں جہاد میں مصروف رہے اور ہزاروں کافروں کو تہہ تیغ کیا۔ ہر خطرے کی وادی کو بے خوف وخطر عبور کیا اور ہمیشہ یہی دعا کرتے تھے کہ میری موت عورتوں کی طرح چارپائی پر نہ ہو، بل کہ ایک نڈر سپاہی کی طرح میدانِ جہاد میں ہو، لیکن آخرکار ان کی موت بستر پر ہی ہوئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ زندگی اور موت کا نظام قادرِ مطلق نے اپنے ہی ہاتھ میں رکھا ہے۔ جب وہ چاہے تو آرام کے بستر پر ایک مکڑی کے ذریعے مار دے اور بچانا چاہے تو تلواروں کی چھاؤں میں بچالے۔[2]

اَلْحَفِيْظُ جَلَّ جَلَالُہٗ جس طرح چاہے حفاظت فرماتا ہے

وَاقِعَہ نمبر ۷۵: حضرت عمرو بن یحییٰ علوی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کہتے ہیں کہ ہم ایک قافلے کے ساتھ کوفہ سے مکہ مکرمہ جارہے تھے۔ راستے میں ہمارے ایک ساتھی کو استسقاء (پیاس لگنے) کی بیماری ہوگئی۔ اسی سفر کے دوران کچھ عرب ڈاکو ہمارے قافلے میں سے اونٹوں کی ایک قطار چرا کر لے گئے۔ اتفاق سے وہ بیمار شخص اسی قطار میں شامل تھا۔ اس لئے وہ بھی ہم سے بچھڑ گیا، اس کے کافی دنوں بعد جب ہم واپس کوفہ پہنچے تو وہی شخص ہمیں وہاں پوری طرح صحت مند نظر آیا۔

ہم نے اس سے پوچھا: تو اس نے بتایا: وہ قبائلی لوگ مجھے اپنی بستی میں لے گئے۔ جو وہاں سے چندکوس کے فاصلے پر تھی اور مجھے انہوں نے اپنے گھروں کے قریب لے جاکر ڈال دیا۔ میں اس کرب ناک زندگی سے عاجز آکر موت کی تمنا کر رہا تھا۔ اتنے میں ایک دن میں نے انہیں دیکھا کہ وہ بہت سے اژدہے شکار کر کے لائے ہیں اور ان کے سر اور دُم کاٹ کر انہیں بھون رہے ہیں۔ میں نے دل میں کہا کہ یہ لوگ اژدہوں کے کھانے کے عادی معلوم ہوتے ہیں لیکن اگر میں کھالوں تو مرجاؤں، ساتھ ہی مجھے خیال آیا کہ اگر میں مرگیا تو اس المناک زندگی سے نجات مل جائے گی۔

چناں چہ میں نے ان سے وہ بھنا ہوا اژدہا کھانے کو مانگا تو انہوں نے میری طرف پھینک دیا، میں اسے کھا گیا۔ اس کا کھانا تھا کہ مجھے زبردست نیند آئی اور جب میں بیدار ہوا تو پسینے سے شرابور تھا اور شدید متلی ہورہی تھی۔ اس کے بعد مجھے سو سے بھی زائد مرتبہ ابکائیاں آئیں، یہاں تک کہ صبح ہوتے ہوتے میرا پھولا ہوا پیٹ پچک گیا۔ پھر میں نے ان

---

[1] تفسیر ابن کثیر: ۷۰۰/۱، النساء: ۷۸ [2] معارف القرآن: ۴۸۳/۲، النساء: ۷۸

لوگوں سے کوئی کھانے کی چیز مانگی اور چند روز میں بالکل شفایاب ہوگیا۔[1]

إِنَّ الْمَقَادِيْرَ إِذَا سَاعَدَتْ أَلْحَقَتِ الْعَاجِزَ بِالْقَادِرِ

ترجمہ: ''یعنی جب تقدیر الٰہی مدد کرتی ہے تو عاجز کو قادر کے ساتھ ملا دیتی ہے۔''

اسی طرح ''الحفیظ جل جلالہ'' کی حفاظت زمین و آسمان کے ذرّے ذرّے اور پتے پتے پر حاوی ہے۔ یہاں تک کہ بادام و اخروٹ کے گودے کو سخت چھلکے اور پودے کی طراوت کو رطوبت کے ساتھ محفوظ رکھتا ہے اور جو میوہ صرف چھلکے سے محفوظ نہ رہے اس کی حفاظت کانٹوں کے ساتھ کرتا ہے، جو اسی کے ساتھ پیدا ہوتے ہیں، تاکہ ان سے بعض کھانے والے جان داروں کا دفاع ہوتا رہے۔ پس کانٹے نباتات کے ہتھیار ہیں، جیسے حیوانات کے ہتھیار سینگ، پنجے اور کچلیاں ہیں، بل کہ پانی کے قطرے قطرے کے ساتھ حفاظت کے اسباب ہوتے ہیں جو ان کو مخالف ہوا سے بچاتے ہیں۔[2]

داعی کے گھر والوں کی حفاظت

واقعہ نمبر ۷۰: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب اپنے علاقے سے ہجرت فرمائی تو ان کے ہمراہ ان کی زوجہ حضرت سارہ علیہا السلام بھی تھیں۔ جب ابراہیم علیہ السلام کو ان کی قوم نے آگ میں ڈالا اور آگ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان کے لئے گلِ گلزار بن گئی تو اس کے بعد انہوں نے وہاں سے ہجرت فرمائی اور دور دراز علاقوں میں پڑاؤ کرتے رہے۔ ظاہر بات ہے کہ ان غیر مانوس اور اجنبی علاقوں میں کوئی ان کا مددگار و حمایتی نہ تھا اور ایسے حالات میں ظالم و سرکش لوگ، مسافر لوگوں کی جان و مال اور عزت و آبرو پر حملہ آور ہوتے ہیں۔ چناں چہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی ایسے ظالم و جابر اور اقتدار کے نشے میں مدہوش فرعون صفت انسان سے واسطہ پڑا۔ اس کے سامنے ذکر کیا گیا کہ ابراہیم (علیہ السلام) اس کی سرزمین پر دنیا کی حسین و جمیل عورت کے ساتھ اترا ہے۔ اس زمانے میں ظالم اور بدمعاش لوگوں کا وطیرہ تھا کہ اگر کسی عورت کو حاصل کرنا چاہتے تو اس کے شوہر کو گرفتار کر کے قید میں ڈال دیتے تھے (اگر وہ عورت شوہر والی ہوتی)۔ البتہ اگر وہ کنواری ہوتی یا اپنے باپ یا بھائی کے ساتھ ہوتی تو اس صورت میں اس سے اور اس کے عزیز و اقارب اور گھر والوں کو کچھ نہ کہتے۔

یہی وجہ تھی کہ ابراہیم علیہ السلام نے اس ظالم بادشاہ کے قاصد سے یہی کہا کہ سارہ میری بہن ہے (تاکہ وہ ابراہیم علیہ السلام کو گرفتار نہ کرے اور حضرت سارہ علیہا السلام کی عزت پر حملہ آور نہ ہو) لیکن اس کے باوجود اس ظالم نے ان پر بدنیتی سے حملہ کرنے کی کوشش کی۔ حضرت سارہ علیہا السلام کو اس بادشاہ کے پاس بھیج دیا گیا۔ بحیثیتِ پیغمبر کے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یقینِ راسخ (پکا) تھا کہ ''الحفیظ جل جلالہ'' حضرت سارہ کی عزت و عصمت کی حفاظت

[1] حیاۃ الحیوان: ۱/۳۱، تراشے: ۱۰۶ [2] رسائل امام غزالی: ۲/۱۰۰

فرمائیں گے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ”الحفیظ جل جلالہٗ“ کی ذات پر کامل یقین تھا کہ حضرت سارہ علیہا السلام جابر بادشاہ کی شیطانیت سے محفوظ رہیں گی، لہٰذا انہیں بھیج دیا۔ البتہ انہیں یہ بتلا دیا کہ:

”میں نے بادشاہ کو یہ بتلایا ہے کہ تم میری دینی بہن بھی ہو۔“ یعنی حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہونے کے ناطے سے سب ایمان والے بہن بھائی ہیں، اس طور پر شرعاً یہ جھوٹ بھی نہ ہوا۔

بہرکیف! حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت سارہ علیہا السلام سے فرمایا کہ میں نے اسے یہی بتلایا ہے کہ ”تم میری بہن ہو اور حقیقت یہ ہے کہ روئے زمین پر اس وقت میرے اور تمہارے علاوہ کوئی مؤمن نہیں ہے، لہٰذا تم میری ایمانی بہن ہو۔“ (اللہ جل جلالہٗ کا ارشاد بھی ہے: ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ﴾ [1] ”مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں“)

چناں چہ جب حضرت سارہ علیہا السلام اس سرکش و شیطانی صفت بادشاہ کے پاس پہنچیں، اُس نے تو ازراہِ شیطانیت ان کی طرف ہاتھ بڑھایا تو قدرت کی غیبی قوتیں حرکت میں آگئیں اور وہ ظالم شیطان عذابِ الٰہی میں گرفتار ہو گیا اور حق تعالیٰ نے اسے اپاہج اور معذور کر دیا۔ حضرت سارہ علیہا السلام کو یہ خوف دامن گیر ہوا کہ یہ اگر مر گیا تو لوگ کہیں گے کہ میں نے بادشاہ کو قتل کر دیا۔ اس شیطان نے حضرت سارہ علیہا السلام سے کہا: تم اللہ سے دعا کرو کہ مجھے اس عذاب سے نجات دے تو میں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا اور تم سے کوئی تعرض نہ کروں گا۔ تو حضرت سارہ علیہا السلام نے دعا کی اور اسے عذاب سے نجات مل گئی، لیکن عذاب سے نجات ملتے ہی اس کی شیطانیت پھر لوٹ آئی اور اس نے دوسری بار ازراہِ خباثت ان کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ مگر قدرت کی غیبی مدد ان کے ساتھ تھی، لہٰذا پہلے سے زیادہ شدت کے ساتھ اُس ظالم بادشاہ کو اپاہج و معذور کر دیا گیا۔ وہ پھر رونے لگا کہ تم دعا کرو کہ اس مصیبت سے نجات مل جائے تو تمہیں کوئی تکلیف نہ دوں گا۔ حضرت سارہ نے پھر دعا کی:

”یا اللہ! اگر یہ مر گیا تو مجھ پر الزام لگے گا کہ اس نے بادشاہ کو قتل کر دیا، لہٰذا اسے چھوڑ دیجیے۔“ غرض اسے نجات دے دی گئی۔ اس کے بعد اس نے اپنے دربانوں اور مددگاروں کو بلوایا اور انہیں کہا کہ تم تو میرے پاس کس شیطان کو لے آئے ہو (وہ سمجھتا تھا کہ غیبی قوت کے خزانے شیطان کے پاس ہوتے ہیں) اسے لے جاؤ اور بالکل صحیح وسالم ابراہیم (علیہ السلام) کے پاس پہنچا دو۔ کیوں کہ وہ جان گیا تھا کہ ان کی حفاظت تو کہیں اور سے کی جا رہی ہے اور وہ ہر طرح بے آبروئی سے محفوظ ہیں اور اس نے بطور خادمہ ہاجرہ علیہا السلام بھی ہدیۃً پیش کیں اور یہ وہی ہاجرہ ہیں جو اسماعیل علیہ السلام کی والدہ بنیں کہ حضرت سارہ علیہا السلام نے انہیں اپنے شوہر ابراہیم علیہ السلام کو ہدیہ کر دیا تھا اور انہوں نے ان سے نکاح کر لیا تھا۔ [2]

---

[1] الحجرات: ۱۰ [2] قصص الحدیث: ۶۳

جسے الحفیظُ جلّ جلالہٗ اپنی حفاظت میں رکھے اُسے کون چکھے

واقعۂ نمبر ۷۷: اللہ ربُّ العزت جب کسی کی حفاظت کا ارادہ فرما لیتے ہیں تو موت کے منہ سے بھی اسے بچا لیتے ہیں۔

جب حضرت عمرو بن عاص رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے قیساریہ کو فتح کر کے غزہ کا محاصرہ کیا تو وہاں کے گورنر نے ان کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ گفتگو کے لئے کوئی آدمی میرے پاس بھیجئے۔ حضرت عمرو رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ ایک عام آدمی کی حیثیت سے خود تشریف لے گئے اور گفتگو شروع کی۔ غزہ کا گورنر ان کے حکیمانہ اندازِ گفتگو اور جرات و بے باکی سے بڑا متاثر ہوا۔ اس نے پوچھا: ''کیا تمہارے ساتھیوں میں تم جیسے کچھ اور لوگ بھی ہیں؟''

حضرت عمرو رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا: ''یہ بات نہ پوچھئے، میں تو ان میں سب سے کم تر آدمی ہوں، جب ہی تو انہوں نے مجھے یہاں بھیجنے کا خطرہ مول لیا ہے۔''

غزہ کے گورنر نے یہ سن کر انہیں کچھ تحفے دینے کا حکم دیا اور ساتھ ہی دربان کے پاس حکم لکھ کر بھیج دیا کہ: ''جب یہ شخص تمہارے پاس سے گزرے تو اسے قتل کر کے اس کا مال چھین لو۔''

حضرت عمرو رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ جب واپس جانے کے لئے مڑے تو راستے میں غسان کا ایک عیسائی ملا۔ اس نے حضرت عمرو رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو پہچان لیا اور چپکے سے بولا:

''عمرو! تم اس محل میں اچھی طرح داخل ہوئے تھے، اچھی طرح سے نکلنا۔''

یہ سن کر حضرت عمرو رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ ٹھٹک گئے۔ وہ فوراً مڑے اور واپس گورنر کے پاس پہنچ گئے۔ سردار نے پوچھا: ''کیا بات ہے واپس کیوں آ گئے؟''

حضرت عمرو رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے جواب دیا:

''آپ نے مجھے جو تحفے دیئے ہیں، میں نے انہیں دیکھا تو اندازہ ہوا کہ یہ میرے چچازاد بھائیوں کے لئے ناکافی ہیں۔ لہٰذا میرے دل میں یہ آ رہا ہے کہ میں اپنے دس بھائیوں کو آپ کے پاس لے آؤں، آپ یہ تحفے ان سب میں تقسیم کر دیں۔ اس طرح آپ کا تحفہ ایک کے بجائے دس آدمیوں کے پاس پہنچ جائے گا۔''

گورنر دل ہی دل میں خوش ہوا کہ اس طرح ایک کے بجائے دس آدمیوں کو قتل کرنے کا موقع ملے گا، چناں چہ اس نے کہا:

''تم ٹھیک کہتے ہو، انہیں جلدی سے لے آؤ۔''

اور یہ کہہ کر دربان سے کہلا دیا کہ ''اب اس شخص کو جانے دو۔''

حضرت عمرو رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ محل سے نکل کر دور تک مڑ مڑ کر دیکھتے رہے اور جب خطرے کی حدود سے باہر نکل گئے تو فرمایا: ''آئندہ ان جیسے غداروں کے پاس نہیں آؤں گا۔''

چند روز کے بعد غزہ کے گورنر کو صلح کی درخواست کرنی پڑی۔ اس مقصد کے لئے وہ خود مسلمانوں کے پاس آیا اور جب حضرت عمرو رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے خیمے میں داخل ہو کر انہیں امیرِ لشکر کی حیثیت سے بیٹھا دیکھا تو اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔ اس نے بوکھلا کر پوچھا: ''کیا آپ وہی ہیں؟''

''جی ہاں!'' حضرت عمرو رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے جواب دیا۔

''میں تمہاری غداری کے باوجود زندہ ہوں۔'' [۱]

زہر کس نے ملایا تھا؟

وَاقِعَۃٌ نَمْبَر ۷۸: جج صاحب نے سزائے موت لکھنے کے لئے قلم اٹھایا ہی تھا کہ اس کی نب ٹوٹ گئی۔ انہوں نے دوسرا قلم لیا تو اس کی نب بھی ٹوٹ گئی۔ اسی طرح جب تیسرا قلم بھی ٹوٹ گیا تو جج صاحب کو بہت حیرت ہوئی۔ انہوں نے کیس کی تفتیش نئے سرے سے کرنے کا فیصلہ کیا۔

معاملہ ایک کسان نذیر کے قتل کا تھا۔ اس کے قتل کے الزام میں اس کی بیوی کو گرفتار کیا تھا۔ واقعہ کچھ اس طرح ہوا تھا کہ نذیر اپنے کھیت میں ہل چلا رہا تھا۔ دوپہر کے وقت اس کی بیوی اس کا کھانا لے کر آئی۔ نذیر کا کام ابھی کافی باقی تھا، چناں چہ اس نے بیوی سے کہا:

''کھانا اس درخت کی شاخ سے باندھ دو...... میں ابھی کچھ دیر اور کام کرنا چاہتا ہوں۔''

کسان کی بیوی نے کھانا باندھا اور گھر چلی گئی۔ اپنے کام سے فارغ ہو کر نذیر درخت کی طرف گیا۔ اس نے رومال کھولا اور وہیں بیٹھ کر کھانا کھانے لگا۔ ابھی اس نے دو چار لقمے ہی کھائے تھے کہ وہ گر پڑا اور تڑپنے لگا۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس کی روح نکل گئی۔ آس پاس کچھ دوسرے کسان بھی کام کر رہے تھے...... وہ دوڑ کر حکیم کو بلا کر لے آئے۔ حکیم صاحب نے نذیر کو دیکھ کر بتایا کہ اسے زہر دیا گیا ہے۔ کھانے کا ایک لقمہ ایک بلی کو کھلا کر تجربہ کیا گیا تو وہ بھی مر گئی۔ اب سوال یہ تھا کہ کھانے میں زہر کس نے ملایا۔

نذیر کے ساتھی کسان پر شک گیا، وہ اس کا ساجھے دار (شریک) تھا، لیکن ایک سیدھا سادا آدمی تھا...... پھر جس درخت پر رومال لٹکایا گیا تھا، وہ اس کے قریب جاتا بھی نظر نہیں آیا تھا۔ اب گھوم پھر کر شک اس کی بیوی پر گیا...... وہی کھانا تیار کر کے لائی تھی...... پولیس نے ہانڈی کے باقی کھانے کو چیک کیا کہ کہیں کھانا پکاتے وقت کوئی زہریلی چیز نہ گر گئی ہو...... اس کھانے کو بھی ایک بلی کو کھلایا گیا...... اسے کچھ نہ ہوا...... اس سے یہی مطلب لیا گیا کہ کھانے میں زہر

---

[۱] تراشے: ۳۰

بیوی نے بعد میں ملایا ہے، چناں چہ اس پر مقدمہ چلا اور آخر جج صاحب نے یہی فیصلہ کیا کہ زہر اسی نے ملایا ہے، لیکن جب ان کا قلم تین بار ٹوٹ گیا تو انہوں نے اس جگہ کا معائنہ کرنے کا فیصلہ کیا، جس جگہ کھانا باندھا گیا تھا۔

جج صاحب نے درخت کا اچھی طرح جائزہ لیا...... آخر انہوں نے حکم دیا:

''اس درخت کو اکھاڑ ڈالا جائے۔''

درخت کو اکھاڑا گیا تو اس کے نیچے سے ایک مردہ سانپ ملا۔ اس پر ان گنت چیونٹیاں چمٹی ہوئی تھیں، نذیر کے کھانے پر سے بھی چند چیونٹیاں ملی تھیں، لیکن اس وقت چیونٹیوں کی طرف کسی کا بھی دھیان نہیں گیا تھا، لیکن اب سارا معاملہ سمجھ میں آگیا...... سانپ کا زہر ان چیونٹیوں کے ذریعے کھانے میں منتقل ہوا تھا۔

اس طرح اللہ تعالیٰ کی قدرت سے بے گناہ عورت موت کی سزا سے صاف بچ گئی۔ سچ ہے...... جسے اللہ رکھے، اسے کون چکھے۔

اس قصے میں دو عبرت کے پہلو ہیں:

❶ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ سارے فیصلوں پر غالب رہتا ہے، اللہ تعالیٰ بچانے کا اور زندہ رکھنے کا ارادہ فرمالیں تو کوئی موت نہیں دے سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس عورت کو مزید زندہ رکھنے کا فیصلہ فرمالیا تو عدالت اس کو موت نہ دے سکی۔

❷ جب اللہ تعالیٰ نے اس کسان کو موت دینے کا ارادہ فرمالیا تو معمولی سا ایک بہانہ موت کا سبب بن گیا۔

کیا خیال ہے ان دو کے بارے میں جس کا تیسرا اللہ ہو؟

واقعہ نمبر ⑦⑨: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ''میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ (ہجرت کے موقع پر) غار میں تھا تو میں نے وہاں پر مشرکین کے قدموں کو دیکھا۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اگر ان میں سے کسی نے اپنے قدم کو اٹھالیا تو وہ ہمیں دیکھ لے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''مَاظَنُّكَ بِاثْنَيْنِ اَللّٰهُ ثَالِثُهُمَا.'' ''(اے ابوبکر) تمہارا کیا خیال ہے ان دو کے بارے، میں، جن کا تیسرا اللہ ہو۔''[1]

فائدہ: اس واقعے سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ ہم پر جو بھی مصیبت یا حال آئے، ہر وقت میں ہماری نظر صرف اسی ''الحفیظ جل جلالہ'' پر ہونی چاہیے۔

اللہ تعالیٰ کی حدود میں جن چیزوں کی سب سے زیادہ حفاظت کی جانی چاہیے وہ عقیدۂ توحید ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کی جائے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا جائے۔ جیسا کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کردہ حدیث میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: اے معاذ! کیا تم

[1] بخاری، التفسیر، باب قوله ثاني اثنين اذهما في الغار: ٦٧٢/٢

جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کا بندوں پر کیا حق ہے؟

حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ عرض کیا: اللہ اور اس کے رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ (حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے) فرمایا: اللہ تعالیٰ کا حق بندوں پر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جائے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا نہ جائے۔ پھر فرمایا: اے معاذ! کیا تجھے معلوم ہے کہ بندوں کا اللہ تعالیٰ پر کیا حق ہے جب وہ یہ کام کرلیں؟ (یعنی عقیدۂ توحید پر صحیح طریقے سے جے رہیں اور صحیح عمل پر بھی قائم رہیں)۔

حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: میں نے کہا: اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ایسی صورت میں بندوں کا حق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں عذاب نہ دے۔'' [1]

یہ بہت بڑا حق ہے جس کی حفاظت و رعایت کا ''الحفیظ جل جلالہ'' نے حکم فرمایا ہے اور اسی حق کی حفاظت کی خاطر ''الحفیظ جل جلالہ'' نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو مبعوث فرمایا اور کتابیں نازل فرمائیں۔ سو جس شخص نے اس حق کی حفاظت دنیا میں کی، ''الحفیظ جل جلالہ'' قیامت کے دن اپنے عذاب سے اس کی حفاظت فرمائیں گے اور اسے سلامتی وامن نصیب فرمائیں گے اور ''الحفیظ جل جلالہ'' کے ہاں اس کے لئے ایک عہد ہوگا جس کے تحت ''الحفیظ جل جلالہ'' اس کو جنت میں داخل فرمائیں گے اور جہنم سے حفاظت نصیب فرمائیں گے اور اگر ایسے شخص کو اپنے گناہوں کی وجہ سے عذاب بھی ہوا تو بھی ایسا شخص توحید پر قائم رہنے کی وجہ سے ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہنے سے محفوظ رہے گا۔ (بل کہ اپنے گناہوں کی سزا بھگتنے کے بعد جنت میں داخل کردیا جائے گا) جب کہ کفار جنہوں نے ''الحفیظ جل جلالہ'' کے حق یعنی توحید کو ضائع کیا، وہ ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔

اور وہ بڑے بڑے واجبات جن کی حفاظت کا حکم دیا گیا ہے ان میں ایک نماز بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى﴾ [2]

ترجمہ: ''نمازوں کی حفاظت کرو بالخصوص درمیان والی نماز کی۔''

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ﴾ [3]

ترجمہ: ''(کامیاب ہوئے وہ مؤمنین) جو اپنی نمازوں کی خبر رکھتے ہیں۔''

سو جس نے نمازوں اور اس کے ارکان کی حفاظت کی تو ''الحفیظ جل جلالہ'' اس کی اپنے عذاب سے حفاظت فرمائیں گے اور اس کو قیامت کے دن نجات حاصل ہوگی۔

---

[1] مسلم، الایمان، باب الدلیل علی ان من مات ...... : ۴۴/۱

[2] البقرۃ: ۲۳۸　　[3] المؤمنون: ۹

دنیا وآخرت کی بھلائی نماز میں ہے

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: نماز روزی کو کھینچنے والی ہے...... صحت کی حفاظت کرنے والی ہے......، تکلیف کو دور کرنے والی ہے......، بیماریوں کو ہٹانے والی ہے......، دل کو مضبوط کرنے والی ہے......، چہرے کو روشن رکھنے والی ہے......، نفس کو فرحت بخشنے والی ہے......، سستی کو دور کرنے والی ہے......، اعضا کو چست رکھنے والی ہے......، قوت کو بڑھانے والی ہے......، سینے کو کھولنے والی ہے......، روح کی غذا ہے......، دل کو منور کرنے والی ہے......، نعمت کی محافظ ہے......، عذاب کو دور کرنے والی ہے......، برکات کو لانے والی ہے......، شیطان سے دوری کا سبب ہے......، رحمٰن سے قرب کا ذریعہ ہے۔[1]

اور وہ چیزیں جن کی حفاظت کا "الحفیظ جل جلالہ" نے حکم دیا ہے، ان میں کان، آنکھ اور دل بھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا﴾[2]

ترجمہ: "بیشک کان اور آنکھ اور دل، ان میں سے ہر ایک سے پوچھ گچھ کی جانے والی ہے۔"

سو اپنے کانوں کی حفاظت کیجئے اور ایسی بات سنئے جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتے ہوں اور اپنی نگاہ کی حفاظت کیجئے اور ایسی چیز دیکھئے جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے خلاف نہ ہو اور اپنے دل اور عقل کی ایسی چیزوں سے حفاظت کیجئے جن سے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور غصہ متعلق ہو اور دل وعقل کو اللہ تعالیٰ کے غیر کے ساتھ مشغول ہونے سے بھی محفوظ رکھیے۔[3]

اور جن چیزوں کی حفاظت کا اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا، ان میں شرمگاہ بھی شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ﴾[4]

ترجمہ: مسلمان مردوں سے کہو کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت رکھیں، یہی ان کے لئے پاکیزگی ہے، لوگ جو کچھ کریں، اللہ تعالیٰ سب سے خبردار ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "مَنْ يَضْمَنْ لِي مَا بَيْنَ لَحْيَيْهِ وَرِجْلَيْهِ أَضْمَنْ لَهُ الْجَنَّةَ"[5]

ترجمہ: "جو شخص مجھے اپنے دونوں جبڑوں اور دونوں ٹانگوں کے درمیان والی چیز کی حفاظت کی ذمہ داری دیدے تو

---

[1] الطب النبوي: ۳۳۲ [2] الإسراء: ۳۶

[3] فَاحْفَظْ سَمْعَكَ، فَلَا تَسْمَعْ إِلَّا مَا يُرْضِيهِ، وَاحْفَظْ بَصَرَكَ فَلَا تَنْظُرْ إِلَّا إِلَى مَا يُرْضِيهِ، وَاحْفَظْ قَلْبَكَ وَعَقْلَكَ مِنْ أَنْ يَتَعَلَّقَ بِمَا يُغْضِبُهُ وَيُسْخِطُهُ وَيَنْشَغِلَا بِغَيْرِهِ.

[4] النور: ۳۰ [5] بخاري، الرقاق، باب حفظ اللسان: ۹۵۸/۲

میں اسے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔

قسم کی حفاظت

جن چیزوں کی ضمانت کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے، ان میں سے قسم بھی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَاحْفَظُوْٓا اَیْمَانَکُمْ﴾[1]

ترجمہ: ”اور اپنی قسموں کی حفاظت کرو۔“

قسم کی حفاظت انسان کے ایمانی جذبہ کے تحت ہوتی ہے۔ بہت سے لوگ قسم کے معاملے کو انتہائی آسان سمجھتے ہیں اور بات بات میں قسم اٹھانے سے نہیں چوکتے۔ اور اکثر قسم کو پورا نہ کرنے کی وجہ سے ان پر کفارے لازم ہوتے رہتے ہیں، لیکن انہیں اس بات کی خبر بھی نہیں ہوتی۔ (یا تو دینی معاملات سے ناواقفیت کی بنا پر یا کفارے کی ادائیگی پر قدرت نہ ہونے کی وجہ سے) تو ایسے لوگ گناہ میں پڑے چلے جاتے ہیں۔ لہٰذا یہ ایک نازک معاملہ ہے، اس میں سب کو احتیاط برتنی چاہئے اور عوام میں اس مسئلے کو اجاگر کرنا علماءِ امت کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس مسئلے کی اہمیت کا شعور عوام میں پیدا کریں۔

دین کی حفاظت کے لئے سب سے اہم چیز دعا ہے۔ مؤمن بندہ جب اللہ تعالیٰ سے اپنے دین کی حفاظت کے لئے دعا مانگتا ہے تو اللہ تعالیٰ مؤمن کے دین کی حفاظت فرماتے ہیں اور اللہ تعالیٰ مؤمن بندے اور ان چیزوں کے درمیان، جو دین کو نقصان پہنچانے والی ہیں، ایسے اسباب حائل فرما دیتے ہیں جن کی طرف بندہ کا گمان بھی نہیں جاتا اور بعض اوقات بندہ ان اسباب کو ناپسند بھی کرتا ہے، حالاں کہ وہ اس کے فائدے کے لئے ہوتے ہیں اور یہ دین کی حفاظت اللہ تعالیٰ ایسے فرماتے ہیں جیسا کہ یوسف علیہ السلام کے دین کی حفاظت کی گئی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ ۭ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ﴾[2]

ترجمہ: ”اور یوں ہی ہوا اس واسطے کہ ہم یوسف سے برائی اور بے حیائی دور کر دیں۔ بے شک وہ ہمارے چنے ہوئے بندوں میں سے تھے۔“

اپنی حفاظت کے لئے یہ دعائیں کیجئے

حدیث شریف میں آتا ہے کہ جو شخص صبح اور شام تین تین مرتبہ یہ کلمات پڑھ لے، اسے کوئی زہریلا جانور نقصان نہیں پہنچائے گا:

❶ ”اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّآمَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ.“[3]

---

[1] المائدة: ۸۹ [2] یوسف: ۲٤ [3] مسلم، الذكر والدعاء، باب الدعوات والتعوذ: ۳٤۷/۲

صبح و شام ایک ایک مرتبہ ذیل کے کلمات پڑھے تو جن و انس کے شر سے حفاظت ہوتی ہے۔

۲ "اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِنْ غَضَبِهٖ وَعِقَابِهٖ وَشَرِّ عِبَادِهٖ وَمِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِيْنِ وَاَنْ يَّحْضُرُوْنِ."[1]

۳ اور ہر فرض نماز کے بعد قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ــــ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ــــ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ پڑھے۔

حفاظت کے لئے ان کلمات کو پڑھنے کے ساتھ ایک اہم بات یہ بھی یاد رکھیں کہ اپنے مال کی حفاظت کے لئے پوری پوری زکوٰۃ ادا کرنا بہت ضروری ہے۔ کئی جگہ مال و اسباب کی ہلاکت کی اصل وجہ یہ ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق پوری طرح زکوٰۃ ادا نہیں کی جاتی۔ اس لئے زکوٰۃ پوری طرح ادا کرنے کا اہتمام کریں اور دوسرے کسی مسلمان کا کوئی اور جانی یا مالی حق بھی ہرگز نہ دبائیں کہ جس کی بنا پر آپ اس کی بددعا کے مستحق ٹھہریں اور وہ بددعا آپ کے جان و مال کے نقصان کا سبب بنے۔[2]

فوائد و نصائح

اس صفاتی اسم سے تعلق پیدا کرنے والوں کو لازم ہے کہ ان چند باتوں پر عمل کریں:

۱ اللہ تعالیٰ کو محافظِ حقیقی یقین کریں۔

۲ حفاظتِ ظاہری کے جملہ اسباب کو بغیر اللہ تعالیٰ کی چاہت کے ہیچ و حقیر سمجھیں۔

۳ اللہ تعالیٰ ہی کو اپنی جان و مال اور اولاد کا حقیقی محافظ سمجھیں۔

۴ فتنہ شہوت کا سب سے پہلا سبب اور مقدمہ نگاہ ڈالنا اور نامحرم کی طرف دیکھنا ہے، اور آخری نتیجہ زنا ہے، لہٰذا جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اللہ کا تعلق ملے، مضبوط اور پختہ ایمان حاصل ہو، اس کو چاہئے کہ اپنی نگاہوں کی حفاظت کرے، اخبار، ٹی وی، اشتہارات، کمپیوٹر، وغیرہ پر خصوصاً اور عمومی زندگی میں عموماً اپنی نگاہ پر سخت چوکی دار بٹھائے۔[3]

۵ اسی کی حفاظت میں آکر جملہ بلیاتِ شیطانی و آفاتِ نفسانی سے کنارہ کش رہیں اور مؤمن بندہ پر یہ بھی لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی فرماں برداری میں زندگی گزارے اور حقوق اللہ اور حقوق العباد یعنی اللہ تعالیٰ کے حقوق نماز پڑھنا، روزہ رکھنا، زکوٰۃ دینا اور بندوں کے حقوق، ظلم نہ کرنا، الزام نہ لگانا، تکلیف نہ پہنچانا وغیرہ کا اہتمام و حفاظت کرے۔[4]

---

[1] ترمذی، ابواب الدعوات: ۱۹۲/۲ [2] حفاظت اور عافیت کے لئے تیس (۳۰) دعائیں صبح و شام مانگنے کا معمول بنالیں، جو ہمارے یہاں کی شائع شدہ کتاب "صبح و شام کی مسنون دعائیں" میں درج ہیں اور مستند مجموعہ وظائف میں بھی یہ دعائیں موجود ہیں۔

[3] طبرانی: ۳۹۹ [4] شرح اسماء الحسنیٰ للمنصورپوری: ۹۱

المقیت جل جلالہ

(سب کی روزی پیدا کر کے پہنچانے والا)

اس اسم مبارک کے تحت دو تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

❶ "اَلْمُقِيْتُ" خَالِقُ الْأَقْوَاتِ الْبَدَنِيَّةِ وَالرُّوْحَانِيَّةِ وَمُوْصِلُهَا إِلَى الْأَشْبَاحِ وَالْأَرْوَاحِ.[1]

ترجمہ: "المقیت بدنی اور روحانی روزی کا پیدا کرنے والا اور اس کو جان داروں تک پہنچانے والا ہے۔"

❷ اَلْمُقِيْتُ: اَلْمُقْتَدِرُ عَلَى الشَّيْءِ، يُقَالُ: اَقَاتَ عَلَى الشَّيْءِ إِذَا اقْتَدَرَ عَلَيْهِ.[2]

ترجمہ: امام زجاجی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "المقیت" کا مطلب ہے کسی چیز پر قادر ہونا، کہا جاتا ہے أَقَاتَ عَلَى الشَّيْءِ إِذَا اقْتَدَرَ عَلَيْهِ یعنی فلاں نے کسی چیز پر قدرت پائی۔[3]

قرآن کریم میں یہ اسم مبارک ایک مرتبہ آیا ہے:

﴿وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيْتًا﴾[4]

اس آیت کے تین مطلب ذکر کیے جاتے ہیں:

❶ اللہ تعالیٰ ہر چیز کی حفاظت کرنے والے اور اس پر نگراں ہیں۔

❷ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو تدبیر کے ساتھ قائم رکھنے والے ہیں۔

❸ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت والے ہیں۔[5]

علامہ ابن جریر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: لغتِ قریش میں "المقیت" "اَلْقَدِيْرُ" ہی کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔[6]

---

[1] شرح الطیبی، الدعوات، باب اسماء اللہ تعالیٰ: ۳۹/۵ [2] النهج الاسمیٰ: ۳۵۶/۱

[3] هُوَ اِسْمُ الْفَاعِلِ مِنْ أَقَاتَ يُقِيْتُ إِقَاتَةً فَهُوَ مُقِيْتٌ، وَالْيَاءُ فِيْهِ بَدَلٌ مِّنَ الْوَاوِ لِأَنَّهُ مُشْتَقٌّ مِّنَ الْقُوْتِ. (النهج الاسمیٰ: ۳۵۶/۱

[4] النساء: ۸۵ [5] النهج الاسمیٰ: ۳۵۷/۱

[6] وَالصَّوَابُ مِنْ هٰذِهِ الْأَقْوَالِ، قَوْلُ مَنْ قَالَ: مَعْنَى الْمُقِيْتِ، اَلْقَدِيْرُ، وَذٰلِكَ أَنَّ ذٰلِكَ فِيْمَا يُذْكَرُ كَذٰلِكَ بِلُغَةِ قُرَيْشٍ. (النهج الاسمیٰ: ۳۵۷/۱)

لفظ مُقِیتُ کے لغت کے اعتبار سے بھی تین معنی ہیں: ① قادر مقتدر ② حاضر و نگران اور ③ روزی تقسیم کرنے والے۔[1]

زمین کو المقیت جل جلالہ نے عظیم الشان گودام بنایا ہے

تیسرے معنی کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ نے سورۃ حٰمٓ سجدۃ میں زمین کی پیدائش کے بارے میں ارشاد فرمایا:

﴿وَقَدَّرَ فِيهَآ أَقْوَاتَهَا فِيٓ أَرْبَعَةِ أَيَّامٍ﴾[2]

ترجمہ: ''اور ٹھہرائیں اس میں خوراکیں اس کی چار دن میں۔''

حضرت حسن اور حضرت سری رحمہما اللہ تعالیٰ نے اس کی تفسیر میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کے ہر حصے میں اس کے بسنے رہنے والوں کی مصالح کے مناسب رزق اور روزی مقدر فرما دی۔

مقدر فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ یہ حکم جاری کر دیا کہ اس حصۂ زمین میں فلاں فلاں چیزیں اتنی اتنی مقدار سے پیدا ہو جائیں۔

اسی تقدیرِ الٰہی سے ہر حصہ زمین کی کچھ خصوصیات ہوگئیں، ہر جگہ مختلف قسم کی معدنیات ...... مختلف قسم کے نباتات ...... درخت ...... اور جانور ...... اس خطہ کی ضروریات ان کے مزاج و مرغوبات کے مطابق پیدا فرما دیئے۔

اسی وجہ سے ہر خطہ کی مصنوعات و ملبوسات مختلف ہوتی ہیں۔ یمن میں عصب، سابور میں سابوری، رےّ میں طیالسہ، کسی خطہ میں گندم، کسی میں چاول اور دوسرے غلات، کسی جگہ میں روئی، کسی میں جو، کسی میں سیب، انگور اور کسی میں آم اس اختلافِ اشیاء میں ہر خطہ کے مزاجوں کی مناسبت بھی ہے۔

حضرت عکرمہ اور ضحاک رحمہما اللہ تعالیٰ کے قول کے مطابق یہ فائدہ بھی ہے کہ دنیا کے سب خطوں اور ملکوں میں باہمی تجارت اور تعاون کی راہیں کھلیں، کوئی خطہ دوسرے خطہ سے مستغنی نہ ہو، باہمی احتیاج ہی پر باہمی تعاون کی مضبوط تعمیر ہو سکتی ہے۔

گویا زمین کو حق تعالیٰ نے اس پر بسنے والے انسانوں اور جانوروں کی تمام ضروریات، غذا، مسکن اور لباس وغیرہ کا ایک ایسا عظیم الشان گودام بنا دیا ہے جس میں قیامت تک آنے اور بسنے والے اربوں اور کھربوں انسانوں اور لاتعداد جانوروں کی سب ضروریات رکھ دی ہیں، وہ زمین کے پیٹ میں بڑھتی اور حسب ضرورت قیامت تک نکلتی رہیں گی۔ انسان کا کام صرف یہ رہے گا کہ اپنی ضروریات کو زمین سے نکال کر اپنی ضرورت کے مطابق استعمال کرے۔[3]

---

[1] اَلْمُقِيتُ مَعْنَاهُ خَالِقُ الْأَقْوَاتِ، وَمُوْصِلُهَا إِلَى الْأَبْدَانِ وَهِيَ الْأَطْعِمَةُ، وَ إِلَى الْقُلُوْبِ وَهِيَ الْمَعْرِفَةُ، فَيَكُوْنُ بِمَعْنَى "الرَّزَّاقِ" إِلَّا أَنَّهُ أَخَصُّ مِنْهُ إِذِ الرِّزْقُ يَتَنَاوَلُ الْقُوْتَ وَغَيْرَ الْقُوْتِ، وَالْقُوْتُ مَايَكْتَفِي بِهِ فِي قِوَامِ الْبَدَنِ. (النهج الاسمٰی: ۱/۳۵۹)

[2] حٰمٓ السجدة: ۱۲ [3] معارف القرآن: ۷/۶۳۸، حٰمٓ السجدة: ۱۲

جس طرح مخلوق مختلف انواع و اقسام کی ہے، اسی طرح قوت یعنی روزی کی بھی بے شمار قسمیں ہیں۔ سطح زمین ایک وسیع دستر خوان ہے، جہاں صلائے عام صدائے عام ہے "بریں خوانِ یغما چہ دشمن چہ دوست"

کافر و مؤمن، فاسق و فاجر اور زاہد و متقی کا کوئی امتیاز نہیں، کوئی اسے مانتا ہو یا نہ مانتا ہو، اس کی حمد و ثنا کرتا ہو یا گستاخِ بارگاہ ہو سب برابر ہیں۔ وہ "المقیت جل جلالہ" ہر ایک کو اس کے مناسب حال روزی پہنچاتا رہتا ہے۔ گوشت خور کو گوشت، سبزی خور کو سبزی، پھل اور میوے کھانے والوں کو پھل اور میوے اور پھول کھانے والے کو پھول۔

بے شمار انواع و اقسام کے روزینے ہیں، گوشت، سبزی، پھل، پھول، شہد، لکڑی، آگ، مٹی، دھواں، ہوا، پانی، ریت، نمی، کیچڑ، کیڑے مکوڑے، خون، بلغم، پیپ، گندگی، کوڑا کرکٹ، میل، کانٹے، گھاس پھونس، ہڈی، کوئلہ، کائی، بیج، نمک، گوند، گٹھلیاں، روٹی، درختوں کی چھال اور پوست، برادہ، آٹا، دودھ، انڈے، الغرض طرح طرح کے برے بھلے رزق ہیں کہ جن کی غذا ہیں ان کے لئے بہر حال بھلے ہی بھلے ہیں، جن سے خوب لطف اندوز ہوتے رہتے ہیں، اگرچہ وہ دوسروں کے لئے قابلِ نفرت ہیں۔

رزق جو نصیب میں لکھا ہے ضرور ملے گا

چوں کہ وہ "المقیت جل جلالہ" ہے۔ لہٰذا اس کی اس صفت کا ظہور کامل و اکمل طریق پر ہونا چاہئے تھا، سو ایسا ہی ہے۔ انسان ہو یا حیوان، جڑی بوٹیاں ہوں یا نباتات سب کے لئے اس نے رزق پیدا کر دیا ہے، عقل والا ہو یا بے عقل، زبان والا ہو یا بے زبان، چلنے پھرنے والا ہو یا ساکن و صامت، اس معاملے میں سب برابر ہیں۔ کسی مذہب و ملت، ملک و قوم، شرقی و غربی اور کافر و مؤمن کا کوئی فرق نہیں۔ دعوت عام ہے اور صدائے تام ہے۔

کھانے پینے کے معاملے میں جس کسی نے اولیاء اللہ میں سے اس بارے میں کوئی امتیاز برتا تو انہیں تنبیہ کی گئی کہ فلاں شرابی و زانی کے ساتھ تم نے کیوں کھانے کے بارے میں فرق کو ملحوظ رکھا؟ کیا وہ ہمارا بندہ نہیں ہے؟

اگرچہ گناہ گار ہے، ہم امتیاز نہیں کرتے تو تم کیوں ایسا کرتے ہو؟ وہ کافروں کو پلاؤ زردے کھلاتا ہے اور مؤمنوں کو چٹنی روٹی، رزق کا معاملہ مقدر سے طے کر دیئے جانے پر موقوف ہے، اسلام و کفر پر نہیں ہے۔[1]

المقیت جل جلالہ نے انسان کو حصولِ رزق کا طریقہ سکھایا

اس "المقیت جل جلالہ" نے ہر ایک کو رزق حاصل کرنے کے طریقے بھی بتا دیئے ہیں۔ مناسب آلات تو دیئے ہی ہیں حیلے اور طور طریقے بھی سکھا دیئے ہیں، مرغی کا بچہ پیدا ہوتے ہی زمین پر ٹھونگ مارتا ہے۔ اسے کوئی مرغی یا مرغا نہیں بتاتا کہ تو ایسا کر۔

---

[1] شرح اسماء الحسنیٰ للازھری: ۴۵۶

بعض جانوروں کو ان کی مائیں اشارہ کرتی ہیں اور پھر وہ الہامِ خداوندی سے پستان یا تھن کو چوسنے لگتے ہیں۔ جب گائے، بھینس یا بکری بچے دیتی ہیں تو مادرِ مہربان بار بار اس کے منہ کی طرف اپنے تھن کرتی ہے۔ وہ ''المقیت جل جلالہ'' کے الہام سے اسے چوسنے لگتا ہے تو شرابِ طہور پاتا ہے۔ پھر تو خوب چٹخارے لے لے کر پینے لگتا ہے۔ اپنا سر یا ہاتھ یا پنجے مار مار کر دودھ زیادہ سے زیادہ نکالنے کی کوشش کرتا ہے اور نعمتِ خداوندی سے سیراب ہوتا ہے۔

کسی کو تشنہ لب رکھتا نہیں ہے لطفِ عام اس کا ۔۔۔ پہنچتا ہے ہر ایک مے کش کے آگے دورِ جام اس کا[1]

محدثین کی خبر لو

واقعہ نمبر ⑧۰: اللہ تعالیٰ دین کی خدمت کرنے والوں کو مختلف طریقوں سے روزی پہنچاتے ہیں۔ تیسری صدی ہجری میں مصر میں چار محدثین بڑے مشہور ہوئے، چاروں کا نام محمد تھا اور چاروں علمِ حدیث کے جلیل القدر ائمہ میں شمار ہوئے۔ ان کے نام یہ ہیں: ① محمد بن نصر مروزی ② محمد بن جریر طبری ③ محمد بن المنذر اور ④ محمد بن اسحٰق بن خزیمہ رحمہم اللہ تعالیٰ۔ ان کا ایک عجیب واقعہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ نے نقل کیا ہے۔ یہ چاروں حضرات مشترکہ طور سے حدیث کی خدمت میں مشغول تھے۔ بسا اوقات ان علمی خدمات میں انہماک اس قدر بڑھتا کہ فاقوں تک نوبت پہنچ جاتی۔

ایک دن چاروں ایک گھر میں جمع ہو کر احادیث لکھنے میں مشغول تھے کھانے کو کچھ نہیں تھا، بالآخر طے پایا کہ چاروں میں سے ایک صاحب طلبِ معاش کے لئے باہر نکلیں گے، تاکہ غذا کا انتظام ہو سکے۔ قرعہ ڈالا گیا تو حضرت محمد بن نصر مروزی رحمہ اللہ تعالیٰ کا نام نکلا۔ انہوں نے طلبِ معاش کے لئے نکلنے سے پہلے نماز پڑھی اور دعا کرنی شروع کر دی۔ یہ ٹھیک دوپہر کا وقت تھا اور مصر کے حکمران احمد بن طولون رحمہ اللہ تعالیٰ ''اپنی قیام گاہ میں آرام کر رہے تھے، ان کو سوتے ہوئے خواب میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا جس کا خلاصہ یہ تھا: محدثین کی خبر لو، ان کے پاس کھانے کو کچھ نہیں ہے۔'' ابن طولون رحمہ اللہ تعالیٰ بیدار ہوئے تو لوگوں سے تحقیق کی کہ اس شہر میں محدثین کون کون ہیں؟

لوگوں نے ان حضرات کا پتا دیا۔ احمد بن طولون رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسی وقت ان کے پاس ایک ہزار دینار بھجوائے اور جس گھر میں وہ خدمتِ حدیث میں مشغول تھے اسے خرید کر وہاں ایک مسجد بنوادی اور اسے علمِ حدیث کا مرکز بنا کر اس پر بڑی جائیدادیں وقف کر دیں۔[2]

---

[1] شرح اسماء الحسنیٰ للازہری: ٤٦٢

[2] تراشے: ۱۳۲

فوائد و نصائح

اس واقعے سے چند باتیں معلوم ہوتی ہیں:

❶ ہمارے اسلاف اپنے مسائل نماز اور دعا کے ذریعے حل کرواتے تھے، خواہ کوئی بھی مسئلہ اور کوئی بھی پریشانی ہو، دو رکعت نماز پڑھ کر اللہ ربّ العزت سے مانگتے تو ان کے مسائل حل ہو جاتے۔ ہم بھی اگر اپنے مسائل اللہ ربّ العزت کی بارگاہ میں پیش کریں اور دل کے یقین سے اللہ ربّ العزت سے دعائیں مانگیں تو اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ ہمارے بھی معاشی، گھریلو، کاروباری تمام مسائل اپنی قدرت سے حل فرمائیں گے، لہٰذا مشکل کشا، روزی دینے والی ذات، اولاد دینے والی ذات اور ہر قسم کے مسائل اور پریشانیاں دور کرنے والی ذات صرف ایک اللہ ربّ العزت کی ذات ہے اس پر یقین کریں اور اسی سے دعاؤں اور نیک اعمال کے ذریعے اپنے اپنے مسائل حل کروائیں۔

❷ ہر مکلف (انسان) پر یہ ضروری ہے کہ وہ یہ جانے کہ اپنے بندوں کی مصلحتوں کے مطابق کام بنانے والا کوئی نہیں ہے مگر صرف اور صرف اللہ ربّ العزت کی ذات۔ اس لئے کہ وہی ان کی غذا اور رزق کا بندوبست کرتا ہے، وہی ان کو رزق حاصل کرنے کی سمجھ عطا کرتا ہے، رزق حاصل کرنے کے طریقے، آلات مہیا فرماتا ہے۔[1]

ہر مخلوق کی کسی نہ کسی صورت میں غذا ہے۔ پس جسموں کی غذا کھانے اور پینے کی چیزیں ہیں۔ روحوں کی غذا علوم کا جاننا ہے۔ ملائکہ کی غذا تسبیح ہے۔ اللہ اپنے بندوں کی نگہبانی کرنے والا ہے اور ان کی خبر گیری کرنے والا ہے۔

لہٰذا اس اسم سے تعلق پیدا کرنے والے کو لازم ہے کہ اپنے تمام اعضاء کی صحت و طاقت جملہ قویٰ کی بقا و قوت کا سوال اسی مالک سے کرے اور التجا کیا کرے کہ اے میرے رب میرے مددگار! میرے اعضاء، مرے قویٰ، میرے حواس، میری خدمات، میری معلومات اور میرے مشاہدات کو تو ہی اپنی رحمت و طاقت سے بڑھاتا رہ اور تو ہی ان سب کی درستی و توانائی کا سامان فرمایا کر۔[2]

---

[1] النهج الأسمى: ۳٦۱/۱

[2] شرح اسماء الحسنیٰ للمنصورپوری: ۹۲

اَلْحَسِیْبُ جَلَّ جَلَالُہٗ

(سب کے لئے کافی ہو جانے والا)

اس اسم مبارک کے تحت تین تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

❶ اَلْحَسِيْبُ: هُوَ الْعَلِيْمُ بِعِبَادِهٖ، كَافِي الْمُتَوَكِّلِيْنَ، اَلْمُجَازِيْ لِعِبَادِهٖ بِالْخَيْرِ وَالشَّرِّ بِحَسْبِ حِكْمَتِهٖ وَعِلْمِهٖ بِدَقِيْقِ أَعْمَالِهِمْ وَجَلِيْلِهَا۔[1]

ترجمہ: شیخ سعدی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ فرماتے ہیں: ''اَلْحَسِیْبُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' وہ ذات ہے جو اپنے بندوں کو جاننے والا ہے، توکل کرنے والوں کو کافی ہے۔ اپنے بندوں کو ان کے اعمالِ خیر اور شر، خواہ چھوٹے ہوں یا بڑے سب کا بدلہ دینے والا ہے۔ اپنی حکمت اور علم کے موافق معاملہ کرنے والا ہے۔

❷ صاحب ''النہج الاسمیٰ'' فرماتے ہیں:

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اپنے بندوں کے لئے کافی ہیں اور بندے ہر وقت اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں، کیوں کہ ان کا وجود اسی ذات ''اَلْحَسِیْبُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کا مرہونِ منت ہے۔ وہی ان کو پیدا کرنے والا ہے، رزق دینے والا ہے اور دنیا و آخرت میں ان کی کفایت کرنے والا ہے اور اس کفایت میں اس ذات ''اَلْحَسِیْبُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کا کوئی شریک نہیں اور اگر کوئی اپنی نادانی سے یہ گمان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر کوئی دوسرا اس کے لئے کافی ہے تو اس کا خیال خیالِ باطل ہے، محض غلطی اور فریب ہے، کیوں کہ ہر چیز اسی کے پیدا کرنے سے وجود میں آئی ہے، اسی کے حکم سے باقی رہنے والی ہے اور اسی کے حکم سے فنا ہو جانے والی ہے۔[2]

❸ امام غزالی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ فرماتے ہیں: جو کوئی اللہ تعالیٰ کا ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے کافی ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک کے لئے کافی ہیں اور ''اَلْحَسِیْبُ'' ایسی صفت ہے جو اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی دوسرے کے بارے میں

---

[1] تیسیر الکریم الرحمن: ۳۰۲/۵

[2] إِنَّ اللّٰهَ سُبْحَانَهٗ وَ تَعَالٰى هُوَ الْكَافِيْ لِعِبَادِهٖ، اَلَّذِيْ لَا غِنٰى لَهُمْ عَنْهُ أَبَدًا، بَلْ لَا يُتَصَوَّرُ لَهُمْ وُجُوْدٌ بِدُوْنِهٖ، فَهُوَ خَالِقُهُمْ وَبَارِئُهُمْ وَرَازِقُهُمْ وَكَافِيْهِمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ، لَا يُشَارِكُهٗ فِيْ ذٰلِكَ أَحَدٌ أَبَدًا، وَ إِنْ ظَنَّ النَّاسُ أَنَّ غَيْرَ اللّٰهِ يَكْفِيْهِمْ فَهُوَ ظَنٌّ بَاطِلٌ، وَخَطَأٌ مَحْضٌ، بَلْ كُلُّ شَيْءٍ بِخَلْقِهٖ وَتَقْدِيْرِهٖ وَأَمْرِهٖ۔ (النہج الاسمیٰ: ۳۶۷/۱)

تصور نہیں کی جا سکتی۔ اس لئے کہ کفایت کرنے والا بھی کفایت کا محتاج ہوتا ہے اور وہ ذات ایسی ہو جس کا وجود ہو اور وجود بھی دائمی اور کامل ہو کسی کا محتاج نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ کوئی بھی ایسا وجود نہیں جو کسی دوسرے کے لئے پوری طرح کافی ہو، اللہ تعالیٰ اکیلے ہی ہر ایک کے لئے کافی ہیں۔ ایسا نہیں کہ بعض کے لئے کفایت کرنے والے ہوں اور بعض کے لئے نہ ہوں، بل کہ تمام حاجتوں اور ضرورتوں کے لئے اکیلے اللہ تعالیٰ ہی کفایت کرنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی کے ارادے سے تمام اشیاء کو وجود و دوام ملتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہی کے ارادے سے ان کی تکمیل ہوتی ہے۔

آپ یہ گمان نہ کریں اس بچے کے متعلق جسے ماں دودھ پلاتی ہے اور اس کی پرورش کرتی ہے کہ اس کی کفایت ماں کر رہی ہے، بل کہ اللہ تعالیٰ ہی نے اس کی کفایت فرمائی، اس طور پر کہ اس کی ماں کو پیدا فرمایا اور اس کی ماں کے پستانوں میں دودھ پیدا فرمایا اور اس دودھ کو حاصل کرنے میں اس بچے کی رہنمائی فرمائی اور ماں کے دل میں اس بچے کے لئے شفقت اور محبت پیدا فرمائی حتیٰ کہ ماں نے اس بچے کو اٹھایا اور دودھ پلایا۔ تو معلوم ہوا کہ ظاہراً کفایت ان اسباب سے حاصل ہو جاتی ہے لیکن درحقیقت ان اسباب کو پیدا کرنے والے بھی اللہ تعالیٰ ہیں۔

اللہ تعالیٰ اکیلے ہر ایک کے لئے کافی ہیں اور "اَلْحَسِیْبُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کے سوا کوئی بھی ایسا نہیں جو اکیلے کسی دوسری چیز کے لئے کافی ہو، بل کہ تمام مخلوقات میں سے بعض بعض کے محتاج ہیں اور تمام مخلوق اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہے، اکیلے یہ کسی کی بھی ضرورت پوری نہیں کر سکتے، بل کہ سب مل کر بھی کسی کے کام تب آ سکتے ہیں جب "اَلْحَسِیْبُ جَلَّ جَلَالُہٗ" چاہیں اور اللہ تعالیٰ اکیلے ہر ایک کے لیے تمام مخلوقات کے بغیر، سب اسباب و وسائل کے بغیر کافی ہیں اور اس کفایت میں کوئی دوسرا اللہ تعالیٰ کا شریک نہیں اور یہی صحیح معنی ہے اللہ تعالیٰ کے اس قول کا:

"اے نبی کافی ہے تجھ کو اللہ تعالیٰ اور جتنے تیرے ساتھ ہیں مسلمان (ان کو بھی)۔"[1]

اسی معنی کو اکثر علماء نے اختیار کیا ہے اور بہت سے دلائل سے اس کی تائید بھی ہوتی ہے۔[2]

اسم مبارک "اَلْحَسِیْبُ جَلَّ جَلَالُہٗ" قرآن مجید میں تین مقامات پر آیا ہے جو مندرجہ ذیل ہیں:

۱ ﴿وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا﴾[3]

۲ ﴿وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا﴾[4]

۳ ﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا﴾[5]

صرف زمین و آسمان، سورج، چاند ہی نہیں، اَن گنت ان سے بھی بڑے بڑے اجسام اس "اَلْحَسِیْبُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کی کفایت و حسبان سے فضا میں تیر رہے ہیں اور اس خوبی سے کہ ایک دوسرے سے ٹکراتے نہیں ﴿اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ﴾[6] مگر

---

[1] ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (الانفال: ٦٤)

[2] النہج الأسمیٰ: ۱/۳۶۸ [3] النساء: ٦ [4] الاحزاب: ۳۹ [5] النساء: ۸٦ [6] الکہف: ۲٤

یہ کہ اللہ ہی چاہے۔

یہ بھاری بھرکم معلق گیندیں (چاند وسورج) چلتی پھرتی بھی ہیں، گھومتی ہیں، حرکت کرتی ہیں، پھر بھی نہیں گرتیں اور آپس میں نہیں ٹکراتیں۔ بس اس "اَلْحَسِیْبُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کی قدرت کا کرشمہ ہے، عقلیں حیران ہیں۔

عجیب وغریب کاریگری ہے اور عجیب وغریب اس کا نظام ہے۔

"اَلْحَسِیْبُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کی کفایت

ہم اپنے اچھے برے اعمال کی جزا وسزا کے لئے کسی کے محتاج نہیں، کیوں کہ وہ "اَلْحَسِیْبُ جَلَّ جَلَالُہٗ" ہمارے لئے کافی ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ہمیں اپنے نیک اعمال کی جزا کے لئے کسی کے آگے ہاتھ پھیلانا نہیں پڑتا اور اپنے اعمالِ بد کی سزا کی معافی کے لئے بھی کسی کی خوشامد نہیں کرنی پڑتی۔ وہ ہمارے لئے کافی ہے، ہمیں اس کے در کے سوا کسی کا دروازہ کھٹکھٹانا نہیں پڑتا۔ جب اللہ والوں سے کہا گیا کہ لوگ تمہارے خلاف جمع ہوگئے ہیں، ڈرو تو انہوں نے کہا:

﴿حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ﴾[1]

تَرجَمہ: "ہمارے لیے اللہ تعالیٰ ہی کافی ہیں اور وہ بہترین کارساز ہیں۔"

کیسے کیسے کٹھن مقامات سے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر عَلَیْہِمُ السَّلَام اور ان کے ماننے والوں کو نکالا ہے کہ ماننا پڑتا ہے وہ "اَلْحَسِیْبُ جَلَّ جَلَالُہٗ" یقیناً کافی ووافی ہے اور ساری قوتیں اور وسائل اس کی کفایت کے سامنے بے کار ہیں۔

دشمن نے بارہا رسولِ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اور مسلمانوں کو مٹا دینے اور قتل وغارت کر دینے کے منصوبے بنائے اور تیاریاں کیں، مگر اللہ تعالیٰ نے سب کو خائب وخاسر (محروم وناکام) کر دیا۔[2]

"اَلْحَسِیْبُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کی کفایت سے دشمن کی تمام تدبیریں ناکام ہو جاتی ہیں

وَاقِعَہ نمبر ⑧١: کعب بن اشرف یہودی نے ایک مرتبہ رسولِ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کو اپنے گھر میں بلا کر قتل کرنے کی سازش کی تھی، اللہ تعالیٰ نے آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کو اس کی اطلاع کر دی اور ان کی ساری سازش خاک میں مل گئی۔

اسی طرح حضرت مجاہد اور عکرمہ رَحِمَہُمَا اللّٰہُ تَعَالٰی وغیرہ سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ رسولِ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کسی معاملے کے لئے یہودِ بنی نضیر کے پاس تشریف لے گئے۔ انہوں نے حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کو ایک دیوار کے نیچے بٹھا کر باتوں میں مشغول کیا اور دوسری طرف عمرو بن جحش کو اس کام پر مقرر کر دیا کہ پیچھے سے اوپر چڑھ کر پتھر کی ایک چٹان آپ کے اوپر ڈال دے۔ اللہ تعالیٰ نے رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کو ان کے ارادے پر مطلع فرمایا اور آپ فوراً وہاں سے اُٹھ گئے۔[3]

---

[1] آل عمران: ۱۷۳ [2] شرح اسماء الحسنیٰ للازھری: ۱۰۰ [3] معارف القرآن: ۷۵/۳، المائدۃ: ۱۱

"اَلْحَسِيْبُ جَلَّ جَلَالُہٗ" جب کافی ہے تو پھر اسی ذات پر ہمیں بھروسہ کرنا چاہئے۔ نہ کسی سے دل میں اتنا خوف ہو کہ ڈر کر، سہم کر رہیں اور کوئی کام نہ کرسکیں۔ نہ کسی سے امید اتنی رکھیں کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے غافل ہوجائیں۔

اسی لئے "اَلْحَسِيْبُ" کے معنی بعضوں نے یہ کئے ہیں:

"إِنْ كَانَ اللّٰهُ مَعَكَ فَمَنْ تَخَافُ، وَإِنْ كَانَ عَلَيْكَ فَمَنْ تَرْجُوْ"[1]

تَرْجَمَۃ: "اگر اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے تو پھر تمہیں کس چیز کا ڈر ہے؟ اور اگر وہ تمہارے ساتھ نہیں تو تم کس سے امید لگائے بیٹھے ہو؟

وہ ذات "اَلْحَسِيْبُ جَلَّ جَلَالُہٗ" سب کے لئے کافی ہے

جب وہ بندوں کی کفایت پر قادر ہے اور ان کے کام بنانے پر قادر ہے اور اس نے فریاد پہنچانے کے لئے اپنے دربار میں کوئی سیڑھی .... چپڑاسی .... منشی .... قاصد .... اور اہل کار .... یا پیش کار .... وزیر مشیر، معاونِ مددگار نہیں رکھے تو ہم خدا کو پکارنے یا راضی کرنے کے لئے جھوٹے سہارے کیوں ڈھونڈیں؟ اور سہارے بھی وہ جو خود اپنے کاموں کے بننے یا بگڑنے میں اسی ذات "اَلْحَسِيْبُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کے محتاج ہیں کہ جب تک وہ کفایت نہ کرے کسی کے کام نہیں بن سکتے، پس وہ اکیلا ہر شخص کے لئے کافی ہے۔

امام شافعی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے مرض الموت میں یعنی جب دنیا سے رخصت ہو رہے تھے اس وقت یہ اشعار ارشاد فرمائے ہیں جن میں "اَلْحَسِيْبُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کو اپنے لئے کافی قرار دیا ہے: ؎

أَنْتَ حَسْبِيْ وَفِيْكَ لِلْقَلْبِ حَسْبُ ۔۔۔ وَلِحَسْبِيْ إِنْ صَحَّ لِيْ فِيْكَ حَسْبُ
لَا أُبَالِيْ مَتٰى وِدَادُكَ لِيْ صَحَّ ۔۔۔ مِنَ الدَّهْرِ مَا تَعَرَّضَ خَطْبُ[2]

تَرْجَمَۃ: "تو میرے لئے کافی ہے اور دل میں تیرے بارے میں اچھا گمان ہے اور میرا تیرے لئے اچھا گمان مجھے کافی ہے۔ جب مجھے تیری سچی محبت حاصل ہے تو مجھے مصیبتوں اور پریشانیوں کی کوئی پروا نہیں۔"

فوائد و نصائح

❶ بندہ کا حصہ اس اسم سے یہ ہے کہ وہ یہ عقیدہ رکھے کہ اس کی ہمت اور ارادے میں خاص "اَلْحَسِيْبُ جَلَّ جَلَالُہٗ" ہی صرف اور صرف اُس کے لئے کافی ہے۔

❷ ہر مسلمان کو چاہئے کہ کامل بھروسہ اور اعتماد صرف اور صرف "اَلْحَسِيْبُ جَلَّ جَلَالُہٗ" پر ہی رکھے۔ اُس کے علاوہ کسی پر

---

[1] مرقاۃ: باب شرح اسماء اللّٰہ الحسنیٰ: ۵/۸۷

[2] دیوان امام شافعی: ۵۹

بھروسہ یا کسی سے کوئی امید نہ رکھے۔

۳ جب اتنی بڑی بڑی چیزوں آسمان، سورج، چاند کو "الحَسِیْبُ جل جلالہ" کافی ہے تو ہمیں بھی چاہیے کہ اپنے دِلوں میں "الحَسِیْبُ جل جلالہ" کے کافی ہونے کے یقین کو بٹھائیں اور ہر حال میں اس کو کافی سمجھیں۔

۴ ہر مسلمان کو چاہیے کہ آخرت کے حساب کی تیاری کرے، اگر دنیا میں کسی کا محاسبہ ہو جائے تو کتنا پریشان ہوتا ہے لہٰذا جس دن ہر چیز کا حساب دینا ہوگا دل، دماغ، ہاتھ، پاؤں، نظر کا تو اس دن کی تیاری میں اپنے اوقات لگائے، جس نے دنیا میں اپنا محاسبہ کیا تو آخرت میں ان شاء اللہ اس کا حساب آسان ہوگا۔

اَلْجَلِيْلُ جَلَّ جَلَالُهٗ

(بڑے اور بلند مرتبے والا)

اس اسم مبارک کے تحت دو تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

"اَلْجَلِيْلُ جَلَّ جَلَالُهٗ" بڑی شان والا، عظمت والا، بلند مرتبے والا، بڑی بزرگی والا۔

❶ اَلْجَلِيْلُ: هُوَ مِنَ الْجَلَالِ، وَالْعَظَمَةِ وَمَعْنَاهُ: مُنْصَرِفٌ إِلٰى جَلَالِ الْقُدْرَةِ وَعَظَمِ الشَّانِ. فَهُوَالْجَلِيْلُ الَّذِيْ يَصْغُرُ دُوْنَهٗ كُلُّ جَلِيْلٍ، وَيَتَّضِعُ مَعَهٗ كُلُّ رَفِيْعٍ.[1]

ترجمہ: "لفظ "اَلْجَلِيْلُ جَلَّ جَلَالُهٗ" جلال سے بنا ہے، جس کے معنی بڑائی و بزرگی کے ہیں اور جلیل کا مطلب "بڑی قدرت والا اور بلند شان والا" ہونا ہے۔ اللہ ربُّ العزت کی قدرت اور بڑائی کے آگے ہر بڑائی والا چھوٹا اور ہر بلند شان والا پست ہے۔"

❷ "اَلْجَلِيْلُ: أَيِ الْمَنْعُوْتُ بِنُعُوْتِ الْجَلَالِ وَالْحَاوِيْ لِجَمِيْعِهَا عَلٰى وَجْهِ الْكَمَالِ بِحَيْثُ لَا يُمْكِنُ لِأَحَدٍ أَنْ يُّدَانِيَهٗ فَضْلًا عَنْ أَنْ يُّسَاوِيَهٗ."[2]

ترجمہ: "" اَلْجَلِيْلُ جَلَّ جَلَالُهٗ" وہ ذات ہے جو بڑائی اور بزرگی کی تمام صفات کے ساتھ متصف ہو، اور کامل اور اکمل طور پر ان تمام صفات پر حاوی ہو، اس طور پر کہ کسی دوسرے کے لئے یہ ممکن ہی نہ ہو کہ وہ اِن صفات میں اس "اَلْجَلِيْلُ جَلَّ جَلَالُهٗ" کے قریب ہو جائے، چہ جائے کہ کوئی دوسرا اس کے ساتھ صفات میں برابر ہو۔

اللہ ربُّ العزت کی جلالتِ شان کو اس آیت میں بیان فرمایا گیا ہے: ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ﴾[3]

ترجمہ: "نہیں ہے اس کی طرح کا کوئی۔"

علامہ ابنِ قیم رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: یہ آیت اللہ تعالیٰ کی کامل صفات کی کثرت پر ایک بڑی دلیل ہے۔ وہ اس طرح کہ اللہ ربُّ العزت کی صفات کی کثرت اور ان کی عظمت و وسعت کی اصل اور بڑی وجہ یہ ہے کہ اللہ ربُّ العزت کا کوئی مثل نہیں، نہ ذات میں اس کا کوئی مماثل ہے نہ صفات میں، نہ اس کے احکام اور فیصلوں کی طرح کسی کا حکم اور فیصلہ ہے اور نہ اس کے دین کی طرح کوئی دین ہے، نہ کوئی اس کے جوڑ کا ہے نہ ہمسر اور نہ ہم جنس۔

---

[1] شان الدعاء: ۷۰ [2] مرقاۃ: ۸۷/۵ کتاب أسماء اللّٰہ تعالٰی [3] الشوریٰ: ۱۱

وہ ہر چیز کو دیکھتا سنتا ہے، مگر اس کا دیکھنا سننا مخلوق کی طرح نہیں۔ کمالات اس کی ذات میں سب ہیں، کوئی کمال ایسا نہیں جس کی کیفیت بیان کی جاسکے، کیوں کہ اس کی نظیر کہیں اور موجود نہیں۔ وہ مخلوق کی مشابہت اور مماثلت سے بالکلیہ پاک اور مقدس و منزہ ہے۔ پھر اس کی صفات کی کیفیت کس طرح سمجھ میں آئے گی۔ اس کی شانِ عظمت و بزرگی بہت ہی بلند و اعلیٰ ہے۔[1]

اسی طرح علامہ ابنِ قیم رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: حضرت فضیل بن عیاض رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: کوئی رات ایسی نہیں گزرتی کہ جس کی تاریکیاں چھا چکی ہوں، مگر یہ کہ ''الجلیل جل جلالہ'' پکارتے ہیں کہ کون مجھ سے بڑا سخی ہے؟ مخلوقات میری نافرمانی کرتی ہیں اور میں ان کے بستروں میں ان کی ایسی حفاظت کرتا ہوں گویا کہ انہوں نے میری نافرمانی نہیں کی، اور میں نے ان کی حفاظت کی ایسی ذمہ داری لی ہے گویا کہ وہ گناہ کرتے ہی نہیں اور میں اپنے فضل کی سخاوت گناہ گار پر بھی اور خطا کار پر بھی کرتا رہتا ہوں۔

کون ہے جس نے مجھے پکارا ہو اور میں نے جواب نہ دیا ہو؟ کون ہے جس نے مجھ سے سوال کیا ہو اور میں نے پورا نہ کیا ہو؟ میں سخی ہوں اور سخاوت میری ہی صفت ہے، میں کریم ہوں اور میں ہی بے مانگے دینے والا ہوں۔

اور میں اپنے کرم کی وجہ سے بندہ کو اس کے سوال کے مطابق عطا کرتا ہوں اور بے مانگے بھی عطا کرتا ہوں اور اپنے کرم کی وجہ سے توبہ کرنے والے کی ایسی بخشش کرتا ہوں گویا کہ اس نے کبھی گناہ کیا ہی نہیں۔ سو مجھ سے مخلوق کہاں بھاگ رہی ہے اور گناہ گار میرے در کو چھوڑ کر کہاں سہارے ڈھونڈ رہے ہیں۔

اللہ ربُّ العزت فرماتے ہیں: ''میرے ساتھ انسانوں اور جنات کا معاملہ بھی عجیب ہے۔ میں پیدا کرتا ہوں اور عبادت غیر کی کی جاتی ہے، میں رزق دیتا ہوں اور میرے غیر کا شکر ادا کیا جاتا ہے۔

حضرت حسن بصری رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی سے منقول ہے: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اے ابن آدم! تو نے میرے ساتھ انصاف کا معاملہ نہیں کیا، میری طرف سے خیر تیری جانب اُترتی رہتی ہے اور تیری جانب سے شر میری طرف چڑھتا رہتا ہے۔ میں نے اپنی نعمتیں تجھ پر نچھاور کر کے کتنے ہی اسبابِ محبت پیدا کیے، حالاں کہ میں تجھ سے غنی ہوں، اور تو نے گناہوں کے ذریعے کتنے ہی سامانِ نفرت پیدا کر لیے، حالاں کہ تو میرا محتاج ہے، اور فرشتہ تیرے اعمالِ قبیحہ مسلسل میرے دربار میں پیش کرتا رہتا ہے۔[2]

اللہ تعالیٰ کے دربار میں تمام اعمال پیش ہوتے ہیں اور اسی کے مطابق پھر بندوں سے معاملہ فرماتے ہیں اور کبھی تو ایسی ستاری فرماتے ہیں کہ ایک ہی بات پر سب کچھ معاف فرما دیتے ہیں۔ حضرت یحییٰ بن اکثم رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی ایک بہت بڑے محدث تھے، جب ان کا انتقال ہوا تو ایک شخص نے ان کو خواب میں دیکھا، ان سے پوچھا: کیا گزری؟ فرمانے

---

[1] تفسیر عثمانی: ٦٤٣

[2] اسماء اللہ الحسنیٰ لابن قیم: ١٥٠

لگے: میری پیشی ہوئی، مجھ سے فرمایا: او گناہ گار بوڑھے! تو نے فلاں کام کیا، فلاں کام کیا، میرے گناہ گنوائے اور کہا گیا کہ تو نے ایسے ایسے کام کیے۔

میں نے عرض کیا: یا اللہ! مجھے آپ کی طرف سے یہ حدیث نہیں پہنچی! فرمایا کیا حدیث پہنچی؟

عرض کیا مجھ سے عبدالرزاق نے کہا، ان سے معمر نے کہا، اُن سے زہری نے کہا، ان سے عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا، اُن سے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا، اُن سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اُن سے حضرت جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا: ان سے آپ نے فرمایا:

''مَاشَابَ لِيْ عَبْدٌ فِي الْإِسْلَامِ شَيْبَةً إِلَّا اسْتَحْيَيْتُ مِنْهُ أَنْ أُعَذِّبَهُ بِالنَّارِ.''

ترجمہ: ''جو شخص اسلام میں بوڑھا ہوا اور میں اس کو (اس کے اعمال کی وجہ سے) عذاب دینے کا ارادہ بھی کروں، لیکن اس کے بڑھاپے سے شرما کر معاف کر دیتا ہوں۔

یہ آپ کو معلوم ہے کہ میں بوڑھا ہوں''، ارشاد ہوا کہ:

''قَالَ اللّٰهُ: صَدَقَ عَبْدُالرَّزَّاقِ وَصَدَقَ مَعْمَرٌ وَصَدَقَ الزُّهْرِيُّ وَصَدَقَ أَنَسٌ وَصَدَقَ نَبِيٌّ وَصَدَقَ جِبْرَئِيْلُ أَنَا قُلْتُ ذٰلِكَ، اِنْطَلِقُوْا بِهٖ إِلَى الْجَنَّةِ''

عبدالرزاق نے سچ کہا اور معمر نے بھی سچ کہا، زہری نے بھی سچ کہا، عروہ نے بھی سچ نقل کیا، عائشہ نے بھی سچ کہا اور نبی نے بھی سچ کہا اور جبرئیل نے بھی سچ کہا اور میں نے بھی سچی بات کہی حضرت یحییٰ رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں اس کے بعد مجھے جنت میں داخلے کی اجازت عنایت کر دی۔[1]

ایک ماں نے اپنے بیٹوں سے کہا: اللہ تعالیٰ کی محبت اور اُس کی فرماں برداری کے عادی بن جاؤ، کیوں کہ نیک لوگ اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری کے عادی ہوتے ہیں اور ان کے اعضاء و جوارح اس (اللہ تعالیٰ کی اطاعت) کے علاوہ ہر چیز سے وحشت کرتے ہیں۔ پھر اگر شیطان ملعون کسی گناہ کو ان کے سامنے پیش کرتا ہے اور وہ گناہ ان کے سامنے خوب زیب و زینت کے ساتھ آتا ہے، تو وہ اُس سے اجنبیت محسوس کرتے ہیں اور اُس سے بچتے ہیں۔ کسی بھی محبت کرنے والے کے لئے اپنے محبوب کو راضی اور خوش کرنے کے سوا کوئی فکر اور غم نہیں ہوتا۔ (محبوب کے علاوہ) جو راضی ہوتا ہے تو راضی ہو اور ناراض ہوتا ہے تو ناراض ہو۔[2]

---

[1] تهذيب الكمال، باب الياء: ١٠/٦٣٦

[2] قَالَتِ امْرَأَةٌ لِأَبْنَائِهَا: تَعَوَّدُوْا حُبَّ اللّٰهِ وَطَاعَتَهٗ، فَإِنَّ الْمُتَّقِيْنَ أَلِفُوا الطَّاعَةَ فَاسْتَوْحَشَتْ جَوَارِحُهُمْ مِنْ غَيْرِهَا، فَإِنْ عَرَضَ لَهُمُ الْمَلْعُوْنُ بِمَعْصِيَةٍ مَرَّتِ الْمَعْصِيَةُ بِهِمْ مُحْتَشِمَةً فَهُمْ لَهَا مُنْكِرُوْنَ.

لَا هَمَّ لِلْمُحِبِّ غَيْرَ مَا يُرْضِيْ حَبِيْبَهٗ، رَضِيَ مَنْ رَضِيَ، وَسَخِطَ مَنْ سَخِطَ. (الله ...... اهل الثناء والمجد: ٣٦٠)

سارا جہاں ناراض ہو پروا نہ چاہیے
مد نظر تو مرضیٔ جاناں نا چاہیے
بس اس نظر سے دیکھ کر تو کر یہ فیصلہ
کہ کیا کرنا چاہیے کیا نہ کرنا چاہیے

بقول کسی صاحبِ دل کے ۔

میں ان کے سوا کس پہ فدا ہوں یہ بتادے
لا مجھ کو دکھا ان کی طرح کوئی اگر ہے
مرضی تیری ہر وقت جسے پیش نظر ہے
پھر اس کی زباں پہ نہ اگر ہے نہ مگر ہے

تَعَالَى الْوَاحِدُ الصَّمَدُ الْجَلِيلُ
وَحَاشَى أَنْ يَكُونَ لَهُ عَدِيلُ
هُوَ الْمَلِكُ الْعَزِيزُ وَكُلُّ شَيْءٍ
سِوَاهُ فَهُوَ مُنْتَقِصٌ ذَلِيلُ[1]

ترجمہ: بلند ذات ہے وہ جو اکیلا، بے نیاز اور عظمت والا ہے اور یہ بات ممکن ہی نہیں کہ کوئی اس کی برابری کر سکے۔

وہی بادشاہ ہے، زبردست قوت وغلبہ والا ہے۔ اس کے سوا ہر چیز نقص والی اور ذلیل ہونے والی ہے۔

الجلیل جل جلالہ کے جلال سے فرشتے بھی مغلوب ہیں

اللہ تعالیٰ سورۂ سبا کی آیت نمبر ۲۲،۲۳ میں ارشاد فرماتے ہیں:

﴿قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۚ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّمَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيْرٍ ۝ وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ ۭ﴾

ترجمہ: ”آپ (ﷺ) (ان لوگوں سے) فرمائیے کہ جن (معبودوں) کو تم اللہ تعالیٰ کے سوا (دخیلِ خدائی) سمجھ رہے ہو ان کو (اپنی حاجتوں کے لئے) پکارو (تو سہی، معلوم ہو جائے گا کہ کتنی قدرت اور اختیار رکھتے ہیں، ان کی حالتِ واقعہ تو یہ ہے کہ) وہ ذرہ برابر (کسی چیز کا) اختیار نہیں رکھتے، نہ آسمانوں (کی کائنات) میں اور نہ زمین (کی کائنات) میں، اور نہ اُن کی ان دونوں (کے پیدا کرنے) میں کوئی شرکت ہے اور نہ اُن میں سے کوئی اللہ تعالیٰ کا (کسی کام میں) مددگار ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے سامنے (کسی کی) سفارش کسی کے لئے کام نہیں آتی، (بل کہ سفارش ہی نہیں ہوسکتی) مگر اس کے لئے جس کی نسبت وہ (کسی سفارش کرنے والے کو) اجازت دے دے۔

مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: کفار ومشرکین میں کچھ جاہل تو ایسے تھے جو پتھر کے خود تراشیدہ بتوں ہی کو حاجت روا، کارفرما اور خدائی کا شریک سمجھتے تھے، اُن کے رد کے لئے تو آیت کے پہلے جملے آئے: ﴿لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ﴾[2] اور بعض لوگ اتنا

---

[1] الله ......أهل الثناء والمجد: ۲۵۳ [2] سباء: ۲۲

قادر تو نہیں کہتے تھے، مگر یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ یہ بُت خدا تعالیٰ کے کاموں میں اس کے مددگار ہیں، اُن کے رد کے لئے یہ فرمایا: ﴿وَمَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيْرٍ﴾

اور کچھ ایسے سمجھ دار تھے کہ ان بے جان بتوں کو کسی چیز کا خالق یا خالق کا مددگار تو نہیں مانتے تھے، مگر یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول ہیں کہ جس کی سفارش کر دیں، اس کا کام بن جاتا ہے، جیسا کہ وہ کہا کرتے تھے: ﴿هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ﴾[1] ان کے رَد کے لئے فرمایا: ﴿وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗٓ﴾ جس کا حاصل یہ ہے کہ ان بتوں میں کسی قابلیت کے تو تم بھی قائل نہیں، مگر تم اس دھوکہ میں ہو کہ ان کو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبولیت حاصل ہے۔ یہ محض تمہارا خیالِ بے بنیاد ہے، نہ ان میں کوئی قابلیت اور نہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبولیت۔

آگے یہ ارشاد فرمایا: ان میں تو نہ کوئی قابلیت ہے نہ مقبولیت، جن میں قابلیت بھی موجود ہو اور مقبولیت بھی جیسے اللہ تعالیٰ کے فرشتے، وہ بھی کسی کی سفارش کرنے میں خود مختار نہیں، بل کہ ان کے لئے شفاعت کا قانون یہ ہے کہ جس شخص کے لئے سفارش کرنے کی اجازت اللہ تعالیٰ کی طرف سے مل جائے، صرف اس کی سفارش کر سکتے ہیں، اور وہ بھی بڑی مشکل سے، کیوں کہ وہ خود اللہ تعالیٰ کی ہیبت وجلال سے مغلوب ہیں۔

جب اُن کو کوئی عام حکم دیا جاتا ہے یا کسی کے لئے سفارش ہی کا حکم ملتا ہے، تو وہ حکم سننے کے وقت ہیبت سے مدہوش ہو جاتے ہیں۔ جب یہ ہیبت کی کیفیت رفع ہو جاتی ہے، اس وقت حکم پر غور کرتے ہیں اور آپس میں ایک دوسرے سے پوچھ کر تحقیق کر لیتے ہیں کہ ہم نے جو سنا ہے وہ کیا ہے، اس تحقیق کے بعد وہ حکم کی تعمیل کرتے ہیں، جس میں کسی کی سفارش کا حکم بھی داخل ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کے فرشتے، جو قابلیت بھی رکھتے ہیں، مقبولیت عند اللہ بھی، وہ بھی کسی کی سفارش از خود بلا اجازت نہیں کر سکتے اور جب کسی کے لئے اجازت ملتی بھی ہے، تو خود ہیبت سے مدہوش جیسے ہو جاتے ہیں، اس کے بعد جب ہوش درست ہوتا ہے تو سفارش کرتے ہیں، تو یہ پتھروں کے خود تراشیدہ بت جن میں نہ کسی طرح کی قابلیت ہے نہ مقبولیت، وہ کیسے کسی کی سفارش کر سکتے ہیں؟[2]

ملا علی قاری رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: جب تم اللہ تعالیٰ کی صفتِ جلال میں غور کرو گے، تو عالم کی ہر چیز تمہیں اللہ تعالیٰ کی شانِ عظمت کی مظہر نظر آئے گی۔ اس غور وتدبر کے نتیجے میں تمہارے دل میں اللہ تعالیٰ کی خشیت ومحبت بڑھ جائے گی اور اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کے محبوب بندوں کا احترام پیدا ہوگا۔[3]

---

[1] یونس: ۱۸

[2] معارف القرآن: ۲۹۰/۷، سباء: ۲۲

[3] مرقاۃ، کتاب اسماء اللّٰہ تعالیٰ: ۸۷/۵

فوائد و نصائح

❶ جو شخص اسم "الجلیل جل جلالہ" سے تعلق پیدا کرنا چاہے اسے چاہئے کہ جلالِ الٰہی کے تصور میں خود کو بے حقیقت سمجھے۔ اللہ ربُّ العزت کے نام اور ذات کی بڑائی بیان کرنے کا عادی بنے اور اپنے افعال و اقوال میں متانت اور وقار سے رہے، ادنیٰ لوگوں سے شفقت اور پیار کا معاملہ کرے۔[1]

❷ جب اس "الجلیل جل جلالہ" کی عظمت دل میں بیٹھ جائے گی تو اپنے ماتحتوں اور ظاہراً اپنے سے کم درجے والے لوگوں پر بھی شفقت کرے گا، اُن کے قصوروں کو معاف کر دے گا کہ اس "الجلیل جل جلالہ" کی جلالتِ شان کے سامنے تو ہم سب برابر ہیں، اور کسی کو بھی حقارت کی نگاہ سے نہیں دیکھے گا۔

❸ ہر مسلمان یہ عقیدہ رکھے کہ بزرگی اور عظمت صرف اور صرف "الجلیل جل جلالہ" کے لئے ہے۔

---

[1] شرح اسماء الحسنیٰ للمنصورپوری: ۱۹۹

الکریم جل جلالہ

(بہت کرم کرنے والا)

اس اسم مبارک کے تحت ایک تعریف ذکر کی جاتی ہے:

کریم ایک ایسا لفظ ہے جس کا پوری طرح ترجمہ اردو زبان میں نہیں کیا جاسکتا، عام طور پر اس کا ترجمہ "سخی" کیا جاتا ہے اس لئے کہ سخی انسان شریف آدمی ہوتا ہے۔ دراصل کریم اس کو کہتے ہیں جو ایسی صفات کا حامل ہو جو سوائے ذاتِ خداوندی کے کسی میں نہیں ہوسکتی۔ ہر شخص کسی نہ کسی اعتبار سے کسی نہ کسی کمی کوتاہی میں مبتلا ہوتا ہے۔[1]

علامہ ابنِ عربی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے "الکریم جل جلالہ" کی تشریح میں سولہ اقوال نقل کیئے ہیں جن کو ہم مختصراً بیان کرتے ہیں۔ پڑھنے سے پہلے ہو سکے تو دو رکعت نفل پڑھ کر دعا مانگ لیجئے کہ اے کریم! اپنی معرفت سے ہمارے دلوں کو منور فرما دیجئے، جتنے کریم کے معانی بیان ہوں، وہ ہمارے دلوں میں ایسے پیوست فرما دیجئے کہ آپ کے سوا کسی کے در کی طرف ہمارا خیال ہی نہ جائے اور آپ کے رحم و کرم کو ہم ساری دنیا کے انسانوں تک پہنچائیں، وہ اقوال یہ ہیں:

❶ "الکریم جل جلالہ" وہ ذات ہے جو بغیر کسی عوض کے عطا کرتا ہے۔

❷ "الکریم جل جلالہ" وہ ذات ہے جو بغیر کسی سبب کے دینے والا ہے۔

❸ "الکریم جل جلالہ" وہ ذات ہے جو اسباب و وسائل کا محتاج نہیں ہے۔

❹ "الکریم جل جلالہ" وہ ذات ہے جس کو عطا کرنے میں اور اچھا معاملہ کرنے میں کسی کی پروا نہیں ہے چاہے وہ کافر ہو یا مسلمان، اطاعت گزار ہو یا نافرمان۔

❺ "الکریم جل جلالہ" وہ ذات ہے جو اپنے انعامات و احسانات بندوں کی طرف سے قبول کرنے پر خوش ہوتا ہے اور پھر ان احسانات کو جتلاتا نہیں ہے۔

❻ "الکریم جل جلالہ" وہ ذات ہے جو دیتا بھی خود ہے اور تعریف بھی خود ہی کرتا ہے۔ جیسا اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کے ساتھ معاملہ کرتا ہے کہ ان کو ایمان عطا کیا اور ان کے دلوں میں کفر، گناہوں اور نافرمانیوں سے نفرت ڈال دی اور پھر

[1] شرح اسماء الحسنیٰ للازہری: ۳۴۹

قرآنِ کریم کی اس آیت میں ان کی تعریف بھی فرمادی جس کا ترجمہ ہے:

”وہی لوگ ہیں نیک راہ پر، اللہ تعالیٰ کے فضل سے اور احسان سے اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے، حکمتوں والا ہے۔“ [۱]

حضرت جنید بغدادی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے ایک شخص سے سنا، وہ یہ آیت پڑھ رہا تھا۔

﴿إِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا ۚ نِّعْمَ الْعَبْدُ ۖ إِنَّهٗٓ أَوَّابٌ﴾ [۲]

تَرجَمَۃ: ”سچ تو یہ ہے کہ ہم نے اسے بڑا صابر بندہ پایا، وہ بڑا نیک بندہ تھا اور بڑا ہی رغبت رکھنے والا۔“

فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کیسی پاک ذات ہے، جس نے خود ہی صبر جیسی بہترین صفت اپنے بندہ کو عطا کی اور پھر خود ہی اس کی تعریف فرمادی۔

یعنی مطلب یہ تھا کہ ایوب عَلَیْہِ السَّلَام نے جو صبر جھیلا، وہ بھی تو اللہ ربُّ العزت کی عطا فرمودہ توفیق ہی سے جھیلا، لہٰذا وہ اللہ تعالیٰ ہی کی عطا تھی اور اللہ تعالیٰ خود ہی صبر کی توفیق عطا فرما کر ایوب عَلَیْہِ السَّلَام کے صبر کرنے پر اُن کی تعریف فرماتے ہیں۔ [۳]

❼ ”اَلْکَرِیْمُ جَلَّ جَلَالُہٗ“ وہ ذات ہے کہ اس کی نعمتیں ہر ایک کے لئے عام ہیں، چاہے وہ ضرورت مند ہو یا امیر ہو یا بادشاہ ہو۔

❽ ”اَلْکَرِیْمُ جَلَّ جَلَالُہٗ“ وہ ذات ہے جو اس کو بھی دیتا ہے جو اس کی شان میں (نعوذ باللہ) گستاخی کرے۔

❾ ”اَلْکَرِیْمُ جَلَّ جَلَالُہٗ“ وہ ذات ہے جو ہمارے مانگنے سے پہلے ہی عطا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے جس کا ترجمہ ہے: اور اللہ پاک نے تم کو وہ سب کچھ دیا جو تم نے اس سے مانگا اور اگر تم اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو شمار بھی نہیں کرسکتے۔

❿ ”اَلْکَرِیْمُ جَلَّ جَلَالُہٗ“ وہ ذات ہے، جو اس کے احکام سے روگردانی کرے، اسے بھی عطا کرتا ہے۔ (اُسے نہ کسی کی شکر گزاری سے نفع، نہ کسی کی ناشکری سے نقصان، جود و کرم تو بہر صورت اس کا شیوہ ہے)۔

---

[۱] الحجرات: ۷، ۸

[۲] صٓ: ٤٤

[۳] اَلْأَوَّلُ: اَلَّذِيْ يُعْطِيْ لَا لِعِوَضٍ. اَلثَّانِيْ: اَلَّذِيْ يُعْطِيْ بِغَيْرِ سَبَبٍ. اَلثَّالِثُ: اَلَّذِيْ لَا يَحْتَاجُ إِلَى الْوَسِيْلَةِ. اَلرَّابِعُ: اَلَّذِيْ لَا يُبَالِيْ مَنْ أَعْطٰى وَلَا مَنْ يُحْسِنُ، كَانَ مُؤْمِنًا أَوْ كَافِرًا، مُقِرًّا أَوْ جَاحِدًا. اَلْخَامِسُ: اَلَّذِيْ يَسْتَبْشِرُ بِقُبُوْلِ عَطَائِهٖ وَيُسَرُّ بِهٖ. اَلسَّادِسُ: اَلَّذِيْ يُعْطِيْ وَيُثْنِيْ، كَمَا فَعَلَ بِأَوْلِيَائِهٖ حَبَّبَ إِلَيْهِمُ الْإِيْمَانَ وَكَرَّهَ إِلَيْهِمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ، ثُمَّ قَالَ: ﴿أُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ۝ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً ۚ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝﴾ (الحجرات: ۷، ۸)

وَيُحْكٰى أَنَّ الْجُنَيْدَ سَمِعَ رَجُلًا يَقْرَأُ ﴿إِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا ۚ نِّعْمَ الْعَبْدُ﴾ (صٓ: ٤٤) فَقَالَ: سُبْحَانَ اللّٰهِ! أَعْطٰى وَأَثْنٰى، اَلْمَعْنٰى: أَنَّهُ الَّذِيْ وَهَبَ الصَّبْرَ وَأَعْطَاهُ، ثُمَّ مَدَحَهٗ بِهٖ وَأَثْنٰى.

⑪ "الکریم جل جلالہ" وہ ذات ہے جو سزا دینے پر قدرت رکھتے ہوئے بھی معاف فرما دیتا ہے۔

⑫ "الکریم جل جلالہ" وہ ذات ہے جو اپنے کئے ہوئے وعدے پورے کرتا ہے۔

⑬ "الکریم جل جلالہ" وہ ذات ہے کہ جس کے سامنے ہر چھوٹی بڑی حاجت پیش کی جاتی ہے۔

⑭ "الکریم جل جلالہ" وہ ذات ہے جو اس کے سائے میں پناہ لیتا ہے اسے ضائع نہیں کرتا اور جو اس کے سامنے التجا کرتا ہے اس کو بے یار و مددگار و بے آسرا نہیں چھوڑتا۔

⑮ "الکریم جل جلالہ" وہ ذات ہے جو بلا وجہ کسی پر غصہ نہیں فرماتا۔

⑯ "الکریم جل جلالہ" وہ ذات ہے جو بلا وجہ اور ناانصافی سے کسی کو سزا نہیں دیتا۔[1]

اللہ جل جلالہ کا یہ اسم (الکریم) قرآن مجید میں تین مقامات پر آیا ہے۔ جو کہ مندرجہ ذیل ہیں:

① ﴿فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ﴾[2]

② ﴿يٰٓاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ﴾[3]

③ ﴿وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّيْ غَنِيٌّ كَرِيْمٌ﴾[4]

الکریم جل جلالہ سے زیادہ کوئی کریم نہیں

علامہ خطابی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"هُوَ أَكْرَمُ الْأَكْرَمِيْنَ، لَا يُوَازِيْهِ كَرِيْمٌ، وَلَا يُعَادِلُهُ فِيْهِ نَظِيْرٌ".[5]

"وہ کرم کرنے والوں میں سب سے زیادہ کریم ہے، اس کے رحم و کرم کے سامنے مخلوق کا رحم و کرم کوئی نسبت ہی نہیں رکھتا، نہ اس کے مقابلے کا کوئی کریم ہے اور نہ اس کا کوئی شریک ہے۔"

واقعہ نمبر (۸۲): حضرت جلال الدین رومی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مثنوی میں ایک چنگ یعنی سارنگی بجانے والے کا

---

[1] السَّابِعُ: أَنَّهُ الَّذِيْ يَعُمُّ عَطَاؤُهُ الْمُحْتَاجِيْنَ وَغَيْرَهُمْ. الثَّامِنُ: أَنَّهُ الَّذِيْ يُعْطِيْ مَنْ يَلُوْمُهُ.

التَّاسِعُ: أَنَّهُ الَّذِيْ يُعْطِيْ قَبْلَ السُّؤَالِ، قَالَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ ﴿وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ۚ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا﴾ (ابراهيم: ٣٤)

الْعَاشِرُ: الَّذِيْ يُعْطِيْ بِالتَّعَرُّضِ. الْحَادِيْ عَشَرَ: أَنَّهُ الَّذِيْ إِذَا قَدَرَ عَفَا. الثَّانِيْ عَشَرَ: أَنَّهُ الَّذِيْ إِذَا وَعَدَ وَفٰى. الثَّالِثُ عَشَرَ: أَنَّهُ الَّذِيْ تُرْفَعُ إِلَيْهِ كُلُّ حَاجَةٍ صَغِيْرَةً كَانَتْ أَوْ كَبِيْرَةً.

الرَّابِعُ عَشَرَ: أَنَّهُ الَّذِيْ لَا يُضِيْعُ مَنْ تَوَسَّلَ إِلَيْهِ وَلَا يَتْرُكُ مَنِ الْتَجَأَ إِلَيْهِ. الْخَامِسُ عَشَرَ: أَنَّهُ الَّذِيْ لَا يُعَاتِبُ. السَّادِسُ عَشَرَ: أَنَّهُ الَّذِيْ لَا يُعَاقِبُ (الكتاب الاسنى: ٢٦٩، النهج الأسمى: ٣٧٩/١)

[2] المؤمنون: ١١٦ [3] الانفطار: ٦ [4] النمل: ٤٠ [5] شان الدعاء: ١٠٣، ١٠٤

قصہ لکھا ہے کہ یہ سارنگی بجایا کرتے تھے، بہترین آواز تھی، ہر وقت گانا گا رہے ہیں، سارنگی بجا رہے ہیں، آواز ایسی کہ بچے اور جوان، مرد اور عورت ہر وقت گھیرے رہتے ہیں۔ کوئی حلوہ لا رہا ہے، کوئی بریانی لا رہا ہے، کوئی کباب لا رہا ہے، پیسے برس رہے ہیں، لیکن جب بڈھے ہوگئے اور آواز خراب ہوگئی تو ساری دُنیا ہٹ گئی، سب لوگ بھاگ گئے کہ اب یہ کوے کی سی آواز کون سنتا ہے۔ اب کوئی پوچھتا نہیں، یہاں تک کہ فاقہ کی نوبت آگئی، بھوکوں مرنے لگے، تب مدینہ پاک کے قبرستان میں جا کر ایک ٹوٹی ہوئی قبر میں لیٹ گئے اور اللہ تعالیٰ کو اپنا حال سنانا شروع کیا۔ سارنگی بھی بج رہی ہے اور حال بھی سنا رہے ہیں اور کیا سنا رہے ہیں کہ اے اللہ! جب میری آواز اچھی تھی تو آپ کے بندے مجھے حلوہ دیتے تھے، مرد اور عورتیں، بوڑھے، بچے سب گھیر لیتے تھے، اب میری آواز خراب ہوگئی تو آپ کی مخلوق نے مجھ سے بے وفائی کی۔ میں ساری دُنیا سے مایوس ہوکر اب آپ کے دروازے پر آپڑا ہوں، اس قبرستان میں اب میں آپ کو اپنی آواز سناؤں گا۔ اگر بچے پر فالج گر جائے، لنگڑا لولا ہو یا اندھا ہو، لیکن ماں باپ اس کو رد نہیں کرتے، ہم نے کبھی نہیں سنا کہ کسی ماں باپ نے لنگڑے لولے بچے کو پھینک دیا ہو۔ آپ نے مجھے پیدا کیا ہے۔ میری آواز کے خریدار آپ ہی ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا آج آپ ہی کو سناؤں گا۔ آپ کی مرضی چاہے تو زندگی دیجئے یا قبر میں سلا دیجئے، میں تو پہلے ہی سے لیٹا ہوا ہوں۔ اگر آپ چاہیں تو بھوک سے روح نکال لیں، میں تو قبرستان ہی میں ہوں، میرے لئے تو کسی کو قبر بنانے کی بھی ضرورت نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خواب میں دکھایا کہ اے عمر! میرا ایک بندہ قبرستان میں لیٹا ہوا ہے۔ گناہ گار زندگی ہے، سارنگی لئے ہوئے ہے اور مجھے رورو کے یاد کر رہا ہے۔ اس کو جا کر میرا سلام کہے اور بیت المال سے اس کا ماہانہ مقرر کر دیجئے اور اس سے کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری خراب آواز کو قبول کر لیا ہے اور آئندہ سے تم کو بھیک مانگنے کی، گانے بجانے کی ضرورت نہیں ہے۔

مولانا رومی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہر قبر کو جھانکا جس قبر میں یہ لیٹے ہوئے تھے اس میں جھانکا تو یہ کانپنے لگے، کیوں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا رُعب بہت تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: تم ڈرو مت، میں تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کا سلام اور پیغام لایا ہوں۔ تمہیں اللہ تعالیٰ نے سلام کہلایا ہے اور یہ فرمایا ہے کہ میں تمہارے لئے وظیفہ مقرر کر دوں۔ ہر مہینہ تم کو سرکاری خزانے سے وظیفہ ملتا رہے گا۔ اب تم کوئی فکر مت کرو۔ گویے نے فوراً پتھر اُٹھایا اور سب سے پہلے سارنگی توڑی اور حضرت عمر کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا اور کہا کہ اے عمر! گواہ رہنا میں آج کی تاریخ سے کوئی نافرمانی نہیں کروں گا، جو اللہ مجھ جیسے گانا بجانے والے پر اتنی رحمت کر رہا ہے کہ آپ جیسے خلیفۃ المسلمین کو ایسی مقدس شخصیت کو جس کے اسلام پر فرشتوں نے خوشیاں منائی تھیں، مجھ جیسے نالائق کے پاس بھیج رہا ہے اور سلام کہلوا رہا ہے اور بیت المال سے میرے لئے وظیفہ بھی مقرر کرا دیا میں ایسے اللہ کو کیسے ناراض کروں؟[1]

[1] مثنوی مولوی معنوی، دفتر اول، داستان پیر چنگی: ۲۱۵/۱

حضرت ملا علی قاری رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ ''اَلْكَرِيْمُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کے بارے میں فرماتے ہیں:

❶ ''كَثِيْرُ الْجُوْدِ وَالْعَطَاءِ، الَّذِيْ لَا يَنْفَدُ عَطَاؤُهٗ، وَلَا تَفْنِيْ خَزَائِنُهٗ''۔[1]

''بہت زیادہ عطا کرنے والا ہے، ایسا عطا کرنے والا ہے کہ اس کی عطائیں رُکتی نہیں اور اس کے خزانے ختم یا فناء نہیں ہوتے۔

اسی طرح مزید فرماتے ہیں:

❷ ''اَلْمُتَفَضِّلُ بِلَا مَسْئَلَةٍ وَّلَا وَسِيْلَةٍ''۔[2]

''وہ ایسا فضل کرنے والا ہے کہ بغیر مانگے بھی فضل و کرم کرتا ہے اور اس کا فضل طلب کرنے میں بندوں کو کسی وسیلے...... یا سفارش...... اور واسطے...... کی ضرورت نہیں پڑتی۔''

''اَلْكَرِيْمُ جَلَّ جَلَالُہٗ ایسی ذات ہے کہ قادر ہونے کے باوجود معاف کر دیتا ہے، اور جب وعدہ کرتا ہے تو پورا کرتا ہے اور جب عطا کرتا ہے تو تمنا کرنے والوں کی تمنا سے زیادہ دیتا ہے اور دینے میں پروانہیں کرتا کہ کتنا دیا اور کس کو دیا۔ (کیوں کہ اس میں اس کا کچھ نقصان نہیں) اور جب اس کے غیر کے پاس کوئی حاجت لے کر جاتا ہے تو وہ کریم ناراض ہو جاتا ہے۔ (جس کا کرم و فضل و احسان اتنا وسیع ہو پھر بھی بندہ اس کے غیر کے پاس اپنی حاجت لے کر جائے (جس غیر کے پاس جو کچھ ہے وہ اسی کریم کا دیا ہوا ہے) تو وہ کریم ناراض ہو جاتا ہے۔''[3]

❸ ''اَلَّذِيْ يُعْطِيْ بِغَيْرِ اسْتِحْقَاقٍ وَ بِدُوْنِ الْمِنَّةِ''۔[4]

تَرجَمہ: ''جو بغیر استحقاق اور بغیر کسی احسان جتائے عطا کرے۔''

حضرت شہر ابن حوشب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ فرماتے ہیں: حاملانِ عرش میں سے چار فرشتے اپنے رب کی تسبیح اس طرح بیان فرماتے ہیں:

''سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ لَكَ الْحَمْدُ عَلٰى عَفْوِكَ بَعْدَ قُدْرَتِكَ''

تَرجَمہ: ''پاکی بیان کرتے ہیں ہم آپ کی تعریف کے ساتھ، آپ ہی کے لئے تعریف ہے اس بات پر بھی کہ آپ سزا دینے پر مکمل قادر ہونے کے باوجود معاف کر دیتے ہیں۔''

اور چار فرشتے اس طرح تسبیح کرتے ہیں:

---

[1] مرقاۃ، کتاب اسماء اللّٰہ تعالٰی: ۸۸/۵ [2] مرقاۃ، کتاب اسماء اللّٰہ تعالٰی: ۸۸/۵

[3] ''هُوَ الَّذِيْ إِذَا قَدَرَ عَفَا وَ إِذَا وَعَدَ وَفٰى، وَ إِذَا أَعْطٰى زَادَ عَلَى الْمُتَمَنّٰى وَلَا يُبَالِيْ كَمْ أَعْطٰى وَلِمَنْ أَعْطٰى وَ إِذَا رُفِعَتِ الْحَاجَةُ إِلٰى غَيْرِهٖ لَا يَرْضٰى'' (مرقاۃ، کتاب اسماء اللّٰہ تعالٰی: ۸۸/۵)

[4] مرقاۃ، کتاب الصلوٰۃ، باب التطوّع: ۲۱۲/۳

"سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ لَكَ الْحَمْدُ عَلٰى حِلْمِكَ بَعْدَ عِلْمِكَ."[1]

تَرْجَمَۃ: "پاکی بیان کرتے ہیں ہم آپ کی تعریف کے ساتھ اور آپ ہی کے لئے ساری تعریفیں ہیں، اس بات پر کہ باوجود گناہوں کا علم ہونے کے آپ بردباری (اور درگزر) کا معاملہ فرماتے ہیں۔"

پس جس میں یہ تمام صفات حقیقی طور پر جمع ہوں اور وہ صفات اس کی ذاتی اور حقیقی ہوں، کسی سے عارضی طور پر نہ لی ہوں، وہ کریم ذات ہے اور وہ کریم ذات صرف اور صرف اللہ جَلّ جَلَالُہٗ ہی کی ہے۔[2]

صاحب "النہج الاسمٰی" فرماتے ہیں:

اللہ جَلّ جَلَالُہٗ کی ذات ہمیشہ سے کریم ہے اور ہمیشہ کریم رہے گی۔ اس کی صفت کریم ہے اس معنی میں کہ اس کی ذات میں کوئی نقص نہیں ہے اور وہ ہر اچھائی سے متصف ہے۔ اسی وجہ سے یہی صفت اس کا ذاتی نام بھی ہے یعنی یہ صفت اس کی ذات کی شرافت اور اس کی صفات کی عظمت کو ظاہر کرتی ہے۔[3]

اسی طرح صاحبِ "النہج الاسمٰی" فرماتے ہیں: "الکَرِیْمُ جَلّ جَلَالُہٗ" کے جتنے بھی معانی بیان کئے جائیں، وہ اللہ ربُّ العزت کی ذات پر صادق آتے ہیں۔ جیسے کہ مصنف رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے اپنی کتاب میں نمبر وار بیان کئے ہیں:

❶ اگر "کریم" کے معنی یوں کئے جائیں: "الکَرِیْمُ جَلّ جَلَالُہٗ" وہ ذات ہے، جو ہمیشہ خیر و بھلائی کو تقسیم کرنے والی ہے، تو بھی یہ معنی صرف اور صرف اللہ جَلّ جَلَالُہٗ کے ساتھ خاص ہے، اس لئے کہ سوائے اس کے ہر عطا کرنے والا کبھی نہ کبھی رُک جاتا ہے یا اس کے خزانے ختم ہو جاتے ہیں، لیکن "الکَرِیْمُ جَلّ جَلَالُہٗ" کی عطائیں اور اس کے احسانات کبھی ختم نہیں ہوتے، اس کا یہ معاملہ دنیا اور آخرت دونوں میں رہے گا۔

❷ اگر "کریم" کے معنی یوں کئے جائیں کہ "الکَرِیْمُ جَلّ جَلَالُہٗ" وہ ذات ہے کہ اس سے بھلائیاں، خیر، انعامات اور عطیات حاصل کرنا اور اس کے خزانوں سے استفادہ کرنا ہر ایک کے لئے بہت ہی زیادہ آسان ہے۔ غریب و امیر، حاکم و محکوم، کالا و گورا، مرد و عورت، ہر ایک کی رسائی اس کے در تک آسانی سے ہو سکتی ہے۔ اُس "الکَرِیْمُ جَلّ جَلَالُہٗ" کی بارگاہ میں اپنی ضرورتیں پہنچانے کے لئے نہ کسی خاص وقت کی ضرورت ہے۔ نہ کسی خاص آدمی کی ضرورت ہے تو یہ صفت بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے اس لئے کہ اس کے اور اس کے بندے کے درمیان کوئی آڑ نہیں ہے، یعنی اس کے دربار میں دعاؤں کے ذریعے ہر ایک کی رسائی آسان ہے، کیوں کہ وہ دعا کرنے والے شخص کے بہت زیادہ قریب ہے۔

---

[1] حاشية الجمل على الجلالين: ٤/٥

[2] رسائل امام غزالی: بتصرف: ۳۲۹

[3] وَاللّٰهُ جَلَّ وَعَزَّ لَمْ يَزَلْ كَرِيمًا وَلَا يَزَالُ، وَوَصْفُهُ بِأَنَّهُ كَرِيمٌ هُوَ بِمَعْنَى نَفْيِ النَّقَائِصِ عَنْهُ، وَوَصْفُهُ بِجَمِيعِ الْمَحَامِدِ وَعَلٰى هٰذَا الْوَصْفِ يَكُونُ مِنْ أَسْمَاءِ الذَّاتِ، إِذْ ذٰلِكَ رَاجِعٌ إِلٰى شَرَفِهِ فِي ذَاتِهِ وَجَلَالَةِ صِفَاتِهِ. (النّهج الأسمىٰ: ١/٣٧٨)

﴿وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ؕ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ﴾[1]

تَرْجَمَۃ: ”اور جب آپ سے میرے بندے میرے بارے میں دریافت کریں میں تو قریب ہی ہوں، دعا کرنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں، جب وہ مجھ سے دعا کرتا ہے، پس لوگوں کو چاہئے کہ میرے احکام قبول کریں اور مجھ پر ایمان لائیں، عجب نہیں کہ ہدایت پا جائیں۔“

۳ اگر ”کریم“ کے معنی اس طرح کئے جائیں کہ ”اَلْكَرِيْمُ جَلَّ جَلَالُهٗ“ وہ ذات ہے، جس کی بہت بڑی قدرت ہے، تو ایسی قدرت کسی ذات کی نہیں ہے سوائے اللہ ربّ العزت کے، اس لئے کہ ہر چیز کی نسبت اسی کی طرف کی جاتی ہے، اسی کی شرافت کی وجہ سے ہر چیز شرافت حاصل کرتی ہے اور اسی کی بڑائی کی وجہ سے ہر چیز بڑی بنتی ہے۔

۴ اگر ”کریم“ کے معنی اس طرح کئے جائیں کہ ”اَلْكَرِيْمُ جَلَّ جَلَالُهٗ“ وہ ذات ہے جو ہر نقص اور آفات سے پاک ہو، تو یہ صفت بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے، اس لئے کہ وہی ہر نقص اور آفت سے پاک ہے اور اس کی ساری صفاتِ حمیدہ کامل اور مکمل طریقے سے ہر وقت اور ہر حال میں صرف اور صرف اکیلے اسی کے ساتھ خاص ہیں۔ بخلاف مخلوقات کے کہ وہ کبھی کسی وجہ سے باعزت ہو جاتی ہیں اور کسی وجہ سے ذلیل ہو جاتی ہیں۔

۵ اگر ”کریم“ کے معنی ”اَلْمُكْرِمُ“ (عزت دینے والا) سے کئے جائیں تو یہ صفت بھی اللہ ربّ العزت کے سوا کسی کے لئے نہیں ہے۔ اس لئے کہ جس کو اللہ تعالیٰ عزت دینے کا ارادہ کرے، وہ ذلت کے گڑھوں میں بھی عزیز ہو جاتا ہے، وہ قید خانہ کی کوٹھری سے نکال کر حضرت یوسف عَلَیْہِ السَّلَامُ کو بادشاہت کی کرسی پر بٹھا سکتا ہے اور اللہ ربّ العزت جس کو اس کی شامتِ اعمال کی وجہ سے ذلیل کرنا چاہے، اسے عزت کے مقام سے گرا کر ذلت کے گڑھے میں پہنچا دیتا ہے۔ اس لئے ”اَلْكَرِيْمُ جَلَّ جَلَالُهٗ“ صرف اللہ ربّ العزت کی ذات ہے، جس کو اللہ تعالیٰ بڑا بنائے، وہ بڑا ہو جاتا ہے اور جس کو ذلیل کرے، وہ ذلیل ہو جاتا ہے۔

ایک جگہ ارشاد ہے:

﴿وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ﴾[2]

تَرْجَمَۃ: ”اور جس کو اللہ تعالیٰ ذلیل کرے اس کو کوئی عزت دینے والا نہیں۔“

۶ اگر ”کریم“ کے معنی یہ ہوں کہ ”اَلْكَرِيْمُ جَلَّ جَلَالُهٗ“ وہ ذات ہے جو محتاجوں اور غیر محتاجوں دونوں کو عطا کرنے والی ہے، تو یہ صفت بھی صرف اور صرف اللہ ربّ العزت کی شان کے لائق ہے، اس لئے کہ وہ عطا کرتا ہے اور ضرورت سے

[1] البقرة: ۱۸۶ [2] الحج: ۱۸

زیادہ عطا کرتا ہے، یہاں تک کہ ان پر دنیا میں نعمتوں کی بارش فرما دیتا ہے۔

❼ اگر "کریم" کے معنی اس طرح کیے جائیں کہ "الکریم جل جلالہ" وہ ذات ہے جو بڑی حاجت کے ساتھ چھوٹی حاجت کو بھی پورا کرنے والا ہے، تو یہ صفت بھی اللہ جل جلالہ کی شان کے لائق ہے۔

علامہ قشیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے روایت نقل کی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ بار بار چھوٹی سی چھوٹی حاجت اللہ تعالیٰ سے مانگتے ہوئے مجھے شرمندگی محسوس ہوتی تھی، تو اللہ تعالیٰ نے مجھ پر وحی بھیجی:

"يَا مُوْسٰى لَا تَسْئَلْ غَيْرِيْ وَسَلْنِيْ حَتّٰى مِلْحَ عَجِيْنِكَ وَعَلَفَ شَاتِكَ"[1]

ترجمہ: "اے موسیٰ! میرے علاوہ کسی اور سے مت مانگ، یہاں تک کہ اپنے کھانے کا نمک اور اپنے چوپایوں کا چارہ بھی مجھ ہی سے مانگو۔"

اس لئے کہ وہ ذات کریم ہے اس کا معاملہ تو لفظ "کُنْ" کے کاف اور نون کے درمیان ہے (یعنی وہ کسی کام کے ہوجانے کے متعلق حکم فرماتا ہے کہ وہ ہوجائے ...... تو وہ ہوجاتا ہے) ...... بل کہ اس کے نزدیک بڑا کام اور چھوٹا کام سب برابر ہیں، بل کہ بڑا کام اس کی نظر میں چھوٹا اور مشکل کام آسان اور سخت کام نرم اور ناممکن ممکن، اور عدم وجود ہے۔

❽ اگر "کریم" کے معنی یوں کیے جائیں کہ جب وہ وعدہ کرتا ہے تو پورا کرتا ہے اور جب کوئی انسان وعدہ کرتا ہے تو اس کے لئے وہ وعدہ پورا کرنا بسا اوقات ممکن ہوتا ہے اور یہ بھی ممکن ہوتا ہے کہ اس کو کوئی عذر پیش آجائے اور اسے اپنا وعدہ پورا کرنے میں کوئی رکاوٹ آجائے۔ مگر اللہ رب العزت کو اپنا وعدہ پورا کرنے میں کوئی عذر، کوئی مانع، کوئی رکاوٹ نہیں، اپنی قدرت اور ملکیت کی وجہ سے، کیوں کہ اس بات کا اس کے بارے میں تصور ہی نہیں کیا جاسکتا کہ اس کے ارادہ کو کوئی ختم کردے یا اس کے کسی کام میں کچھ رکاوٹ ہو۔

❾ اگر "کریم" کے معنی یہ ہوں کہ "الکریم جل جلالہ" وہ ذات ہے جو اپنے بندوں کو ان کی چاہت اور تمناؤں سے زیادہ دیتی ہے، اس کی عطائیں بندوں کے وہم وگمان سے بھی بالاتر ہوتی ہیں۔

تو حدیثِ قدسی میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"أَعْدَدْتُ لِعِبَادِيَ الصَّالِحِيْنَ مَالَا عَيْنٌ رَأَتْ وَلَا أُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰى قَلْبِ بَشَرٍ"[2]

یعنی میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے ایسی جنت تیار کی ہے، جس کی نعمتیں نہ کسی آنکھ نے دیکھیں اور نہ ہی کسی کان نے ان کا تذکرہ سنا اور نہ ہی کسی انسان کے دل میں ان کا خیال گزرا ہے۔[3]

---

[1] النهج الاسمٰى: ۳۸۳/۱

[2] بخاري: التفسير، باب قوله تعالٰى فلا تعلم نفس ما أخفي لهم: ۷۰٤/۲

[3] الكتاب الأسنٰى: ۲۷۰، ۲۷۲ نقلا عن النهج الاسمٰى: ۳۸۱/۱ تا ۳۸٤، بتصرف

فوائد و نصائح

❶ اس اسم سے تخلق (تعلق) پیدا کرنے والوں کو اوصاف کریمانہ کے حصول کی سعی و کوشش کرنا ضروری ہے۔[1]

❷ ہر مسلمان کو چاہئے کہ صفتِ کریم کو اپناتے ہوئے باوجود قدرت کے دوسروں کے قصور معاف کر دے، اور جب کسی سے وعدہ کرے تو پورا کر کے دکھائے۔

❸ حدیث شریف کا مفہوم ہے کہ اللہ تعالیٰ حیا والا اور کرم والا ہے جب کوئی بندہ اس کی بارگاہ میں ہاتھ اٹھا کر مانگتا ہے تو اللہ تعالیٰ کو شرم آتی ہے کہ اس بندے کو خالی ہاتھ لوٹائے۔[2]

چناں چہ ہم سب پر لازم ہے کہ "الکریم جل جلالہ" ہی سے سب کچھ مانگیں، یہاں تک کہ نمک بھی ضرورت ہو تو اسی سے مانگیں وہ ذات تو سوال کرنے سے پہلے ہی عطا کر دیتا ہے تو پھر کسی اور سے کیوں مانگیں جو خود اللہ کا محتاج ہے۔

---

[1] شرح اسماء الحسنیٰ للمنصورپوری: ۹۵

[2] ابن ماجه، کتاب الدعاء: رقم ۳۸٦۵

الرَّقِیْبُ جَلَّ جَلَالُہٗ

(بڑا نگہبان)

اس اسم مبارک کے تحت چار تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

❶ الرَّقِيْبُ: اَلْمُرَاعِيْ أَحْوَالَ الْمَرْقُوْبِ، اَلْحَافِظُ لَهٗ جُمْلَةً وَّتَفْصِيْلًا، اَلْمُحْصِيْ لِجَمِيْعِ أَحْوَالِهٖ.[1]

تَرجَمہ: علامہ ابن حصار رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ فرماتے ہیں: ''الرَّقِیْبُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' وہ ذات ہے جو مرقوب (جس کی نگہبانی کی جائے) کے تمام احوال کی رعایت کرتا ہے اور اس کی تمام چھوٹی بڑی مصیبتوں سے حفاظت کرنے والا ہے اور اس کے تمام احوال کو گھیرنے والا ہے۔

❷ اَلرَّقِيْبُ: اَلْمُطَّلِعُ عَلٰى مَا أَكَنَّتْهُ الصُّدُوْرُ، اَلْقَائِمُ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ، اَلَّذِيْ حَفِظَ الْمَخْلُوْقَاتِ وَأَجْرَاهَا عَلٰى أَحْسَنِ نِظَامٍ وَّأَكْمَلِ تَدْبِيْرٍ.[2]

تَرجَمہ: شیخ سعدی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ فرماتے ہیں: ''الرَّقِیْبُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' وہ ذات ہے جو دلوں میں چھپے ہوئے خیالات سے بھی باخبر ہے اور ہر ایک کے ہر عمل کی ہر وقت نگرانی رکھتا ہے، ایک لمحہ بھی کسی سے غافل نہیں، خوب سمجھ لو کہ جو کچھ ہم خفیہ یا علانیہ کرتے ہیں، سب اُس ''الرَّقِیْبُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کے سامنے ہے، وہ ہر وقت ساتھ ہے، ہر وقت دیکھ رہا ہے، وہ مخلوقات کی حفاظت کرتا ہے اور اپنی مخلوقات کے نظام کو بہتر طریق اور اچھی تدبیر کے ساتھ چلاتا ہے۔

وَهُوَ الرَّقِيْبُ عَلَى الْخَوَاطِرِ وَاللَّوَا　　حِظِ كَيْفَ بِالْأَفْعَالِ بِالْأَرْكَانِ[3]

تَرجَمہ: ''اللہ ربُّ العزت دلوں کے بھیدوں اور آنکھوں کے اشاروں پر بھی مطلع ہیں تو اللہ تعالیٰ سے ہمارے ظاہری امور کیسے پوشیدہ رہ سکتے ہیں۔''

چوریاں آنکھوں کی اور سینوں کے راز　　سب کو تو ہے جانتا اے بے نیاز

❸ ''اَلَّذِیْ هُوَ مِنَ الْأَسْرَارِ قَرِیْبٌ وَعِنْدَ الْإِضْطِرَارِ مُجِیْبٌ''

---

[1] النهج الاسمٰى: ۱/۳۹۵　　[2] تيسير الكريم الرّحمٰن، فصل في أصول و كليّات من أصول التّفسير: ۹۳۷

[3] شرح اسماء الحسنٰى للرازى: ۲۸۰

ترجمہ: اللہ ربُّ العزت باعتبار علم کے تمام راز کی باتوں سے قریب تر ہیں اور بے قراری کے وقت دعا قبول کرنے والے ہیں۔

علامہ جوہری رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے "اَلرَّقِیْبُ" کے دو معنی بیان فرمائے ہیں:

❹ اَلرَّقِیْبُ الْحَافِظُ، وَالرَّقِیْبُ الْمُنْتَظِرُ.

① رقیب کہتے ہیں حفاظت کرنے والے کو۔

② رقیب کہتے ہیں نگرانی کرنے والے کو۔

یہ اسم قرآن مجید میں تین مرتبہ آیا ہے:

❶ ﴿فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ﴾[1]

❷ ﴿وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ رَّقِيْبًا﴾[2]

❸ ﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا﴾[3]

مطلب یہ ہے کہ اللہ جل شانہٗ کو تمہارے سب اعمال کی خبر ہے۔ تمہارا کوئی عملِ خیر ہو یا شر، اس کے علم سے باہر نہیں وہ اعمال کا بدلہ پورا پورا دے دے گا۔ جو ذاتِ پاک خالق و مالک ہے جسے ہر عمل کا علم ہے جو خلوتوں اور جلوتوں کے تمام اعمال کو جانتا ہے، اس سے ڈرنا ایمان کا لازمی تقاضا ہے۔[4]

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: "یعنی اللہ تعالیٰ تم پر نگراں ہے جو تمہارے دلوں اور ارادوں سے باخبر ہے، اگر رسمی طور پر شرما شرمی، بے دلی سے کوئی کام بھی کر دیا، مگر دل میں جذبۂ ایثار و خدمت نہ ہو تو قابلِ قبول نہیں ہے۔ اس سے اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی وجہ بھی معلوم ہوگئی کہ وہ سب پر ہمیشہ نگراں ہے۔ قرآنِ کریم کا یہ عام اسلوب ہے کہ قانون کو محض دنیا کی حکومتوں کے قانون کی طرح بیان نہیں کرتا، بل کہ تربیت و شفقت کے انداز میں بیان کرتا ہے۔ قانون کے بیان کے ساتھ ساتھ ذہنوں اور دلوں کی تربیت بھی کرتا ہے۔"[5]

سارے نظاموں پر اَلرَّقِیْبُ جَلَّ جَلَالُہٗ نگران ہیں

بے شک کائنات میں پائے جانے والے توازن کا ایک اہم سبب یہ ہے کہ اجرام فلکی مخصوص مداروں پر یا "دائروں میں" سفر کرتے ہیں۔ ان کے بارے میں زمانہ قریب تک کچھ معلوم نہ تھا، مگر قرآن پاک میں ان مداروں پر بڑا زور دیا گیا ہے:

﴿وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ، كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ﴾[6]

---

[1] المائدة: ۱۱۷ [2] الاحزاب: ۵۲ [3] النسآء: ۱

[4] انوارالبیان: ۲/۲۳۱ [5] معارف القرآن: ۲/۲۸۲، النسآء: ۱ [6] الانبیاء: ۳۳

ترجمہ: اور وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے، جس نے رات اور دن بنائے اور سورج اور چاند کو پیدا کیا۔ ہر ایک اپنے آسمان میں تیرتا پھرتا ہے۔

ستارے، سیارے اور سیٹلائٹ اپنے اپنے مداروں کے گرد اِن نظاموں کے اندر گردش کرتے ہیں جن سے ان کا تعلق ہوتا ہے اور اس قدر بڑی کائنات، ایک نہایت نازک اور لطیف تنظیم وترتیب میں ایک مشین کے گیئروں کی مانند کام کرتی ہے۔

کائنات کے مدار، مخصوص اجرام فلکی کی گردشوں کے پابند نہیں ہیں۔ ہمارے نظامِ شمسی اور کہکشاؤں کو دوسرے مراکز کے گرد ایک بڑی سرگرمی کا مظاہرہ کرنا ہوتا ہے۔ ہر سال زمین اور نظامِ شمسی گزشتہ برس کے مقابلے میں اپنی جگہ سے ۵۰۰ ملین کلومیٹر دور ہو جاتے ہیں۔ اس بات کا اندازہ لگایا گیا ہے کہ اگر یہ اجرام فلکی اپنے مداروں سے ذرا سا بھی ہٹ جائیں تو یہ سارا نظام اُلٹ پلٹ جائے۔ مثال کے طور پر آیئے یہ دیکھتے ہیں کہ اگر صرف ۳ ملی میٹر ہی زمین اپنے مدار سے ہٹ جائے تو اس کا نتیجہ کیا نکلے گا:

''سورج کے گرد گھومتے ہوئے زمین ایک ایسے مدار پر گردش کرتی ہے کہ ہر ۱۸ میل کے بعد یہ اپنے اصل راستے سے ۲ء۸ ملی میٹر ہٹ جاتی ہے۔ وہ مدار جس پر زمین گردش کرتی ہے وہ کبھی نہیں بدلتا، اس لئے کہ ۳ ملی میٹر کا انحراف بھی تباہ کن نتائج پیدا کر دے گا، اگر یہ انحراف ۲ء۸ کے بجائے ۲ء۵ ملی میٹر ہوتا، تو پھر مدار بہت بڑا ہوتا اور ہم سب یخ بستہ ہو جاتے۔ اگر یہ انحراف ۳ء۱ ملی میٹر ہوتا تو ہم گرمی سے جھلس کر مر جاتے۔''[1]

اس باریکی کے ساتھ کائنات کا حسنِ انتظام ''اَلرَّقِیْبُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' ہی کے مناسب ہے، جو کائنات کے ذرّے ذرّے کے بارے میں پل پل کی خبر رکھتا ہے، یہ سارا نظام اسی کی نگرانی میں چل رہا ہے۔

خفیہ تصویر کشی اور خدائی نظام

واقعۂ نمبر ۸۳: یہ خبر لندن کے اخبار ٹائمز میں ایک تصویری خبر کے ساتھ شائع ہوئی ہے، خبر میں بتایا گیا ہے کہ کار چلانے والے دس اشخاص اس جرم میں پکڑے گئے اور ان پر جرمانہ کیا گیا کہ انہوں نے سڑک کی لال بتی جل جانے کے باوجود اپنی گاڑی نہیں روکی تھی۔

ایک گاڑی عین اس نازک لمحہ (Fatefulmoment) میں پکڑ لی گئی جب کہ وہ لال بتی والے مقام پر ٹریفک قاعدہ کی خلاف ورزی کر رہی تھی، یہ گاڑی تیزی سے دوڑتی ہوئی ایک خاص چوراہے پر پہنچی، اس کے پہنچتے ہی وہاں کی لال بتی جل اٹھی، اب اس گاڑی کو وہاں رک جانا چاہئے تھا، مگر لال بتی جلنے کے باوجود وہ رکے بغیر آگے بڑھ گئی۔

ڈرائیور کو معلوم نہ تھا کہ مخفی نظام کے تحت اس کا فوٹو لیا جا رہا ہے، چناں چہ عین اس وقت جب کہ اس نے لال بتی

[1] اللہ کی نشانیاں عقل والوں کے لئے: ۲۵۶

جلنے کے بعد گاڑی نکالی تو اس کو پکڑ لیا گیا اور یہ واقعہ بتی جلنے کے صرف ایک سیکنڈ کے بعد پیش آیا۔

ایک دوسری گاڑی کے ڈرائیور نے یہ کیا کہ لال بتی جل جانے کے باوجود وہ رکے بغیر آگے بڑھ گیا۔ کیمرے نے فوراً اس کی تصویر لے لی۔ یہ دوسرا واقعہ لال بتی جلنے کے دو سیکنڈ بعد پیش آیا۔ پہلی تصویر میں کیمرے نے ایک سیکنڈ کی خلاف ورزی کو پکڑا، اور دوسری تصویر میں دو سیکنڈ کی خلاف ورزی کو۔

ان گاڑیوں کو پکڑنے کی یہ کارروائی دور سے کنٹرول کئے جانے والے کیمروں کی شہادت پر عمل میں آئی۔ مذکورہ گاڑیاں سڑک پر تیزی سے گزرتی ہوئی دیکھنے والوں کی نگاہوں سے اوجھل ہو چکی تھیں، مگر کیمرے میں ان کی مکمل تصویر پوری طرح محفوظ تھی، ان تصویروں کے ذریعے انہیں با آسانی پکڑ لیا گیا۔

اس طرح کے واقعات قرآن کے لفظوں میں ''آیات اللہ'' (خدا کی نشانیاں) ہیں۔ وہ ''نشانی'' کے روپ میں حقیقت کا اظہار ہیں۔ یہ واقعات دنیوی تجربے کے ذریعہ آخرت کے تجربے کا تعارف کراتے ہیں۔ وہ انسانی سطح پر پیش آنے والے معاملے کی صورت میں خدائی سطح پر پیش آنے والے معاملے کو بتا رہے ہیں۔

مذکورہ واقعہ انسان کی خفیہ ریکارڈنگ کی مثال ہے، یہی خفیہ ریکارڈنگ بڑے پیمانے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو رہی ہے۔ انسان کی تمام گزرگاہوں پر اللہ تعالیٰ کے ''تار'' لگے ہیں اور اس کے ہر راستہ پر اللہ تعالیٰ کے ''کیمرے'' نصب ہیں۔ آدمی جیسے ہی مقررہ حد کو پار کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کا تصویر کشی کا نظام فوراً متحرک ہو کر اس کو محفوظ کرنا شروع کر دیتا ہے۔ آخرت کی عدالت میں اسی ریکارڈ کی بنیاد پر ہر آدمی کے ابدی مستقبل کا فیصلہ کیا جائے گا۔

یہ انسان کا بنایا ہوا نظام ہے جو ایک سیکنڈ کے بقدر خلاف ورزی کو بھی فوراً پکڑ لیتا ہے۔ پھر جب انسان کے بنائے ہوئے نظام کا یہ حال ہے تو خدا کے بنائے ہوئے نظام کی گرفت کتنی زیادہ ہوگی۔ انسانی نظام محدود ہے اور خدائی نظام لامحدود، اسی سے دونوں نظاموں کے فرق کو سمجھا جا سکتا ہے۔

آدمی اگر اس سنگین حقیقت پر غور کرے تو اس کے چلتے ہوئے قدم رک جائیں، اس کی بولتی ہوئی زبان بند ہو جائے، اس کا قلم اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑے۔

دنیا میں آدمی کسی سڑک پر صرف اس وقت تک اپنی گاڑی کو غلط چلاتا ہے جب تک اس کو یہ معلوم نہ ہو کہ اس سڑک پر ٹریفک پولیس نے اس کی غلطی کو پکڑنے کا طاقت ور انتظام کر رکھا ہے۔ پولیس کے اس انتظام کا علم ہوتے ہی ہر آدمی چوکنا ہو جاتا ہے اور اپنی گاڑی کو غلط دوڑانے سے رک جاتا ہے۔

اسی طرح آدمی کو اگر اس بات کا پورا یقین ہو جائے کہ اس کے چاروں طرف اللہ تعالیٰ کی ''پولیس'' لگی ہوئی ہے جو ہر لمحہ اس کی نگرانی کر رہی ہے اور اس کی ہر چھوٹی یا بڑی کاروائی کا ریکارڈ تیار کرنے میں مشغول ہے تو اس کی ساری سرکشی ختم ہو جائے۔ یہ احساس پیدا ہوتے ہی آدمی ایک محتاط انسان بن جائے گا۔ وہ اپنی زندگی کے ہر معاملے میں ذمہ دارانہ

رویہ اختیار کرے گا۔

انسان کا بگاڑ اس کا نام ہے کہ وہ اس سنگین حقیقت سے بے خبر ہو۔ اس کے مقابلے میں انسان کی اصلاح یہ ہے کہ اس کو سنگین حقیقت کا زندہ احساس ہو جائے۔[1]

اَلرَّقِیْبُ جَلَّ جَلَالُہٗ سے تعلق بڑھانے کے لئے کثرتِ ذکر اور مراقبے کی ضرورت

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں سے کہا: اللہ تعالیٰ سے بہت زیادہ بات کیا کرو اور لوگوں سے بہت کم بات کیا کرو۔ انہوں نے کہا: ہم کیسے اللہ تعالیٰ سے بات کریں؟ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جواب میں ارشاد فرمایا: خلوت میں مناجات کرو اور اُسی سے مانگو۔

محمد بن نضر رحمہ اللہ تعالیٰ سے کہا گیا: کیا آپ کو اکیلے میں وحشت نہیں ہوتی؟ تو انہوں نے کہا: مجھے کیسے وحشت ہو سکتی ہے کہ جب کہ وہ ذات میرے ساتھ ہے جس کا فرمان ہے کہ میں اُن لوگوں کے ساتھ ہوتا ہوں جو مجھے ہر وقت یاد رکھتے ہیں۔

بے شک ذکر و دعا کے قائم مقام کوئی چیز بھی نہیں ہو سکتی اور اس کے برابر بھی کوئی چیز نہیں ہو سکتی، لہٰذا اس کی معیت کا استحضار ذکر ہی کی دولت سے نصیب ہوگا۔

ایک آدمی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا: اے اللہ کے رسول! اللہ کے بہت سارے احکامات اتر چکے ہیں، مجھے کوئی ایسا طریقہ بتا دیں جس کو میں مضبوطی سے تھام لوں تو اللہ مجھے بخش دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تمہاری زبان اللہ کے ذکر سے ہر وقت تر و تازہ رہے۔[2]

کثرتِ ذکر سے پھر یہ دولت نصیب ہوتی ہے کہ ''اَلرَّقِیْبُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کی نگرانی میں وہ اپنے آپ کو ہر وقت پاتا ہے، کثرتِ ذکر سے اس کی محبت ہر شئ پر غالب رہتی ہے، اسی کی یاد میں دن اور رات گزرتے ہیں۔ بقول کسی صاحبِ دل بزرگ: ؎

---

[1] اخذ و اختصار۔ عقلیات اسلام بشکریہ ماہنامہ تدریس القرآن۔ فروری ۱۹۹۷ء

[2] قَالَ عِیْسٰی عَلَیْهِ السَّلَامُ: یَا مَعْشَرَ الْحَوَارِیِّیْنَ کَلِّمُوا اللّٰهَ کَثِیْرًا، وَکَلِّمُوا النَّاسَ قَلِیْلًا، قَالُوْا: کَیْفَ نُکَلِّمُ اللّٰهَ کَثِیْرًا؟ قَالَ: اخْتَلُوْا بِمُنَاجَاتِهٖ، اُخْلُوْا بِدُعَائِهٖ.

قِیْلَ لِمُحَمَّدِ بْنِ النَّضْرِ: أَمَا تَسْتَوْحِشُ وَحْدَكَ؟ قَالَ: کَیْفَ أَسْتَوْحِشُ وَهُوَ یَقُوْلُ: أَنَا جَلِیْسُ مَنْ ذَکَرَنِیْ؟

إِنَّ الذِّکْرَ لَا یَقُوْمُ مُقَامَهٗ شَیْءٌ، وَلَا یَعْدِلُهٗ شَیْءٌ، وَلَا یُوَازِیْهِ شَیْءٌ، أَقْبَلَ رَجُلٌ إِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَائِلًا لَهٗ: إِنَّ شَرَائِعَ الْإِسْلَامِ کَثُرَتْ عَلَیَّ، فَبَابٌ وَاحِدٌ أَتَشَبَّثُ بِهٖ أَيْ دُلَّنِیْ عَلٰی بَابٍ وَاحِدٍ مِنَ الْعِبَادَةِ وَسَبَبٍ وَاحِدٍ مِنْ أَسْبَابِ الْمَغْفِرَةِ أَتَشَبَّثُ بِهٖ وَأَعُضُّ عَلَیْهِ بِالنَّوَاجِذِ. فَقَالَ لَهٗ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: لَا یَزَالُ لِسَانُكَ رَطْبًا مِّنْ ذِکْرِ اللّٰهِ. (ترمذی، الدعوات، باب ماجاء فی فضل الذکر: ۲/۱۷۵)

تصور میں تیرے میں سب کھو چکا ہوں یوں ہی دن بھی گزرا یوں ہی شب گزاری

"اَلرَّقِیْبُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کی صفات کے مراقبہ اور کثرتِ ذکر و مناجات سے وہ تعلق نصیب ہو جاتا ہے کہ پھر یہ دولت حاصل کرنے والے جسم کے اعتبار سے تو فرشی ہوتے ہیں اور روح کے اعتبار سے عرشی ہوتے ہیں۔

مراقبہ نمبر ①: علامہ ابن قیم رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: اللہ ربُّ العزت کی عبادت میں شانِ عبدیت، اللہ ربُّ العزت کے اسم "اَلرَّقِیْبُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کے مراقبے سے پیدا ہوتی ہے۔ اس لئے کہ جب بندہ یہ جان لیتا ہے کہ اس کی تمام حرکات خواہ ظاہر ہوں یا مخفی اللہ تعالیٰ کے علم میں ہیں اور اس بات کو بندہ ہر وقت اپنے ذہن میں مستحضر رکھے تو یہ بات اس بندے کو ہر اس فکر اور خیال سے محفوظ رکھتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب ہو اور اس بندے کا ظاہر ہر اس فعل اور قول سے محفوظ ہو جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے غضب کو دعوت دیتا ہو اور یہ بندہ بتدریج مقامِ احسان تک پہنچ جاتا ہے، پھر یہ بندہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرتا ہے گویا یہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہو۔ اگر اس مقام کو نہ پائے تو کم از کم اتنا ضرور ہوتا ہے کہ اس بندے کو اس بات کا استحضار حاصل ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے دیکھتے ہیں۔[1]

ہر مسلمان پر ضروری ہے کہ وہ اس بات پر یقین رکھے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ہر قول و فعل پر رقیب ہے۔ چاہے وہ ان کی حرکات ہوں یا اُن کی سکنات ہوں اور چاہے ان کے اقوال یا افعال ہوں، بل کہ جو ان کے دلوں میں خیالات اُمنڈتے ہیں اور پروان چڑھتے ہیں، وہ ان کو بھی جاننے والا ہے، غرض اس کے علم سے کوئی چیز بھی باہر نہیں ہے۔ اللہ ربُّ العزت کا ارشاد ہے جس کا ترجمہ یہ ہے:

"اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے جو کچھ تمہارے دل میں ہے، سو اس سے ڈرتے رہو۔"[2]

مراقبہ نمبر ②: علامہ ابن قیم رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: مراقبہ یہ ہے کہ روزانہ وقت متعین کر کے اس کو سوچے اور سوچ سوچ کر دل میں اتنا دھیان جما لے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ اس پر نگہبان ہیں، اس کی طرف دیکھنے والے ہیں، اس کی باتوں کو سننے والے ہیں، ہر وقت کے ہر عمل کا کامل علم رکھتے ہیں۔ اسی طرح ہر لمحہ، ہر سانس اور ہر آنکھ کے جھپکنے کا بھی علم رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے نام "اَلْحَفِیْظُ، اَلْعَلِیْمُ، اَلسَّمِیْعُ، اَلْبَصِیْرُ" کا مراقبہ کرے۔[3]

---

[1] شَرْحُ الْاَسْمَاءِ الْحُسْنٰی: ۱۹۵ (ابن قیم رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی)

[2] يَجِبُ عَلٰى كُلِّ مُكَلَّفٍ أَنْ يَّعْلَمَ أَنَّ اللّٰهَ جَلَّ شَانُهٗ هُوَ الرَّقِيْبُ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْ يُرَاقِبُ حَرَكَاتِهِمْ وَسَكَنَاتِهِمْ، وَأَقْوَالَهُمْ وَأَفْعَالَهُمْ بَلْ مَا يَجُوْلُ فِيْ قُلُوْبِهِمْ وَخَوَاطِرِهِمْ، لَا يَخْرُجُ أَحَدٌ مِّنْ خَلْقِهٖ عَنْ ذٰلِكَ قَالَ سُبْحَانَهٗ ﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ﴾ (البقرة: ۲۳۵) (النهج الاسمٰى: ۱/۳۹۶)

[3] مدارج السالكين: ۶/۶۵، ۶۶ باختصار، نقلا عن النهج الاسمٰى: ۱/۳۹۷

قَالَ ابْنُ الْقَيِّمِ: "اَلْمُرَاقَبَةُ" دَوَامُ عِلْمِ الْعَبْدِ، وَتَيَقُّنُهٗ بِاِطِّلَاعِ الْحَقِّ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى عَلٰى ظَاهِرِهٖ وَبَاطِنِهٖ. فَاسْتَدَامَتُهٗ لِهٰذَا =

’’حضرت سعد بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا: کیا میں تم کو اللہ تعالیٰ کا اسمِ اعظم نہ بتادوں؟ کہ جس کے ذریعے دعا کی جائے تو قبول فرماتے ہیں اور سوال کیا جائے تو پورا فرماتے ہیں: یہ وہ دعا ہے جس کے ذریعے حضرت یونس (علیہ السلام) نے تین اندھیریوں میں اللہ تعالیٰ کو پکارا تھا:

﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّىْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ﴾[1]

ترجمہ: آپ کے سوا کوئی معبود نہیں، آپ تمام عیبوں سے پاک ہیں بے شک میں ہی قصوروار ہوں۔

(تین اندھیریوں سے مراد: رات، سمندر اور مچھلی کے پیٹ کے اندھیرے ہیں) ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: یا رسول اللہ! کیا یہ دعا حضرت یونس علیہ السلام کے ساتھ خاص ہے یا تمام ایمان والوں کے لئے عام ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا ارشاد مبارک نہیں سنا: ﴿وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ۭ وَكَذٰلِكَ نُــنْجِي الْمُؤْمِنِيْنَ﴾[2]

ترجمہ: کہ ہم نے یونس علیہ السلام کو مصیبتوں سے نجات دی اور ہم اسی طرح ایمان والوں کو نجات دیا کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو مسلمان اس دعا کو چالیس مرتبہ اپنی بیماری میں مانگے پھر اگر وہ اس مرض میں فوت ہو جائے تو اس کو شہید کا ثواب دیا جائے گا اور اگر اس بیماری سے اسے شفاء مل گئی تو اس شفاء (ملنے کی دولت) کے ساتھ اس کے تمام گناہ معاف کیے جا چکے ہوں گے۔[3]

مراقبہ نمبر ③: کسی دن اللہ کی نعمتوں کا مراقبہ کرے کہ مجھے اللہ نے کتنی نعمتیں عطا فرمائی ہیں، ایک ایک نعمت کو سوچے، میں جب دنیا میں آیا تو ننگا تھا، اللہ تعالیٰ نے کپڑے دیئے، بھوکا تھا کھانا دیا، کمزور تھا طاقت ور بنایا، اکیلا تھا شادی کروا

= الْعِلْمِ وَالْيَقِيْنِ: هِيَ الْمُرَاقَبَةُ، وَهِيَ ثَمَرَةُ عِلْمِهِ بِأَنَّ اللّٰهَ سُبْحَانَهُ رَقِيْبٌ عَلَيْهِ، نَاظِرٌ إِلَيْهِ، سَامِعٌ لِقَوْلِهِ، وَهُوَ مُطَّلِعٌ عَلٰى عَمَلِهِ كُلَّ وَقْتٍ وَكُلَّ لَحْظَةٍ وَكُلَّ نَفَسٍ وَكُلَّ طَرْفَةِ عَيْنٍ.

قَالَ: "وَالْمُرَاقَبَةُ" هِيَ التَّعَبُّدُ بِاسْمِهِ (الرَّقِيْبُ)، اَلْحَفِيْظُ، اَلْعَلِيْمُ، اَلسَّمِيْعُ، اَلْبَصِيْرُ.

فَمَنْ عَقَلَ هٰذِهِ الْأَسْمَاءَ، وَتَعَبَّدَ بِمُقْتَضَاهَا، حَصَلَتْ لَهُ الْمُرَاقَبَةُ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ. (النهج الاسمٰی: ۳۹۷/۱)

[1] الانبیاء: ۸۷

[2] الانبیاء: ۸۸

[3] "عَنْ سَعْدِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: "هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلٰى اسْمِ اللّٰهِ الْأَعْظَمِ الَّذِيْ إِذَا دُعِيَ بِهِ أَجَابَ وَإِذَا سُئِلَ بِهِ أَعْطٰى، اَلدَّعْوَةُ الَّتِيْ دَعَا بِهَا يُوْنُسُ حَيْثُ نَادَاهُ فِي الظُّلُمَاتِ الثَّلَاثِ، ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّىْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ﴾" فَقَالَ رَجُلٌ: "يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! هَلْ كَانَتْ لِيُوْنُسَ خَاصَّةً أَمْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ عَامَّةً؟" فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "أَلَا تَسْمَعُ قَوْلَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ ﴿وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ۭ وَكَذٰلِكَ نُــنْجِي الْمُؤْمِنِيْنَ﴾" وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "أَيُّمَا مُسْلِمٍ دَعَا بِهَا فِيْ مَرَضِهِ أَرْبَعِيْنَ مَرَّةً فَمَاتَ فِيْ مَرَضِهِ ذٰلِكَ أُعْطِيَ أَجْرَ شَهِيْدٍ وَإِنْ بَرَأَ بَرَأَ وَقَدْ غُفِرَ لَهُ جَمِيْعُ ذُنُوْبِهِ" (مستدرك للحاكم، كتاب الدعاء: ۶۹۱/۱، ۶۹۲، رقم: ۱۹۱۷)

دی، مال دیا وغیرہ وغیرہ اس طرح سوچنے سے اللہ جَلَّ جَلَالُهُ سے تعلق میں اضافہ ہوگا۔[1]

مراقبہ نمبر ④: جب بندہ صبح کی نماز سے فارغ ہو جائے تو اس کے لئے مناسب یہ ہے کہ اپنے اعمال کا جائزہ لینے کے لئے چند گھڑیاں فارغ کرے اور پس اپنے نفس سے کہے: اے نفس! نہیں ہے تیرے لئے جمع پونجی یا قیمتی چیز مگر صرف اور صرف تیری عمر اور یہی تیرا اصل سرمایہ ہے، اور جب سرمایہ ہی فنا ہو جائے گا تو تجارت اور نفع دونوں سے محرومی ہو جائے گی، تو جان لے! کہ آج کے دن میں اللہ تعالیٰ نے مہلت دی ہے اور تیری موت کو مؤخر کیا اور تجھ پر انعام واکرام کیا، اگر وہ تجھ کو موت دے دے تو تو تمنا کرے گا کہ کاش! ایک دن مجھے مل جاتا تو اس میں نیکی کر لیتا، لہٰذا اے نفس! آج کے دن کی قدر کر لے، بھلے اعمال سے اس کو آباد کر لے ماضی کو سوچ کر مایوس نہ ہو، اور مستقبل کو سوچ کر خوف زدہ نہ ہو صرف اور صرف آج کی قدر کرے۔[2]

مراقبہ نمبر ⑤: علامہ ابن قیم رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَىٰ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کے نام سے سرور حاصل کرنا اور اس کے ذریعے دل کا خوش ہونا اور آنکھوں کا ٹھنڈا ہونا، یہ دنیا کی نعمتوں میں سے کسی نعمت کے مشابہ نہیں اور اس پر دنیا کی کسی اور نعمت کو قیاس نہیں کیا جاسکتا اور یہ جنتیوں کے احوال میں سے ایک حالت ہے۔ (اللہ تعالیٰ ہم سب کو نصیب فرمائے) لہٰذا یہ سوچ سوچ کر خوش ہو جائے کہ اللہ میرے ساتھ ہیں، میرا پالنے والا میرے ساتھ ہے، میرا نگران، میرا رب ''اَلرَّقِيْبُ جَلَّ جَلَالُهُ'' میرے ساتھ ہے، پھر مجھے کسی کی پروا نہیں۔[3]

فوائد ونصائح

❶ اس اسم سے تعلق پیدا کرنے والوں کو لازم ہے کہ: اپنے خیالات ومعاملات کو باری تعالیٰ کی نگرانی میں دے دیں۔ نفس وشیطان سے محفوظ ہونے کا یہی آسان طریقہ ہے۔[4]

❷ بندہ کو چاہئے کہ وہ اس بات کا مراقبہ کرے: ''اَلرَّقِيْبُ جَلَّ جَلَالُهُ'' ہر معاملے میں اس کا رقیب اور شاہد ہے، اسے دیکھ رہا ہے، اس کی باتیں سن رہا ہے اور اس کے ہر عمل کی نگرانی کر رہا ہے۔ یہ یقین رکھے کہ نفس بھی میرا دشمن ہے اور

---

[1] إِذَا فَرَغَ الْعَبْدُ مِنْ فَرِيْضَةِ الصُّبْحِ، يَنْبَغِيْ أَنْ يُفْرِغَ قَلْبَهُ سَاعَةً لِمُشَارَطَةِ نَفْسِهِ فَيَقُوْلُ لِلنَّفْسِ: مَالِيْ بِضَاعَةٌ إِلَّا الْعُمْرُ! فَإِذَا فَنٰى مِنِّيْ رَأْسُ الْمَالِ وَقَعَ الْيَأْسُ مِنَ التِّجَارَةِ وَطَلَبِ الرِّبْحِ وَهٰذَا الْيَوْمُ الْجَدِيْدُ قَدْ أَمْهَلَنِيَ اللّٰهُ فِيْهِ وَأَخَّرَ أَجَلِيْ وَأَنْعَمَ عَلَيَّ بِهِ وَلَوْ تَوَفَّانِيْ لَكُنْتُ أَتَمَنّٰى أَنْ يُرْجِعَنِيْ إِلَى الدُّنْيَا حَتّٰى أَعْمَلَ صَالِحاً.

[2] مختصر منهاج القاصدين: ۳۹۸ نقلاً عن النهج الاسمىٰ: ۱/۳۹۷

[3] قَالَ ابْنُ الْقَيِّمِ رَحِمَهُ اللّٰهُ: فَإِنَّ سُرُوْرَ الْقَلْبِ بِاللّٰهِ وَفَرْحَهُ بِهِ، وَقُرَّةَ الْعَيْنِ بِهِ، لَا يُشْبِهُهُ شَيْءٌ مِّنْ نَّعِيْمِ الدُّنْيَا أَلْبَتَّةَ، وَلَيْسَ لَهُ نَظِيْرٌ يُّقَاسُ بِهِ، وَهُوَ حَالٌ مِّنْ أَحْوَالِ أَهْلِ الْجَنَّةِ. (النهج الاسمىٰ: ۱/۳۹۸)

[4] شرح اسماء الحسنىٰ للمنصورپوری: ۹۵

شیطان بھی، یہ دونوں موقع کے انتظار میں ہیں کہ اس کو غفلت اور دین کی مخالفت پر آمادہ کریں۔ لہٰذا انسان کو چاہئے کہ ان سے بچتے رہنے کی تدبیر کرے۔

❸ جب مؤمن بندہ اس بات کو جان لیتا ہے کہ "الرَّقِیْبُ جَلَّ جَلَالُہٗ" اس کی نگرانی فرمارہے ہیں تو اپنی ہر ہر حرکت کو اللہ تعالیٰ کی سرپرستی اور نگرانی میں لے آتا ہے اور کوئی بھی گناہ کرنے سے پہلے وہ خوب سوچے گا کہ "الرَّقِیْبُ جَلَّ جَلَالُہٗ" نگہبان ہے اور خوب نگہبانی کررہا ہے۔

امام شافعی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کیا خوب فرمارہے ہیں:

إِذَا مَا خَلَوْتَ الدَّهْرَ يَوْمًا فَلَا تَقُلْ ۔۔۔ خَلَوْتُ وَلٰكِنْ قُلْ عَلَيَّ رَقِيْبُ

جب کسی دن تنہائی میسر ہو تو اپنے آپ کو تنہا نہ سمجھنا ۔۔۔ بل کہ یہ خیال کرنا کہ مجھ پر کوئی نگران موجود ہے۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ يَغْفَلُ سَاعَةً ۔۔۔ وَلَا أَنْ مَا يَخْفٰى عَلَيْهِ يَغِيْبُ

اللہ تعالیٰ کو ایک لمحہ کے لئے بھی ہرگز غافل نہ سمجھنا ۔۔۔ اور یہ نہ ماننا کہ تمہارے مخفی امور اس کے علم سے باہر ہیں۔

غَفَلْنَا لَعَمْرِ اللّٰهِ حَتّٰى تَرَاكَمَتْ ۔۔۔ عَلَيْنَا ذُنُوْبٌ بَعْدَهُنَّ ذُنُوْبُ

بخدا! ہم نے غفلت کی اس لئے ہمارے گناہوں کا ۔۔۔ ڈھیر لگ گیا اور ہم گناہ پر گناہ کرتے رہے۔

فَيَالَيْتَ أَنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ مَا مَضٰى ۔۔۔ وَيَأْذَنُ فِيْ تَوْبَاتِنَا فَنَتُوْبُ

کاش کہ اللہ تعالیٰ گزشتہ گناہوں کو معاف فرما دیتے ۔۔۔ اور رجوع کی توفیق عطا فرما دیتے تاکہ ہم توبہ کرلیں۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّ الْيَوْمَ أَسْرَعُ ذَاهِبٍ ۔۔۔ وَأَنَّ غَدًا لِلنَّاظِرِيْنَ قَرِيْبُ

کیا تو نہیں جانتا کہ آج بہت جلد گزر جائے گی ۔۔۔ اور آنے والی کل دیکھتے ہی دیکھتے آموجود ہوگی۔[1]

---

[1] دیوان امام شافعی: ۸۰

الرقيب

وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ كُلٌّ فِیْ فَلَكٍ یَّسْبَحُوْنَ ۝۳۳
(الانبیاء: ۳۳)
”اور اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے رات اور دن بنائے اور سورج و چاند کو پیدا کیا۔ ہر ایک
اپنے اپنے آسمان میں تیرتا پھرتا ہے“۔

اَلْمُجِیْبُ جَلَّ جَلَالُہٗ
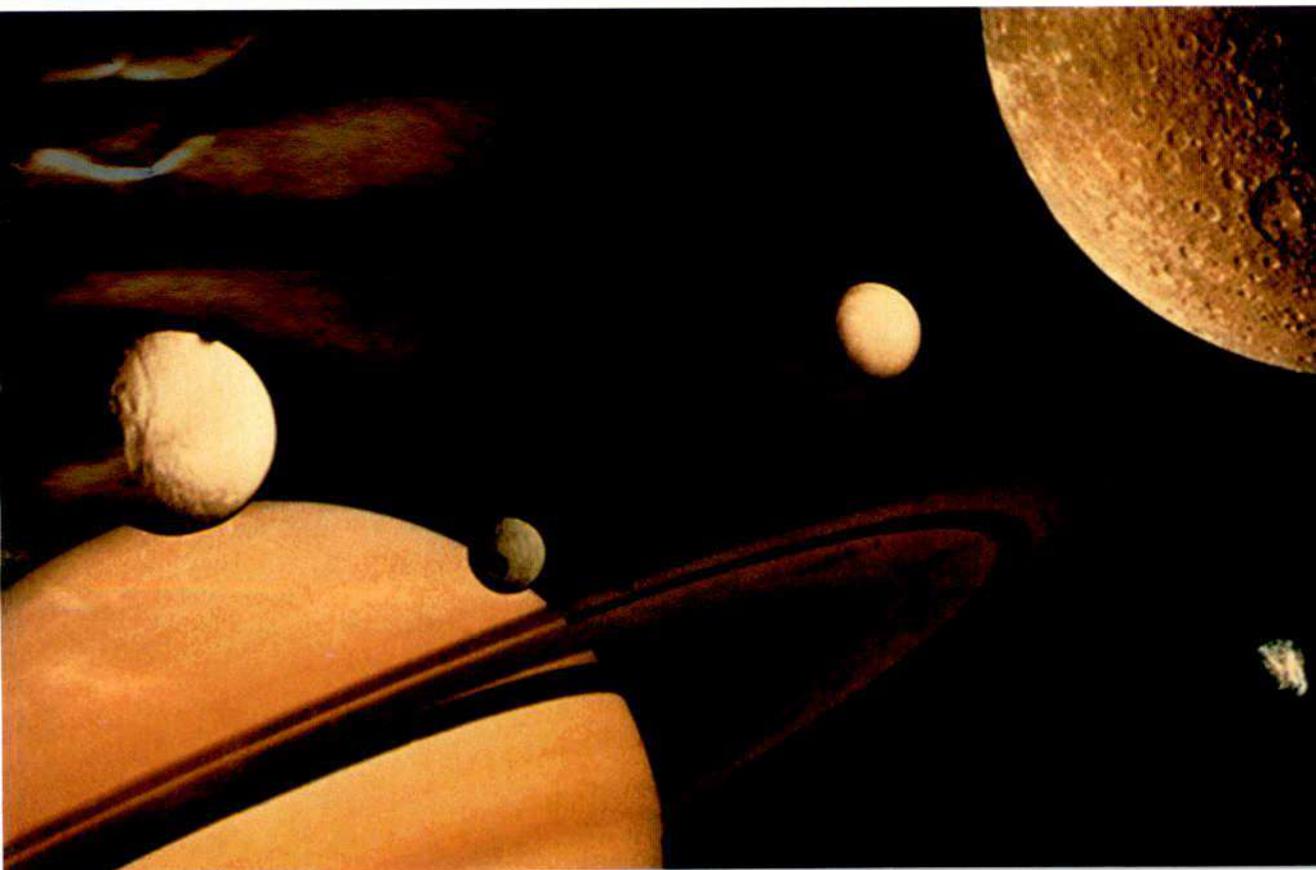
(قبول فرمانے والا)

اس اسم مبارک کے تحت ایک تعریف ذکر کی جاتی ہے:

❶ "هُوَالَّذِيْ يُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِيْ إِذَا دَعَاهُ وَيَسْعَفُ الْمُضْطَرَّ إِلٰى مَااسْتَدْعَاهُ وَتَمَنَّاهُ." [1]

ترجمہ: اَلْمُجِیْبُ جَلَّ جَلَالُہٗ وہ ذات ہے جو دعا کرنے والے کی دعا قبول کرتا ہے اور بے قرار کی وہ حاجت پوری کرتا ہے جس کی وہ دعا مانگتا ہے اور تمنا کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم میں فرماتے ہیں:

﴿وَلَقَدْ نَادٰىنَا نُوْحٌ فَلَنِعْمَ الْمُجِيْبُوْنَ﴾ [2]

ترجمہ: اور ہمیں نوح نے پکارا تو (دیکھ لو) ہم کیسے اچھے دعا قبول کرنے والے ہیں۔

اس آیتِ مبارکہ میں "نَادٰىنَا" اہلِ معرفت کے لئے بہت ہی پیارا جملہ ہے کہ ہمیں پکارا تھا نوح عَلَیْہِ السَّلَامُ نے اور جو ہمیں پکارا کرتا ہے ہم اس کی پکار کا بہتر جواب دیتے ہیں، یعنی ہم نے فریاد رسی کی اس لئے کہ ہم "نِعْمَ الْمُجِيْبُوْنَ" ہیں، یعنی ہم خوب فریاد سننے والے ہیں۔

حضرت نوح عَلَیْہِ السَّلَامُ نے اپنی قوم کی مسلسل سرکشی اور نافرمانی کے بعد اس وقت بددعا کی تھی جب آپ کی قوم نے آپ کو جھٹلانے پر اکتفا کرنے کے بجائے اُلٹا آپ کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا تھا۔ دیکھئے! اللہ تعالیٰ نے ان کی پکار کیسی سنی اور مدد کو کس طرح پہنچے؟

① نوح عَلَیْہِ السَّلَامُ کو مع اُن کے گھرانے کے رات دن کی ایذا سے بچایا ② ہول ناک طوفان کے وقت اُن کی حفاظت کی ③ تنہا اُن کی اولاد سے زمین کو آباد کر دیا اور رہتی دنیا تک اُن کا ذکرِ خیر لوگوں میں باقی چھوڑا، چناں چہ آج تک خلقت اُن پر سلام بھیجتی ہے اور سارے جہاں میں نوح عَلَیْہِ السَّلَامُ کہہ کر یاد کیے جاتے ہیں۔ مسلمانوں کے علاوہ یہودی و نصرانی بھی آپ عَلَیْہِ السَّلَامُ کو اپنا پیشوا مانتے ہیں۔ [3]

---

[1] مرقاۃ، کتاب اسماء اللّٰہ تعالٰی: ۸۸/۵ [2] الصّٰفّٰت: ۷۵ [3] معارف القرآن: ۴۴۵/۷، الصّٰفّٰت: ۷۵

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴾[1]

ترجمہ: کون ہے جو بے قرار کی (فریاد) سنتا ہے جب وہ اسے پکارتا ہے اور مصیبت کو دور کر دیتا ہے اور تم کو زمین میں صاحبِ تصرف بناتا ہے کیا اللہ کے ساتھ کوئی (اور بھی) خدا ہے؟ تم لوگ بہت ہی کم غور کرتے ہو۔

اس آیت میں شرک کرنے والوں کے لئے تنبیہ ہے کہ سخت مصائب و شدائد کے وقت تو تم بھی مضطر (بے بس) ہو کر اسی کو پکارتے ہو اور دوسرے معبودوں کو بھول جاتے ہو، پھر فطرت اور ضمیر کی اس شہادت کو امن و اطمینان کے وقت کیوں یاد نہیں رکھتے۔[2]

کسی ضرورت سے مجبور و بے قرار ہونے کو اضطرار کہا جاتا ہے اور وہ جب ہی ہوتا ہے جب اس کا کوئی یار و مددگار اور سہارا نہ ہو۔ اس لئے "مُضْطَر" وہ شخص ہے جو سب دُنیا کے سہاروں سے مایوس ہو کر خالص اللہ تعالیٰ ہی کو فریادرس سمجھ کر اس کی طرف متوجہ ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے "مُضْطَر" کے لئے ان الفاظ سے دعا کرنے کی ہدایت فرمائی ہے:

"اَللّٰهُمَّ رَحْمَتَكَ اَرْجُوْ فَلَا تَكِلْنِيْ اِلٰى نَفْسِيْ طَرْفَةَ عَيْنٍ وَّاَصْلِحْ لِيْ شَاْنِيْ كُلَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ"[3]

ترجمہ: یا اللہ! میں تیری رحمت کا اُمید وار ہوں، اس لئے مجھے ایک لحظہ کے لئے بھی میرے نفس کے حوالہ نہ کیجئے اور آپ ہی میرے سب کاموں کو درست کر دیجئے! آپ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

"مُضْطَر" اسی شخص کو کہتے ہیں: جو ایسی شدت اور مصیبت میں مبتلا ہو جس سے بظاہر نہ نکل سکتا ہے اور نہ اس پر صبر کر سکتا ہے۔ "نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن" کا مصداق ہے۔ پس خدائے برحق ہے کہ جب اسبابِ ظاہری تم کو جواب دے دیتے ہیں اور تم بالکل عاجز ہو جاتے ہو اور اس وقت تم اپنی سختیوں میں اس کو پکارتے ہو تو وہ تمہاری پریشانی دور کرتا ہے۔[4]

یہ "اسم مبارک" قرآن کریم میں دو مرتبہ آیا ہے:

❶ ﴿ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ اِنَّ رَبِّيْ قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ ﴾[5]

اور تم اس کی طرف رجوع کرو۔ بے شک میرا رب قریب اور دعاؤں کا قبول کرنے والا ہے۔

❷ ﴿ وَلَقَدْ نَادٰىنَا نُوْحٌ فَلَنِعْمَ الْمُجِيْبُوْنَ ﴾[6]

اور ہمیں نوح نے پکارا تو (دیکھ لو) ہم کیسے اچھے دعا قبول کرنے والے ہیں۔

(اس آیت میں یہ اسم جمع کے صیغے کے ساتھ آیا ہے)

---

[1] النمل: ٦٢ [2] تفسیر عثمانی: ص ٥٠٩ [3] قرطبی: ١٢٩/٧
[4] معارف القرآن: ٤/٦ (کاندھلوی) [5] هود: ٦١ [6] الصّٰفّٰت: ٧٥

بے قرار کی دُعا اخلاص کی بنا پر ضرور قبول ہوتی ہے

امام قرطبی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے ''مُضْطَرّ'' کی دُعا قبول کرنے کا ذمہ لے لیا ہے اور اس آیت میں اس کا اعلان بھی فرما دیا ہے جس کی اصل وجہ یہ ہے کہ دُنیا کے سب سہاروں سے مایوس اور تعلقات سے منقطع ہو کر صرف اللہ تعالیٰ ہی کو کارساز سمجھ کر دعا کرنا سرمایۂ اخلاص ہے۔

اللہ تعالیٰ کے نزدیک اخلاص کا بڑا درجہ ہے وہ جس کسی بندہ سے پایا جائے وہ مؤمن ہو یا کافر اور متقی ہو یا فاسق و فاجر اس کے اخلاص کی برکت سے اس کی طرف رحمتِ حق متوجہ ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ حق تعالیٰ نے کفار کا حال ذکر فرمایا ہے:

﴿فَاِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ فَلَمَّا نَجّٰهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ﴾[1]

کہ جب یہ لوگ دریا میں ہوتے ہیں اور کشتی سب طرف سے موجوں کی لپیٹ میں آجاتی ہے اور یہ گویا آنکھوں کے سامنے اپنی موت کو کھڑا دیکھ لیتے ہیں اس وقت یہ لوگ پورے اخلاص کے ساتھ اللہ کو پکارتے ہیں کہ اگر ہمیں اس مصیبت سے آپ نجات دے دیں تو ہم شکرگزار ہوں گے، لیکن جب اللہ تعالیٰ ان کی دُعا قبول کر کے خشکی پر لے آتے ہیں تو یہ پھر شرک میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

جب کشتی طوفان میں گھر جائے تو بڑی عقیدت مندی سے اللہ تعالیٰ کو پکارتے ہیں، پھر جہاں آفت سر سے ٹلی اور خشکی پر قدم رکھا اللہ تعالیٰ کے احسانوں سے مکر کر جھوٹے دیوتاؤں کو پکارنا شروع کر دیتے ہیں۔[2]

ایک حدیث میں رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا ارشاد ہے: تین دُعائیں ضرور قبول ہوتی ہیں جس میں کسی شک کی گنجائش نہیں: (۱) مظلوم کی دُعا (۲) مسافر کی دُعا (۳) باپ کی جو اپنی اولاد کے لئے بددُعا کرے۔[3]

امام قرطبی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے اس حدیث کو نقل کر کے فرمایا: ان تینوں دُعاؤں میں بھی وہی صورت ہے جو دُعائے مضطر میں اوپر لکھی گئی ہے کہ جب کوئی مظلوم دُنیا کے سہاروں اور مددگاروں سے مایوس ہو کر دفعِ ظلم کے لئے اللہ کو پکارتا ہے وہ بھی مضطر ہی ہوتا ہے۔ اسی طرح مسافر حالتِ سفر سے اپنے خویش و عزیز اور ہمدردوں غمگساروں سے الگ بے سہارا ہوتا ہے۔ اسی طرح باپ اولاد کے لئے اپنی فطرت اور پدری شفقت کی بناء پر کبھی بددعا نہیں کر سکتا۔ بجز اس کے کہ اس کا دل بالکل ٹوٹ جائے اور اپنے آپ کو مصیبت سے بچانے کے لئے اللہ کو پکارے۔

امامِ حدیث آجری رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے حضرت ابوذر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی روایت نقل کی ہے: نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: میں مظلوم کی دعا کو کبھی رد نہیں کروں گا اگرچہ وہ کسی کافر کے منہ سے ہو۔[4]

---

[1] العنکبوت: ٦٥ [2] تفسیر عثمانی: ٥٣٨

[3] ابن ماجه، الدعاء، باب دعوة الوالد و دعوة المظلوم: ٢٨٣ [4] قرطبي: ١٧٠/٧

اگر کسی مضطر یا مظلوم یا مسافر وغیرہ کو کبھی یہ محسوس ہو کہ اس کی دعا قبول نہیں ہوئی تو بدگمان اور مایوس نہ ہو، بعض اوقات دعا قبول تو ہو جاتی ہے مگر کسی حکمت و مصلحت ربانی سے اس کا ظہور دیر میں ہوتا ہے، یا پھر وہ اپنے نفس کو ٹٹولے کہ اس کے اخلاص اور توجہ الی اللہ میں کمی کوتاہی رہی ہے۔ واللہ اعلم[1]

"اَلْمُجِیْبُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کے ہاں دعا کی قبولیت کے نمونے

شہد کی مکھیوں کے ذریعے حفاظت

واقعہ نمبر ۸۴: حضرت عاصم بن عمر بن قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: جنگِ اُحد کے بعد قبیلہ عضل اور قبیلہ قارہ کی ایک جماعت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئی اور انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! ہم لوگوں میں اسلام آچکا ہے، آپ ہمارے ساتھ اپنے کچھ صحابہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) بھیج دیں جو ہمیں دین کی باتیں سمجھائیں اور ہمیں قرآن پڑھائیں اور اسلام کے احکام ہمیں سکھائیں۔

چناں چہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ہم راہ اپنے ساتھیوں میں سے چھ آدمی بھیج دیئے (اور راوی نے ان چھ آدمیوں کا تذکرہ بھی کیا) چناں چہ یہ حضرات اس جماعت کے ساتھ چل پڑے۔ جب یہ مقامِ "رجیع" پر پہنچے، یہ قبیلہ ہذیل کا ایک چشمہ ہے جو حجاز کے ایک کنارے پر "ہدا" مقام کے شروع میں ہے تو اس جماعت نے ان صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے غداری کی اور انہوں نے قبیلہ ہذیل کو ان کے خلاف مدد کے لئے بلا لیا۔

حضرات صحابہ (اطمینان سے) اپنی قیام گاہ میں ٹھہرے ہوئے تھے کہ اچانک ان کو ہاتھوں میں تلواریں لئے ہوئے بہت سے آدمیوں نے گھیر لیا تو یہ حضرات گھبرا گئے۔ حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ان سے لڑنے کے لئے اپنی تلواریں ہاتھوں میں پکڑلیں تو کافروں نے ان سے کہا: اللہ کی قسم! ہم تمہیں قتل کرنا نہیں چاہتے، بل کہ ہم تو تمہارے بدلے میں مکے والوں سے کچھ مال لینا چاہتے ہیں۔ ہم تمہیں اللہ کا عہد و پیمان دیتے ہیں کہ ہم تمہیں قتل نہیں کریں گے۔ حضرت مرثد، حضرت خالد بن بکیر اور حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے فرمایا: ہم کسی مشرک کا عہد و پیمان کبھی قبول نہیں کریں گے اور حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مندرجہ ذیل اشعار پڑھے:

مَا عِلَّتِيْ وَأَنَا جَلْدٌ نَابِلٌ   وَالْقَوْسُ فِيْهَا وَتَرٌ عُنَابِلٌ

ترجمہ: میں بیمار نہیں ہوں، بل کہ میں تو طاقت ور تیر انداز ہوں اور (میری) کمان میں مضبوط تانت لگا ہوا ہے۔

تَزِلُّ عَنْ صَفْحَتِهَا الْمَعَابِلُ   أَلْمَوْتُ حَقٌّ وَّالْحَيَاةُ بَاطِلٌ

ترجمہ: لمبے اور چوڑے پھل والے تیر اس کمان کے اوپر سے پھسل جاتے ہیں، موت حق ہے اور زندگی باطل یعنی فانی ہے۔

---

[1] معارف القرآن: ۵۹۶/۶

وَكُلُّ مَا حَمَّ الْإِلٰهُ نَازِلُ
بِالْمَرْءِ وَالْمَرْءُ إِلَيْهِ آيِلُ
إِنْ لَّمْ أُقَاتِلْكُمْ فَأُمِّيْ هَابِلُ

ترجمہ: جو کچھ اللہ تعالیٰ نے مقدر کر رکھا ہے وہ آدمی کے ساتھ ہو کر رہے گا اور آدمی اسی کی طرف لوٹ جائے گا، اگر میں تم لوگوں سے جنگ نہ کروں تو میری ماں مجھے گم کر دے (یعنی میں مر جاؤں)۔

أَبُوْ سُلَيْمَانَ وَرِيْشُ الْمُقْعَدِ وَضَالَةٌ مِّثْلُ الْجَحِيْمِ الْمُوْقَدِ

ترجمہ: میں ابوسلیمان ہوں اور میرے پاس مقعد نامی شخص کے بنائے ہوئے تیر ہیں اور میرے پاس دہکتی ہوئی آگ کی طرح کمان ہے۔

إِذَا النَّوَاجِيْ اُفْتُرِشَتْ لَمْ أُرْعَدِ وَمُجْنَأٌ مِنْ جِلْدِ ثَوْرٍ أَجْرَدِ
وَمُؤْمِنٌ بِمَا عَلٰى مُحَمَّدِ

ترجمہ: تیز رفتار اونٹوں پر سوار ہو کر جب بہادر آدمی آئیں تو میں کپکپی محسوس نہیں کرتا ہوں (کیوں کہ میں بہادر ہوں بزدل نہیں ہوں) اور میرے پاس ایسی ڈھال ہے جو کم بال والے بیل کی کھال کی بنی ہوئی ہے اور حضرت محمد ﷺ پر جو کچھ آسمان سے نازل ہوا ہے میں اس پر ایمان لانے والا ہوں۔

أَبُوْ سُلَيْمَانَ وَمِثْلِيْ رَامٰى وَكَانَ قَوْمِيْ مَعْشَرًا كِرَامًا

ترجمہ: میں ابوسلیمان ہوں اور میرے جیسا بہادر ہی تیر چلاتا ہے اور میری قوم ایک معزز قوم ہے۔

پھر حضرت عاصم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے ان کافروں سے لڑائی شروع کر دی یہاں تک کہ شہید ہو گئے اور ان کے دونوں ساتھی بھی شہید ہو گئے، شہید ہونے سے پہلے حضرت عاصم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے یہ دعا مانگی تھی:

"اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَحْمِيْ لِدِيْنِكَ وَأُدَافِعُ عَنْهُ، فَاحْمِ لَحْمِيْ وَعَظْمِيْ وَلَا تُظْفِرْ بِهِمَا أَحَدًا مِّنْ أَعْدَاءِ اللّٰهِ"

ترجمہ: اے اللہ! میں آپ کے دین کی حفاظت کرنے کے لئے نکلا ہوں اور اس کے خلاف فتنوں کی مدافعت کے لئے۔ جس طرح میں آپ کے دین کی حفاظت کے لئے گھر سے نکلا ہوں آپ بھی میرے گوشت اور ہڈیوں کی حفاظت فرمائیے اور میرے گوشت اور ہڈیوں پر کسی کافر کا بس نہ چلے۔

چوں کہ حضرت عاصم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو پتہ چل گیا تھا کہ کفار میرے سر کی تلاش میں ہیں، اس لئے انہوں نے "اَلْمُجِيْبُ جَلَّ جَلَالُہٗ" سے دعا کی اور "اَلْمُجِيْبُ جَلَّ جَلَالُہٗ" نے اس کو قبول فرمایا۔ جب حضرت عاصم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ شہید ہو گئے تو قبیلہ ہذیل نے ان کا سر کاٹنا چاہا، تاکہ یہ سر سلافہ بنت سعد کے ہاتھ بیچ دیں، کیوں کہ حضرت عاصم

رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سلافہ کے بیٹے کو جنگِ اُحد کے دن قتل کیا تھا، تو سلافہ نے یہ منت مانی تھی کہ اگر اسے حضرت عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سرمل گیا تو وہ ان کی کھوپڑی میں شراب پیئے گی (جب قبیلہ ہذیل کے لوگ ان کا سر کاٹنے کے لئے گئے تو اللہ تعالیٰ نے شہد کی مکھیوں کا ایک غول بھیج دیا جس نے حضرت عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جسم کو ہر طرف سے گھیر لیا) اور ان مکھیوں نے قبیلہ ہذیل کے لوگوں کو ان کے قریب نہ آنے دیا۔

جب یہ مکھیاں ان کے اور حضرت عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درمیان حائل ہوگئیں تو ان لوگوں نے کہا: ان کو ایسے ہی رہنے دو۔ جب شام کو یہ مکھیاں چلی جائیں گی تو پھر ہم آکر ان کا سر کاٹ لیں گے۔

لیکن اللہ تعالیٰ نے بارش کے پانی کی ایسی رو بھیجی جو ان کی نعش کو بہا کر لے گئی، حضرت عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کیا ہوا تھا کہ وہ کبھی کسی مشرک کو ناپاک ہونے کی وجہ سے ہاتھ نہیں لگائیں گے اور نہ کوئی مشرک ان کو ہاتھ لگا سکے۔ چناں چہ جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ خبر پہنچی کہ شہد کی مکھیوں نے ان کافروں کو قریب نہ آنے دیا تو وہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ مؤمن بندے کی ایسے ہی حفاظت فرمایا کرتے ہیں۔[1]

زنجیر پاؤں سے گر پڑی

واقعہ نمبر ۸۵: حضرت بقی بن مخلد رحمہ اللہ تعالیٰ (متوفی ۲۷۶ھ) مشہور محدثین میں سے ہیں، حدیث میں ان کی سند اہلِ علم میں معروف ہے۔ یہ بلند پایہ محدث ہونے کے علاوہ نہایت عابد و زاہد اور مستجاب الدعوات بزرگ تھے۔ ایک مرتبہ ان کے پاس ایک عورت آئی اور کہنے لگی: میرے بیٹے کو فرنگیوں نے قید کر رکھا ہے۔ میرا ایک چھوٹا سا گھر ہے میں چاہتی ہوں کہ اسے فروخت کر کے اپنے بیٹے کا فدیہ ادا کردوں اور اسے قید سے چھڑالوں، آپ کسی سے کہہ دیجئے کہ میرا گھر خرید لے، اس لئے کہ میرے دل کا سکون اور راتوں کا چین رخصت ہو چکا ہے۔

حضرت بقی بن مخلد رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کی فریاد سنی تو اس سے کہا: ”تم جاؤ میں تمہارے معاملے میں غور کروں گا“ اس کے ساتھ ہی وہ سر جھکا کر بیٹھ گئے اور اس کی رہائی کے لئے دعا کرتے رہے، اس واقعے کو زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ وہی عورت پھر واپس آئی اور اس مرتبہ اس کا بیٹا اس کے ساتھ تھا۔

وہ کہنے لگی: ”اس سے سنئے اس کے ساتھ کیا عجیب واقعہ پیش آیا“ حضرت بقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے واقعہ پوچھا، کہنے لگا: ”مجھے بادشاہ نے ان قیدیوں کے ساتھ شامل کردیا تھا جو پابہ زنجیر بادشاہ کی خدمت کرتے تھے۔ ایک دن میں اپنے ذمہ کی خدمت انجام دینے کے لئے جا رہا تھا، پاؤں میں زنجیر پڑی ہوئی تھی کہ اچانک چلتے چلتے زنجیر پاؤں سے گر پڑی مجھ پر جو سپاہی متعین تھا وہ مجھے گالیاں دینے لگا کہ پاؤں سے زنجیر کیوں نکالی؟

---

[1] حیاۃ الصحابہ، باب غزوۃ رجیع: ۵۵٤/۱

میں نے کہا: اللہ کی قسم! مجھے پتہ بھی نہیں کہ یہ زنجیر میرے پاؤں سے کیسے نکلی ہے؟

اس پر انہوں نے لوہار کو بلوا کر دوبارہ میرے پاؤں میں پہنا دی اور اس مرتبہ اس کی میخیں خوب اچھی طرح مضبوط گاڑ دی گئیں، لیکن اس کے فوراً بعد میں اٹھ کر چلنے لگا تو زنجیر پھر گر پڑی۔ انہوں نے پھر اسے باندھا، لیکن پھر چلا تو پھر گر گئی۔ وہ لوگ بڑے حیران ہوئے اور اپنے راہبوں سے اس کی وجہ معلوم کی تو انہوں نے پوچھا: کیا تیری ماں زندہ ہے؟

میں نے کہا: ہاں! انہوں نے کہا: ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نے دعا کی ہے اور اس کی دعا قبول ہوگئی ہے۔ پھر راہبوں نے متعلقہ لوگوں کو مشورہ دیا کہ اب اسے چھوڑ دیا جائے، چناں چہ انہوں نے مجھے چھوڑ دیا اور میں بلادِ اسلام میں پہنچ گیا۔" حضرت بقی بن مخلد (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے زنجیر گرنے کا وقت پوچھا تو یہ ٹھیک وہ وقت تھا جب آپ اس کی رہائی کے لئے دعا کر رہے تھے۔[1]

اس واقعے سے معلوم ہوتا ہے کہ والدین کی دعا مستجاب اور مقبول ہوتی ہے، لہٰذا ہمیں والدین کی دعائیں لینی چاہئیں۔[2]

اے فریاد کرنے والوں کی مدد پر آنے والے! میری مدد فرما

واقعہ نمبر ۸۶: ایک شخص سردی کے موسم میں نکلا، اُس نے چار سو درہم سے زریاب پرندے کے قیمتی بچے (تجارت کے لئے خریدے جب کہ اس کی کل جمع پونجی یہی رقم تھی)۔ جب وہ شخص بغداد میں اپنی دوکان پر آیا تو (اچانک) سخت سرد ہوا چلی جس کی وجہ سے سب بچے مر گئے، سوائے ایک بچے کے جو کہ اُن سب میں بہت کمزور اور چھوٹا تھا۔ اب تو اس شخص کو دیوالیہ ہونے کا یقین ہو گیا۔ پھر وہ شخص رات بھر اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی و اِنکساری کرتا رہا، دُعا اور مدد طلب کرتا رہا اور اللہ تعالیٰ سے فراخی مانگتا رہا پریشانی کی وجہ سے جو اُس پر آئی تھی اور وہ ان الفاظ سے دُعا مانگتا تھا:

"یَا غِیَاثَ الْمُسْتَغِیْثِیْنَ اَغِثْنِیْ"

ترجمہ: اے فریاد کرنے والوں کی مدد پر آنے والے! میری مدد فرمائیے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی دُعا کو قبول فرمایا، وہ اس طرح کہ جب صبح ہوئی تو سردی ختم ہو چکی تھی اور وہ بچ جانے والا بچہ پر پھیلانے لگا اور کہنے لگا:

"یَا غِیَاثَ الْمُسْتَغِیْثِیْنَ اَغِثْنِیْ" اے فریاد کرنے والوں کی مدد کو پہنچنے والے میری مدد فرما۔

پھر تو بہت سے لوگ اس کی دوکان پر جمع ہوگئے زریاب کے بچے کو دیکھتے اور آواز سنتے تھے اور قدرتِ الٰہی کا نظارہ تعجب سے کرتے تھے کہ ایک زریاب کا بچہ اللہ سے پیارے الفاظ میں دُعا مانگ رہا ہے۔ شاہی خاندان کی باندیوں میں

---

[1] البدایہ والنہایۃ: ۴۵/۱۱

[2] والدین کی دعا حاصل کرنے کے دنیا و آخرت میں کیا فوائد ہیں، اور ان کی بددعا سے بچنے کے کیا فوائد ہیں، اس کے لئے راقم کی کتاب "والدین کی قدر کیجئے" سے خود بھی فائدہ اٹھائیں اور دوسروں تک بھی پہنچائیں۔

سے ایک باندی وہاں سے سواری پر گزری اس نے پرندے کی آواز سنی اور اسے دیکھا تو اُسے پرندہ پسند آیا، وہ اس آدمی کے پاس اُتری اور اُس نے زریاب کے بچے کو دو ہزار درہم میں خرید لیا اور اُس شخص کو دراہم دے دیئے اور زریاب پرندے کے بچے کو لے لیا،...... یہ اس دُعا کی برکت تھی کہ اللہ تعالیٰ نے چار سو کے عوض دو ہزار نصیب فرمادیئے......[1]

"المجیب جل جلالہ" کے علاوہ کسی اور کو مدد کے لئے پکارنا بدترین گمراہی ہے

قرآن کریم نے مخلوق کو پکارنے اور اس سے دُعائیں مانگنے کو سب سے بدترین گمراہی قرار دیا ہے، ارشاد ربانی ہے:

﴿وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗٓ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ﴾[2]

ترجمہ: اور اس شخص سے بڑا گمراہ کون ہوسکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ایسے لوگوں کو پکارے جو قیامت تک اس کی دعا قبول نہیں کر سکتے اور وہ ان کی دعا سے بالکل بے خبر ہیں۔

بزرگوں سے مرادیں مانگنا اور ان سے اپنی حاجات کے لئے دعائیں کرنا اس لئے بھی غلط ہے کہ دعا ایک اعلیٰ ترین عبادت ہے اور عبادت صرف اللہ ہی کی کی جاتی ہے، چناں چہ آں حضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

"اَلدُّعَآءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ"[3]

ترجمہ: دعا عبادت کا مغز ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے:

"اَلدُّعَآءُ هُوَ الْعِبَادَةُ ثُمَّ قَرَأَ ﴿وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ﴾"[4]

ترجمہ: دعا ہی اصل عبادت ہے، یہ ارشاد فرما کر آں حضرت ﷺ نے یہ آیت پڑھی جس کا ترجمہ یہ ہے: اور تمہارے رب نے فرمایا ہے کہ تم مجھ سے دعا کرو، میں تمہاری دعا سنوں گا۔

ایک حدیث میں آتا ہے:

"لَيْسَ شَيْءٌ أَكْرَمَ عَلَى اللّٰهِ مِنَ الدُّعَاءِ"[5]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا سے زیادہ کوئی چیز قابل قدر نہیں۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی ان احادیث کی شرح میں فرماتے ہیں: دعا افضل ترین عبادت اور عبادت

---

[1] سمیر المؤمنین: ۱۰۰، ۱۰۱، الفرج بعد الشدّة والضيقة: ۹۹/۳

[2] الاحقاف: ۵

[3] الترمذی، الدعوات، باب ماجاء فی فضل الدعاء: ۱۷۵/۲

[4] الترمذی، ابواب الدعوات باب ماجاء فی فضل الدعاء: ۱۷۵/۲

[5] الترمذی، الدعوات باب ماجاء فی فضل الدعاء: ۱۷۵/۲

کا مغز اس لئے ہے کہ عبادت کا خلاصہ ہے۔

''معبود کے سامنے انتہائی عجز و بے بسی اور خضوع و تذلل کا مظاہرہ کرنا'' اور یہ بات دعا میں کامل طور پر پائی جاتی ہے، اسی بنا پر دعا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سب عبادات سے زیادہ لائقِ قدر ہے۔[1]

بہرحال جب یہ معلوم ہوا کہ دعا نہ صرف عبادت ہے بل کہ عبادت کا مغز ہے اور خلاصہ ہے تو حق تعالیٰ کے سوا جس طرح کسی اور کی عبادت جائز نہیں، اسی طرح کسی بزرگ ہستی سے دعائیں کرنا اور مرادیں مانگنا بھی روا نہیں، اس لئے کہ یہ عبادت ہے اور عبادت صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔[2]

''اَلْمُجِيْبُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' وہ ذات ہے جو سب کی دعائیں اور پکار سننے والی ہے، اس سے اہتمام سے دعائیں مانگنے میں لگنا اور ہر مرحلے پر اسی سے لو لگا کر درحقیقت اُس کے سامنے ہی حاجات پیش کرنے میں لگنا ہوگا۔

دعا سے کوئی شخص مستغنی نہیں

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ فرماتے ہیں: نبی پاک ﷺ سب کو دعا والے بنا کر گئے۔ یہ بھی نہیں کہ بزرگوں کے ہوتے ہوئے ہم کیا دعا مانگیں۔ سارے صحابہ رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُمْ کے ہوتے ہوئے تابعی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ دعا مانگتے ہیں اور ان کی دعا پر سواری زندہ ہوتی ہے۔ یوں نہیں دیا گیا یہ راستہ کہ بعض دعا والے بن جائیں، بعض بن جائیں شیطان، جب ان پر مصیبت آجائے تو وہ دعا والوں کے پاس چلے جائیں۔ حضور ﷺ یہ راستہ دے کر نہیں گئے۔ نہ عالموں کو عوام پر چھوڑا، نہ حاکم کو محکوم پر، نہ محکوم کو حاکم پر چھوڑا ہے۔ تم ذرا تصور کرو اس زندگی کا کہ کوئی کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلاتا، کسی کی چیز پر نگاہ نہیں رکھتا، کوئی کسی سے کسی چیز کا لالچ نہیں رکھتا۔ ہر ایک کی زندگی مستقل بن رہی ہے چیزوں پر موقوف نہیں۔ ۲۴ گھنٹے کی زندگی کو حضرت محمد ﷺ کے طریقوں پر گزار لو، ان کے طریقے اپنانے سے پیسہ گھٹے تو گھٹنے دو، کیوں کہ پیسے کے راستے سے دعا قبول نہیں ہوگی، آپ ﷺ کے راستے سے دعا قبول ہوگی، تو صالح بن، تو ولی بن، تو دعا والا بن۔

قرآن و حدیث پر عمل کر و ولی بنے گا، اگر آج یہ قرآن و حدیث پر عمل کرلیں ولی ہو جائیں گے۔ حضور ﷺ چشمہ ہیں۔ ساری ولایتیں اسی سمندر سے پھوٹ رہی ہیں۔ کوئی آدمی ایسا نہیں جو حضور ﷺ سے کٹ کر ولی بن گیا ہو۔ جو ولی بنا ہے تو حضور ﷺ کے ساتھ بندھ کر ولی بنا ہے۔ تم خوش بودار پھول بن کر، چمک دار سورج بن کر، سخاوت کے ساتھ بہنے والا سمندر بن کر ان کے سامنے آؤ (یہ ساری دنیا والے) ہر چیز کو چھوڑ کر تمہاری طرف آجائیں گے۔ دوسری بات یہ ہے کہ تو خود دین کے پھیلانے کی محنت کر کے دعا والا بن، دعا جتنی فکر سے تو اپنے لئے مانگتا ہے اتنی

---

[1] حاشیۃ مشکوٰۃ: حاشیہ نمبر ۱۲، ۱۹۴

[2] اختلاف امت اور صراط مستقیم: ۵۸، ۵۹

فکر سے دوسرا نہیں مانگ سکتا۔ دیکھو!

"اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْعَالِمَ" نہیں کہا۔

"اَمَّنْ يُّجِيْبُ الذَّاكِرَ" نہیں کہا۔

"اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ"[1] کہا کہ وہ بے قرار کی دعا قبول کرتا ہے۔

تیرا ایک عمل تو یہی ہوگا کہ سیکھ دعائیں۔ دعا والا بن، خود اپنے لئے بھی دعا کر اور دوسروں کے لئے بھی دعا کر۔

تیسری بات یہ کہ عمل کا جائزہ لیتے رہو، کوئی عمل ایسا نہ ہو کہ دعا پر زد پڑے یعنی کوئی ایسا گناہ نہ ہو جو دعا کی قبولیت میں مانع ہو جائے۔ ہم مسلمانوں پر لازم ہے کہ بزرگانِ دین جن حقائق کی طرف ہماری توجہ دلا رہے ہیں اور خدائے پاک سے گڑگڑا کر، لو لگا کر مانگنے سیکھنے سکھانے اور اعمال کو سنت کے دائرے میں رکھنے پر زور دے رہے ہیں۔ ہم ان ہدایات پر عمل کر کے اپنی دنیا اور آخرت بنائیں۔ وہ "المجیب جل جلالہ" جو سب کی پکار اور دعائیں سنتا اور قبول کرتا ہے ہم ہر حال میں اسی کو اپنی حاجات میں پکاریں، اس کے در سے مایوس نہ ہوں۔ اُس کے غیر کے پاس اپنی حاجتیں لے کر نہ جائیں۔[2]

جناب دکتور ناصر فرماتے ہیں:

ہر انسان کے ساتھ اللہ ربُّ العزت کا کوئی نہ کوئی ایسا معاملہ ضرور ہوتا ہے جس میں اللہ ربُّ العزت بندے کے کسی غم کو ہلکا فرماتے ہیں یا تکلیف کو زائل فرماتے ہیں یا ضرر اور نقصان سے بچاتے ہیں یا خطرے کو ٹال دیتے ہیں یا مطلوب ومحبوب چیز کا حصول آسان فرما دیتے ہیں، بے شک اس کا دروازہ کھلا ہے اور اس کی عطائیں بے حساب ہیں...... اس کا احسان بہت بڑا ہے...... اس کی سخاوت بے پناہ ہے...... کتنی ہی ضروریات اللہ ربُّ العزت کے یہاں سے پوری کر دی گئیں اور دعائیں قبول کر لی گئیں اور برکتیں نازل کر دی گئیں اور رحمتوں نے ڈھانپ لیا، وسعت حاصل ہوگئی اور گناہ بخش دیئے گئے، خطائیں مٹا دی گئیں، توبہ قبول کر لی گئی، سزا زائل کر دی گئی، مشقت کو دور کر دیا گیا، عطایا کے دروازے کھول دیئے گئے (کوششیں بارآور ہوگئیں) یہ سب کچھ ان لوگوں کے لئے ہے جو اس ذات کو پکارتے ہیں جو "المجیب جل جلالہ" ہے اور اسی کی پناہ طلب کرتے ہیں۔

مؤمن بندے کے لئے ضروری ہے کہ وہ کثرت سے دعائیں کرے اور ہر وقت آسمان وزمین کے پروردگار سے التجا کرتا رہے۔[3]

---

[1] النّمل: ٦٢ [2] بیان (مولانا محمد یوسف کاندھلوی)

[3] مَامِنْ إِنْسَانٍ إِلَّا وَلَهٗ تَجْرِبَةٌ مَعَ اللّٰهِ جَلَّ وَعَلَا فِي تَفْرِيْجِ هَمٍّ، أَوْ تَنْفِيْسِ كُرْبَةٍ، أَوْ دَفْعِ ضَرَرٍ، أَوْ مَنْعِ خَطَرٍ، أَوْ نَيْلِ مَحْبُوْبٍ، أَوْ حُصُوْلِ مَطْلُوْبٍ، فَإِنَّ بَابَهٗ مَفْتُوْحٌ، وَعَطَائَهٗ مَمْنُوْحٌ، وَكَرَمَهٗ عَظِيْمٌ، وَجُوْدَهٗ كَبِيْرٌ. فَكَمْ مِنْ حَاجَةٍ قُضِيَتْ، وَمِنْ دَعْوَةٍ قُبِلَتْ، وَمِنْ بَرَكَةٍ تُدِلَّتْ، وَرَحْمَةٍ غَشِيَتْ وَنَفْحَةٍ نِيْلَتْ، وَخَطِيْئَةٍ غُفِرَتْ، وَزَلَّةٍ مُحِيَتْ، وَتَوْبَةٍ قُبِلَتْ، وَعَقَبَةٍ أُزِيْلَتْ، وَمَحْنَةٍ أُزِيْحَتْ، =

ہر مصیبت کے وقت ہم اللہ کو پکارتے ہیں اور مصیبت دور ہو جانے کے بعد اسے بھول جاتے ہیں، اس دعا کی قبولیت کی ہم کیسے امید رکھیں کہ جس کی قبولیت کے راستوں کو ہم نے گناہوں سے بند کر رکھا ہے۔

دعا کو قبولیت سے روکنے والی چیزیں:

❶ دعا کرتے وقت اللہ تعالیٰ کی جانب صدقِ دل سے توجہ کا نہ ہونا۔

ابنِ بطال رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: ''دعا کرنے والے کو چاہئے کہ دعا کرنے میں خوب کوشش کرے اور دعا کرنے کے بعد دعا کی قبولیت کے بارے میں پر امید رہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، کیوں کہ وہ ایک کریم ذات سے مانگ رہا ہے (اور کریم کے در سے کوئی خالی ہاتھ نہیں لوٹتا)۔''[1]

❷ آپ ﷺ پر درود شریف کا نہ پڑھنا یہ بھی قبولیت دعا کے لئے مانع ہے۔

حضرت عمر بن خطاب رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں: ''دعا آسمان و زمین کے درمیان موقوف رہتی ہے اور آگے نہیں بڑھ پاتی جب تک کہ آپ ﷺ پر درود نہ پڑھا جائے۔'' یعنی اگر ہم چاہیں کہ ہماری دعائیں قبول ہوں تو اپنی دعاؤں میں درود شریف پڑھنے کا اہتمام کریں۔[2]

❸ دعا کی قبولیت کے بارے میں بے صبری کا مظاہرہ کرنا یہ بھی قبولیتِ دعا کے لئے مانع ہے۔

آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ''تمہاری دعا قبول کی جاتی ہے جب تک کہ تم جلدی نہ کرو'' یعنی یوں نہ کہو ''میں نے تو دعا کی تھی اب تک قبول ہی نہیں ہوئی۔''[3]

= وَمَنْحَةٍ أُثْمِرَتْ. لِدَاعِينَ دَعَوَارَبَّهُمْ، وَأُنَاسٍ لَجَؤُوْا إِلٰى خَالِقِهِمْ؟

إِنَّ عَلَى الْمُؤْمِنِ أَنْ يُكْثِرَ الدُّعَاءَ، وَيَلْجَأَ إِلٰى رَبِّ الْأَرْضِ وَالسَّمَاءِ فِيْ كُلِّ أَوْقَاتِهِ وَفِيْ جَمِيْعِ أَحْيَانِهِ.

نَحْنُ نَدْعُو الْإِلٰهَ فِيْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ نَنْسَاهُ عِنْدَ كَشْفِ الْكُرُوْبِ
كَيْفَ نَرْجُوْا إِجَابَةً لِدُعَاءٍ قَدْ سَدَدْنَا طُرُقَهَا بِالذُّنُوْبِ

(اللّٰہ ...... اهل الثناء و المجد: ٢٥٥)

[1] مِنْ مَوَانِعِ الإِجَابَةِ:

❶ عَدَمُ الإِقْبَالِ عَلَى اللّٰهِ بِصِدْقٍ وَالتَّوَجُّهِ إِلَيْهِ فِيْ عَزِيْمَةٍ.

وَيَقُوْلُ ابْنُ بَطَّالٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ: "يَنْبَغِيْ لِلدَّاعِيْ أَنْ يَجْتَهِدَ فِي الدُّعَاءِ وَيَكُوْنَ عَلٰى رَجَاءِ الإِجَابَةِ، وَلَا يَقْنَطَ مِنَ الرَّحْمَةِ، فَإِنَّهُ يَدْعُوْ كَرِيْماً.

[2] ❷ عَدَمُ الصَّلَاةِ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: "إِنَّ الدُّعَاءَ مَوْقُوْفٌ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَا يَصْعَدُ مِنْهُ شَيْءٌ حَتّٰى تُصَلِّيَ عَلٰى نَبِيِّكَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ" (كنزالعمال: ١١٧/٢، رقم: ٣٩٨١)

[3] ❸ اِسْتِعْجَالُ الإِجَابَةِ، يَقُوْلُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "يُسْتَجَابُ لِأَحَدِكُمْ مَالَمْ يُعَجِّلْ يَقُوْلُ: دَعَوْتُ رَبِّيْ فَلَمْ يَسْتَجِبْ لِيْ." (مسلم، الذكر والدعاء، باب بيان انه يستجاب...... رقم: ٦٩٣٥)

❹ حرام کھانا، حرام پینا، حرام پہننا، دعاؤں کی عدمِ قبولیت کے اسباب میں سے یہ سب سے اہم اسباب ہیں اور ہوسکتا ہے کہ لوگوں کی دعائیں قبول نہ ہونے کی بڑی وجہ یہی ہو، حالاں کہ لوگ اکلِ حرام (جرائم) کا ارتکاب کرنے کے باوجود کہتے ہیں "ہماری دعا قبول نہیں ہوتی۔"[1]

❺ "اَمْرٌ بِالْمَعْرُوْف" اور "نَہِیْ عَنِ الْمُنْکَر" کا ترک کرنا بھی قبولیتِ دعا کے لئے رکاوٹ ہے اور جو "اَمْرٌ بِالْمَعْرُوْف" اور "نَہِیْ عَنِ الْمُنْکَر" نہ کرے اس کی دعا قبول بھی کیسے ہوسکتی ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی عائد کردہ پابندیوں کے ٹوٹنے پر اسے غصہ نہیں آتا اور برائیاں ظاہر ہونے پر وہ نکیر نہیں کرتا، جس قدر اللہ تعالیٰ کی محبت ہوگی اسی قدر اللہ تعالیٰ کے احکامات ٹوٹنے پر دینی غیرت کی وجہ سے غم ہوگا۔

آپ ﷺ نے فرمایا: "اے لوگو! اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "اَمْرٌ بِالْمَعْرُوْف" اور "نَہِیْ عَنِ الْمُنْکَر" کرتے رہو قبل اس کے کہ تم دعا مانگو میں قبول نہ کروں اور تم مجھ سے مدد مانگو میں مدد نہ کروں اور تم مجھ سے سوال کرو اور میں پورا نہ کروں۔"[2]

لہٰذا معلوم ہوا کہ جو قوم بھی "اَمْرٌ بِالْمَعْرُوْف" اور "نَہِیْ عَنِ الْمُنْکَر" کے فریضے کو چھوڑ دیتی ہے ان کے اعمال آسمانوں تک نہیں جاتے اور نہ ان کی دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ لہٰذا نیکیوں کو پھیلانے اور برائیوں کو روکنے کی محنت ہر ایک کو کرنی چاہئے۔

دعاؤں کی قبولیت کے لئے معاملات درست ہونے چاہئیں

وَاقِعَۃٌ نَمْبَر ⑧⑦: سفیان ثوری رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ بنی اسرائیل سات سال قحط میں رہے یہاں تک کہ وہ مردار اور حرام کھانے پر مجبور ہوگئے اور بچے کھانے لگے، وہ اسی حالت میں گریہ وزاری کرتے اور پہاڑوں اور جنگلوں میں نکل جاتے اور روتے رہتے تھے اور دعائیں مانگتے رہتے تھے، لیکن ساتھ ساتھ لوگوں پر ظلم بھی

---

[1] ❹ وَهُوَ مِنْ أَهَمِّ الْأَسْبَابِ: أَكْلُ الْحَرَامِ أَوْ شُرْبُ الْحَرَامِ أَوْ لُبْسُ الْحَرَامِ، فَإِنَّ هٰذِهِ مِنْ أَقْوٰى مَوَانِعِ الْإِجَابَةِ، وَلَعَلَّهَا السِّرُّ الْأَكْبَرُ فِي عَدَمِ قُبُوْلِ دَعَوَاتِ النَّاسِ، وَمَعَ ذٰلِكَ يَقُوْلُ أَحَدُهُمْ دَعَوْتُ فَلَمْ يَسْتَجِبْ لِي.

[2] ❺ تَرْكُ الْأَمْرِ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّهْيِ عَنِ الْمُنْكَرِ: كَيْفَ يُسْتَجَابُ الدُّعَاءُ لِمَنْ لَّمْ يَأْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَلَمْ يَنْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ؟ كَيْفَ يَقْبَلُ اللّٰهُ تَعَالٰى مَنْ لَّمْ يَغْضَبْ لِحُرُمَاتِهِ إِذَا انْتُهِكَتْ وَيُنْكِرِ الْمَعَاصِيَ إِذَا ظَهَرَتْ؟ بِقَدْرِ حُبِّكَ لِلّٰهِ وَغَيْرَتِكَ عَلٰى شَرْعِهِ، بِقَدْرِ قُبُوْلِهِ لَكَ وَرِضَاهُ عَنْكَ وَ إِجَابَتِهِ لِدَعْوَتِكَ.

وَقَدْ رُوِيَ عَنْهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَوْلُهُ: "يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ يَقُوْلُ: مُرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَدْعُوْنِي فَلَا أُجِيْبُكُمْ، وَتَسْأَلُوْنِي فَلَا أُعْطِيَكُمْ وَتَسْتَنْصِرُوْنِي فَلَا أَنْصُرُكُمْ، مسند احمد: ۱۵۹/۶، رقم: ۲٤۷۲۷"، "وَمَا تَرَكَ قَوْمٌ الْأَمْرَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّهْيَ عَنِ الْمُنْكَرِ إِلَّا لَمْ تُرْفَعْ أَعْمَالُهُمْ وَلَمْ يُسْتَجَبْ لِدُعَائِهِمْ"

کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس وقت کے نبی عَلَیْہِ السَّلَام کی جانب وحی بھیجی کہ ان سے کہہ دیں کہ اگر تم اپنے قدموں سے میرے پاس چل کر آؤ حتیٰ کہ تمہارے گھٹنے بھی گھس جائیں اور تمہارے ہاتھ آسمان تک پہنچ جائیں اور تمہاری زبانیں دعائیں کرتے کرتے تھک جائیں تب بھی میں تمہارے کسی پکارنے والے کی پکار کا جواب نہ دوں گا اور نہ ہی کسی رونے والے پر رحم کروں گا یہاں تک کہ تم حق والوں کا حق انہیں لوٹا دو۔ سو انہوں نے ایسا ہی کیا لوگوں کے مال جو ظلم سے لئے ہوئے تھے وہ واپس کیے، حق والوں کو حق دیا اور جن کے دل دکھائے تھے اُن سے معافی مانگ لی تو اسی دن ان پر بارش برسادی گئی۔[1]

مناجات

اللہ تعالیٰ سے راز ہی راز میں سرگوشی کرنا مناجات کہلاتا ہے، ایسی کیفیت میں اللہ تعالیٰ بھی بندے سے بہت خوش ہوتے ہیں۔ راتوں کو جب اس ذاتِ عالی سے اپنے تعلق استوار کریں تو گاہ گاہ ان مناجات کو بھی دربارِ عالی میں ضرور پیش کریں جن کا ترجمہ یہ ہے:

ترجمہ: اے وہ کہ دل کی باتوں کو دیکھتا اور سنتا ہے، تو ہی پوری کرنے والا ہے ہر امید کو، اے وہ کہ تمام مشکلات کے لئے اس سے امید کی جاتی ہے، اے وہ کہ اسی کے پاس شکایت کی جاتی ہے اور وہی ملجا ہے۔

اے وہ کہ تمام رزق کے خزانے اس کے لفظِ "کُنْ" میں ہیں، فضل کر اس لئے کہ تمام بھلائی تیرے ہی پاس ہے۔

میرے پاس تیری طرف سوائے محتاجگی کے کوئی وسیلہ نہیں، پس محض اپنی محتاجگی کے ذریعہ سے اپنی حاجت پوری کرنا چاہتا ہوں۔

میرے پاس تیرے در کے کھٹکھٹانے کے سوا کوئی حیلہ نہیں، پس اگر تو نے واپس کر دیا تو پھر کس کا دروازہ کھٹکھٹاؤں۔

اور کون ہے کہ جس کے نام کو پکاروں اور وسیلہ کروں، اگر تیرا فضل تیرے فقیر کو نہ ملا۔

کبھی تیرے فضل سے گنہگار ناامید نہیں ہوسکتا، تیرا فضل بے حساب ہے اور بخشش تیری وسیع ہے۔

---

[1] ❻ عَدَمُ رَدِّ الْمَظَالِمِ إِلٰى أَهْلِهَا، يَقُوْلُ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ: "بَلَغَنِيْ أَنَّ بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ قُحِطُوْا سَبْعَ سِنِيْنَ حَتّٰى أَكَلُوا الْمَيْتَةَ مِنَ الْمَزَابِلِ وَأَكَلُوا الْأَطْفَالَ، وَكَانُوْا كَذٰلِكَ يَخْرُجُوْنَ إِلَى الْجِبَالِ يَبْكُوْنَ وَيَتَضَرَّعُوْنَ.

فَأَوْحَى اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ إِلٰى أَنْبِيَائِهِمْ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ لَوْ مَشَيْتُمْ إِلَيَّ بِأَقْدَامِكُمْ حَتّٰى تَحْفٰى رُكَبُكُمْ وَتَبْلُغَ أَيْدِيْكُمْ عَنَانَ السَّمَاءِ وَتَكِلَّ أَلْسِنَتُكُمْ عَنِ الدُّعَاءِ فَإِنِّيْ لَا أُجِيْبُ لَكُمْ دَاعِياً، وَلَا أَرْحَمُ لَكُمْ بَاكِياً حَتّٰى تَرُدُّوا الْمَظَالِمَ إِلٰى أَهْلِهَا، فَفَعَلُوْا فَمُطِرُوْا مِنْ يَوْمِهِمْ. (اللّٰه ...... اهل الثناء والمجد: ۲۵۵ تا ۲۵۷)

پھر صلوٰۃ اور سلام ہو نبی اور اس کی آل پر، جو کہ بہترین خلائق ہیں اور اُن ہی کی شفاعت طلب کی جاتی ہے۔[1]

یہ مناجات عربی اشعار کا ترجمہ ہے، اس دعا کو ایمان بڑھانے کے لئے کبھی کبھی ضرور مانگنی چاہئے، اس کے معانی کا استحضار معرفتِ الٰہی بڑھانے میں مفید و معاون ہوگا۔ اور کوشش یہ کریں کہ ہر دعا عربی میں مانگیں، کیوں کہ عربی میں دعا مانگنا بہتر اور افضل ہے، جو عربی نہ پڑھ سکے تو اسے چاہئے کہ وہ اپنی زبان میں دعا مانگے۔ اور اپنی اولاد کو عربی زبان سے محروم نہ رکھے۔

فوائد و نصائح

''اَلْمُجِیْبُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' سے مانگنے کے لئے اور اپنی دعاؤں کو قبول کروانے کے لئے چھوٹے بڑے گناہوں سے بچنے کا بہت اہتمام کرنا چاہئے اور ان وظائف کو پڑھ کر مانگنا بہت مفید ہے۔

[1]

يَا مَنْ يَرٰى مَا فِي الضَّمِيْرِ وَيَسْمَعُ ۔۔۔ اَنْتَ الْمُعِدُّ لِكُلِّ مَا يُتَوَقَّعُ

يَا مَنْ يُرَجّٰى فِي الشَّدَائِدِ كُلِّهَا ۔۔۔ يَا مَنْ اِلَيْهِ الْمُشْتَكٰى وَالْمَفْزَعُ

يَا مَنْ خَزَائِنُ رِزْقِهٖ فِي قَوْلِ كُنْ ۔۔۔ اُمْنُنْ فَاِنَّ الْخَيْرَ عِنْدَكَ اَجْمَعُ

مَالِيْ سِوَا فَقْرِيْ اِلَيْكَ وَسِيْلَةٌ ۔۔۔ فَبِالْاِفْتِقَارِ اِلَيْكَ فَقْرِيْ اَدْفَعُ

مَالِيْ سِوَا قَرْعِيْ لِبَابِكَ حِيْلَةٌ ۔۔۔ فَلَئِنْ رَدَدْتَّ فَاَيُّ بَابٍ اَقْرَعُ

وَمَنِ الَّذِيْ اَدْعُوْ وَاَهْتِفُ بِاسْمِهٖ ۔۔۔ اِنْ كَانَ فَضْلُكَ عَنْ فَقِيْرِكَ يُمْنَعُ

حَاشَا لِجُوْدِكَ اَنْ تُقَنِّطَ عَاصِيًا ۔۔۔ اَلْفَضْلُ اَجْزَلُ وَالْمَوَاهِبُ اَوْسَعُ

ثُمَّ الصَّلٰوةُ عَلَى النَّبِيِّ وَاٰلِهٖ ۔۔۔ خَيْرِ الْاَنَامِ وَمَنْ بِهٖ يُتَشَفَّعُ

(حیوۃ الحیوان: ۱/۱۷۶)

ترجمہ

① اے وہ ذات جو دلوں کی باتوں کو دیکھتا اور سنتا ہے تو ہی ہے جو متوقع چیزوں کو مہیا کر سکتا ہے۔

② اے وہ ذات جس سے مصیبت میں امید باندھی جاتی ہے۔ اے وہ ذات جس کے دربار میں پریشان و خوف زدہ پناہ لیتے ہیں۔

③ اے وہ ذات جس کے قول کن (ہو جا) میں رزق کے خزانے موجود ہیں، آپ احسان کیجئے اس لئے کہ تمام بھلائیاں آپ کے پاس ہیں۔

④ میرے پاس آپ کی خدمت کے لئے فقر و فاقہ کے سوا کوئی وسیلہ نہیں، پس میں تو اپنے فقر کو آپ کی محتاجی کی وجہ سے دور کرتا ہوں۔

⑤ میرے پاس آپ کا دروازہ کھٹکھٹانے کے سوا کوئی بھی حیلہ نہیں۔ اگر آپ نے مجھے لوٹا دیا تو پھر کون ہے جس کے دروازے پر میں آواز لگاؤں گا۔

⑥ اگر آپ کا فضل اس فقیر پر نہ ہو تو اور کون ہے جس کا نام لے کر میں پکاروں اور آواز دوں؟

⑦ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا کہ آپ کی سخا سے کوئی گناہ گار مایوس ہو جائے، پس آپ کا فضل و کرم بہت ہے اور آپ کی نعمتیں بہت زیادہ ہیں۔

⑧ پھر رحمت نازل ہو ایسے نبی پر جو لوگوں میں سب سے بہتر ہیں اور جن کی شفاعت قبول کی جائے گی اور ان کی آل پر بھی رحمت نازل ہو۔

❶ اس اسم سے تخلق (تعلق) حاصل کرنے والوں کو لازم ہے کہ جب موقع ملے تب ہی دل کھول کر یا ہاتھ اُٹھا کر پوری توجہ، پوری رغبت سے اور پورے یقینِ قبولیت سے دعا کیا کریں، نامنظوری یا عدمِ قبولیت کا وہم بھی دل میں نہ آنے دیں۔[1]

اس لئے کہ مجیب وہ ذات ہے:

اَلَّذِیْ یُجِیْبُ الْمُضْطَرِّیْنَ، وَلَا یَخِیْبُ لَدَیْهِ اٰمَالُ الطَّالِبِیْنَ۔[2]

ترجمہ: جو بے قراروں کی دعائیں قبول کرتا ہے اور اس کے دربار سے طالبین اور سائلین نامراد نہیں لوٹتے۔

دعا قبول کروانے کا بہترین مستند نبوی نسخہ

❷ کم از کم چالیس دن تک اس نسخے پر عمل کر کے دیکھئے اِنْ شَاءَ اللّٰہُ تَعَالٰی آپ کی تمام پریشانیاں کافور ہو جائیں گی۔ دلی سکون حاصل ہوگا، گھبراہٹ، پریشانی دور ہو جائے گی، وحشت سکون سے تبدیل ہو جائے گی۔

پانچوں وقت کی نمازیں خشوع وخضوع اور اطمینان کے ساتھ پڑھنا نصیب ہوں گی اور دعائیں قبول ہوں گی۔

وہ عمل یہ ہے کہ اذان کا ادب کریں، اذان جب ہو تو خاموشی سے سنیں، اور پھر اذان کا جواب زبان سے بھی دیں، اور قدم سے بھی دیں، اذان کے بعد صرف اور صرف نماز کی تیاری کریں اس کی دلیل یہ ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

جو شخص مصیبت یا سختی میں مبتلا ہو اسے چاہئے کہ مؤذن کا منتظر رہے، جب وہ اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہے تو یہ بھی اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہے اور جب وہ أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ کہے تو یہ بھی کہے أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ اور جب وہ حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ کہے تو یہ بھی اسی طرح کہے۔ پھر یہ دعا مانگیں:

"اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ الصَّادِقَةِ الْمُسْتَجَابِ لَهَا دَعْوَةِ الْحَقِّ وَكَلِمَةِ التَّقْوٰى اَحْيِنَا عَلَيْهَا وَاَمِتْنَا عَلَيْهَا وَابْعَثْنَا عَلَيْهَا وَاجْعَلْنَا مِنْ خِيَارِ اَهْلِهَا اَحْيَاءً وَّاَمْوَاتًا۔"

ترجمہ: اے اللہ! اس سچی پکار کو قبول کرنے والے، حق کی دعوت کے رب اور کلمۂ تقویٰ کے رب ہمیں اسی دعوتِ حق پر زندہ رکھ اور اسی پر موت عطا فرما اور اسی دعوت پر ہمیں روزِ قیامت اُٹھا اور ہمیں زندہ ومردہ اس دعوت کے بہترین اہل میں سے بنا۔

پھر اس کے بعد اپنی حاجت مانگے۔ اذان اور اقامت کے درمیان دعا ضرور قبول ہوتی ہے۔ اس عمل کے بعد عافیت کی یہ دعا مانگیں:

---

[1] شرح اسماء الحسنیٰ للمنصورپوری: ۹۹ [2] شرح اسماء الحسنیٰ للرازی: ۲۸۲

"اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِیَةَ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ."

تَرْجَمَۃ: اے اللہ! میں آپ سے دنیا و آخرت میں درگزر اور عافیت کا سوال کرتا ہوں۔ [1]

۴ ہر مؤمن بندہ کو چاہئے کہ اپنے یقین کو بھی پختہ کرے کہ "اَلْمُجِیْبُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کے سوا کوئی مشکل کشا، غوث، علم غیب جاننے والا، حاضر ناظر نہیں اور نہ ہی کسی کی معمولی سی ضرورت کو پورا کر سکتا ہے۔ یہی دعوت لوگوں کو بھی دے کہ جس پیر صاحب فقیر، عامل، جوتشی کی اپنی کوئی اولاد نہیں وہ دوسرے کو کیسے اولاد دے گا، جس کی اپنی دکان چھپر والی ہے وہ دوسرے کے کاروبار کو کیسے نفع والا بنائے گا اس لئے کہ دعائیں قبول کرنے والا حاجات پوری کرنے والا صرف "اَلْمُجِیْبُ جَلَّ جَلَالُہٗ" ہی ہے اور کوئی نہیں۔

---

[1] مَنْ نَزَلَ بِهٖ كَرْبٌ أَوْ شِدَّةٌ فَلْيَتَحَيَّنِ الْمُنَادِيَ فَإِذَا كَبَّرَ كَبَّرَ وَ إِذَا تَشَهَّدَ تَشَهَّدَ وَ إِذَا قَالَ: حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ قَالَ: حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ وَ إِذَا قَالَ: حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ قَالَ: حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ ثُمَّ يَقُوْلُ: اللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ الصَّادِقَةِ الْمُسْتَجَابِ لَهَا دَعْوَةِ الْحَقِّ وَكَلِمَةِ التَّقْوٰى أَحْيِنَا عَلَيْهَا وَأَمِتْنَا عَلَيْهَا وَابْعَثْنَا عَلَيْهَا وَاجْعَلْنَا مِنْ خِيَارِ أَهْلِهَا أَحْيَاءً وَّأَمْوَاتًا ثُمَّ يَسْئَلُ اللّٰهَ حَاجَتَهٗ.

وَالدُّعَآءُ بَيْنَ الْأَذَانِ وَالْإِقَامَةِ لَا يُرَدُّ فَادْعُوْا فَاسْئَلُوا اللّٰهَ الْعَافِيَةَ فِي الدُّنْيَا وَالْأٰخِرَةِ (المستدرك: كتاب الدعاء: ۷۴۱/۱، رقم: ۲۰۵۶).

اَلْوَاسِعُ جَلَّ جَلَالُہٗ

(وُسعت وکشادگی والا)

اس اسم مبارک کے تحت چھ تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

❶ اَلْوَاسِعُ: هُوَ الْغَنِيُّ الَّذِي وَسِعَ غِنَاهُ مَفَاقِرَ عِبَادِهِ، وَوَسِعَ رِزْقُهُ جَمِيْعَ خَلْقِهِ.[1]

تَرْجَمَۃ: امام خطابی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: "اَلْوَاسِعُ جَلَّ جَلَالُہٗ" وہ غنی ذات ہے جس کی سخاوت اس کے محتاج بندوں کے لئے کافی ہے اور اس کا رزق تمام مخلوقات کے لئے وسیع ہے۔

❷ امام حلیمی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: "اَلْوَاسِعُ" سے مراد وہ ذات ہے کہ تمام چیزیں اس کے قبضۂ قدرت اور اس کے علم میں ہوں۔ اپنے فضل اور اپنی رحمت کو پھیلانے والا ہو اور یہ چیز اس کو تمام نقص اور عیبوں سے پاک کرتی ہے اور یہ بات اس کی دلیل ہے کہ اس کو کوئی چیز عاجز نہیں کر سکتی اور کوئی چیز اس سے چھپی ہوئی نہیں ہے۔ اس کی رحمت نے ہر چیز کو ڈھانپ رکھا ہے۔[2]

اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی واسعِ مطلق ہے۔ اس لئے کہ اگر اس کے علم کی طرف دیکھا جائے تو اس کے علم کے سمندر کا کوئی کنارہ نہیں ہے...... بل کہ سمندر بھی ختم ہو جائیں اگر اس کی تعریفات کو لکھا جائے...... اگر اس کے احسان اور نعمتوں کی طرف دیکھا جائے تو اس کی نعمتوں کی کوئی حد نہیں...... اس کی نعمتوں کو کوئی شمار نہیں کر سکتا...... حالاں کہ ہر وسیع چیز چاہے کتنی ہی بڑی ہو، ایک حد کے بعد ختم ہو جاتی ہے اور جس ذات کی معلومات، قدرت اور وُسعت کی کوئی حد ہی نہ ہو تو وہی ذات "اَلْوَاسِعُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کہلانے کے لائق ہے۔ اس لئے کہ ہر چیز کا اگر مقابلہ کیا جائے تو وہ اپنے سے بڑی چیز کے سامنے تنگ ہے اور ہر وُسعت کی ایک حد ہے اور اس حد پر زیادتی کا تصور بھی کیا جاتا ہے۔ جب کہ اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے کہ نہ اس کی کوئی حد ہے اور نہ اس کی کوئی انتہا ہے اور نہ ہی اس پر زیادتی کا کوئی تصور ہے۔[3]

---

[1] شان الدعاء: ۷۲

[2] قَالَ الْحَلِيْمِيُّ: (اَلْوَاسِعُ): وَمَعْنَاهُ الْكَثِيْرُ مَقْدُوْرَاتُهُ وَمَعْلُوْمَاتُهُ، الْمُنْبَسِطُ فَضْلُهُ وَرَحْمَتُهُ، وَهٰذَا تَنْزِيْهٌ لَهُ مِنَ النَّقْصِ وَالْعِلَّةِ، وَاعْتِرَافٌ لَهُ بِأَنَّهُ لَا يُعْجِزُهُ شَيْءٌ وَلَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ وَرَحْمَتُهُ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ. (المنهاج: ۱۹۸/۱، كلّها نقلًا عن النهج الاسمٰى: ۴۰۳/۱)

[3] المقصد الاسنىٰ: ۷۵

مخلوقات کی وسعت ایک حد پر جا کر ختم ہو جاتی ہے مثلاً:

فرشتہ کی طاقت بہت بڑی ہے، ایک فرشتہ وہ کام کر سکتا ہے جو لاکھوں آدمی انجام نہیں دے سکتے، لیکن ہر فرشتے کی قوت اور اس کی عملی مصروفیات اسی دائرہ میں محدود کر دی گئیں جس کے لئے وہ نامور ہے، مثال کے طور پر سمجھ لیجئے کہ مَلَکُ الْمَوْت لاکھوں انسانوں کی جان ایک آن میں نکال سکتا ہے، مگر مادہ کے پیٹ میں موجود بچے کے اندر جان نہیں ڈال سکتا۔

حضرت جبرئیل چشم زدن میں وحی لا سکتے ہیں، لیکن پانی برسانا ان کا کام نہیں، اسی طرح انسان کی قوتیں محدود ہیں، کان لاکھوں آوازیں تو سن سکتا ہے، لیکن وہ ایک چیز کو بھی دیکھ نہیں سکتا، آنکھیں بے شمار چیزوں کو دیکھ کر نہیں تھکیں گی، لیکن وہ ایک آواز بھی سننے پر قادر نہیں۔[1]

۳ حضرت ابوعبیدہ معمر بن المثنی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: آیت ﴿إِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيمٌ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسا سخی ہے جو سوال کو پورا کرنے کی طاقت رکھتا ہے۔ (اس کی سخاوت کی وسعت ہر سائل کے سوال کو پورا کر سکتی ہے)۔[2]

۴ حضرت ابن جریر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے اپنی تعریف واسع کی صفت سے کی ہے کہ اس نے اپنی کفایت فضل واحسان، تدبیر اور سخاوت کو اپنی تمام مخلوقات کے لئے وسیع کر دیا ہے۔[3]

یہ بھی کہا گیا ہے کہ ''الواسع جل جلالہ'' وہ ذات ہے جس نے اپنے رزق کو اپنی تمام مخلوقات کے لئے پھیلا دیا ہے اور کوئی بھی ایسی مخلوق نہیں ہے جو اس کے دیئے ہوئے رزق سے نہ کھاتی ہو اور کوئی اس بات پر بھی قادر نہیں ہے اور نہ ہی کسی کے لئے ممکن ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ رزق کو چھوڑ کر کسی اور سے اپنی ضرورت پوری کر لے، کیوں کہ رزق دینے والی ایک ہی ذات ہے۔

وَاقِعَۂ نمبر ۸۸: ۵ حضرت سلیمان عَلَیْہِ السَّلَام کو اللہ تعالیٰ نے بے شمار نعمتیں عطا کر رکھی تھیں۔ ایک مرتبہ اللہ سے عرض کیا: اے اللہ! مجھے تمام مخلوقات کی ایک سال کی میزبانی کی اجازت دے دیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ تمہارے لئے ممکن نہیں ہو سکے گا۔ تو پھر حضرت سلیمان عَلَیْہِ السَّلَام نے ایک ہفتہ کی اجازت چاہی تو دوبارہ وہی جواب ملا۔

آخر ایک دن کی میزبانی کی اجازت مل گئی، حضرت سلیمان عَلَیْہِ السَّلَام نے تمام جن وانس کو پوری دنیا کے جانور، مال

---

[1] معارف القرآن للشیخ کاندھلوی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی: ۲۹٤/۸

[2] قَالَ أَبُوْ عُبَيْدَةَ مَعْمَرُ بْنُ الْمُثَنّٰى: ﴿إِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيمٌ﴾ (البقرة: ۱۱۵) أَيْ: جَوَادٌ يَسَعُ لِمَا يُسْأَلُ. (مجاز القرآن: ۵۱/۱)

[3] قَالَ ابْنُ جَرِيْرٍ: ﴿إِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيمٌ﴾: يَعْنِيْ جَلَّ ثَنَاؤُهٗ بِقَوْلِهٖ (وَاسِعٌ) يَسَعُ خَلْقَهٗ كُلَّهُمْ بِالْكِفَايَةِ وَالْإِفْضَالِ وَالْجُوْدِ وَالتَّدْبِيْرِ. (جامع البيان: ٤۰۳/۱)

مویشی اور دوسرے پھل فروٹ اکٹھے کرنے کا حکم دیا۔ جب یہ سب جمع ہو گیا تو جانوروں کو ذبح کے بعد بڑی بڑی دیگوں میں پکایا گیا اور ہوا اُن کھانوں پر چلتی رہی، تا کہ خراب نہ ہوں۔

اور اتنا لمبا دسترخوان بچھایا گیا کہ اس کی لمبائی و چوڑائی ایک، ایک مہینہ کی مسافت کے برابر تھی۔ پھر حضرت سلیمان علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے سمندر کی مخلوقات کے ضیافت کی اجازت چاہی تو اللہ تعالیٰ نے ایک مچھلی کو حکم دیا کہ وہ پہلے دعوت میں شریک ہو، چناں چہ مچھلی نے وہ تمام چیز ختم کر ڈالی اور مزید مانگنے لگی تو سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: کیا تیرا پیٹ نہیں بھرا؟ تو مچھلی نے کہا:

هٰكَذَا يَكُوْنُ جَوَابُ اَصْحَابِ الضِّيَافَةِ لِلضَّيْفِ اِعْلَمْ يَا سُلَيْمَانُ! اَنَّ لِيْ فِيْ كُلِّ يَوْمٍ مِثْلَ مَا صَنَعْتَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ.''

میں تو دن میں تین مرتبہ اتنا کھاتی ہوں جتنا آپ نے ایک وقت تیار کیا تھا، تو حضرت سلیمان علیہ السلام سجدہ میں گر گئے اور اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرنے لگے۔[1]

❻ شیخ سعدی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''الواسع جل جلالہ'' وہ ذات ہے جو بڑی بزرگی، شان دار بادشاہت، عظیم سلطنت کا مالک، بہت زیادہ فضل اور احسان کرنے والا ہے، اس کے ساتھ ہی بہت زیادہ کریم اور سخی ہے۔[2]

❼ امام قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''الواسع جل جلالہ'' وہ ذات ہے جو اپنے بندوں پر دین کے معاملے میں بھی آسانی کا معاملہ کرتا ہے اور ایسے کام کا حکم نہیں دیتا جس کی وہ طاقت نہ رکھتے ہوں۔[3]

یہ اسم مبارک قرآن کریم میں نو مرتبہ آیا ہے جن میں سے تین یہ ہیں:

❶ ﴿اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ﴾[4]

❷ ﴿وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيْمًا﴾[5]

❸ ﴿اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ﴾[6]

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کی یہ صفت ''الواسع جل جلالہ'' ایک دوسری صفت ''العلیم جل جلالہ'' کے ساتھ بھی آئی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ بہت زیادہ عطا کرنے والے اور اپنی مخلوق پر بہت کرم کرنے والے ہیں۔ تمام کی تمام مخلوق اس کی رحمت اور فضل کے سمندر میں غوطہ زن ہے۔

---

[1] نفحة العرب: ١١١

[2] قَالَ السَّعْدِيُّ: وَاسِعُ الْعَظَمَةِ وَالسُّلْطَانِ وَالْمُلْكِ، وَاسِعُ الْفَضْلِ وَالإِحْسَانِ، عَظِيْمُ الْجُوْدِ وَالْكَرَمِ. (تيسير الكريم: ٣٠٥/٥، كلّها نقلًا عن النهج الاسمٰى: ٤٠٢/١، ٤٠٤)

[3] قَالَ الْقُرْطُبِيُّ: اَلْوَاسِعُ أَنَّهُ الَّذِيْ يُوْسِعُ عَلٰى عِبَادِهٖ فِيْ دِيْنِهِمْ، وَلَا يُكَلِّفُهُمْ مَا لَيْسَ فِيْ وُسْعِهِمْ. (النهج الاسمٰى: ٤٠٧/١)

[4] البقرة: ١١٥ [5] النساء: ١٣٠ [6] النجم: ٣٢

جس کو چاہتا ہے دیتا ہے اور جس کے لئے چاہتا ہے روک دیتا ہے۔ جس کو چاہتا ہے پست و ذلیل کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بلند کرتا ہے، اور یہ تمام کام اپنے علم و حکمت کے مطابق فرماتا ہے اور اس کا علم تمام اشیاء پر حاوی ہے۔[1]

اللہ تعالیٰ واسع ہے۔ اس کی رحمت سب کو شامل ہے۔ وہی نہ ختم ہونے والی وُسعت کا مالک ہے۔ اسی نے موجودات کو وُسعت و انبساط بخشا ہے۔ ﴿وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ﴾[2]

اس کا علم آسمانوں اور زمین سے فراخی میں بہت زیادہ ہے۔

﴿وَسِعَ رَبِّيْ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا﴾[3]

تَرجَمَہ: ''وہی ہے جس کا علم ہر شے پر حاوی ہے۔''

﴿وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ﴾[4]

تَرجَمَہ: ''وہی ہے جس کی رحمت ہر شے سے فراخ تر ہے۔''

اس عالَم کو اللہ تعالیٰ کی رحمت نے ڈھانپا ہوا ہے۔ ایک لمحہ کو بھی اس کی رحمت ہٹ گئی تو نظامِ عالم تباہ ہو جائے گا۔ ہر جان دار میں رُوحِ حیات اس کی رحمت سے ہے۔ کسی پر اس کی نظرِ کرم زیادہ ہے تو وہ سراپا رحمت میں ڈوبا ہوا ہے اور یہ وہ ہے جس نے اپنے وجود کو اس کی چاہت اور منشا میں فنا اور ختم کرلیا ہے۔ اپنی ہر ہر حرکت کو ''اَلْوَاسِعُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کی رضا جوئی کے لئے وقف کردیا ہے۔ ایسے ہی بندوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: میں اپنے بندے کا کان بن جاتا ہوں، جس سے وہ سنتا ہے، اس کی آنکھ بن جاتا ہوں، جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں، جس سے وہ پکڑتا ہے۔

جس سے ''اَلْوَاسِعُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کی نظرِ کرم ہٹ جائے اس کے مقدر میں خسران و ناکامی ہی ہوتی ہے۔ خواہ اس کے پاس کتنے ہی ظاہری اسباب ہوں، لیکن وہ دھرے رہ جاتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو دل کی چاہت کو مولیٰ کی چاہت پر مقدم کردیتے ہیں۔ ایسے لوگ جب رحمت کے ذرّے سے بھی محروم کردیئے جاتے ہیں تو عذاب ان کو آپکڑتا ہے۔ پھر کیوں نہ ہم اس ذات ''اَلْوَاسِعُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کے ساتھ تعلق قائم کریں۔ جس کے قبضے میں ہر ہر چیز کی ملکیت ہے۔ ؎

جو تو میرا تو سب میرا، فلک میرا زمیں میری   اگر اک تو نہیں میرا، تو کوئی شے نہیں میری

لہٰذا تمام ظاہری اسباب سے نظر کو ہٹا کر اس ذات مسبب الاسباب پر نظر مرکوز کرنی چاہئے۔ اسی سے حاجات مانگنی چاہئے، اسی کے آگے اپنی ضروریات پیش کرنی چاہئے، اسی سے تعلق قائم کرنا چاہئے۔ اس کے تعلق کے آگے دنیا کے تعلقات ہیچ، اس کی قدرت کے سامنے تمام اسباب ایک طرف، اس کی وسعت کے آگے تمام وسعت و کشائش بے قدر

---

[1] النہج الاسمٰی: ۱/۴۰۶   [2] البقرۃ: ۲۵۵   [3] الانعام: ۸۰   [4] الاعراف: ۱۵۶

اس کی محبت اور اطاعت کے سامنے سارا جہان بے قیمت ہے۔ جس نے اس کو اپنا بنالیا اس نے سب کچھ حاصل کرلیا۔

اس ’’اَلْوَاسِعُ جَلَّ جَلَالُہٗ‘‘ نے آسمان بنائے جن کی وسعت کا اندازہ کوئی نہیں لگا سکتا۔ کہکشاؤں کی کوئی پیمائش نہیں کرسکتا۔ سوائے چند ایک ستاروں کے باقی ستاروں کی لمبائی چوڑائی تک کسی کو رسائی نہیں اور جن کی پیمائش کا انسان دعوے دار ہے، وہ بھی بالکل یقینی اور حتمی نہیں۔ ان آسمانوں کی نہ کسی کو ابتدا معلوم ہے نہ انتہا۔ ان افلاک کے درمیانی فاصلوں کی وسعت کو کوئی نہیں بتا سکتا کہ کتنی ہے۔ یہ جو فضا دن رات ہم دیکھتے ہیں، اس کی وسعت کا کسی کو اندازہ نہیں کہ کتنی وسیع وعریض ہے۔ ہوا کتنی لمبی چوڑی ہے کسی کو پتہ نہیں۔

یہ زمین جس پر ہم رات دن چلتے پھرتے ہیں، کوئی نہیں بتا سکتا کہ روئے زمین کے پہاڑوں کی کتنی وسعت ہے۔ ان کی مجموعی لمبائی اور اونچائی کا بھی صحیح علم کسی کو نہیں تو ان کی اندرونی سطحوں کی وسعت کون بتا سکتا ہے؟

کون بتا سکتا ہے کہ ان کے اندر چھپی معدنیات کی وسعت کیا ہے؟

تیل، گیس اور پانی کتنا ہے؟

کیچڑ، کوئلہ، گندھک اور آگ کتنی ہے؟ ان وسعتوں کے علاوہ بھی لاتعداد وسعتیں ایسی ہیں جس کا ہمیں کچھ بھی علم نہیں، جن بہشتوں کا ہم سے وعدہ کیا گیا ہے، اس کی وسعتوں کا ہمیں کچھ علم نہیں۔[1]

سورۂ مدثر کی آیت نمبر ۳۱ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جس کا ترجمہ یہ ہے:

تَرجَمَہ: ’’تیرے رب کے لشکروں کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔‘‘

یعنی رب کے لشکر تو اتنے ہیں کہ جنہیں اللہ کے سوا کوئی جانتا ہی نہیں، صرف فرشتے ہی اتنی تعداد میں ہیں کہ ستر ہزار فرشتے روزانہ اللہ کی عبادت کے لئے بیت المعمور میں داخل ہوتے ہیں، پھر قیامت تک ان کی باری نہیں آتی۔[2]

اگر غور کیا جائے کہ یہ سب کچھ اللہ ربُّ العزت نے کیوں پیدا فرمایا؟ تو قرآن کریم اس کا جواب دیتا ہے:

﴿وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ﴾[3]

تَرجَمَہ: ’’اور آسمان اور زمین کی ہر ہر چیز کو اس نے اپنی طرف سے تمہارے تابع کردیا ہے۔ جو غور کریں وہ یقیناً اس میں بہت سی نشانیاں پالیں گے۔‘‘

یہ تمام چیزیں انسان کے فائدہ کے لئے پیدا کی گئیں ہیں، تاکہ ان میں غور وفکر کرکے ’’اَلْوَاسِعُ جَلَّ جَلَالُہٗ‘‘ کی ذاتِ عالی کو پہچانے۔ اس کی صفات کا استحضار کرے، جس سے عظمتِ باری تعالیٰ دل میں پیدا ہو اور ’’اَلْوَاسِعُ جَلَّ جَلَالُہٗ‘‘ کے احکامات پر چلنا آسان ہوجائے، کیوں کہ جس کسی کی عظمت و بڑائی دل میں ہو، اس کی بات کی اہمیت

---

[1] شرح اسماء الحسنیٰ للازھری: ۵۰۷

[2] بخاری، بدء الخلق، باب ذکر الملائکۃ: ۱/۴۵۶

[3] الجاثیہ: ۱۳

بھی دل میں ہوتی ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کی صفات کو جس قدر سنا جائے گا اور جس قدر بیان کیا جائے گا، اتنا ہی اُس کی صفات پر یقین پیدا ہوگا اور جیسے جیسے یقین پیدا ہوتا جائے گا، احکاماتِ باری تعالیٰ کے مطابق زندگی گزارنا آسان ہوتا چلا جائے گا۔

شیخ سعدی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں:[1]

”ہوا، بادل، چاند، سورج اور آسمان سب کے سب کام میں لگے ہوئے ہیں۔“

”تاکہ تو اپنا توشہ حاصل کرے اور اسے غفلت سے نہ کھائے۔“

”یہ سب تیرے لئے سرگشتہ اور فرماں بردار ہیں۔“

”اب بھی تو حق تعالیٰ کی فرماں برداری نہ کرے تو یہ ظلم ہوگا۔“

رحمتِ خداوندی کی وُسعت بے انتہا ہے

وَاقِعَۃُ مِنْبَر ⑧⑨: حضرت عبداللہ بن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا فرماتے ہیں: رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے وحشی (حضرت حمزہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے قاتل) کو اسلام قبول کرنے کا پیغام بھیجا۔ انہوں نے جواب میں کہلایا کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مجھے اپنے دین کی طرف دعوت دے رہے ہیں، حالاں کہ میں نے قتل بھی کیا ہے، زنا بھی اور شرک بھی اور قرآن مجید میں ہے:

﴿وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ۝ يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ﴾[2] ”یعنی جو ان (مذکورہ بالا گناہوں) کا ارتکاب کرلے تو وہ گناہ میں جا پڑا۔ (قیامت کے دن) اس کے عذاب کو دگنا کردیا جائے گا۔“

اور میں تو یہ سب گناہ کرچکا ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے آیت نازل فرمائی: ﴿اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا﴾[3] ”مگر وہ آدمی جس نے توبہ کی، ایمان لایا اور اعمالِ صالحہ کیے (یعنی اس کی مغفرت ہوجائے گی)۔“[4]

وحشی نے کہا: یہ تو بڑی کڑی شرائط ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ میں یہ شرائط پوری نہ کرسکوں (یعنی توبہ، ایمان اور اعمالِ صالحہ کا درجہ حاصل نہ کرسکوں)۔

اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمادی:

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾[5]

---

[1]

ابر و باد، ومہ وخورشید، وفلک درکارند	تاتو نانے بکف آری و بغفلت نخوری
ہمہ از بہرِتو سر گشتہ و فرماں بردار	شرطِ انصاف نباشد کہ تو فرماں نبری

[2] الفرقان: ۶۸، ۶۹ [3] الفرقان: ۷۰ [4] الفرقان: ۷۰ [5] النساء: ۴۸

ترجمہ: ''یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ شریک کیئے جانے کو نہیں بخشتا اور اس کے سوا جسے چاہے بخش دیتا ہے۔''

وحشی نے کہا: مجھے اب بھی شبہ ہے کہ پتہ نہیں میری مغفرت ہو یا نہ ہو؟ اس لیئے کہ آیت میں ﴿لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ ہے۔ (یعنی جس کے لئے چاہے گا معاف کردے گا)۔

اس پر آیت نازل ہوئی:

﴿قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ﴾[1]

ترجمہ: ''آپ فرما دیجیے: اے میرے بندو! جنہوں نے اپنے آپ پر زیادتی کی ہے، اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہوں۔ بے شک اللہ تعالیٰ سارے گناہوں کو (توبہ سے) بخش دیتا ہے۔ بے شک وہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔''

وحشی نے کہا: ہاں یہ بات ہے۔ یعنی اب مجھے اپنی نجات کی امید ہوگئی ہے۔ پھر وہ حاضر ہوا اور اسلام قبول کیا۔ مسلمانوں نے معلوم کیا: یہ خاص طور پر ان ہی کے لئے ہے یا تمام مسلمانوں کے لئے یہ حکم ہے؟

حضور ﷺ نے فرمایا: ''سب مسلمانوں کے لئے یہی بات ہے۔''[2]

حسن بصری تابعی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: اس وسعتِ کرم وشفقت کی کوئی انتہا ہے کہ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے دوستوں کے خون سے اپنے ہاتھ رنگین کیئے، ان ہی کو دعوتِ توبہ ومغفرت دی جاتی ہے۔[3]

عمر بن عبدالعزیز رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی رحمت کی دعا اس طرح مانگتے تھے

حضرت عمر بن عبدالعزیز رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی ان الفاظ کے ساتھ دعا مانگتے تھے:

''اَللّٰهُمَّ اِنْ لَّمْ اَكُنْ اَهْلًا اَنْ اَبْلُغَ رَحْمَتَكَ..... فَاِنَّ رَحْمَتَكَ اَهْلٌ اَنْ تَبْلُغَنِيْ..... وَرَحْمَتُكَ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ..... وَاَنَا شَيْءٌ فَتَسَعُنِيْ رَحْمَتُكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ.''[4]

''اے اللہ! اگرچہ میں اس بات کا اہل نہیں کہ تیری رحمت تک پہنچ پاؤں، لیکن تیری رحمت تو اس کی اہل ہے کہ مجھ تک پہنچ جائے، کیوں کہ تیری رحمت ہر چیز کو شامل ہے، جیسا کہ تیرا ارشاد ہے: ﴿وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ﴾[5] ''میری رحمت ہر چیز کو وسیع ہے'' اور میں بھی ایک ''شے'' ہوں، لہٰذا تیری رحمت مجھے بھی شامل ہوگی، اے سب سے زیادہ رحم کرنے والے۔''

---

[1] الزمر: ۵۳ [2] مرقاة شرح مشكوٰة: باب الاستغفار والتوبة: ۱۴۹/۵ [3] تفسير ابن كثير: ۲۲۵/۳

[4] الله.....اهل الثناء والمجد: ۲۹۴ [5] الاعراف: ۱۵۶

پانچ ہزار بکریوں سے افضل پانچ کلمات

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کیا میں تمہیں پانچ ہزار بکریاں دوں یا تمہیں ایسے پانچ کلمات سکھلا دوں جن میں تمہارے لئے دین و دنیا دونوں کی بھلائیاں ہیں؟ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! پانچ ہزار بکریاں تو بہت ہیں، لیکن آپ مجھے یہ کلمات سکھلا دیجئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ دعا مانگ لیا کرو:

❶ ''اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ ذَنْبِیْ وَوَسِّعْ لِیْ خُلُقِیْ وَطَیِّبْ لِیْ کَسْبِیْ وَقَنِّعْنِیْ بِمَا رَزَقْتَنِیْ وَلَاتُذْھِبْ قَلْبِیْ اِلٰی شَیْءٍ صَرَفْتَهٗ عَنِّیْ''[1]

اے اللہ! ① میرے گناہ بخش دے...... ② میرے اخلاق وسیع کر دے...... ③ اور میری کمائی پاک کر دے...... ④ جو روزی تو مجھے عنایت فرمائے، اس پر قناعت نصیب فرما...... ⑤ جو چیز تو مجھ سے ہٹا لے تو میرے دل میں اس کی تلاش باقی نہ رکھ۔......یعنی جو میرے مقدر میں نہیں ہے اس کی طرف میرا دھیان بھی نہ جائے دعا کا آخری جملہ کتنا پیارا اور کتنا اہم ہے کہ بسا اوقات انسان کے مقدر میں کوئی چیز ہوتی ہی نہیں اور وہ رات دن اس کے لئے کوشش کرتا ہے، بعد میں پتہ چلتا ہے وہ میرے مقدر میں نہیں تھی۔

گھر میں کشادگی کی دعا

❷ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیسی کیسی دعائیں ہمیں سکھا دی ہیں اگر انسان اپنی ساری حاجتوں کا تصور بھی کرے کہ مجھے اس دنیا میں کیا کیا چیزیں درکار ہیں، اور تصور کر کے مانگنا چاہے تب بھی وہ چیزیں نہیں مانگ سکتا جس کا مانگنا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سکھا گئے، وضو کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دعا مانگی اس میں پہلی چیز گناہوں کی معافی ہے۔ دوسری چیز وسعتِ دار، لہٰذا وضو کے وقت یہ دعاءِ نبوی اہتمام سے مانگیں:

''اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ ذَنْبِیْ وَوَسِّعْ لِیْ فِیْ دَارِیْ وَبَارِكْ لِیْ فِیْمَا رَزَقْتَنِیْ''[2]

تَرجَمَہ: ''اے اللہ! میرے گناہ معاف فرما، میرے گھر میں کشادگی اور وسعت فرما، اور جو رزق تو نے مجھے دیا ہے اس میں برکت عطا فرما۔''

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب وسعتِ دار والی دعا کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

فرمایا: ''وَوَسِّعْ لِیْ فِیْ دَارِیْ''

---

[1] کنز العمال، الأذکار من قسم الأفعال: ۲/۲۸۹، رقم: ۵۰۵۸ [2] مسند احمد: ۶۳/۴، رقم: ۱۶۱۶۳

ترجمہ: ”اے اللہ! میرے گھر میں کشادگی عطا فرما“

اسی وجہ سے علماء نے فرمایا کہ گھر کی کشادگی مطلوب ہے، تنگی مطلوب نہیں اور یہ کشادگی دو قسم کی ہوتی ہے، ایک کشادگی ظاہری ہوتی ہے کہ گھر لمبا چوڑا ہے، کمرے بڑے ہیں، صحن بڑا ہے، برآمدہ وسیع وعریض ہے، ایک کشادگی تو یہ ہے۔

دُوسری کشادگی معنوی ہے، وہ یہ کہ جب آدمی گھر کے اندر جائے تو اس کے دل کو سکون نصیب ہو، آرام اور راحت نصیب ہو، لیکن اگر گھر تو بہت بڑا ہے، بڑی کوٹھی اور بنگلہ ہے، مگر جب گھر میں داخل ہوتا ہے تو گھر والوں کا طرزِ عمل اور بیوی بچوں کا طرزِ عمل ایسا ہے جس سے انسان کو ضیق اور تنگی ہوتی ہے اور اس گھر میں اس کو آرام اور سکون نہیں ملتا تو اس صورت میں گھر کی ظاہری کشادگی کس کام کی، وہ کشادگی بے کار ہے۔

اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کشادگی مانگی، اس کے اندر دونوں قسم کی کشادگی داخل ہے، یعنی اے اللہ! ظاہری کشادگی بھی عطا فرما اور باطنی کشادگی بھی عطا فرما، تاکہ جب میں گھر میں جاؤں تو راحت اور سکون نصیب ہو۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا﴾[1]

یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہارے گھروں کو تمہارے لئے سکون کی جگہ بنایا، لہٰذا گھر کا سب سے اعلیٰ وصف یہ ہے کہ اس کے اندر جانے کے بعد انسان کو سکون نصیب ہو، اگر سکون نصیب نہیں تو پھر وہ گھر چاہے کتنا ہی بڑا بنگلہ ہو، اس کا کچھ فائدہ نہیں اور اگر جھونپڑی ہو اور اس کے اندر سکون حاصل ہو جائے تو وہ بڑے بڑے محلات سے بہتر ہے، اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ! میرے گھر میں کشادگی عطا فرما۔

دلوں کا ملا ہوا ہونا کشادگی میں داخل ہے

پھر ”کشادگی“ کا لفظ اتنا وسیع ہے کہ اس کے معنی صرف یہ نہیں ہیں کہ گھر بڑا ہو، بل کہ اس کے اندر یہ بات بھی داخل ہے کہ گھر والوں کے دل باہم ایک دوسرے کے ساتھ ملے ہوئے ہوں، اگر گھر تو بڑا ہے لیکن گھر والوں کے دل ملے ہوئے نہیں ہیں تو وہ گھر بڑا ہونے کے باوجود گھر کی راحت اس میں حاصل نہیں ہو سکے گی، لہٰذا اس دعا کے اندر یہ بات بھی داخل ہے کہ گھر کے ماحول کے اندر راحت ملے، یہ نہ ہو کہ گھر میں داخل ہو کر انسان ایک عذاب کے اندر مبتلا ہو جائے۔

گھر میں خوب صورتی سے زیادہ کشادگی مطلوب ہے

حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا نہیں فرمائی کہ میرے گھر کو خوب

[1] النحل: ۸۰

صورت بنا دیجئے یا میرے گھر کو عالی شان بنا دیجئے، بل کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ''کشادگی'' کا لفظ استعمال فرمایا۔ میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ فرمایا کرتے تھے کہ اس جملے سے یہ بات معلوم ہوئی کہ گھر کی اصل صفت یہ ہے کہ اس میں کشادگی ہو، تنگی نہ ہو، کیوں کہ اگر تنگی ہوگی تو وہ انسان کے لئے تکلیف دہ ہوگی اور کشادگی انسان کے لئے راحت کا سبب ہوگی، باقی ٹیپ ٹاپ اور آرائش یہ زائد چیزیں ہیں، انسان کی اصل ضرورت یہ ہے کہ گھر کے اندر کشادگی ہو، اس لئے آپ نے یہ دعا فرمائی۔[1]

اس کی رحمت کی وسعت کا اندازہ اس واقعہ سے لگالیں

وَاقِعَۃٌ نمبر ⑨۰: ''لیلیٰ حلو'' مراکش کی رہنے والی تھی۔ وہ کچھ ہی عرصہ پہلے ایک مشہور ایکٹریس تھی، فلمی حلقوں میں اس کا نام بڑا معروف تھا۔ اسے ایک انتہائی مہلک مرض لاحق ہوگیا جسے دنیا اب تک لاعلاج تصور کرتی ہے اور جسے ''کینسر'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور جس کا تصور ہی رونگٹے کھڑے کر دینے کے لئے کافی ہے۔ خاتون نے اپنے مہلک مرض کے علاج کے لئے مختلف ماہرینِ طب کے دروازے کھٹکھٹائے، لیکن ڈاکٹروں کی تمام کوششیں ناکام ثابت ہوئیں اور اب خاتون کو اپنی زندگی کی کوئی امید باقی نہ رہی۔ ہاں ایک امید باقی تھی اور وہ اس کے رب کا دروازہ تھا۔

لیلیٰ کہتی ہے: میں ایک عرصے سے ایک بے حد خطرناک مرض کا شکار ہوگئی تھی جسے دنیا ''سرطان'' یا ''کینسر'' کے نام سے جانتی ہے۔ سب کو معلوم ہے کہ یہ مرض انتہائی خطرناک اور مہلک ہے، لیکن مراکش میں ہم اسے ''کینسر'' کا نام نہیں دیتے ہیں، بل کہ ہمارے یہاں اس کو ''خبیث مرض'' کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ میرے دل کی وہ شریان جو بائیں جانب سے نکل کر دل کو خون بہم پہنچاتی ہے اور جو تاج نما ہوتی ہے، اس موذی مرض میں مبتلا ہوگئی۔ اس وقت میرا اللہ تعالیٰ پر ایمان کمزور، بل کہ نہ ہونے کے برابر تھا۔ میرا دل اللہ تعالیٰ کی یاد سے یکسر خالی تھا، کیوں کہ میں اللہ سے بالکل غافل تھی۔ میں تو مشہور فلمی ایکٹریس تھی۔ میں سمجھتی تھی کہ انسان کا حسن و جمال تاحیات اس کی شخصیت کو تازگی بخشتا رہتا ہے اور یہ نعمت پوری عمر زائل ہونے کا نام نہیں لیتی اور عنفوانِ شباب کی مسرتوں سے اسے ہمیشہ لطف اندوزی کا خوش کن موقع نصیب رہتا ہے، نیز اس کی صحت ہمیشہ تر و تازہ رہتی ہے جس کی وجہ سے اس کی قلبی فرحت کو روئیدگی و بالیدگی ملتی رہتی ہے۔ میرے حاشیۂ خیال میں یہ تصور تک بھی نہیں گزرا تھا کہ میں کبھی ''کینسر'' جیسی مہلک و جان لیوا بیماری میں گرفتار ہو جاؤں گی، لیکن جب میں اس خطرناک مرض میں مبتلا ہوگئی تو اس کے خوف و دہشت نے میرے وجود کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا اور میں بری طرح حواس باختہ ہوگئی۔ میرا جی چاہتا تھا کہ کہیں بھاگ جاؤں، لیکن بھاگ کر جاتی بھی تو کدھر جاتی؟ جہاں کہیں بھی جاؤں گی یہ لاعلاج مرض بھی تو میرے ساتھ ساتھ جائے گا، اس لئے میں نے سوچا کہ کیوں نہ میں خودکشی کرلوں، لیکن مجھے میرے شوہر اور بچوں سے شدید محبت تھی، اس لئے میں نے خودکشی نہ کی۔

---

[1] اصلاحی خطبات: ۱۳/۱۱۴تا ۱۱۶

قارئین! یہ نہ سمجھیں کہ اس وقت میرے خودکشی نہ کرنے کی وجہ اللہ تعالیٰ کا خوف یا ڈر تھا۔ اس طرف تو کبھی خیال گیا ہی نہیں تھا۔ دراصل میں تو اسلام سے، اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے کوسوں دور تھی۔ میں توبہ اور استغفار سے ناواقف تھی۔ بس شاید میرے رب کو میری ہدایت اور رہنمائی منظور تھی، تب ہی تو مجھے یہ خطرناک مرض لگ گیا۔ ہاں! بعض اوقات بیماری بھی انسان کے لئے رحمت کا باعث ہوتی ہے اور وہ اس کو جھنجھوڑ کر رکھ دیتی ہے۔ شاید اللہ تعالیٰ چاہتا تھا کہ نہ صرف مجھ پر کرم کر کے مجھے سیدھے راستے پر لائے، بل کہ کتنے ہی اور لوگ میری وجہ سے سیدھے ہو جائیں۔ ہاں میں وہی ''دلیلیٰ حلو'' جو نجانے کتنے لوگوں کو گمراہ کر چکی تھی، اپنے جسم کی نمائش کر کے رقص کے ذریعے، سینما کی سکرین کے ذریعے ...... میں بیمار ہوئی ...... دولت ...... شہرت ......تعلقات ......ایک سے بڑھ کر ایک ڈاکٹر ......ہسپتال ...... سب کچھ میسر تھا...... محترم قارئین! میں بیرون ملک بلجیم گئی، بہت سے ڈاکٹروں سے بغرضِ علاج رجوع کیا۔ سب نے میرے شوہر سے کہا کہ اس کی چھاتی کاٹ دینا ضروری ہے، اور ایسی کیمیکل دوائیں استعمال کرنا پڑیں گی جن سے سر کے بال جھڑ جائیں گے، پلکیں اور بھویں گر جائیں گی، چہرے پر داڑھی کے بال اُگ آئیں گے، ناخن اور دانت گر جائیں گے۔ میں نے ڈاکٹروں کی تجویز سن کر علاج سے مکمل انکار کر دیا اور کہا: میں چھاتی کٹانے، گنجی ہونے اور قدرتی بناوٹ اور خوبصورتی کو داغدار کرنے پر مرجانے کو ترجیح دوں گی، چناں چہ میں نے ڈاکٹروں سے گزارش کی کہ وہ میرے لئے آسان سا علاج سوچیں۔

پھر میں مراکش واپس آگئی اور چھوٹا موٹا علاج کرتی رہی، لیکن اس کا کوئی خاطر خواہ اثر نہ ہوا۔ مجھے نجانے کیسے محسوس ہوا کہ ڈاکٹروں نے میری درست تشخیص نہیں کی اور خواہ مخواہ میرے اندر ''کینسر'' کا مرض ثابت کر دیا ہے، جب کہ میں بالکل صحیح سلامت ہوں، لیکن تقریباً چھ ماہ کے بعد مجھے محسوس ہوا کہ میرے وزن میں خاطر خواہ کمی ہو چکی ہے، میرا رنگ خاصا بدل چکا ہے۔ مجھے درد والم کی شکایت رہنے لگی اور یہ شکایت آہستہ آہستہ مستقل ہوتی گئی۔ جب میں نے ایک مراکشی ڈاکٹر سے طبی جانچ کروائی تو اس نے مجھے بلجیم جانے کا مشورہ دیا، چناں چہ میں نے دوبارہ بلجیم کے لئے رختِ سفر باندھا۔

بلجیم میں ڈاکٹروں نے جب میرا معائنہ کیا تو انہوں نے نہایت افسوس ناک خبر میرے شوہر کو بتائی: ''کینسر'' پورے جسم میں پھیل چکا ہے اور پھیپھڑے بھی اس سے بری طرح متاثر ہو چکے ہیں۔ ہمارے پاس اب ایسی صورت حال سے نمٹنے کے لئے کوئی دوا یا علاج نہیں ہے۔ اب تمہارے لئے صرف ایک صورت رہ گئی ہے کہ تم اپنی بیوی کو وطن لے جاؤ تا کہ اسے وہاں قبر نصیب ہو سکے۔

ڈاکٹروں نے جب میرے خاوند کو یہ رپورٹ دی تو ان پر یہ خبر بجلی بن کر گری، وہ حواس باختہ ہو گئے۔ پھر ہم لوگوں نے واپس اپنے وطن مراکش جانے کے بجائے بلجیم سے فرانس کا ٹکٹ لیا، شاید مجھے وہاں کوئی علاج مہیا ہو سکے اور وہاں

میں چھاتی کٹوا کر کیمیاوی دوائیں استعمال کروں، تاکہ کسی طرح زندگی بچ سکے۔

اچانک میرے خاوند کے ذہن میں آیا کہ ہم تمام دنیاوی علاج کروا چکے ہیں مگر ایک طبیب باقی رہ گیا ہے، اس کے پاس جانا چاہئے۔ اس نے جب مجھ سے بات کی تو جیسے مجھے کوئی بھولی ہوئی بات یاد آ گئی ہو۔ بلاشبہ ہمیں مکہ مکرمہ جانا چاہئے، بیت اللہ کی زیارت کریں اور وہاں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے دربار میں توبہ واستغفار کریں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ اس مہلک مرض سے مجھے شفایاب کردے، کیوں کہ آسمان کے دروازے ہر مریض کے لئے ہر وقت کھلے رہتے ہیں اور وہاں ہر بیماری کا کامیاب علاج ہمہ وقت دستیاب ہے!!

غرض ہم میاں بیوی پیرس سے خانۂ کعبہ کے لئے روانہ ہوگئے۔ راستہ بھر ہم "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ." کے ورد سے رطب اللسان تھے۔ مجھے بڑی خوشی ہو رہی تھی، کیوں کہ بیت اللہ شریف کی طرف میری زندگی کا یہ پہلا سفر تھا اور پہلی مرتبہ اللہ کے گھر کا دیدار نصیب ہونے والا تھا۔ میں نے پیرس ہی میں قرآن کریم کا ایک نسخہ خرید لیا تھا اور گاہے بگاہے اس کی تلاوت کرتی رہتی۔

آخر کار وہ مبارک وقت آ گیا جب ہم مکہ مکرمہ پہنچ کر صحن کعبہ میں داخل ہوئے۔ جوں ہی نگاہ کعبہ پر پڑی، میری آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ مجھے اپنی گزشتہ زندگی یاد آ گئی، رب کی نافرمانی اور معصیت کی زندگی۔ میرا ماضی بے حد غلط تھا۔ نماز روزے سے قطعاً دور رہی۔ فرائض کا پتہ تک نہ تھا۔ اب میں نہایت عاجزی کے ساتھ اس "رب العالمین" کے دروازے پر حاضر تھی جو توبہ قبول کرنے والا، اپنے بندوں پر شفقت کرنے والا ہے اور پھر میں نے خانہ کعبہ کے دروازے کے قریب جا کر رو رو کر یہ دعا کی:

"اے میرے پروردگار! میری مہلک بیماری کا علاج ڈاکٹروں کے بس میں نہیں۔ وہ ہزار کوشش کے باوجود میرے علاج سے انکار کر چکے ہیں۔ میرے پیارے رب! بیماری تیری ہی طرف سے آتی ہے اور اس کا علاج بھی تو ہی کرتا ہے۔ میری بیماری کے علاج کے معاملے میں ڈاکٹروں نے ہسپتالوں کے دروازے بند کر رکھے ہیں، صرف تیرا دروازہ میرے لئے کھلا ہوا ہے۔ میں اپنے علاج کے لئے تیرے ہسپتال میں پہنچ چکی ہوں۔ میرے رب! اپنا دروازہ میرے لئے بند مت کر دینا۔"

پھر میں نے بیت اللہ شریف کا طواف کیا اور اس دوران میں اللہ تعالیٰ سے بکثرت دعا کرتی رہی کہ:

"اے اللہ! میری دعا کو نامراد واپس نہ کرنا اور مجھے ناامید مت کرنا اور مجھے شفا عنایت کر کے ڈاکٹروں کو اپنی عظمتِ شان سے حیران وششدر کر دینا۔"

جیسا کہ میں نے اوپر بیان کیا ہے، میں اس سے پہلے اللہ تعالیٰ سے بالکل غافل تھی اور اس کے دین پر کبھی عمل نہ کیا تھا، لیکن اب میری وہ کیفیت نہ رہی جو پہلے تھی، بل کہ اب میں نے اللہ کے دین کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیا، چناں چہ میں

مکہ مکرمہ میں موجود علماء ومشائخ کی خدمت میں حاضر ہوکر ان سے ایسی دعاؤں پر مشتمل کتابوں کے متعلق پوچھتی جنہیں میں جلدی سے یاد کرسکوں تاکہ حسبِ ضرورت ان دعاؤں کا ورد کیا کروں اور ”اللّٰہ رب العزت“ کے دربار میں دعا و مناجات کا نذرانہ پیش کرسکوں۔ علماء ومشائخ نے کثرت سے قرآن کریم کی تلاوت کرنے اور زیادہ سے زیادہ آبِ زمزم پینے کی نصیحت فرمائی۔ نیز انہوں نے مجھے یہ بھی نصیحت کی کہ میں زیادہ سے زیادہ اللہ عزوجل کا ذکر کروں اور رسول اکرم ﷺ پر درود وسلام بھیجوں۔ مسجد حرام میں مجھے کافی راحت محسوس ہورہی تھی اور میرے دل کو بہت اطمینان تھا۔ میں نے اپنے خاوند سے کہا کہ آپ مجھے مسجد حرام ہی میں وقت گزارنے کی اجازت دیں۔ میں اب ہوٹل کم ہی جاؤں گی۔ زیادہ وقت اللہ کے گھر میں گزاروں گی۔ میرے خاوند نے میری درخواست قبول فرمائی اور میں اپنے اوقات مسجد حرام ہی میں رب ذوالجلال والاکرام کے مقدس دربار میں دعا ومناجات کے ساتھ گزارنے لگی۔

مسجد حرام کے اندر میرے پڑوس میں مصر اور ترکی کی چند خواتین تھیں جو کثرتِ آہ وبکا سے میری آنکھوں سے بہتے ہوئے آنسو دیکھتی تھیں۔ انہوں نے میری کثرت آہ وزاری کا سبب دریافت کیا۔ میں نے ان سے جواباً کہا: ”پہلی بات تو یہ ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ کے مبارک گھر کا طواف نصیب ہوگا جس کے بارے میں مجھے گمان بھی نہیں تھا کہ اس سے ایسی محبت ہوگی جیسی اب میرے دل میں ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ مجھے ”کینسر“ کی بیماری لاحق ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ کے دربار میں آہ وزاری کررہی ہوں۔“

ان خواتین کا معمول تھا کہ نمازوں کے بعد میرے اردگرد بیٹھ جاتیں اور خاصی دیر بعد الگ ہوتیں۔ یوں ہماری اللہ کے لیے آپس میں محبت ہوگئی۔ پھر میں نے ان سے کہا: ”کیوں نہ میں مسجد میں اعتکاف کی نیت کرلوں؟“ ان عورتوں نے اس بات کو پسند کیا اور کہنے لگیں کہ ہم بھی تمہارے ساتھ شریک ہوتی ہیں۔ ہر چند کہ رمضان المبارک کا مہینہ نہ تھا۔ پھر بھی ان عورتوں کے خاوندوں نے اجازت دے دی اور اب ہم سب اللہ تعالیٰ کے گھر میں معتکف تھیں۔ اب ہمارا سارا دن ذکر واذکار، قرآن پاک کی تلاوت، نمازوں اور نوافل میں گزر جاتا۔ نیند بھی کم آتی، بھوک تو گویا مٹ ہی گئی تھی، چند لقمے کفایت کرجاتے۔ ہاں اب ہم آبِ زمزم کثرت سے پیتیں، کیوں کہ نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد ہمیں یاد تھا:

”مَاءُ زَمْزَمَ لِمَا شُرِبَ لَهُ“

تَرجَمہ: ”آبِ زم زم جس نیت سے بھی پیا جائے وہ نیت پوری ہوجاتی ہے۔“[1]

یعنی آبِ زمزم اگر بیماری سے شفایابی کی نیت سے نوش کیا جائے تو اللہ تعالیٰ شفا بخشتے ہیں۔ اگر سیرابی کی نیت سے پیا جائے تو پیاس مٹ جاتی ہے۔ اگر اللہ کی پناہ کی نیت سے پیا جائے تو اللہ تعالیٰ اپنے دامن میں پناہ دیتا ہے، چناں چہ اللہ تعالیٰ نے ہماری بھوک کو زمزم کی برکت سے ختم کرکے ہمیں آسودگی بخشی۔

---

[1] صحيح، ابن ماجه، المناسك، باب الشرب من زمزم: ٣٠٦٢

ہم خواتین مسلسل خانۂ کعبہ کا طواف کرتیں اور طواف کے اختتام پر دو رکعتیں مقامِ ابراہیم کے پیچھے (اور اگر مقامِ ابراہیم کے پیچھے جگہ نہ ملتی تو مسجد کے کسی بھی حصے میں) پڑھتیں اور پھر دوبارہ طواف کرنے لگتیں۔ اگر کچھ تھکاوٹ اور بھوک محسوس ہوتی تو اس کے لئے آبِ زمزم ہر وقت دستیاب تھا۔

میں جب بیت اللہ شریف پہنچی تھی اس وقت بہت ہی پتلی دبلی اور کمزور تھی۔ میرے جسم کے اوپری حصے میں سوجن اور چھوٹی چھوٹی بہت ساری سرخ پھنسیاں تھیں جو اس بات کی واضح علامت تھیں کہ میرے جسم کے اوپر والے حصے میں کینسر پھیل چکا ہے۔ میری سہیلیاں مجھے نصیحت کرتیں کہ میں اپنے جسم کے اوپر والے حصے کو آبِ زمزم سے دھوتی رہوں، لیکن جسم کی پھنسیوں اور سوجن کو چھونے سے مجھے خوف لاحق ہوتا اور دھونے کا تصور آتے ہی میں کانپ اٹھتی تھی۔ مجھے جب بھی اس مہلک مرض کا خیال آتا میرا دھیان اللہ تعالیٰ کے ذکر و اذکار اور اس کی عبادت سے ہٹ کر اس میں الجھ جاتا۔ بہرحال میں نے اپنے جسم کو ہاتھ لگائے بغیر آبِ زمزم کو اپنے جسم پر ڈالنا شروع کیا۔

کچھ دن یوں ہی گزر گئے۔ میری سہیلیوں نے مجھے مجبور کیا کہ میں اپنے جسم کو آبِ زمزم سے دھو ڈالوں۔ میں نے شروع میں انکار کیا، مگر مجھے محسوس ہوا کہ کوئی اندرونی طاقت مجھے آبِ زمزم سے اپنے جسم کو دھونے پر آمادہ کر رہی ہے، میں نے خوف کی وجہ سے اس پر عمل نہیں کیا۔ دوسری مرتبہ بھی ایسا ہی ہوا لیکن اس مرتبہ بھی میں نے اپنے جسم کو آبِ زمزم سے نہیں دھویا، کیوں کہ مجھے ڈر لگتا تھا، تاہم جب تیسری مرتبہ بھی میرے دل نے مجھے مجبور کیا کہ میں اپنے جسم کو زمزم سے ضرور دھوؤں تو میں اٹھی اور آبِ زمزم لے کر اپنے ہاتھوں سے جسم اور چھاتی پر ملنا شروع کر دیا جو کہ فاسد خون، پیپ، پھنسیوں وغیرہ سے پر تھی ...... لیکن ...... دیکھتے ہی دیکھتے میرا جسم حیرت انگیز طور پر ان تمام بیماریوں سے پاک ہونے لگا ...... چھوٹی چھوٹی پھنسیاں جانے کدھر گئیں ...... جسم کو چور کر دینے والے درد و الم اور خون نما پیپ ...... سب غائب ہو گئے۔

میں پہلے تو گھبرا اٹھی، پھر اپنے کپڑے کے نیچے ہاتھ لے کر جا کر بار بار جسم کو چھونے لگی، لیکن میرے جسم کے اندر اب ہرگز کوئی سوجن نہیں تھی۔ میں کانپ اٹھی، مگر فوراً میرے ذہن نے کہا: ''اس قدر تعجب کیوں کرتی ہو؟ کیا اللہ رب العزت اس کام پر قادر نہیں ہے؟'' میں نے اپنی ایک سہیلی سے کہا کہ ذرا میرے جسم کو چھونا اور میری پھنسیوں کو دیکھنا۔ میری سہیلیوں نے جب دیکھا کہ میرے جسم سے ساری پھنسیاں غائب ہیں اور میرا جسم بالکل صحیح سالم ہے تو بے ساختہ چیخ اٹھیں: اللہ اکبر ...... اللہ اکبر ......

میں فرطِ مسرت سے اپنے شوہر کو خوش خبری دینے کے لئے مسجد حرا سے نکل کر ہوٹل کو چلی۔ کمرے میں داخل ہو کر جب اپنے شوہر کے سامنے کھڑی ہوئی تو ان سے کہنے لگی: دیکھو، یہ دیکھو اللہ کی رحمت ......!! کدھر ہیں میرے جسم پر پھوڑے پھنسیاں ......!! ...... ہیں کہیں؟ ...... ختم ہو گئی نا!! پھر میں نے انتہائی مسرت و شادمانی کے ساتھ اسے اپنے

حالات سے آگاہ کیا، لیکن میرے شوہر کو میری گفتگو افسانہ معلوم ہو رہی تھی۔ وہ میری بات کو مذاق سمجھ رہا تھا۔ یکایک اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور اس نے بلند آواز میں کہا: ''کیا تجھے نہیں معلوم، کیا تو اتنی جلدی بھول گئی کہ صرف تین ہفتہ قبل ڈاکٹروں نے قسم کھا کر کہا تھا کہ تو چند ہی دنوں کی مہمان ہے؟'' میں نے اپنے شوہر سے کہا:

''إِنَّ الْآجَالَ بِيَدِ اللّٰهِ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى وَلَا يَعْلَمُ الْغَيْبَ إِلَّا اللّٰهُ.''

تَرجَمَہ: ''زندگی اور موت کا وقت اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ غیب کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو نہیں۔''

اس کے بعد ہم میاں بیوی بیت اللہ شریف میں ایک ہفتہ قیام پذیر رہے۔ میں اللہ تعالیٰ کی اَن گنت نعمتوں پر اس کا شکریہ ادا کرتی رہی اور اس کی حمد و ثنا بیان کرتی رہی۔ پھر ہم نے مسجد نبوی شریف کی زیارت کی اور اس کے بعد فرانس واپس ہو گئے۔ جب وہاں کے ڈاکٹروں نے مجھے پوری صحت و عافیت کے ساتھ دیکھا اور انہیں علم ہوا کہ مہلک و خطرناک مرض نے مجھے خیر باد کہہ دیا ہے تو وہ حیران و پریشان رہ گئے۔ وہ حیرت زدہ ہو کر مجھ سے کہنے لگے: ''محترمہ! کیا آپ ہی وہ خاتون ہیں جو......؟'' میں فخر سے جواب دیتی: ''جی ہاں، میں ہی ہوں وہ خاتون جس کی موت کا اعلان آپ لوگوں نے کر رکھا تھا اور یہ میرے شوہر ہیں جنہوں نے میری شفایابی کے لئے سارے وسائل استعمال کر ڈالے تھے۔ میں آپ لوگوں کے علاج سے فرار ہو کر اپنے رب تعالیٰ کے ہسپتال میں جا کر داخل ہو گئی اور اب اس کے علاج سے شفایابی کے بعد واپس آئی ہوں۔ مجھے اب اس کے سوا کسی کا خوف اور ڈر نہیں ہے کیوں کہ قضا و قدر اللہ کے ہاتھ میں ہے، وہی زندگی و موت کا مالک ہے اور تمام امور اسی کی نگرانی میں انجام پاتے ہیں۔ ایک پتا بھی اس کے حکم کے بغیر نہیں گرتا ہے۔''

ڈاکٹروں نے مجھ سے کہا: ''محترمہ! آپ کا یہ معاملہ عجیب و غریب ہے۔ تعجب ہے کہ آپ کی سوجن ختم ہو گئی مگر ضروری ہے کہ آپ کا دوبارہ چیک اپ کیا جائے، نئے سرے سے ٹیسٹ لئے جائیں۔''

چنانچہ ڈاکٹروں نے دوبارہ میری تشخیص کی اور میرے تمام ٹیسٹ لئے، مگر تمام ٹیسٹ کلیئر تھے، مجھے الحمد للہ کوئی بیماری نہ تھی۔ وہ سب دنگ رہ گئے۔ شاید ان کا تعجب اس لئے بھی زیادہ تھا کہ جو مرض مجھے لاحق تھا، اس کے علاج میں اب تک میڈیکل سائنس ناکام ہے۔ بہر حال میں جب اس مرض میں مبتلا تھی تو سوجن کی وجہ سے میرے لئے سانس لینا بھی دوبھر ہو چکا تھا، لیکن جب میں نے بیت اللہ شریف کا سفر کیا اور اللہ سے اپنی شفایابی کی دعا مانگی تو اللہ تعالیٰ نے میری دعا قبول فرما کر مجھے اس آفت سے یکسر نجات عطا فرما دی اور ''سرطان'' جیسی خوفناک بیماری ایسے غائب ہو گئی جیسے کبھی ہوئی ہی نہ تھی۔

پھر اس کے بعد میرا یہ معمول بن گیا کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی حیاتِ مبارکہ کا مطالعہ کرتی اور زار و قطار روتی۔ نیز پہلے مجھ سے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے جو تقاضے پورے نہ ہو سکے تھے اور جن ایام کو میں نے اللہ کی یاد سے کوسوں دور گزارا تھا، انہیں یاد کر کے بارہا میری آنکھیں

ڈبڈبا جاتیں اور میں بے ساختہ رونے لگتی تھی۔

میں اللہ تعالیٰ سے سوال کرتی ہوں کہ ''الٰہ العالمین میری اور میرے شوہر کی توبہ قبول فرمائے اور تمام مسلمانوں کو اپنے دامن بخشش و مغفرت میں جگہ عنایت فرمائے۔ آمین!''[1]

الواسع جل جلالہٗ کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہئے

واقعہ نمبر (۹۱): طائف سے آپ جنوب کی طرف سفر کرتے جائیں تو ایک پہاڑی سلسلہ ہے جہاں چھوٹے چھوٹے گاؤں ہیں۔ یہ وہی علاقہ ہے جہاں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا بچپن گزارا تھا۔ اماں حلیمہ سعدیہ اسی علاقے کی رہنے والی تھیں۔ ذرا نیچے چلے جائیں تو ابہا اور خمیس مشیط کا علاقہ ہے جو گرمیوں میں اپنے معتدل بل کہ قدرے سرد موسم کی وجہ سے مشہور ہے۔ پہاڑوں کے ان سلسلوں میں آج بھی آپ کو بدو بکریاں چراتے ہوئے نظر آئیں گے۔

''ابو مشہود'' نامی ایک چرواہا اپنے ساتھ بکریوں کا ریوڑ لے کر صبح کو نکلتا ہے۔ بارشوں کے بعد پہاڑوں پر خود رو پودے اس کی بکریوں کی خوراک بنتے، شام کو وہ چھوٹے چھوٹے جوہڑوں سے بکریوں کو پانی پلاتا ہوا اپنے گھر واپس آ جاتا۔ ایک دن شام ڈھلے اس کی بکریاں تو واپس آگئیں، مگر ابو مشہود واپس نہیں آیا۔ رات کے اندھیرے میں اس کا بیٹا اور دوسرے رشتہ دار اس کی تلاش میں نکلے، مگر ناکام واپس آئے۔ اگلے دن صبح سویرے پھر گاؤں سے نوجوانوں کا ایک گروہ ''ابو مشہود'' کو تلاش کرتا ہوا پہاڑ کے دامن ایک چشمے کے پاس پہنچا تو وہاں اس کی لاش پڑی تھی۔ جسم پر بندوق کی گولی کا نشان تھا۔ پولیس کو اطلاع دی گئی۔ واقعات، حالات اور شواہد واضح طور پر بتا رہے تھے کہ اس کا کسی دوسرے چرواہے کے ساتھ پانی پلانے پر جھگڑا ہوا ہے۔ چرواہوں کے درمیان جھگڑے معمول کا حصہ ہیں۔ عموماً چرواہے آپس میں اس بات پر لڑ پڑتے ہیں کہ کس کی بکریاں پہلے پانی پئیں گی۔ مگر یہ اختلاف اور جھگڑے معمولی نوعیت کے ہوتے ہیں جو اسی وقت نہ سہی اگلے دن ختم ہو جاتے ہیں۔ پولیس والوں نے لواحقین سے پوچھا کہ ان کو کس پر شک ہے یا اس کے ساتھ کون جھگڑا کر سکتا ہے؟

گھر والوں نے بتایا کہ وہ سیدھا سادا بے ضرر انسان تھا۔ اس کا کسی کے ساتھ کبھی جھگڑا نہیں ہوا، البتہ وہ فلاں فلاں کے ساتھ مل کر بکریاں چراتا تھا۔

معمولی تفتیش کے بعد پولیس نے علی بن عبدالرحمٰن کو گرفتار کر لیا جس نے بعد میں اعتراف جرم کر لیا۔ عدالت میں مقدمہ چلا اور واقعات، شواہد اور اعتراف جرم کی بنا پر قاضی نے فیصلہ سنایا کہ قاتل کو قتل کر دیا جائے۔ مقتول کا بڑا بیٹا مشہود اس وقت سترہ سال کا تھا مگر سب سے چھوٹا بیٹا اس وقت دودھ پیتا بچہ تھا۔ قاضی نے فیصلے میں لکھا کہ جب تک یہ بچہ

---

[1] سنہری کرنیں: صفحہ ۳۵۶ تا ۳۶۷ بحوالہ ''العائدون إلی اللّٰہ'' عبدالعزیز المسند ج ۲۔ مولف کا کہنا ہے کہ انہوں نے یہ قصہ خود ''لیلیٰ حلو'' کی آواز میں ایک کیسٹ کے حوالے سے سن کر اختصار کے ساتھ نقل کیا ہے۔

بالغ نہ ہو جائے، اس وقت تک حکم کی تنفیذ نہ کی جائے۔ چنانچہ قاتل کو جیل میں ڈال دیا گیا۔ اس وقت قاتل کی عمر ۴۲ سال کی تھی۔ اس کو جیل میں ۱۸ سال تک اپنی پھانسی کا انتظار کرنا پڑا کیونکہ جب تک سب سے چھوٹا بیٹا ۱۸ سال کا نہیں ہو جاتا، اس وقت تک فیصلے کی تنفیذ ناممکن تھی۔ اس کو اپنے دوسرے بھائیوں کے ساتھ یہ فیصلہ کرنا تھا کہ آیا قاتل کو معاف کر دیا جائے یا اس سے اپنے باپ کے خون کا بدلہ لیا جائے۔

علی بن عبدالرحمٰن نے یہ سارا وقت دو احتمالات کی کشمکش میں گزارا کہ آیا اس کو لواحقین معاف کرتے ہیں یا اسے قتل کی سزا ملے گی۔

ابومشہود کا چھوٹا بیٹا جو اب یتیم ہو چکا تھا، اس کا نام نجانے کیوں یتیم رکھا گیا تھا۔ پھر ایک دن آیا جب یتیم کی عمر ۱۸ سال ہو چکی تھی اور اب اسے اپنے بھائیوں کے ساتھ فیصلہ کرنا تھا کہ باپ کے قاتل کو معاف کرنا ہے یا بدلہ لینا ہے۔ ادھر دستور کے مطابق قبائل کے سرکردہ افراد جمع ہوئے انہوں نے ورثا سے کہا خون بہا لے لیں اور قاتل کو معاف کر دیں۔ عموماً سعودی عرب میں خون بہا کی قیمت کم وبیش ایک لاکھ بیس ہزار ریال ہے مگر یہ ورثا پر ہے کہ وہ اس رقم کو قبول کر لیں یا زیادہ کا مطالبہ کریں۔ ادھر ورثا نے انکار کر دیا کہ وہ خون بہا قبول نہیں کریں گے۔ رقم کی بولی لگتی گئی اور علی بن عبدالرحمٰن کے قبیلے نے دس لاکھ سعودی ریال تک دینے کا اعلان کر دیا۔

علی بن عبدالرحمٰن اپنے جیل کے حالات بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ جب میں جیل میں گیا تو میری عمر ۴۲ سال کی تھی۔ میں اس وقت جوان تھا اور اب میری عمر ۶۰ سال کی ہو چکی تھی۔ جیل گزارنا بھی ایک عذاب ہوتا ہے۔ میں ۸ سال تک ''بلجرشی'' نامی قصبے کی جیل میں رہا۔ اور باقی مدت ''الباحہ'' کی جیل میں گزاری۔ جیل میں کوئی نیا قیدی آتا تو اپنے واقعات اور حالات بیان کرتا۔ ایسے قصے اور واقعات ہم ہزاروں مرتبہ ایک دوسرے کو سنا چکے ہوتے۔ اس دوران میں نے جیل میں حلقہ تحفیظ القرآن الکریم کے ذریعے سے قرآن پاک پڑھنا سیکھا۔ لکھنا پڑھنا آیا تو کچھ کتابیں بھی پڑھنے لگا اور ایک طویل انتظار کے بعد وہ وقت آ گیا جب میری قسمت کا فیصلہ ہونا تھا۔ ادھر میرے قبیلے کے لوگ مسلسل معافی کے لئے بھاگ دوڑ کر رہے تھے، مگر اس کی کوئی صورت بنتی نظر نہ آتی تھی، میں امید و یاس کی کیفیت میں تھا۔

ایک دن صبح سویرے جیل کے حکام نے مجھے بلایا اور کہا کہ صلح کی ساری کوششیں ناکام ہو گئی ہیں، لہٰذا کل تمہیں پھانسی پر لٹکا دیا جائے گا۔ مجھے ان کے احکامات سن کر ذرا بھی خوف محسوس نہ ہوا۔ دراصل ۱۸ سال جیل میں رہنے کے بعد سارے خوف ختم ہو چکے تھے۔ میں زندگی سے ویسے ہی مایوس اور ناامید ہو چکا تھا۔ کل کا دن میری زندگی کا آخری دن ہوگا۔ میں نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ میں سوچ رہا تھا...... اپنا بچپن، اپنی جوانی ...... اپنی بیوی بچے، رشتہ دار، احباب ...... دوست، خاندان اور قبیلے کے افراد یاد آئے، جنہوں نے اب دیت کے دس لاکھ ریال کے علاوہ اس میں ایک قطعہ زمین بھی شامل کر دیا تھا۔ میں نے جتنا قرآن یاد تھا، پڑھ لیا۔ وہ رات میری زندگی کی عجیب د

غریب رات تھی۔ ساری رات نیند نہ آئی۔ میں نے ذکر اذکار اور نوافل میں وقت گزار دیا۔ صبح سویرے ہی جیلر آ گیا۔ میرے قدموں میں بیڑیاں ڈال دی گئیں۔ ہاتھوں میں ہتھکڑیاں، ساتھیوں نے اشک بار آنکھوں سے الوداع کیا۔ میں نے بڑی حسرت کے ساتھ ان دیواروں پر آخری نظر ڈالی اور پولیس کی کڑی نگرانی میں چل پڑا۔ جیل کی گاڑی کا دروازہ کھلا اور مجھے اندر دھکیل دیا گیا اور تھوڑی دیر کے بعد میدانِ قصاص میں اتارا گیا۔ میری آنکھوں پر پٹی بندی ہوئی تھی۔ مگر لوگوں کی آوازیں میرے کانوں میں آ رہی تھیں۔ یہ خمیس مشیط کا مرکزی چوک تھا۔ لوگوں کی ایک بڑی تعداد میرے قتل کا منظر دیکھنے کے لئے جمع تھی۔ میرے رشتہ دار، عزیز و اقارب ایک دن پہلے مجھ سے الوداعی ملاقات کر چکے تھے۔ مجھے بٹھا کر عدالتی اہلکار نے میرے جرم کا اعلان کیا...... میرا اعتراف جرم اور قاضی کا فیصلہ، سپریم کورٹ کا فیصلہ۔ سب لوگ دم بخود سن رہے تھے۔ پھر جلاد کو حکم دیا گیا کہ مجرم کا سر قلم کر دیا جائے۔ وہ آگے بڑھا اس نے تلوار اپنی میان سے نکالی۔ میں نے کلمہ پڑھتے ہوئے سوچا ابھی تلوار میری گردن کو الگ کر دے گی۔ میں نے اپنی ساری قوتوں کو جمع کیا کہ اچانک ایک آواز گونجی:

"غَفَرْتُ لَکَ لِوَجْہِ اللّٰہِ تَعَالٰی"

ترجمہ: "جاؤ میں نے تمہیں اللہ کی رضا کے لئے معاف کر دیا"

یہ مقتول کے بڑے بیٹے کی آواز تھی۔ لوگ جو تصور میں میری لاش دیکھ رہے تھے، اب معافی کا اعلان سن رہے تھے۔ سارا چوک "اللہ اکبر" کی آواز سے گونج اٹھا۔ "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ" ہر شخص کی زبان پر تھا۔ مجھ سمیت کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ مجھے معافی مل سکتی ہے۔ میں بے ہوش ہو چکا تھا...... مجھے اٹھا کر دوبارہ گاڑی میں ڈالا گیا اور دوبارہ جیل میں لے آئے۔ ہر چند کہ لواحقین نے مجھے معاف کر دیا تھا مگر میری رہائی میں قانونی کارروائی باقی تھی۔ مجھے اور میرے رشتہ داروں کو معلوم نہ تھا کہ مجھے کس روز جیل سے رہائی ملے گی۔

آخر وہ دن بھی آ گیا کہ مجھے جیلر نے بلا کر بتایا کہ سارے قانونی تقاضے پورے ہو چکے ہیں، لہٰذا تمہیں ابھی رہا کیا جا رہا ہے۔ میری زندگی کا نیا آغاز ہو رہا تھا۔ خوشی کے اس موقع پر مجھے اتنا وقت بھی نہ ملا کہ میں اپنے رشتہ داروں کو اطلاع دے سکوں کہ میں رہا ہو چکا ہوں اور میں آ رہا ہوں۔ میں جیل سے نکلا۔ ایک ٹیکسی نظر آئی، میں نے اس کو اشارہ کیا اور لپک کر اس میں بیٹھ گیا۔ میرے ذہن میں اپنا گھر آیا، رشتہ دار یاد آئے، وہ کون سا وقت ہوگا کہ میں ان کے درمیان ہوں گا۔

مگر اچانک ہی میں نے ایک فیصلہ کیا۔ مجھے سب سے پہلے "ابومشہود" کے گھر جانا چاہئے تاکہ ان کا شکریہ ادا کروں، اس کے بیٹوں کا، اس کے بھائیوں اور دیگر رشتہ داروں کا۔ میں نے اپنی یادداشت کو بحال کرنا شروع کیا۔ اٹھارہ سالوں میں ہر چیز ہی بدل چکی تھی۔ میں نے ٹیکسی والے کو گاؤں کا پتہ بتایا اور میں تھوڑی دیر کے بعد "ابومشہود" کے

خاندان والوں سے مل رہا تھا۔

''میرے پاس آپ لوگوں کا شکریہ ادا کرنے کے کلمات نہیں ہیں۔ یہ الفاظ کافی نہیں کہ میں آپ کا شکرہ ادا کروں۔ بلاشبہ اصل بدلہ تو آپ کو اللہ ہی عطا کرے گا۔''

میں ان کو گلے لگا رہا تھا، ان کے ماتھے چوم رہا تھا۔

اب مقتول کا بڑا بیٹا مشہود گویا ہوا: ''بیٹھو میں تمہیں اپنی کہانی سناتا ہوں۔''

''تمہیں معلوم ہے کہ تمہارے خاندان کی طرف سے ہمیں دس لاکھ ریال کی پیش کش کی گئی اور بعد میں زمین کا قطعہ بھی پیش کیا گیا۔ اس کے علاوہ مجھے کتنے ہی لوگوں نے معاف کرنے کا مشورہ دیا۔ مگر ہم نے ہر پیش کش کو ٹھکرا دیا۔ ایک دن ہم سارے گھر والے اکٹھے ہوئے۔ میری والدہ بھی اب میرے پاس ہی رہتی ہیں۔ میرا چھوٹا بھائی یتیم اب جوان ہو چکا ہے۔ تمام گھر والوں نے مجھے تحریری طور پر لکھ دیا کہ میں جو بھی فیصلہ کروں انہیں منظور ہے۔ میرے پاس جو بھی سفارش لے کر آتا، میرے غصے میں مزید اضافہ ہو جاتا۔ میری آنکھوں کے سامنے والد کی شکل آ جاتی جو مجھے بدلہ لینے پر ابھارتی۔ لہٰذا میں نے ہر سفارش ہر مشورہ ٹھکرا دیا۔ میرا ایک ہی جواب ہوتا کہ ہمیں رقم نہیں چاہئے، ہم بدلہ چاہتے ہیں، صرف بدلہ۔ یوں میں نے سب کو انکار کر دیا۔

ایک دن پھر ہم سارے گھر والے اکٹھے ہوئے۔ میں نے ان سے کہا: ''تم لوگوں کا کیا خیال ہے اگر ہم قاتل کو رضائے الٰہی کی خاطر معاف کر دیں اور یہ ہمارے والد کی طرف سے صدقہ ہو۔'' اس دن ہم نے بہت غور و فکر کیا۔ بڑی بحث کے بعد یہ فیصلہ ہوا کہ ہاں ہمیں لوجہ اللہ معاف کر دینا چاہئے۔ ہم نے اس بات پر اتفاق کیا کہ کسی کو قطعاً اس بات کا علم نہیں ہونا چاہئے۔

ادھر عدالتی کارروائی جاری تھی، ہم سے پوچھا گیا کہ کیا صلح کی کوئی امید یا صورت ہے؟ مگر میں نے مکمل انکار کر دیا حتیٰ کہ ''الباحہ'' کی پولیس کو حکم تنفیذ کا آرڈر مل گیا۔ مجھ سے آخری مرتبہ پھر پوچھا گیا کہ ''...... کیا تم معاف کرتے ہو یا قصاص لینا چاہتے ہو؟'' میں نے معاف کرنے سے انکار کر دیا اور قصاص لینے پر اصرار کیا، اور پولیس والوں سے کہا کہ میں اپنے بھائیوں اور عزیز و اقارب سمیت قصاص کے وقت حاضر ہوں گا۔

پھر جب تمہیں میدانِ قصاص (عدل) میں لایا گیا، تمہاری آنکھوں پر پٹی بندھی ہوئی تھی اور تم ہمیں نہیں دیکھ رہے تھے۔ عدالتی اہلکار نے جرم، تمہارا اعترافِ جرم اور قاضی کا فیصلہ پڑھ کر سنایا اور پھر جلاد نے تلوار نکال لی۔ وہ تمہاری گردن مارنے جا رہا تھا کہ میں نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روکا اور آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور ساتھ ہی اعلان کیا کہ میں نے اللہ کے لئے تمہیں معاف کر دیا۔

میں کسی شخص سے کوئی تعریف یا مدح نہیں چاہتا تھا۔ میں نے سارا کام اللہ کی رضا کے لئے کیا ہے۔ اگر میں اپنی

مدح یا شہرت چاہتا تو جب میرے پاس سفارشیں آ رہی تھیں، مجھے دس لاکھ ریال کی پیش کش ہوئی تھی، میں اس کو قبول کر لیتا، مگر میں نے اپنے والد کی طرف سے صدقہ کیا ہے، اللہ اس کو قبول فرمائے۔"

اور یوں قارئین، ابومشہود نے ایک سنہرا فیصلہ کر کے اپنے قبیلے کی تاریخ میں سنہری باب رقم کیا۔[1]

فوائد و نصائح

❶ بندہ کا اس اسم سے حصہ یہ ہے کہ: "الواسع جل جلالہٗ" کی بادشاہت کی وسعت میں غور وفکر کرے، سخاوتِ طبعی کو اپنے اندر پیدا کرے، نفس کے اعتبار سے مستغنی رہے، ضائع ہونے والی چیز کے ضائع ہونے پر (شریعت کی حدود سے تجاوز کر کے) افسوس نہ کرے اور خواہشات کے حصول کے لئے (شریعت کی حدود سے تجاوز کر کے) اہتمام نہ کرے ملازموں کو بقدر گنجائش اُن کے حق سے زیادہ دے، عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ میں بونس دے، ملازموں کی شادی، بچے کی پیدائش پر ان کی تنخواہ میں اضافہ کرے، رکشا/ٹیکسی والوں سے جو کرایہ طے کیا اُس سے کچھ زیادہ دے، اسی طرح ملازمین کو چاہئے کہ ادارہ میں کام دل کی وسعت کے ساتھ کرے، اپنے ذمہ دار کی چاہت پہچان کر کام کرے اور "الواسع جل جلالہٗ" سے وسعت کی اُمید رکھے۔"[2]

❷ بندے کی وسعت اس کے اخلاق و اعمال میں ہوتی ہے، لہٰذا اچھے اعمال اور اخلاق پر کار بند رہنا چاہئے، تاکہ اس کی وسعت کا فائدہ عام ہو۔

❸ ہر خیر اور بھلائی "الواسع جل جلالہٗ" کی وسعت اور فضل سے ہے۔ تمام بندوں کو رزق پہنچاتا ہے، آسمانوں و زمین کی ہر چیز تک اس کی پہنچ ہے کوئی چیز اس نظر کی وسعت سے غائب نہیں، لہٰذا ہر طرح کی وسعت صرف اور صرف "الواسع جل جلالہٗ" سے مانگے غیراللہ کے در پر نہ جائے۔

---

[1] اس واقعہ کو سعودی عرب کے روزنامے عکاظ کے شمارہ نمبر ۸۴۳۹، ۱۴۱۰ سے لیا گیا۔ محترم ابراہیم حازمی نے اپنی کتاب "الفرج بعد الشدة والضيقة" کے اندر بھی اس کا ذکر کیا ہے۔ بیت العلم نے اس کا "پریشانی کے بعد راحت" کے نام سے ترجمہ بھی طبع کیا ہے راقم (مولف) نے اسے معمولی تصرف کے ساتھ اپنے الفاظ میں لکھ دیا ہے۔ سنہرے فیصلے: ص ۱۱۳ تا ۱۱۹

[2] وَحَظُّ الْعَبْدِ مِنْهُ اَنْ يَّسْعٰى فِیْ سِعَةِ مَعَارِفِهٖ وَأَخْلَاقِهٖ وَيَكُوْنَ جَوَّادًا بِالطَّبْعِ غَنِیَّ النَّفْسِ لَايَضِيْقُ قَلْبُهٗ بِفَقْدِ الْفَائِتِ وَلَا يَهْتَمُّ بِتَحْصِيْلِ الْمَآرِبِ (مرقاة شرح مشکوٰۃ: کتاب اسماء اللّٰہ تعالٰی: ۸۹/۵)

جلد اوّل میں ذکر کی گئی دعاؤں کی فہرست اور فوائد وفضائل

جلد اوّل میں بیان کیئے گئے واقعات کی فہرست